

بسم الله الرحمن الرحيم  
﴿فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾

# فتاوى دارالعلوم زكريا

جلد ششم

”باب الرهن ، باب الغصب ، باب اللقطة ، باب المزارعة والمساقاة ،  
كتاب الصيد والذبائح ، أبواب الأضحية والعقيقة ، كتاب الحظر والإباحة“

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث و صدر مفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

حضرت مولانا شبیر احمد سالو جی صاحب مدظلہ

مہتمم دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

تہذیب و تحقیق

محمد الیاس بن افضل شیخ، گھلا، سورت عفی عنہ

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقہ

جملہ حقوق بحق دارالافتاء دارالعلوم زکریا محفوظ ہیں۔

نام کتاب:..... فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ششم (۶)۔

اشاعت اول:..... دسمبر ۲۰۱۳ء ، زم زم پبلشرز، کراچی، پاکستان۔

اشاعت دوم:..... مئی ۲۰۱۶ء ، دہلی، ہندوستان۔

کتابت و کمپوزنگ:..... دارالافتاء، دارالعلوم زکریا۔

تعداد صفحات:..... ۸۲۸۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
اجمالی فہرست فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ششم

صفحہ نمبر	فہرست کتب و ابواب	✽
۴۷	باب الرهن	✽
۶۲	باب النصب	✽
۸۸	باب اللقطة	✽
۱۰۰	باب المزارعة والمساقاة	✽
۱۱۲	كتاب الصيد والذبائح	✽
۱۱۳	باب ..... ﴿۱﴾ ذبح کرنے کے احکام کا بیان	✽
۲۲۸	باب ..... ﴿۲﴾ ما یؤکل لحمہ من الحیوانات وما لا یؤکل	✽

۲۹۹	باب ..... ﴿۳﴾ أحكام الأضحية	✽
۳۰۰	فصل اول وجوب اور ادائیگی وجوب سے متعلق احکام کا بیان	✽
۳۲۸	فصل دوم قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام کا بیان	✽
۳۸۴	فصل سوم قربانی کے گوشت اور کھال کے احکام کا بیان	✽
۳۹۵	تنویر الزوايا فی مصارف ثمن جلود الضحايا	✽
۴۲۳	فصل چہارم قربانی سے متعلق متفرق احکام کا بیان	✽
۴۶۳	تکبیرات تشریق سے متعلق چند مسائل	✽
۴۶۷	باب ..... ﴿۴﴾ أحكام العقیة	✽
۴۶۸	فصل اول عقیقہ کے احکام کا بیان	✽



۴۹۸	فصل دوم نومولود سے متعلق احکام کا بیان	❁
۵۰۸	کتاب الحظر والاباحۃ	❁
۵۰۹	باب ..... ﴿۱﴾ أحكام الأكل والشرب	
۵۱۰	فصل اول کھانے سے متعلق احکام کا بیان	
۶۳۳	فصل دوم احکام الشرب کا بیان	❁
۶۷۶	باب ..... ﴿۲﴾ ضیافت و مہمانی کے آداب و احکام کا بیان	❁
۷۱۶	باب ..... ﴿۳﴾ احکام التداوی	❁
۸۰۵	مصادر و مراجع	❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
فہرست عنوانات  
فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ششم

۳۶	پیش لفظ:	❁
۳۷	مقدمہ:	❁
۳۲	فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف و تبصرے:	❁
۳۳	دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر:	❁
<p>باب الرهن</p> <p>گروی رکھنے کے احکام کا بیان</p>		
۴۸	شی مرہون سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم:	❁
۵۲	شی مرہون کو عاریت پر دینے کا حکم:	❁
۵۳	مرہون مکان راہن کو عاریت پر دینے کا حکم:	❁
۵۴	پگڑی کی دکان بطور رہن رکھنے کا حکم:	❁
۵۵	مرتبہ کو وکیل بالبیع بنانے کا حکم:	❁
۵۶	بلا اجازت راہن رہن کو فروخت کرنے کا حکم:	❁
۵۸	نا جائز اموال کو بطور رہن رکھنے کا حکم:	❁
۵۹	حکومت کے قانون کے تحت مرتبہ کا مرہون پر قبضہ کر لینے کا حکم:	❁
۶۰	اشکال اور جواب:	❁

۶۰	..... شئی مرہون کے ہبہ میں قبضہ کا حکم:	❁
	<b>باب الغصب</b>	
	<b>غصب کے احکام کا بیان</b>	
۶۳	..... تاوان ادا کرنے کے بعد شئی مغصوب کا حکم:	❁
۶۴	..... شئی مغصوب خراب ہونے پر تاوان کا حکم:	❁
۶۶	..... عقار کے غصب کا حکم:	❁
۶۸	..... شئی مغصوب میں کمی واقع ہونے کا حکم:	❁
۶۹	..... منافع غصب کا حکم:	❁
۷۱	..... مکان کے غصب پر تاوان کا حکم:	❁
۷۲	..... غلہ غصب کر کے اس کی کاشت کا حکم:	❁
۷۴	..... شئی مغصوب سے انتفاع کا حکم:	❁
۷۵	..... غیر جنس سے حق وصول کرنے کا حکم:	❁
۷۷	..... بچہ کو اغوا کرنے پر تاوان کا حکم:	❁
۷۹	..... غصب کردہ اموال کے منافع کا حکم:	❁
۸۰	..... کافر مغصوب منہ کی طرف سے صدقہ کا حکم:	❁
۸۲	..... غیر مسلم کو آخرت میں طاعات پر اجر ملنے کا حکم:	❁
۸۷	..... ایک اشکال اور اس کا جواب:	❁
	<b>باب القطة</b>	
	<b>احکام لقطہ کا بیان</b>	
۸۹	..... باورچی خانہ میں آٹے کے بیگ کا حکم:	❁

۹۱	.....میج میں سے کوئی قیمتی چیز برآمد ہونے کا حکم:	✽
۹۲	.....مالک کے لاپتہ ہونے پر امانت کا حکم:	✽
۹۳	.....لاوارث میت کے مال کا حکم:	✽
۹۴	.....لقطہ فروخت کرنے کا حکم:	✽
۹۵	.....لقطہ کی تعریف کا طریقہ:	✽
۹۶	.....سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کے استعمال کا حکم:	✽
۹۸	.....ٹھیک کرنے کے لیے کوئی چیز دی پھر مالک نہیں آیا:	✽
۹۹	.....مدرسہ میں طلبہ کی کتاب، کاپی کا حکم:	✽

## باب المزارعة والمساقاة

### مزارعت اور مساقات کے احکام کا بیان

۱۰۱	.....مزارعت کا شرعی حکم:	✽
۱۰۴	.....بلا تعین مدت مزارعت پر دینے کا حکم:	✽
۱۰۵	.....مزارعت کی چند صورتیں اور ان کے احکام:	✽
۱۰۷	.....کسی کی زمین میں کاشت کرنے کا حکم:	✽
۱۰۹	.....مساقات کا شرعی حکم:	✽

## کتاب الصيد والذبائح

### باب ..... ﴿۱﴾

### ذبح کرنے کے احکام کا بیان

۱۱۳	.....جانور کو ذبح سے پہلے بے ہوش کرنے کا حکم:	✽
-----	---	---

۱۱۸	رہنہ بچکن کا حکم:	✽
۱۲۰	اشکالات اور ان کے جوابات:	✽
۱۲۰	(۱) پہلا اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۰	(۲) دوسرا اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۲	(۳) تیسرا اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۳	(۴) چوتھا اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۴	(۵) پانچواں اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۵	(۶) چھٹا اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۶	(۷) ساتواں اشکال اور اس کا جواب:	✽
۱۲۷	بوقت ذبح استقبال قبلہ کا حکم:	✽
۱۲۹	دیگر ائمہ کا موقف:	✽
۱۲۹	مذہب مالک:	✽
۱۲۹	مذہب شافعی:	✽
۱۳۰	مذہب حنابلہ:	✽
۱۳۰	بوقت ذبح فقط ”بسم اللہ“ کہنے کا حکم:	✽
۱۳۲	متروک التسمیہ عدا کا حکم:	✽
۱۳۶	ذبح بالنار کا حکم:	✽
۱۳۸	لیٹ ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:	✽
۱۴۰	ذبح فوق العقدہ کا حکم:	✽
۱۴۵	بلا حرکت و بلا سیلان دم ذبیحہ کا حکم:	✽
۱۴۶	ذبح اختیاری کی جگہ اضطراری استعمال کرنے کا حکم:	✽

۱۴۷	جانور کوہشیات کے ذریعہ قابو میں لانے کا حکم:	✽
۱۴۹	منکر حدیث کے ذبیحہ کا حکم:	✽
۱۵۱	غیر اللہ کی تعظیم میں ذبح شدہ جانور کا حکم:	✽
۱۵۳	شیعہ، بریلوی کے ذبیحہ کا حکم:	✽
۱۵۵	زندیق کے احکام:	✽
۱۵۶	قادیانی اور آغا خانی کے ذبیحہ کا حکم:	✽
۱۵۹	ذبايح اہل کتاب کا حکم:	✽
۱۵۹	پہلا قول:	✽
۱۶۱	دوسرا قول:	✽
۱۶۲	تیسرا قول:	✽
۱۶۲	اہل کتاب سے کون مراد ہے؟	✽
۱۶۳	کتابی کے لیے بوقت ذبح تسمیہ کا حکم:	✽
۱۶۵	مشینی ذبیحہ کا حکم:	✽
۱۶۵	پہلا قول:	✽
۱۶۸	دوسرا قول:	✽
۱۷۱	مشینی ذبیحہ کی صحیح اور غیر مشکوک متبادل صورت:	✽
۱۷۱	حضرت مفتی محمود صاحب کے فتوے پر اشکال اور جواب:	✽
۱۷۲	کانٹے سے مچھلی کے شکار کا حکم:	✽
۱۷۴	غیر ماکول اللحم جانور کے شکار کا حکم:	✽
۱۷۵	چوری کا جانور ذبح کرنے کا حکم:	✽
۱۷۶	دوسرے کی زمین میں شکار کرنے کا حکم:	✽

۱۷۷	مقتطوع الرأس پرندہ کو ذبح کرنے کا حکم:	✽
۱۷۸	تسمیہ واحدہ سے چند مرغیاں ذبح کرنے کا حکم:	✽
۱۸۰	شوقہ شکار کا حکم:	✽
۱۸۱	فارم میں شکار کرنے کا حکم:	✽
۱۸۴	فارم میں داخلہ کی فیس وصول کرنے کا حکم:	✽
۱۸۵	شکار کے لیے زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا:	✽
۱۸۶	نابالغ بچہ کے شکار کا حکم:	✽
۱۸۹	”إبراز الدقائق في حكم صيد البنادق“	✽
	بندوق سے شکار کا حکم	
۱۹۰	حدیث پاک کی تشریح:	✽
۱۹۰	معراض کی تعریف اور اسکی اقسام:	✽
۱۹۰	خرق اور نقد کی تشریح:	✽
۱۹۱	موقوفہ کی وضاحت اور اس کا حکم:	✽
۱۹۲	ذبح اضطراری کا رکن اور اسکی شرائط:	✽
۱۹۳	بندوق سے شکار کی حلت فقہاء کی عبارات اور مفتیان کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں:	✽
۱۹۳	علامہ شیخ محمد عابد سندی صاحب طوابع الانوار حاوی علی الدر المختار کا فتویٰ:	✽
۱۹۷	مفتی دمشق، شام علامہ شیخ محمود بن محمد الحمر اوی الحنفی الحسینیؒ کا تفصیلی فتویٰ:	✽
۲۰۰	علامہ عینیؒ کا میلان:	✽
۲۰۱	علامہ مولانا ابوسعید محمد بن مصطفیٰ بن عثمان الخادمیؒ کا فتویٰ:	✽
۲۰۲	علامہ شیخ محمد بن عبد اللطیف ابن ملکؒ کی رائے:	✽
۲۰۲	شیخ سعید بن سالم الغامدیؒ کی ترجیح:	✽

۲۰۲	فتاویٰ ابن نجیم قابل اعتماد نہیں:	✽
۲۰۳	محمد بیرم بن مصطفیٰ کا فتویٰ:	✽
۲۰۳	بندوق کے شکار کے جواز پر علمائے مالکیہ کے فتاویٰ:	✽
۲۰۳	(۱) شیخ عبدالرحمن مالکی:	✽
۲۰۴	(۲) شیخ محمد عربی مالکی:	✽
۲۰۴	(۳) شیخ محمد عیش مالکی:	✽
۲۰۴	(۴) علامہ دریر مالکی:	✽
۲۰۵	(۵) علامہ شمس الدین دسوقی:	✽
۲۰۵	بندوق کے شکار کے جواز پر علمائے حنابلہ کے فتاویٰ:	✽
۲۰۵	(۱) شیخ صالح فوزان:	✽
۲۰۵	(۲) شیخ ابن ضویان حنبلی:	✽
۲۰۶	(۳) شیخ محمد بن صالح العثیمین:	✽
۲۰۶	(۴) علامہ شوکانی:	✽
۲۰۶	(۵) شیخ عبدالقادر بن بدران دمشقی کا رسالہ:	✽
۲۰۶	بندوق کے شکار پر اعتراضات اور ان کے جوابات:	✽
۲۰۷	علامہ شامی کا اعتراض:	✽
۲۰۷	بندوق کی گولی سے احراق ہوتا ہے یا نہیں؟	✽
۲۰۸	حدیث سے بندوق کے شکار کی ممانعت اور اس کا جواب:	✽
۲۰۹	شیخ شعیب الارؤوط کا جواب:	✽
۲۰۹	شیخ عبدالقادر دمشقی کا جواب:	✽
۲۱۰	شیخ محمد صدیق حسن خان کا جواب:	✽



۲۱۰	..... بعض اکابر اور مفتیان کرام کے شبہات پر ایک نظر:	✽
۲۱۱	..... (۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت:	✽
۲۱۲	..... زمانہ ماضی کے بندہ کی حقیقت:	✽
۲۱۳	..... (۲) فتاویٰ محمودیہ کی عبارت:	✽
۲۱۴	..... (۳) تذکرۃ الرشید کی عبارت:	✽
۲۱۵	..... (۴) صاحب احسن الفتاویٰ کے چند اعتراضات:	✽
۲۱۶	..... اعتراض (۱) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۶	..... اعتراض (۲) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۶	..... اعتراض (۳) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۶	..... اعتراض (۴) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۷	..... اعتراض (۵) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۷	..... اعتراض (۶) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۸	..... اعتراض (۷) اور اس کا جواب:	✽
۲۱۸	..... (۵) تفسیر عثمانی کی عبارت:	✽
۲۱۸	..... (۶) آپ کے مسائل اور ان کا حل:	✽
۲۱۸	..... ایک شبہ کا ازالہ:	✽
۲۱۹	..... بندوق کی ایجاد کونسی صدی میں ہوئی؟	✽
۲۲۰	..... بعض مفتیان کرام کے مزید شبہات اور ان کے جوابات:	✽
۲۲۰	..... شبہ (۱) اور اس کا جواب:	✽
۲۲۲	..... تجربہ اور مشاہدہ:	✽
۲۲۳	..... شبہ (۲) اور اس کا جواب:	✽

۲۲۳	شبہ (۳) اور اس کا جواب:	✽
۲۲۴	شبہ (۴) اور اس کا جواب:	✽
۲۲۵	تصاویر میں جرح اور انہار الدم کا مشاہدہ:	✽
۲۲۶	شکار کے مسئلہ پر مقالہ تحریر کرنے کے اسباب:	✽
۲۲۶	سبب نمبر (۱):	✽
۲۲۶	سبب نمبر (۲):	✽
۲۲۷	سبب نمبر (۳):	✽
<p>باب ..... ﴿۲﴾</p> <p>مایٹو کل لحمہ من الحیوانات</p> <p>وما لا یٹو کل</p> <p>ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے احکام</p>		
۲۲۹	ہاتھی کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:	✽
۲۳۲	زرافہ کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:	✽
۲۳۴	زیرے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:	✽
۲۳۵	کنگرہ کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:	✽
۲۳۶	کوءے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:	✽
۲۳۹	جدید تحقیق کے اعتبار سے کوءے کی اقسام:	✽
۲۴۰	گدھے کا گوشت حرام ہونے کی حکمت:	✽
۲۴۲	گھوڑے کے گوشت کا شرعی حکم:	✽
۲۴۳	امام صاحب کے دلائل:	✽

۲۴۵	اعتراضات اور جوابات:.....	✽
۲۴۵	اعتراض (۱) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۶	اعتراض (۲) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۶	اعتراض (۳) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۷	اعتراض (۴) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۷	اعتراض (۵) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۷	اعتراض (۶) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۴۹	اعتراض (۷) اور اس کا جواب:.....	✽
۲۵۱	خزگوش کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۲	بارہ سنگھا کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۳	ہد ہد کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۴	ابابیل کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۵	دلدل کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۶	قفقہ اور دلدل کے درمیان افغانی علماء کے فروق:.....	✽
۲۵۷	قفقہ (سیہ) کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۸	جھینگا کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۵۹	جھینگے سے متعلق حضرات اکابر کا معمول:.....	✽
۲۶۱	وہیل مچھلی کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۶۲	کیٹ فیش کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۶۳	شارک مچھلی کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۶۵	چند قسم کی مچھلیوں کے شرعی احکام:.....	✽

۲۶۶	(۱) کیڑا:۔ (crab):.....	✽
۲۶۶	(۲) الدفین۔ (dolphin):.....	✽
۲۶۶	(۳) الموت۔ (whale) [وہیل]:.....	✽
۲۶۶	(۴) الاخطبوط:۔ (octopus):.....	✽
۲۶۶	(۵) القرش:۔ (shark):.....	✽
۲۶۷	(۶) جھینگا:۔ (prawns):.....	✽
۲۶۷	(۷) کلما ری کھانے کا حکم:.....	✽
۲۶۷	خاص طریقہ پر مچھلی کو مار کر کھانے کا حکم:.....	✽
۲۶۸	لاٹھی سے مار کر مچھلی کھانے کا حکم:.....	✽
۲۶۹	چھوٹی مچھلی بلا صفائی کے کھانے کا حکم:.....	✽
۲۷۲	مذاہب اربعہ میں کیڑا کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۷۴	عجل البحر کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۷۵	حلال جانوروں میں اعضائے محرمہ و مکروہ کی وضاحت:.....	✽
۲۷۸	حرام مغز کھانے کا شرعی حکم:.....	✽
۲۸۲	خود و کا شرعی حکم:.....	✽
۲۸۵	اوجھڑی اور آنتوں کا حکم:.....	✽
۲۸۷	کرے فیش (Cray fish) کھانے کا حکم:.....	✽
۲۸۸	حلال جانوروں کی فہرست (نقشہ):.....	✽
۲۹۱	حرام جانوروں کی فہرست (نقشہ):.....	✽
۲۹۵	مچھلیوں کی چند اقسام (نقشہ):.....	✽

## باب ..... ﴿۳﴾ أحكام الأضحية

قربانی کے مسائل کا بیان:

### فصل اول

وجوب اور ادائیگی وجوب سے متعلق احکام

۳۰۰	آیت کریمہ: ﴿وانحر﴾ سے قربانی کے فرض ہونے کا شبہ:.....	✽
۳۰۲	وجوب قربانی کا نصاب:.....	✽
۳۰۴	عورت پر زیورات کی وجہ سے قربانی کا حکم:.....	✽
۳۰۸	نابالغ بچے پر وجوب قربانی کا حکم:.....	✽
۳۰۹	زوج کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنے کا حکم:.....	✽
۳۱۰	گھر کے ہر فرد پر وجوب قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۱	شرکاء میں سے ایک نے قضا کی نیت کی تو قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۲	مالکان کی طرف سے بلا تعیین قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۴	بلا تعیین شرکاء تین گایوں کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۵	غلطی سے ایک دوسرے کے جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۶	ایک شریک کے گوشت کی نیت کرنے سے قربانی کا حکم:.....	✽
۳۱۸	قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:.....	✽
۳۲۰	فقیر کا قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:.....	✽
۳۲۲	قربانی زائد قیمت پر فروخت کرنے کا حکم:.....	✽
۳۲۴	قربانی کا جانور خریدنے کے بعد شرکت کا حکم:.....	✽

۳۲۵	ساتواں حصہ نبی کریم ﷺ کے لیے رکھنے کا حکم:.....	✽
۳۲۸	”إضاءة الضواحي في اعتبار مكان الأضاحي“ قربانی میں مکان وکیل و اضحیہ کا اعتبار ہے	✽
۳۲۹	(۱) قربانی کا اصل وجوب فی الذمہ غنا سے آجاتا ہے:.....	✽
۳۳۲	(۲) جدید موقف کے ساتھ مناقشہ:.....	✽
۳۳۳	(۳) جدید موقف کا مفسدہ عظیم:.....	✽
۳۳۳	(۴) جدید موقف میں متواتر عمل کا بطلان:.....	✽
۳۳۴	ہمارے دارالافتاء کا موقف:.....	✽
۳۳۴	فقہاء کی عبارت سے واضح اور بے غبار استدلال:.....	✽
۳۳۵	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات سے استشہاد لطیف:.....	✽
۳۳۶	حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کافتویٰ:.....	✽
۳۳۷	مفتی ظفر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند کافتویٰ:.....	✽
۳۳۸	تیرہ ذی الحجہ کو قربانی کرنے کا حکم:.....	✽
۳۴۰	حدیث ”الأضاحی یومان بعد یوم النحر“ کی تحقیق:.....	✽
۳۴۱	بلا تعین اپنی اور موکل کی طرف سے قربانی کا حکم:.....	✽
۳۴۲	غصب کردہ بکری کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۴۳	شاؤ مسروقہ کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۴۴	ایک اشکال اور جواب:.....	✽
۳۴۶	بیع فاسد سے خریدی ہوئی بکری کی قربانی کا حکم:.....	✽

	فصل دوم	
	قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام کا بیان	
۳۴۹	ہرن کی قربانی کرنے کا حکم:.....	✽
۳۵۰	قربانی کے لیے افضل و بہتر جانور:.....	✽
۳۵۲	دو سال سے کم عمر گائے کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۵۳	قربانی کے جانور کے دانت کا حکم:.....	✽
۳۵۵	مکسورۃ القرن جانور کی قربانی کرنے کا حکم:.....	✽
۳۵۶	بوقت ذبح سینک کے جڑ سے ٹوٹ جانے کا حکم:.....	✽
۳۵۷	پیدائشی کان نہ ہو تو قربانی کا حکم:.....	✽
۳۵۹	پیدائشی چھوٹے کان والے جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۶۰	شرقاء اور خرقاء جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۶۳	”عبارات الكتب فی التضحیة بمقطوع الذنب“	✽
	دُم بریدہ جانور کی قربانی کا حکم	
۳۷۶	تھن کٹے جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۷۷	گائے کا ایک تھن نہ ہو تو قربانی کا حکم:.....	✽
۳۷۷	گائے کے تین تھنوں میں دودھ نہ ہو تو قربانی کا حکم:.....	✽
۳۷۸	بغیر مرض کے دودھ خشک ہو جائے تو قربانی کا حکم:.....	✽
۳۷۹	حاملہ جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۸۰	خراب گوشت والے جانور کی قربانی کا حکم:.....	✽
۳۸۱	قربانی میں گھوڑا ذبح کرنے کا حکم:.....	✽

۳۸۲	مذاہب اربعہ میں گھوڑے کی قربانی درست نہیں:.....	❁
	<b>فصل سوم</b>	
	<b>قربانی کے گوشت اور کھال کے احکام کا بیان</b>	
۳۸۵	کھانا مشترک ہو تو تقسیم لحم کا حکم:.....	❁
۳۸۶	تخمینہ سے تقسیم لحم کا حکم:.....	❁
۳۸۹	غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم:.....	❁
۳۹۰	لحم اضحیہ بیت زکوٰۃ دینے کا حکم:.....	❁
۳۹۱	قربانی کا سارا گوشت خود کھالینے کا حکم:.....	❁
۳۹۲	حرم قربانی کی رقم تبدیل کرنے کا حکم:.....	❁
۳۹۳	”تنویر الزوايا في مصارف ثمن الضحايا“	
	<b>حرم قربانی کی رقم کے مصرف کا بیان</b>	
۳۹۸	پہلی جماعت کا موقف:.....	❁
۳۹۹	دوسری جماعت کا موقف:.....	❁
۴۰۰	دوسرے مسلک کے نظائر:.....	❁
۴۰۰	پہلی نظیر لفظ ہے:.....	❁
۴۰۳	دوسری نظیر وقف ہے:.....	❁
۴۰۵	تیسری نظیر وصیت ہے:.....	❁
۴۰۶	چوتھی نظیر لا وارث کی میراث ہے:.....	❁
۴۱۰	پانچویں نظیر اموال ربا اور اموال حرام ہیں:.....	❁
۴۱۱	چھٹی چیز غیر منصوص ہونا ہے:.....	❁



۴۱۲	چند اشکالات اور ان کے جوابات:.....	✽
۴۱۲	اشکال (۱) اور اس کا جواب:.....	✽
۴۱۳	اشکال (۲) اور اس کا جواب:.....	✽
۴۱۷	اشکال (۳) اور اس کا جواب:.....	✽
۴۱۸	اقسام صدقات اور ان کے مابین فرق:.....	✽
۴۲۰	احکام صدقات میں فرق:.....	✽
۴۲۱	ایک اشکال اور جواب:.....	✽
<h3>فصل چہارم</h3> <h3>قربانی سے متعلق متفرق احکام کا بیان</h3>		
۴۲۳	بیرونی ملک میں قربانی کرانے کا حکم:.....	✽
۴۲۴	عورت کا اپنی قربانی خود کرنے کا حکم:.....	✽
۴۲۵	قربانی کی گائے کے دودھ کا حکم:.....	✽
۴۲۷	گائے قربانی کے لیے نہ خریدی ہو تو دودھ کا حکم:.....	✽
۴۲۹	گائے کی قربانی ترک کرنے کا حکم:.....	✽
۴۳۱	جانور غنیم فاحش میں بکتا ہو تو قربانی کا حکم:.....	✽
۴۳۱	وکیل ایام اضحیٰ میں قربانی کرنا بھول گیا:.....	✽
۴۳۲	گزشتہ سالوں کی واجب قربانی کی قضا کا حکم:.....	✽
۴۳۳	قربانی کے جانور کے بال کاٹنے کا حکم:.....	✽
۴۳۴	اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنے کا حکم:.....	✽
۴۳۷	عید الاضحیٰ کے دن اپنی قربانی سے شروع کرنے کا حکم:.....	✽
۴۳۹	غیر مرید الاضحیہ کے لیے امساک کا حکم:.....	✽

۴۴۱	قربانی سے متعلق چند متفرق مسائل:	❁
۴۴۷	نصاب قربانی پر حلالان حول کا حکم:	❁
۴۴۷	ایام قربانی میں زندہ جانور صدقہ کرنے کا حکم:	❁
۴۴۷	قربانی میں آخری وقت کا اعتبار ہے:	❁
۴۴۸	عورت پر قربانی کا حکم:	❁
۴۴۸	ہر سال قربانی کا حکم:	❁
۴۴۹	مشترک کا رو بار والے پر قربانی کا حکم:	❁
۴۴۹	مقروض پر قربانی کا حکم:	❁
۴۴۹	ایام اضحیہ میں مال ختم ہونے پر قربانی کا حکم:	❁
۴۵۰	شوہر کے مال سے عورت کی قربانی کا حکم:	❁
۴۵۰	مال حرام پر قربانی کا حکم:	❁
۴۵۰	تیرہویں کی رات میں قربانی کا حکم:	❁
۴۵۰	لاغر ذنبہ بھیڑ سال سے کم کا درست ہے یا نہیں:	❁
۴۵۱	ایصال ثواب کے لئے مکمل بکرا شرط نہیں:	❁
۴۵۱	اپنے مملوکہ جانور میں اوروں کو شریک کرنے کا حکم:	❁
۴۵۱	کھال جلنے کی وجہ سے بال نہ ہو تو قربانی کا حکم:	❁
۴۵۲	قربانی کا جانور استعمال میں لانے کا حکم:	❁
۴۵۲	ناک کٹے جانور کی قربانی کا حکم:	❁
۴۵۲	تھن سوکھے جانور کی قربانی کا حکم:	❁
۴۵۲	پاؤں کٹے جانور کی قربانی کا حکم:	❁
۴۵۳	لاغر جانور کی قربانی کا حکم:	❁

۴۵۳	..... مجنون اور خارش جانور کی قربانی کا حکم:	✽
۴۵۳	..... ناقابل تولید جانور کی قربانی کا حکم:	✽
۴۵۴	..... کھانسی والے جانور کی قربانی کا حکم:	✽
۴۵۴	..... عیب زائل ہونے کے بعد قربانی کا حکم:	✽
۴۵۶	..... قربانی پر منکرین حدیث کے اعتراضات اور ان کے جوابات:	✽
۴۵۶	..... پہلا اعتراض اور اس کا جواب:	✽
۴۵۷	..... دوسرا اعتراض اور اس کا جواب:	✽
۴۵۸	..... تیسرا اعتراض اور اس کا جواب:	✽
۴۵۸	..... چوتھا اعتراض اور اس کا جواب:	✽
۴۶۱	..... قربانی کی چند حکمتیں:	✽
۴۶۳	..... تکبیرات تشریق سے متعلق چند مسائل:	✽
۴۶۴	..... تکبیرات تشریق جہر اُڑھنے کا حکم:	✽
	<b>باب ..... ﴿ح﴾</b>	
	<b>احکام الحقیقة</b>	
	<b>فصل اول عقیقہ کے احکام کا بیان</b>	
۴۶۸	..... حدیث ”الغلام مرتہن ... الخ“ کا مطلب:	✽
۴۶۹	..... ”الدلائل القویة لإثبات العقیقة عند الحنفیة“	✽
	<b>مذہب احناف میں عقیقہ کا حکم</b>	
۴۷۰	..... عقیقہ کے استحباب میں چند روایات:	✽
۴۷۱	..... احادیث کے درمیان جمع و تطبیق:	✽

۴۷۲	قول احناف جمہور کے قول کے موافق ہے:.....	✽
۴۷۳	امام صاحب کی طرف منسوب کراہت کی توجیہات:.....	✽
۴۷۷	اکابر کے فتاویٰ میں مسنون و مستحب کا قول:.....	✽
۴۷۸	عقیقہ کرنے کی مصلحتیں:.....	✽
۴۷۹	پانچویں دن عقیقہ کرنے کا حکم:.....	✽
۴۸۰	عقیقہ کی مدت:.....	✽
۴۸۲	موت کے بعد عقیقہ کا حکم:.....	✽
۴۸۳	ولد الزنا کے عقیقہ کا حکم:.....	✽
۴۸۵	لڑکے کی طرف سے ایک بکر اذبح کرنے کا حکم:.....	✽
۴۸۷	عقیقہ میں ذبح کو حلق پر مقدم کرنے کا حکم:.....	✽
۴۷۸	پہلا قول:.....	✽
۴۸۷	دوسرا قول:.....	✽
۴۸۸	تیسرا قول:.....	✽
۴۸۸	عقیقہ میں بچہ کے بال مونڈنے کی حکمت:.....	✽
۴۹۰	عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا حکم:.....	✽
۴۹۱	عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنے کا حکم:.....	✽
۴۹۴	عقیقہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:.....	✽
	<b>فصل دوم</b>	
	<b>نو مولود سے متعلق احکام کا بیان</b>	
۴۹۸	نو مولود کو غسل کے بعد اذان دینے کا حکم:.....	✽

۵۰۰	نومولو کی اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم:.....	❁
۵۰۰	نومولو کی اذان میں تاخیر کا حکم:.....	❁
۵۰۱	اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھنے کا حکم:.....	❁
۵۰۲	نومولو کی اذان میں ترسیل کا حکم:.....	❁
۵۰۴	نومولو کی اذان میں التفات کا حکم:.....	❁
۵۰۵	کسی بزرگ سے تحنیک کرانے کا حکم:.....	❁

## کتاب الحظر والاباحۃ

### باب ..... (۱)

## أحكام الأكل والشرب

### فصل اول

### کھانے سے متعلق احکام کا بیان

۵۱۰	کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:.....	❁
۵۱۲	نمک سے کھانے کی ابتداء کرنے کا حکم:.....	❁
۵۱۸	کھانا نمک سے شروع کرنے کے بعض فوائد:.....	❁
۵۱۸	کھانا کھانے کے بعد کی دعا:.....	❁
۵۲۰	”وجعلنا مسلمین“ کا کھانے پینے سے کیا جوڑ ہے؟.....	❁
۵۲۰	کھانے کے بعد الحمد للہ پراکتفا کرنے کا حکم:.....	❁
۵۲۴	کھانے کے درمیان دعا کا حکم:.....	❁
۵۲۵	کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم:.....	❁

۵۲۸	مکشوف الرأس کھانا کھانے کا حکم:	✽
۵۲۸	کھاتے وقت بیٹھنے کا سنت طریقہ:	✽
۵۳۲	تکیہ لگا کر یا چار انویں بیٹھ کر کھانا کھانے کا حکم:	✽
۵۳۷	الگ برتن میں کھانے سے اجتماع کا حکم:	✽
۵۳۹	مل کر کھانا کھانے کا طبی فائدہ:	✽
۵۴۰	میز، کرسی پر کھانا کھانے کا حکم:	✽
۵۴۱	اشکال اور اس کا جواب:	✽
۵۴۳	اشکال: (۲) اور اس کا جواب:	✽
۵۴۴	کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم:	✽
۵۴۵	انگلیوں کے چاٹنے کی صحیح ترتیب:	✽
۵۴۷	انگلیاں چاٹنے کا طبی فائدہ:	✽
۵۴۷	کھانے کے بعد برتن کی صفائی کا حکم:	✽
۵۴۹	برتن کی صفائی کا طبی فائدہ:	✽
۵۵۰	دستر خوان اٹھانے سے پہلے طاعین کے اٹھنے کا حکم:	✽
۵۵۲	بیٹھا کھانے میں تقدیم و تاخیر کا حکم:	✽
۵۵۷	بچے اور پانچ انگلیوں سے کھانے کا حکم:	✽
۵۶۰	کھانا کھانے کے اوقات:	✽
۵۶۳	روٹی کو چھری سے کاٹنے کا حکم:	✽
۵۶۴	مرغی چاول کے ساتھ کھانے کا حکم:	✽
۵۶۶	کچا گوشت کھانے کا حکم:	✽
۵۶۸	انڈا کھانے کا حکم:	✽

۵۶۹	کھانے میں انڈے کے چھلکے کا حکم:	✽
۵۶۹	کیلا کھانے کا طریقہ:	✽
۵۷۱	دستر خوان پر چلنے کا حکم:	✽
۵۷۱	جلی ہوئی روٹی اور سرٹا ہوا سالن کھانے کا حکم:	✽
۵۷۴	کیڑے والے پھل کھانے کا حکم:	✽
۵۷۵	راج قول:	✽
۵۷۶	مطالب المؤمنین پر تبصرہ:	✽
۵۷۷	کیکڑے کے تیل میں تلی ہوئی مچھلی کھانے کا حکم:	✽
۵۷۹	پڑوسی کے درخت کے پھل کھانے کا حکم:	✽
۵۸۰	سویا سوس (چٹنی) کھانے کا حکم:	✽
۵۸۴	حرام غذا کھانے والی مرنی کھانے کا حکم:	✽
۵۸۶	کیڑے، مکوڑے کھانے کا حکم:	✽
۵۸۷	شیلک (SHELLAC) کھانے کا حکم:	✽
۵۸۹	استعمال کی پہلی وجہ:	✽
۵۹۲	دوسری وجہ:	✽
۵۹۲	تیسری وجہ:	✽
۵۹۳	چوتھی وجہ:	✽
۵۹۴	پانچویں وجہ:	✽
۵۹۵	”آراء المتخصصین والمفتین فی تحقیق جلاتین“	✽
	جلاٹین کا شرعی حکم ماہر اطباء کی تحقیقات کی روشنی میں	
۵۹۶	انقلاب عین اور تبدیل ماہیت کی حقیقت:	✽

۶۰۰	جلائین کے استعمال میں عموم بلوئی کی وضاحت:	✽
۶۰۲	ماہر اطباء کی تحقیق کا خلاصہ:	✽
۶۰۲	(۱) ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کی تحقیق کا خلاصہ:	✽
۶۰۲	(۲) ڈاکٹر عمر افضل کی تحقیق کا خلاصہ:	✽
۶۰۳	(۳) ڈاکٹر اصغر علی کی تحقیق کا خلاصہ:	✽
۶۰۳	(۴) جناب ڈاکٹر محمد انصار حسین صاحب کی تحقیق کا خلاصہ:	✽
۶۰۴	اطباء کی تحقیقات پر معاصر علمائے کرام کی آراء:	✽
۶۰۷	اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:	✽
۶۰۸	جلائین کے استعمال کا ایک دوسرا رخ:	✽
۶۰۹	پہلے مقدمہ کے دلائل:	✽
۶۱۱	دوسرے مقدمہ کے دلائل:	✽
۶۱۲	ہڈیوں کے جلائین کا حکم:	✽
۶۱۳	”أنفس البیان فی حکم الأجبان“ پنیر مایہ (جبین، cheese) کھانے کا حکم	✽
۶۱۵	پنیر کی حلت احادیث کی روشنی میں ہے:	✽
۶۱۷	صحابہ کے آثار سے بھی حلت مستفاد ہوتی ہے:	✽
۶۲۰	روایات کے درمیان تطبیق:	✽
۶۲۱	کتب فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیے:	✽
۶۲۳	علامہ شامیؒ کی عبارت سے شبہ اور اس کا جواب:	✽
۶۲۵	بعض اکابرؒ کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:	✽
۶۲۸	مذہب اربعہ کی روشنی میں پنیر کا حکم: (نقشہ):	✽



۶۲۹	..... داخا اور حشیش کے استعمال کا حکم:	✽
	<b>فصل دوم</b>	
	<b>احکام الشرب کا بیان</b>	
۶۳۳	..... پانی پینے کے بعد کی دعا:	✽
۶۳۴	..... پانی پینے کے چند آداب:	✽
۶۳۹	..... بوتل اور مشروب کے ڈبے سے پینے کا حکم:	✽
۶۴۲	..... پانی دیکھ کر پینے کا طبی فائدہ:	✽
۶۴۲	..... کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینے کا حکم:	✽
۶۴۳	..... کھڑے کھڑے پانی پینے کا حکم:	✽
۶۴۷	..... پانی بیٹھ کر پینے کا طبی فائدہ:	✽
۶۴۷	..... مشروبات و ماکولات میں پھونکنے کا حکم:	✽
۶۵۰	..... گرم طعام یا مشروب استعمال کرنے کا حکم:	✽
۶۵۳	..... حرام خوراک والے جانور کے دودھ کا حکم:	✽
۶۵۵	..... اجنبی عورت کا جھوٹا پینے کا حکم:	✽
۶۵۷	..... چائے کی پیالی میں چمچی ہلانے کا طریقہ:	✽
۶۵۷	..... گیس والے مشروبات پینے کا حکم:	✽
۶۶۰	..... شراب کو سرکہ بنانے کے لیے رکھنے کا حکم:	✽
۶۶۳	..... سرکہ اور زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ اور ان کا حکم:	✽
۶۶۳	..... سرکہ بنانے کا طریقہ:	✽
۶۶۳	..... زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ:	✽
۶۶۳	..... احتاف کے دلائل:	✽

۶۶۵	..... مذہب مالکیہ کے دلائل:	✽
۶۶۶	..... مذہب شافعیہ کے دلائل:	✽
۶۶۶	..... مذہب حنابلہ کے دلائل:	✽
۶۶۸	..... زیتون کے تیل کا حکم:	✽
۶۶۸	..... حقہ پینے کا شرعی حکم:	✽
۶۶۹	..... حقہ پینے کے نقصانات:	✽
۶۷۰	..... حقہ پینے کے مزید نقصانات:	✽
۶۷۲	..... الکحول کا شرعی حکم:	✽
<p>باب ..... ﴿۲﴾</p> <p>احکام الضیافۃ کا بیان</p> <p>ضیافت و مہمانی کے آداب و احکام کا بیان</p>		
۶۷۷	..... ختم قرآن کے موقع پر دعوت کا حکم:	✽
۶۷۸	..... دعوت طعام کی مختلف اقسام:	✽
۶۸۰	..... اقسام دعوت کی مختصر وضاحت:	✽
۶۸۵	..... ختم القرآن کے موقع پر اجتماعی دعا کا ثبوت:	✽
۶۸۶	..... نئے مکان کی خوشی میں دعوت کا حکم:	✽
۶۸۹	..... درس نظامی سے فراغت پر دعوت کا حکم:	✽
۶۹۱	..... حج کے سفر سے واپسی پر دعوت طعام کا حکم:	✽
۶۹۲	..... طفیلی کا دعوت میں شریک ہونے کا حکم:	✽
۶۹۳	..... تمام انواع طعام و ستر خوان پر بہ یک وقت رکھنے کا حکم:	✽

۶۹۶	..... ”اَکَل طَعَامِکُم الْاَبْرَار“ دعا کا حکم:	❁
۶۹۹	..... دعا ”اللّٰهُمَّ اطْعَمْنِیْ“ کا حکم:	❁
۷۰۱	..... ہندو کے ارسال کردہ کھانے کا حکم:	❁
۷۰۳	..... عاشورا کے دن ضیافت کا حکم:	❁
۷۰۳	..... عاشورا کے دن دیگر اشیاء میں وسعت کا حکم:	❁
۷۰۴	..... عاشورا کا کھانا رات میں کھلانے کا حکم:	❁
۷۰۴	..... اشکال اور جواب:	❁
۷۰۵	..... (۲) دوسرا جواب:	❁
۷۰۶	..... (۳) تیسرا جواب:	❁
۷۰۶	..... (۴) چوتھا جواب:	❁
۷۰۶	..... (۵) پانچواں جواب:	❁
۷۰۶	..... عاشورا کی شیرینی کھانے کا حکم:	❁
۷۰۸	..... ایصالِ ثواب کا کھانا اغنیاء کے کھانے کا حکم:	❁
۷۰۹	..... حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم:	❁
۷۱۰	..... اجتماعات میں مہمانی کا کھانا فروخت کرنے کا حکم:	❁
۷۱۲	..... بینک ملازم کی دعوت قبول کرنے کا حکم:	❁
۷۱۴	..... عورتوں کی محفل (بے بی شاور) میں شرکت کا حکم:	❁
<p style="text-align: center;">بَاب ..... ﴿۳﴾</p> <p style="text-align: center;">احکام التداوی</p> <p style="text-align: center;">علاج و معالجہ کے شرعی احکام</p>		

۷۱۷	..... علاج کرانے کا شرعی حکم:	✽
۷۲۰	..... عجوہ سے زہر کا علاج کرنے کا حکم:	✽
۷۲۱	..... عجوہ کھجور کی فضیلت میں چند روایات ملاحظہ فرمائیے:	✽
۷۲۲	..... مریض سے آلات تنفس ہٹانے کا حکم:	✽
۷۲۳	..... عصی نظام کے چار حصے ہیں:	✽
۷۲۴	..... فقہاء کے نزدیک مریض کے احوال:	✽
۷۲۴	..... علامات موت:	✽
۷۲۸	”إلقاء الأضواء على زرع الأعضاء“ اعضاء کی پیوند کاری کا شرعی حکم	✽
۷۲۸	..... عدم جواز والوں کے دلائل:	✽
۷۲۸	..... (۱) مانعین کی پہلی دلیل اور اس کا جواب:	✽
۷۳۴	..... حدیث شریف ”لعن اللہ الواصلة... الخ“ کا جواب:	✽
۷۳۴	..... (۲) مانعین کی دوسری دلیل اور اس کا جواب:	✽
۷۳۷	..... (۳) مانعین کی تیسری دلیل اور اس کا جواب:	✽
۷۳۹	..... (۴) مانعین کی چوتھی دلیل اور اس کا جواب:	✽
۷۴۰	..... دودھ کی خرید و فروخت میں فقہاء کا اختلاف:	✽
۷۴۰	..... مذہب احناف:	✽
۷۴۰	..... مذہب شافعیہ:	✽
۷۴۰	..... مذہب مالکیہ:	✽
۷۴۰	..... مذہب حنابلہ:	✽
۷۴۲	..... (۵) مانعین کی پانچویں دلیل اور اس کا جواب:	✽

۷۴۳	(۶) مانعین کی چھٹی دلیل اور اس کا جواب:.....	✽
۷۴۳	(۷) مانعین کی ساتویں دلیل اور اس کا جواب:.....	✽
۷۴۴	مجوزین کے دلائل:.....	✽
۷۴۶	اعضاء کی پیوندکاری اکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں:.....	✽
۷۴۷	المجمع الفقہی الاسلامی کے فیصلے:.....	✽
۷۴۸	بعض من أجاز نقل الأعضاء:.....	✽
۷۴۸	اعضاء کی پیوندکاری کی تفصیلی بحث کا خلاصہ:.....	✽
۷۴۹	قلب کی پیوندکاری کا حکم:.....	✽
۷۵۰	گردہ منتقل کرنے کا حکم:.....	✽
۷۵۰	آنکھ کی پتلی منتقل کرنے کا حکم:.....	✽
۷۵۱	ہڈی کا مغز منتقل کرنے کا حکم:.....	✽
۷۵۲	جانور کے عضو سے پیوندکاری کا حکم:.....	✽
۷۵۳	وندان سازی کے لیے جانور کی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:.....	✽
۷۵۴	وندان سازی کے لیے انسانی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:.....	✽
۷۵۵	استقاط حمل کی چند صورتیں مع احکام:.....	✽
۷۵۵	پہلی صورت:.....	✽
۷۵۵	دوسری صورت:.....	✽
۷۵۵	تیسری صورت:.....	✽
۷۵۷	ناقص الخلقہ جنین کے استقاط کا حکم:.....	✽
۷۵۸	ماں کے ضرر کی وجہ سے استقاط کا حکم:.....	✽
۷۵۹	توأمين میں سے ایک کے مرنے پر استقاط کا حکم:.....	✽

۷۶۰	جنین کے سر میں پانی کی وجہ سے اسقاط کا حکم:	✽
۷۶۱	بچہ کے معذور ہونے پر اسقاط کا حکم:	✽
۷۶۲	حمل بالزنا کے اسقاط کا حکم:	✽
۷۶۳	زنا بالجبر کی وجہ سے اسقاط کا حکم:	✽
۷۶۴	آنکھوں میں لیزر آپریشن کا حکم:	✽
۷۶۴	عورت کا دودھ استعمال کرنے کا حکم:	✽
۷۶۵	کیڑے کے اجزا بطور دوا استعمال کرنے کا حکم:	✽
۷۶۶	استعمال خارجی و داخلی کی وضاحت:	✽
۷۶۷	خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی پٹی کا حکم:	✽
۷۶۹	خنزیر سے بنی ہوئی دوا کے استعمال کا حکم:	✽
۷۶۹	انسان کا پیشاب بطور دوا استعمال کرنے کا حکم:	✽
۷۷۱	انسان کا پیشاب بطور دوا پینے کا حکم:	✽
۷۷۲	معالجہ بالتوہیم کا حکم:	✽
۷۷۳	تنویم کی حقیقت:	✽
۷۷۳	معالجہ بالتوہیم کا طریقہ:	✽
۷۷۴	الکھول والے سینٹ اور ادویہ کے استعمال کا حکم:	✽
۷۷۶	دریائی جانور کی چربی استعمال کرنے کا حکم:	✽
۷۷۷	طبی تجربہ کے لیے انسانی جسم کی تشریح کا حکم:	✽
۷۷۹	فتویٰ ہیئۃ کبار العلماء:	✽
۷۸۰	اسلامک فدا کیڈمی کا فیصلہ:	✽
۷۸۱	بلا ضرورت شدیدہ آپریشن کا حکم:	✽

۷۸۲	کینسر کی دوا کھانے کا حکم:	✽
۷۸۲	غیر مسلم کو مانع حمل ٹیکا لگانے کا حکم:	✽
۷۸۳	خون کے عطیہ کا حکم:	✽
۷۸۵	مادہ منویہ کو محفوظ کرنے کا حکم:	✽
۷۸۶	چند اشکالات اور ان کے جوابات:	✽
۷۸۶	(۱) مادہ منویہ جلق یا عزیل کے ذریعہ نکالا جائے گا اور جلق ممنوع ہے:	✽
۷۸۶	جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:	✽
۷۸۶	(۲) شدید مجبوری کے بغیر اس میں بے پردگی ہے:	✽
۷۸۷	(۳) خلاف فطرت طریقہ ہے:	✽
۷۸۸	ثبوت نسب کا حکم:	✽
۷۸۸	مرد کے لیے عورتوں کا علاج کرنے کا حکم:	✽
۷۹۰	طیب کا مریض کے عیب کو ظاہر کرنے کا حکم:	✽
۷۹۳	تعدیہ امراض اور ایڈز کا متعدی ہونا:	✽
۷۹۴	متعدی امراض سے احتیاطی تدابیر کے نظائر:	✽
۷۹۸	بچوں کو مختلف امراض کے ٹیکے لگانے کا حکم:	✽
۷۹۸	حیوانات پر میڈیکل تجربات کا حکم:	✽
۷۹۹	مسلمان کے لیے خنزیر کے علاج کا حکم:	✽
۸۰۱	دانتوں کو تاروں سے باندھنے کا حکم:	✽
۸۰۳	زینت کے لیے اعضاء کی سرجری کا حکم:	✽
۸۰۵	مصادر و مراجع:	✽

## پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد :

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد ششم کی تیاری اور طبع کرانے کی توفیق عطا فرمائی، ماشاء اللہ فتاویٰ کی یہ جلد کتاب الرہن، کتاب الغصب، کتاب اللقطہ، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبايح، احکام الضحیہ اور کتاب الحظر والاباحۃ کے بعض ابواب پر مشتمل ہے، دوسری جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی بعض مسائل رسائل کی شکل اختیار کر چکے ہیں، ان مسائل پر جنوبی افریقہ میں بحث و مباحثہ ہوتا رہتا تھا، اس لیے ان کی تحقیق طویل ہو گئی، لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ فائدہ سے خالی نہیں ہوگی، اور شاید ان مسائل کی اتنی تفصیل دیگر دو فتاویٰ میں نہیں ملے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس جلد کو بھی دیگر جلدوں کی طرح قبول فرمائے۔ آمین۔  
تخصّص کے طالب علم محترم مولانا فہیم صاحب کی محنتیں بھی اس جلد کی تیاری میں شامل ہیں، تحقیق، ترتیب اور تنقیح اور حوالوں کے ملانے کا بیڑا حسب سابق مفتی محمد الیاس صاحب نے اٹھایا، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی شان عالی کے مناسب جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس پورے کام کی سرپرستی مہتمم صاحب مولانا شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

کتبہ: (حضرت مفتی) رضاء الحق (صاحب مدظلہ)

دارالافتاء، دارالعلوم زکریا، لینیشیا جنوبی افریقہ

مورخہ: ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۳۴ھ

مطابق: ۲۷/ اگست ۲۰۱۳ء



## مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى أما بعد :

احقر پر اللہ تعالیٰ کے احسانات مثل بحر بے کراں ہیں، انہیں احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے زیر سایہ اس عظیم الشان کام کے لیے منتخب فرمایا، اور حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ کے فتاویٰ کی ترتیب، تحقیق اور تنقیح کا موقع میسر فرمایا۔ زیر نظر فتاویٰ کی جلد حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے سلسلہ الفتاویٰ اور موسوعۃ الفتاویٰ کی چھٹی سنہری کڑی ہے، اس جلد میں فتاویٰ کا اکثر و بیشتر حصہ ہے جو خورد و نوش سے متعلق ہے۔ مثلاً کتاب الذبائح کے تمام تفصیلی ابواب اور خطر و اباحت کے پیش کردہ تین ابواب: (۱) اکل و شرب (۲) ضیافت اور (۳) تدوی، ان کا تعلق داخلی استعمال سے ہے۔

خورد و نوش کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام سے حلال اور طہیات کا حکم فرمایا ہے اور حرام اور خبائث سے منع فرمایا ہے، چنانچہ سورۃ بقرہ میں حلال و طہیب اور پاکیزہ اشیاء کے کھانے کمانے کا حکم ہے، سورۃ مائدہ میں تقریباً چار آیتوں میں حلال، طہیب اور پاکیزہ کھانے، کمانے اور حرام و ناپاک چیزوں سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے، سورۃ اعراف میں تین جگہ، سورۃ انفال کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حلال کھانے اور حلال میسر ہونے پر شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، سورۃ یونس میں رزق حلال عطا کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان و عطیہ قرار دیا، سورۃ فصل کی دو آیتوں میں رزق حلال کو بطور امتنان ذکر کیا، سورۃ بنی اسرائیل میں ایک جگہ ذکر ہے، سورۃ طہ میں حلال کھانے کا حکم ہے، سورۃ مؤمنین میں انبیاء کرام کو حلال کھانے اور نیک عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، سورۃ سبا میں حلال کھانے اور شکر بجالانے کا حکم دیا ہے، اسی طرح سورۃ غافر، سورۃ جاثیہ وغیرہ میں تذکرہ ہے، نیز ان

مقامات کے علاوہ بھی کئی مزید جگہوں پر حلال کی ترغیب اور حرام سے اجتناب کی تاکید کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حلال کھانے کی کتنی اہمیت ہے اور حرام سے کس قدر نفرت ہے، کیونکہ انسان کا بطن جسم انسانی کی رفتار کے لئے ٹینکی کے مثل ہے، اگر اس ٹینکی میں حلال لقمہ ڈالا تو یہ جسم اپنے اختیار میں لمحہ بہ لمحہ صحیح سمت اور درست صورت اختیار کرے گا اور ہر نقل و حرکت میں اعمالِ صالحہ اور اخلاقی عالیہ فاضلہ کا مظاہرہ کریگا اور بصورت دیگر اگر حرام بھر دیا تو یہ جسم اپنے احساسات و خیالات، عقائد و اعمال، اخلاق و کردار، رفتار اور گفتار میں صحیح رخ کی بجائے غلط رخ پر چل پڑے گا، نیز بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ تقریباً اسی فیصد گناہ کے اسباب حرام اور ناپاک غذا ہے، اور بیس فیصد گناہ دیگر خواہشات کی وجہ سے ہوتے ہیں، لہذا اشریعتِ مطہرہ نے انسان کے دنیوی اور آخری فائدہ و مصلحت کو مد نظر رکھا ہے۔

بایں وجہ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے پانچ اسباب ہیں: (۱) الضرر واللاحق بالبدن أو العقل : ہر وہ چیز جو انسان کے جسم یا اس کی عقل کو نقصان دہ ہو وہ حرام ہے، چاہے وہ چیز حیوانات میں سے ہو یا نباتات اور جمادات میں سے ہو، اور اس بارے میں مسلمان ماہر اطباء کی بات تسلیم کی جائے گی۔ (۲) الإسکار والتخدير : مسکرات، مخدرات اور منشیات سے متعلق جتنی اشیا میں تمام کی تمام حرام اور ناجائز ہیں۔ (۳) النجاسة : ناپاک چیزیں۔ (۴) الاستقذار والاستحباب : جن چیزوں سے طبیعتِ سلیمہ، و فطرتِ صحیحہ نفرت اور گھن محسوس کرتی ہو اور ان کے اوصافِ خبیثہ کے انسان میں منتقل ہونے کا اندیشہ ہو۔ (۵) عدم الإذن شرعاً جیسے طعام مغصوب، مسروق اور غیر مملوک وغیرہ۔

نیز احادیثِ مبارکہ میں بھی جگہ جگہ حلال اور طیب کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس إن الله طيب لا يقبل إلا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الرِّسَالُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً﴾ [المؤمنون: ۵۱] وقال تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: ۱۷۲] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء، يا رب

یا رب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذي بالحرام فأنی يستجاب لذلک ؟  
(رواہ مسلم: رقم ۱۰۱۵)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ طیب ہیں اور طیب ہی قبول فرماتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی چیز کا حکم دیا جس کا حکم رسولوں کو دیا، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے رسولو! حلال اور پاکیزہ غذا کھاؤ اور نیک عمل کرو، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! کھاؤ حلال اور پاکیزہ رزق جو ہم نے تم کو دے رکھا ہے، پھر ایک شخص کا تذکرہ فرمایا کہ لمبا سفر کرتا ہے، پراگندہ، غبار آلود، آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، اے رب! اے رب! اور اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور حرام سے پرورش پائی، اب کیسے دعا قبول ہو۔

وروی الترمذی بسندہ عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من أكل طيباً وعمل في سنة وأمن الناس بوائقه دخل الجنة، فقال رجل: يا رسول الله! إن هذا اليوم في الناس لكثير، قال: و سيكون في قرون بعدي . (رقم: ۲۵۲۰)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذا رسانی اور گزند سے محفوظ رہیں وہ جنت میں جائے گا، صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آج کل تو یہ اعمال لوگوں میں بہت ہیں، آپ ؐ نے فرمایا آئندہ بھی ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے۔

وأخرج الطبراني عن ابن عباس ؓ قال: تليت هذه الآية عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ﴿يا أيها الناس كلوا مما في الأرض حلالاً طيباً﴾ فقام سعد ابن أبي وقاص ؓ فقال: يا رسول الله ادع الله أن يجعلني مستجاب الدعوة فقال له النبي صلى الله عليه وسلم يا سعد أظب مطعمك تكن مستجاب الدعوة والذي نفس محمد بيده إن العبد ليقدف اللقمة الحرام في جوفه ما يتقبل منه عمل أربعين يوماً وأي عبد نبت لحمه من السحت والربا فالنار أولى به . (رواہ الطبرانی فی الاوسط: رقم ۶۴۹۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ کی بارگاہ میں دعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنادے، جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے سعد! اپنی غذا حلال اور پاکیزہ بنادو مستجاب الدعوات بن جاؤ گے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے بے شک بندہ حرام القمہ اپنے بطن میں ڈالتا ہے جس کی وجہ سے اس کے چالیس دن کے اعمال قبول نہیں ہوتے اور ہر وہ بندہ جس کی پرورش حرام اور سود سے ہوئی ہو تو جہنم کی آگ اس کے لئے بہتر ہے۔

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول : إن الحلال بین وإن الحرام بین وبينهما مشبهات ، لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع فى الشبهات وقع فى الحرام ، كالراعى يرعى حول الحمى يوشك أن يقع فيه ، ألا وإن لكل ملك حمى ، ألا وإن حمى اللہ محارمه ألا وإن فى الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهى القلب . ( متفق عليه ) .

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقیناً حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں، پس جو شخص شبہات سے باز رہا اس نے اپنے دین اور عزت کو صاف رکھا اور ان کی حفاظت کی اور جو شبہات میں گر گیا وہ حرام میں پھنسا۔ پھر آخر میں فرمایا دل کے کان کھول کر سنو! بے شک جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ ٹھیک ہو گیا تو جسم کا پورا کارخانہ ٹھیک چلے گا، لیکن اگر وہ فاسد اور خراب ہوا تو پورا جسم فاسد اور خراب ہو جائے گا، اور خوب سنو وہ دل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک ایسا واحد مذہب ہے جس نے خورد و نوش سے متعلق بڑی ہدایات اور تاکید کی ہے، بنا بریں ہر مسلمان کے لئے بے حد ضروری ہے کہ خورد و نوش میں بازاری راستوں سڑکوں کی ہر چیز کو اپنے جسم کا حصہ نہ بنائے، بلکہ حلال، طیب اور پاکیزہ کھانے کا اہتمام کرے، حرام اور مشتبہ چیزوں سے حتیٰ

الامکان اجتناب کرے اور اس کے لئے بے انتہا ضروری ہے کہ حلال اور حرام چیزوں کے بارے میں مکمل علم حاصل کرے، اہل علم و علماء سے پوچھتا رہے اور ان کی مستند کتابوں کو زیر مطالعہ رکھے، تاکہ صراطِ مستقیم پر چل کر باسانی اپنی منزل مقصود پالے۔

اسی سلسلے میں یہ فتاویٰ بھی مرتب کیے گئے ہیں اور اس میں خورد و نوش سے متعلق حلال، حرام کی نشاندہی کی گئی ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول فرمانے سے متعلق احوال و آداب بھی موقع بموقع ذکر کیے گئے ہیں، نیز گاہے گاہے طبی فوائد بھی بیان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ احقر کی اس معمولی کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور صاحبِ فتاویٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنے حفظ و امان میں داخل فرمائیں، اور صحت و عافیت کے ساتھ ان کا سایہ تادیر ہم پر قائم اور دائم فرمائیں۔ آمین۔

زیر نظر کتاب کی تصحیح میں دارالافتاء کے جن طلباء نے بندہ کی معاونت کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے، اور یہ محنت ان کی علمی عمارت کے لیے خشتِ اول بنادے۔ آمین۔

بندۂ عاجز صمیمِ قلب سے اپنے استاذِ محترم و مہتممِ کرم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سالو جی اور ناظم مدرسہ حافظ بشیر صاحب کامنوں و مشکور ہے کہ انہوں نے کتاب کی تیاری میں ہر قسم کی سہولیات مہیا فرمادی۔ اللہ تعالیٰ ان کی شب و روز کی خدمات قبول فرما کر اپنی بارگاہ میں ترقی درجات عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین . وصلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا وحبينا وطيبنا ومولانا محمد وآله واصحابه وأهل بيته ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

راقم السطور:

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ

معین دارالافتاء، دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۷/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۶/ جون ۲۰۱۳ء

## ﴿فتاویٰ دارالعلوم زکریا پر تعارف و تبصرے﴾

تبصرہ از ماہنامہ ”الحق“ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک:

فتویٰ اور افتاء کا تاریخی سلسلہ بہت ہی قدیم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک علماء صالحین اس عظیم منصب پر فائز ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اور اکثریت کے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ کتابی شکل میں اس وقت دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود ہے۔ جن سے ہر باب علم و کمال استفادہ کرتے ہیں اور اہل فتویٰ، فتویٰ نویسی میں رہنمائی لیتے ہیں۔ فتاویٰ دارالعلوم زکریا بھی اسی سلسلے کی ایک اور کڑی ہے، جو حضرت مفتی رضاء الحق شاہ منصور مدظلہ کے جاری کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے، حضرت مفتی صاحب ایک باکمال، جامع صفات علمی شخصیت ہیں اور آپ مدظلہ کا تعلق ضلع صوابی صوبہ سرحد کے ایک مشہور و معروف گاؤں شاہ منصور کے زہد و تقویٰ، علم و فضل کے پیکر خاندان سے ہے، اور جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے ان فرزندان میں سے ہیں جن پر جامعہ فخر کرتی ہے۔ اللہ پاک جزاء دے مولانا عبد الباری صاحب اور مولانا محمد الیاس شیخ صاحب کو جنہوں نے حضرت مفتی صاحب کے ان گرانقدر علمی اور تحقیقی فتاویٰ کو جمع کر کے بہترین انداز میں مرتب کیا اور زمزم پبلشرز کراچی نے دیدہ زیب ٹائٹل، عمدہ کتابت اور شاندار طباعت کے ساتھ علماء اور طلباء بلکہ ہر خاص اور عام پر احسان کرتے ہوئے اس گنجینہ علم کی پہلی جلد کو شائع کیا۔ فتاویٰ کی یہ پہلی جلد کتاب الایمان والعقائد، کتاب التفسیر والتجوید، کتاب الحدیث والاثار، کتاب السلوک والطریقہ اور کتاب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ فتاویٰ میں استفتاء کا ہر جواب انتہائی مدقّق اور تحقیق کے ساتھ دیا گیا، جس کے لئے ہر مذہب کے علماء، محدثین اور فقہاء کی کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ہے اور ہر کتاب کا مکمل حوالہ مع عبارت کے درج ہے، بعض ایسے جوابات بھی ہیں جو دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو اجمالی ہے، اس لئے یہ فتاویٰ ہر خاص و عام کی علمی پیاس بجھانے کے لئے انتہائی مفید ہے اور ہر لائبریری کی زین ہے، کتاب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ دعاء نکلتی ہے کہ خدا کرے کہ یہ عظیم فقہی انسائیکلو پیڈیا پائے تکمیل تک پہنچ کر شائع ہو جائے۔ (ماہنامہ ”الحق“ دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)۔

تبصرہ از ماہنامہ ”الہیات“ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن:

ایک دور تھا جب افریقہ، امریکہ، کنیڈا اور دوسرے یورپی ممالک میں دینی مدارس کا خاطر خواہ نظام نہیں تھا اور وہاں کے متلاشیانِ علم و ہنر ہندوپاک کا رخ کرتے تھے اور یہاں کے ارباب فضل و کمال اور اصحابِ علم و تحقیق کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کر کے علم و معرفت کے جامِ لئذِ ہاتے تھے۔

یہاں سے اکتسابِ فیض کے بعد مختلف ممالک کے مخلصین نے جب ضرورت محسوس کی تو انہوں نے اپنے اپنے علاقوں اور ممالک میں دینی مدارس کا جال بچھنا شروع کر دیا، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نامور فاضل تلامذہ میں سے حضرت مولانا شبیر احمد سالو جی مدظلہ اور ان کے رفقاء نے جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں دارالعلوم زکریا کے نام سے ادارہ قائم کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ترقیات کے مدارج طے کئے تو انہوں نے اپنی سرپرستی اور اپنے دینی ادارے کی ترقی کے لئے اپنی مادر علمی سے ایک بڑے استاذ و مفتی اور شیخ الحدیث کی درخواست کی، اس پر ارباب جامعہ علوم اسلامیہ نے اپنے ایک لائق، فائق، عظیم محقق مدرس اور مفتی حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کو جنوبی افریقہ بھیج کر ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔ حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم کی فیض رساں شخصیت نے افریقہ کو تعلیم و تدریس، علم و تحقیق اور فقہ و فتویٰ کے اعتبار سے بجا طور پر مستغنی کر دیا۔

پیش نظر فتاویٰ دارالعلوم زکریا کی جلد اول انھیں کی علمی تحقیقات کا منہ بولتا ثبوت ہے، جس میں نہایت خوبصورت انداز میں کتاب الایمان، کتاب التفسیر، کتاب الحدیث والآثار، کتاب السلوک والطریقۃ اور کتاب الطہارۃ کو مرتب اور مدون کر کے کتابی شکل دی گئی ہے۔

بلاشبہ فتاویٰ میں درج مسائل و احکام اہل حق اسلاف اور اکابر دیوبند کی تحقیق کی ترجمانی کے علاوہ ان کے ذوق و مزاج کا آئینہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس فتاویٰ کے مرتبین مولانا مفتی عبدالباری اور مولانا مفتی محمد الیاس شیخ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جنہوں نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ امید ہے کہ اہل ذوق اس کی قدردانی میں بخل سے کام نہیں لیں گے، خدا کرے کہ فتاویٰ جلد از جلد مکمل ہو کر متلاشیانِ علم و تحقیق کی پیاس کو بجھائے، آمین۔ (ماہنامہ ”ہیات“ رجب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿دارالعلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر﴾

✽ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکتہ العصرینہ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لا کر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دارالعلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

✽ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبد الحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبد الحمید صاحب رہے۔

✽ قاری عبد الحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالو جی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظم مدرسہ مقرر ہوئے، اور تازہ نو خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات و شبانہ روز محنت سے دارالعلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔

﴿دارالعلوم زکریا کے مختلف شعبے﴾

✽ شعبہ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذہ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذہ درجات حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۱۷، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

✽ درس نظامی: طلبائے کرام علوم عالیہ و آلیہ سے تفکلی کی آگ بجھا رہے ہیں۔ اساتذہ کرام کی تعداد ۲۴ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۴۴۲ ہے، مقامی ان میں سے ۳۲ فیصد، اور دیگر ۵۷ ممالک کے ۶۸ فیصد طلباء تحصیل علم میں مشغول ہیں۔

✽ شعبہ افتاء و استفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے



ابتدا میں حضرت بذات خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دارالافتاء کا نظام شروع ہوا۔

✽ شعبہ قراءت و تجوید: ۱۹۸۵ء میں قراءت و تجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

✽ شعبہ ”النادی العربی“: طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق و شوق بڑھا اور تقریر و تحریر اس

میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ”النادی العربی“ کے نام سے شروع ہوا۔

✽ دارالعلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے

فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبدالرحمن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۱۰ طلباء اور ۵ اساتذہ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

✽ اللہ تعالیٰ تمام اساتذہ کرام و منتظمین اور کارکنان مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دارالعلوم

کو اور دیگر علی اداروں کو دن و گنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائیں آمین۔

✽ اکابرین و ائمہ اور دیگر مہمانان کرام کے قدوم میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلربا بنی گئی۔ ان

میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی۔ حضرت مفتی احمد الرحمن صاحب۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب۔ ڈاکٹر عبدالرزاق

صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی۔ حضرت حاجی فاروق صاحب۔ حضرت مولانا عمر صاحب

پالپوری۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب۔ بھائی پاڈیا صاحب۔ حضرت مولانا عمر جی صاحب۔ حضرت مولانا

عبدالحفیظ کی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔ حضرت

مولانا عبداللہ کاپوردوی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی۔ شیخ عبدالفتاح ابوعدہ صاحب۔ شیخ عبدالرحمن

السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبدالرحمن حدیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب۔ حضرت

مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب۔ دکتور عبداللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا

سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی۔ حضرت مولانا یونس صاحب پوٹا۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابوالقاسم بناری۔ والشیخ محمد عوامہ ونبیلہ الشیخ الدکتور محی الدین حفظہما اللہ تعالیٰ ورعاہما۔

بندۂ عاجز محمد الیاس بن افضل شیخ عفی عنہ

معین دارالافتاء دارالعلوم زکریا، لہنیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ مطابق: ۶/ جولائی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال الله تعالى:

﴿وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتباً فرهن منقبوضاً﴾

(سورة البقرة).

عن عائشة قالت:

”اشترى النبي صلى الله عليه وسلم  
من يهودي طامناً إلى أجل ورهنه درعه“

(رواه البخاري).

## باب الرهن

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”لا يخلق الرهن له غنمه وعليه غرمه“.

(اخرجه الحاكم).

## گروہی رکھنے کے احکام کا بیان

شی مرہون سے فائدہ حاصل کرنے کا حکم:

**سوال:** بعض لوگ مرہون مکان وزمین سے فائدہ اٹھاتے ہیں، جب تک دین وصول نہ ہو جائے، اور کہتے ہیں کہ ہدایہ وغیرہ میں مرقوم ہے کہ مالک یعنی راہن کی اجازت سے نفع اٹھانا جائز ہے، تو کیا ان کی یہ بات درست ہے یا نہیں؟ اگر رهن سے فائدہ اٹھانا جائز ہو تو پھر اس کے لیے کوئی ایسی تدبیر ہو سکتی ہے جس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش نکل آئے؟ بینہ تو جروا۔

**الجواب:** فقہاء کی عبارات کے ظاہر سے پتہ چلتا ہے کہ شی مرہون سے انتفاع بلا اجازت مالک ناجائز ہے اور بلا اجازت مالک جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں مرقوم ہے:

ولیس للمرتھن أن ینتفع بالرهن لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس إلا أن یأذن له المالك لأن له حق الحبس دون الانتفاع . (الهدایة: ۴/۵۲۲، کتاب الرهن).

وللمزید راجع: (البحر الرائق: ۸/۲۳۸، ط: کوئٹہ، وتبین الحقائق، ویدائع الصنائع: ۶/۱۴۵، سعید، والمبسوط، والفتاویٰ الہندیہ، والفتاویٰ البزازیہ، وخلاصۃ الفتاویٰ، وفتاویٰ قاضی خان، وفتاویٰ النوازل، وغیرہ).

لیکن فقہاء کی عبارت سے بلا اجازت مالک مطلقاً انتفاع کو جائز سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مالک کی اجازت عقد میں مشروط یا معروف ہو تو انتفاع ناجائز ہوگا، اور اگر اجازت نہ مشروط ہو اور نہ معروف ہو بلکہ محض وقتی اجازت ہو تب انتفاع جائز ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ اپنے رسالہ ”الفلک المشحون“ میں فرماتے ہیں:

وقد اغتر كثير من علماء عصرنا ومن سبقنا بظاهر عبارات الفقهاء أنه يجوز الانتفاع  
للمرتهن بالإذن، فأفتوا به مطلقاً من دون أن يفرقوا بين المشروط وغيره، ومن دون أن  
يتأملوا في أن المعروف كالمشروط، فضلوا وأضلوا... فإلى الله المشتكى من صنيع جهلاء  
زماننا يشترطون الإذن في الرهن، أو يقصدون ذلك، وأنه لولاه لما ارتهنوا ذلك،  
ويظنون جوازه أخذاً من قول الفقهاء يجوز بالإذن، وشتان ما بين مرادهم ومرادهم. (الفلك  
المشحون فيما يتعلق بانتفاع المرتهن بالمرهون، لعلامة عبدالحی الکنوی، المندرجة فی مجموعة رسائل الکنوی  
۴/۱۳:۳، المكتبة الامدادية).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

في جواهر الفتاوى: إذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا وإلا فلا بأس، ...  
قال ط: قلت: والغالب من أحوال الناس أنهم إنما يريدون عند الدفع الانتفاع، ولولاه لما  
أعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط، لأن المعروف كالمشروط وهو مما يعين المنع، والله  
أعلم. (فتاوى الشامی: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید).

وانظر: (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۲۳۶، کتاب الرهن).

پھر مشروط فی العقد اجازت سے انتفاع مکروہ تحریمی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

إن كانت بشرط كره وإلا فلا... ويؤيده قول الشارح الآتي آخر الرهن إن التعليل بأنه  
ربا يفيد أن الكراهة تحريرية فتأمل. (رد المحتار: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید).

الفلك المشحون میں ہے:

والمراد بالكراهة التحريمية، كما يفيدہ تعليلهم بأنه ربا، وهي المرادة من الحرمة  
في قول من تكلم بحرمة المشروط، فإن المكروه التحريمي قريب من الحرام، بل كأنه هو.  
ثم المشروط أعم من أن يكون مشروطاً حقيقة، أو حكماً أما حقيقة فبأن يشترط

المرتہن فی نفس عقد الرهن أن يأذن له الراهن بالانتفاع من الرهن علی ما هو المتعارف فی أكثر العوام،... وأما حکماً فهو ما تعارف فی دیارنا أنهم لا یشرطون ذلك فی نفس المعاملة لكن مرادهم ومنوهم إنما هو الانتفاع... ومن المعلوم أن المعروف كالمشروط، كما حققه صاحب "الأشباه" وفرع علیه فروعاً كثيرة، فکما أن المشروط حقيقة يتضمن الربا، كذلك المشروط حکماً من أفراد الربا... (الفصلک المشحون فی الانتفاع بالمرهون، المندرجة فی مجموعة رسائل اللکوی: ۳/۴۱۶، المكتبة الامدادية).

البتہ اگر عقد رهن میں انتفاع نہ مشروط ہو اور نہ اس کا عرف ہو، رهن محض وثیقہ کے لیے رکھا جائے اور انتفاع کی اجازت ہو تو اس صورت میں انتفاع کی گنجائش ہے۔ فقہاء کی مطلق عبارات کا یہی منشا ہے۔ تاہم بعض فقہاء کے نزدیک اس صورت میں بھی انتفاع جائز نہیں ہے، اس لیے اس صورت میں بھی انتفاع خلاف اولیٰ ہے لہذا بچنا اولیٰ اور افضل ہوگا۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی المنع: وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندی وكان من كبار علماء سمرقند أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن، لأنه أذن له في الربا لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له المنفعة فضلاً فيكون ربا، وهذا أمر عظيم. قلت: وهذا مخالف لعامة المعتمرات من أنه يحل بالإذن إلا أن يحمل على الديانة، وما في المعتمرات على الحكم ثم رأيت في جواهر الفتاوى: إذا كان مشروطاً صار قرضاً فيه منفعة وهو ربا وإلا فلا بأس. (فتاوى الشامی: ۶/۴۸۲، کتاب الرهن، سعید).

علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

وصورة الإذن الغير المشروط أن لا يشترط المرتهن ذلك في نفس العقد، ولا يدفع الدين بهذا الشرط، ولا ينوى أيضاً بدفع الدين إباحته، وأنه لولا له لما دفع، بل قصد مجرد الحبس والتوقي، وهذا لاشبهة في جوازه، فإنه ليس فيه ربا، ولا شبهة الربا... لكن مع ذلك

الانتفاع خلاف الأولى، والاحتراز عنه أولى، فلاحتراز في هذه الصورة تقوى والانتفاع فتوى . (الفلک المشحون، المنلحة فی مجموعة رسائل المکتوی: ۱۳/۳، المکتبة الامدادية).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۳۳/۲۰-۱۳۰، وکفایت المفتی: ۱۴۰/۸، دارالاشاعت، واحسن الفتاویٰ: ۳۹۸/۸، واعداد الفتاویٰ: ۳/۳۵۴)۔

فی زمانہ چونکہ عقد میں شرط لگاتے ہیں یا مرہن خود انتفاع کا ارادہ رکھتا ہے، اور مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ ناجائز ہے اس لیے بعض حضرات نے انتفاع کے جائز ہونے کے لیے ایک حیلہ تحریر فرمایا ہے وہ ہے بیع الوفاء۔

بیع الوفاء یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہدے کہ یہ چیز میں آپ کے ہاتھ بیچتا ہوں، خاص متعین وقت پر یا جب بھی میں شئن واپس کروں تو آپ بیع واپس کر دیں گے، (بیع سے پہلے یا بیع کے بعد وعدہ کی صورت میں ہو شرط لگانا اچھا نہیں ہے۔) اس بیع کا فائدہ یہ ہوگا کہ مرہن شئی مرہون کا مالک بن جائے گا اور ہر قسم کا فائدہ اس کے لیے جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو مجمع لغۃ الفقہاء میں ہے:

أن يبيع السلعة للمشتري بالذي له عليه من الدين على أنه متى قضاه الدين عادت إليه السلعة . (معجم لغة الفقهاء، ص ۱۱۵، ادارة القرآن).

مجلہ میں ہے:

بيع الوفاء هو بيع المال بشرط أن البائع متى رد الثمن يرد المشتري اليه المبيع . (المجلة، المادة: ۱۱۸، دارالكتب العلمية).

المقالات الفقہیہ میں ہے:

كان الناس يريدون أن يأخذوا الديون لحاجاتهم، ويرهنوا أراضيتهم لذلك، وكان المرتهن الدائن يأبى عن مبرة الإقراض المستحب إلا بان يأخذ عليه منفعة لنفسه، وبما أن الشرع حرم على الدائن أن يأخذ على الدين ربحاً لأن كل قرض جر منفعة فهو ربا، وبما أن

الشرع حرم علی المرتهن أن ینتفع بالمرهون لکونه ربا، احتال الناس إلى بیع الوفاء لکی ینتفع المرتهن بالمرهون، فإن المرتهن یصیر بهذه الحيلة مشتریاً وللمشتری أن ینتفع بمملوکه کیف یشاء إلا أنه وعد أن یرد المشتري المبیع إذا رد علیه الثمن . (المقالات الفقہیة، ص: ۳۳۳، بیع الوفاء، مکتبة دارالعلوم کراتشی)۔

بیع الوفا کے جواز و عدم جواز میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، اور جواز کا قول بھی موجود ہے۔

بیع الوفا کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد پنجم، باب ۶، بیع کی مختلف قسموں کا بیان)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

**شی مرہون کو عاریت پر دینے کا حکم:**

**سوال:** اگر راہن نے مرہن کے پاس کار بطور رہن رکھی لیکن کار کو معطل چھوڑنے کے بجائے مرہن کے پاس کار کے کاغذات رکھے اور راہن کار استعمال کرتا رہا، جس کو عاریت استعمال کرنا کہتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس صورت میں کار معطل ہونے سے بیع جائے گی، شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:** شرعاً یہ جائز اور درست ہے کیونکہ شی مرہون کو عاریت پر دینے سے عقد رہن باطل نہیں ہوتا، اس لیے کہ مرہن جب چاہے شی مرہون کو واپس لے سکتا ہے۔ ہاں عاریت پر دینے کی وجہ سے شی مرہون مرہن کے ضمان سے نکل جائے گی۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

فأما الإعارة فليست بلازمة لأن للمعير ولاية الاسترداد في أي وقت شاء فجوازها لا یوجب بطلان عقد الرهن إلا أنه یبطل ضمان الرهن . (بدائع الصنائع: ۶/۱۶۶، فصل فی حکم الرهن، سعید)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

ولو استعاره الراهن من المرتهن لیتنفع به فقبضه خرج عن ضمان الرهن حتی لو



ہلک فی یدہ یهلك أمانة والدين علی حاله لأن قبضه قبض العارية وأنه قبض أمانة فينا فی قبض الضمان وكذلك لو أذن المرتهن للراهن بالانتفاع بالرهن . (بدائع الصنائع: ۱۵۶/۶) . فتاویٰ شامی میں ہے:

فالعارية توجب سقوط الضمان سواء كان المستعير هو الراهن أو المرتهن إذا هلك حالة الاستعمال أو أجنبياً ولا ترفع عقد الرهن . (رد المحتار: ۵۱۱/۶، کتاب الرهن، سعید) . وللمزيد راجع : (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۲/۳، فصل فی الانتفاع بالرهن . و الفتاویٰ الولوالجیہ: ۶۹/۵، کتاب الرهن، دارالکتب العلمیہ) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مرہون مکان راہن کو عاریت پر دینے کا حکم:**

**سوال:** اگر زید نے عمر کو ۲ لاکھ روپے قرض دیا اور عمر نے زید کے پاس مکان بطور رہن رکھ دیا، لیکن زید نے مکان پر قبضہ نہیں کیا بلکہ یہی مکان عمر کو عاریت دیدیا تو اس عمل سے رہن پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ یعنی مکان مرہون سمجھا جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ شی مرہون راہن کو عاریت پر دینے سے رہن پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا اور مکان بدستور مرہون ہوگا، البتہ مرتهن کے ضمان سے نکل جائے گا۔  
ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وخرج من ضمانه بإعارته من راھنه أى بإعارة المرتهن الرهن من راھنه یخرج من ضمان المرتهن لأن الضمان كان باعتبار قبضه وقد انتقض بالرد إلى صاحبه فارتفع الضمان لارتفاع المقتضى له ولا يكون مضموناً علی صاحبه لأن الاسترداد بإذنه فلو هلك فی ید الراهن هلك مجاناً لارتفاع القبض الموجب للضمان علی ما بینا وبرجوعه عاد ضمانه أى برجع الرهن إلى ید المرتهن عاد الضمان حتی یذهب الدين بهلاکہ لعود القبض الموجب

لِلضَّمانِ وَلِلْمُرْتَهَنِ أَنْ يَسْتَرِدَّهِ إِلَى يَدِهِ لِأَنَّهُ عَقْدُ الرِّهْنِ بَاقٍ إِلَّا فِي حُكْمِ الضَّمانِ فِي هَذِهِ الْحَالَةِ . (تبیین الحقائق: ۶/۸۷۰، کتاب الرهن، أمدا دیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## پگڑی کی دکان بطور رہن رکھنے کا حکم:

**سوال:** زید کے پاس پگڑی کی دکان ہے زید نے اس دکان کی دولاکھ روپے پگڑی کی رقم ادا کر کے دکان حاصل کر لی ہے، اب زید کو اپنی تجارت کے سلسلہ میں بڑی رقم کی ضرورت ہے جس کے لیے رہن درکار ہے، کیا زید پگڑی والی دکان بطور رہن رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر زید کے پاس پگڑی والی دکان ہمیشہ کے لیے ہو تو یہ اپنی ملکیت کی طرح ہے جس میں کسی اور کو دخل نہیں، لہذا اس دکان کو بطور رہن رکھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو مجلہ فقہ اسلامی مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب میں ہے:

اور اس علاقہ کا عرف یہ ہے کہ اس پگڑی کے لین دین کی وجہ سے اصل مالک دکان یا مکان سے بے دخل ہو جاتا ہے، اس کے سارے مالکانہ اختیارات سلب ہو جاتے ہوں اور کرایہ دار کو حاصل ہو جاتے ہوں تو یہ بیع کے حکم ہے، اور پگڑی کی رقم بمنزلہ ٹرن کے اور دکان و عمارت بمنزلہ بیع کے ہے، اور کرایہ اس زمین کا ہوتا ہے جس پر دکان و عمارت قائم ہے، گویا زمین مالک کی ہے اور عمارت کرایہ دار کی۔ واللہ اعلم۔ (مجلہ فقہ اسلامی، ص ۱۴۲، اسلامک فقہ اکیڈمی)۔

مجلہ فقہ اکیڈمی کی عبارت سے معلوم ہوا کہ پگڑی والا مکان یا دکان کرایہ دار کے قبضہ و ملک میں ہے، لہذا اس کو بطور رہن رکھنے کی گنجائش ہوگی۔

(ہاں نفس پگڑی کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس مسئلہ کی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد پنجم)۔

نیز کسی چیز کو بطور رہن رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ مرتہن اس شی پر مکمل قبضہ کر سکتا ہو اور مجبوس رکھ سکتا ہو جب تک راہن دین ادا نہ کر دے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

ولنا أن موجه ثبوت يد الاستيفاء واستحقاق الحبس الدائم لتحصيل مقصوده وهو الاستيثاق من الوجه الذي بينا ذلك لا يحصل إلا بثبوت اليد عليه ولهذا شرط في النص أن يكون مقبوضاً . (تبیین الحقائق: ۶/۶، ط: امدادیہ).

وفي حاشية الشيخ الشلبی: قوله أن موجه ثبوت يد الاستيفاء والمراد منه اختصاص المرتهن بالرهن حبساً إلى أن يقضى الرهن دينه . (حاشية الشيخ شهاب الدين احمد الشلبی: ۶/۶، ط: امدادیہ).

ہدایہ میں ہے:

والثاني: أن موجب الرهن هو الحبس الدائم ، لأنه لم يشترع إلا مقبوضاً بالنص أو بالنظر إلى المقصود منه ، وهو الاستيثاق من الوجه الذي بيناه ، وكل ذلك يتعلق بالدوام ، ولا يفرض إليه إلا استحقاق الحبس . (الهداية: ۴/۵۲۴، والفقه الحنفی فی ثوبه الجدید: ۴/۶۳، باب ما يجوز لرتبته وما لا يجوز). واللہ اعلم۔

**مرتبہن کو وکیل بالبیع بنانے کا حکم:**

**سوال:** اگر حامد نے محمود کو قرض دیا اور محمود نے اپنا مکان حامد کے پاس بطور رهن رکھا اور یہ شرط لگا دی کہ اگر محمود ایک سال تک قرض ادا نہ کرے تو حامد مرتبہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ مکان کو بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر لے کیا ایسی شرط لگانا جائز ہے یا نہیں؟ پھر مکان فروخت کرنے کی شکل میں صرف مرتبہن کا حق ہوگا یا رهن کا بھی حق ہوگا؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ایسی شرط لگانا جائز اور درست ہے کیونکہ رهن مکان کا مالک ہے تو وہ خود بھی فروخت کر سکتا ہے اور دوسرے کو وکیل بالبیع بھی بنا سکتا ہے، پھر مکان فروخت کرنے کے بعد جو رقم حاصل

ہوگی حامد مرتبن فقط اپنا حق وصول کریگا اور باقی ماندہ رقم محمود راہن یعنی مالک مکان کو واپس کر دے گا کیونکہ زائد رقم میں مرتبن کا حق نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا وكل الراهن المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيع الرهن عند حلول الدين فالوكالة

جائزة لأنه توكيل ببيع ماله. (الهداية: ۴/ ۵۳۸، باب الرهن الذي يوضع على يد العدل).

تبیین الحقائق میں ہے:

فإن وكل المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيعه عند حلول الدين صح ، لأن الراهن ماله فله أن يوكل من شاء من الأهل ببيع ماله معلقاً أو منجزاً لأن الوكالة يجوز تعليقها بالشرط لكونها من الأسقاطات لأن المانع من التصرف حق المالك وبالتسليط على بيعه أسقط حقه والإسقاطات يجوز تعليقها بالشروط . (تبیین الحقائق: ۶/ ۸۱، ط: امدادیہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

**بلا اجازت راہن رہن کو فروخت کرنے کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص کو گھر یا زمین کی ضرورت تھی مگر اس کے پاس پیسے موجود نہیں تھے، اس نے بینک سے رابطہ کیا، بینک والوں نے وہ زمین بطور وکیل خرید کر اسے دیدی، معاملہ اقساط پر طے ہوا کہ وہ ماہانہ بینک کو اتنی رقم ادا کریگا، بینک نے بطور رہن کوئی چیز رکھی، یعنی اس چیز کے کاغذات اپنے پاس رکھ لیے، کچھ عرصہ کے بعد اس آدمی نے اقساط ادا کرنا بند کر دیا، بینک نے مطالبہ کیا، اس کے باوجود ادا کرنے سے انکار کر دیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بینک اس شی کو بیچ کر اپنا حق وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا و لکم الأجر الحزین۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ راہن کی اجازت سے بیچنا درست ہے، لیکن بلا اجازت بیچنا درست نہیں

ہے ہاں اگر راہن نہ دین ادا کرتا ہے اور نہ بیچنے پر آمادہ ہوتا ہے تو اس کے بارے میں عام طور پر فقہاء یہ تحریر فرماتے ہیں کہ حاکم یا قاضی کے حکم سے بیچنا جائز ہوگا۔

ملاحظہ ہو شرح مجلہ میں ہے:

المادة : ۷۷ - إذا حل أجل الدين وامتنع الراهن عن أدائه ، فالحاكم يأمره ببيع الرهن وأداء الدين فإن أبى وعاند باعه الحاكم وأدى الدين . والعهد على الراهن لا على القاضي ( ردالمحتار ) وهذا قولهما لأنهما يريان الحجر على المديون ، ومذهب الإمام تأييد حبسه إلى أن يبيع الراهن بنفسه ، لأنه لا يرى الحجر على الحر المديون ، وصرح قاضي خان وغيره بأن الفتوى على قولهما ...

المادة : ۷۸ - إذا كان الراهن غائباً ولم تعلم حياته ولا مماته فالمرتهن يرجع الحاكم على أن يبيع الرهن ويستوفى الدين . لما في البرازية ، عن المنية للمرتحن بيع الرهن بإجازة الحاكم وأخذ دينه ، إذا كان الراهن غائباً لا يعرف موته ولا حياته . ( شرح المحلة : ۳ ، ۲۰۲ ، الفصل الرابع في بيع الرهن ) .

قال في الدر المختار : غاب الراهن غيبة منقطعة فرفع المرتحن أمره للقاضي لبيعه بدينه ينبغي أن يجوز . وفي رد المحتار : بقي ما إذا كان حاضراً وامتنع عن بيعه ؛ وفي الولوالجية : يجبر على بيعه ، فإذا امتنع باعه القاضي أو أمينه للمرتحن وأوفاه حقه والعهد على الراهن ، ملخصاً ، وبه أفتى في الحامدية . ( الدر المختار مع رد المحتار : ۵۰۲/۶ ، سعيد ) .

لیکن چونکہ موجودہ دور میں یہ صورت ممکن نہیں ہے اگر مقدمہ دائر کریں گے تو کئی سال انتظار کرنا پڑے گا پھر اس کی وجہ سے مقدمہ کے اخراجات عائد ہوں گے ، اس لیے بہتر صورت یہ ہے کہ مرتحن خود بیچ کر اپنا دین وصول کر لے اور زائد رقم راہن کو واپس کر دے۔ جیسا کہ مشتری اگر ٹرن ادانہ کرتا ہو تو بائع کے لیے ایک طرفہ طور پر فسخ کر کے اپنا ٹرن وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : ( فتاویٰ دارالعلوم ذکریا ، جلد پنجم ، ص ۷۶-۷۹ )۔

البتہ بینک جب بطور رهن کوئی چیز وصول کرتا ہے تو اس کے معاہدہ میں عام طور پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اگر راہن دین ادانہ نہیں کرے گا تو بینک شی مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کرنے کا مجاز ہوگا ، اور اس پر راہن کے

دستخط لیے جاتے ہیں، لہذا اس دستخط کی وجہ سے گویا رہن نے بینک کو وکیل بالبیع بنا دیا اور وکیل بالبیع کا فروخت کرنا جائز اور درست ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔  
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإذا وكل الراهن المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيع الرهن عند حلول الدين فالوكالة جائزة لأنه توكيل ببيع ماله. (الهداية: ۴/۵۳۸، باب الرهن الذي يوضع على يد العدل).  
تبیین الحقائق میں ہے:

فإن وكل المرتهن أو العدل أو غيرهما ببيعه عند حلول الدين صح ، لأن الراهن مالك فله أن يوكل من شاء من الأهل ببيع ماله معلقاً أو منجزاً لأن الوكالة يجوز تعليقها بالشرط لكونها من الإسقاطات لأن المانع من التصرف حق المالك وبالتسليط على بيعه أسقط حقه والإسقاطات يجوز تعليقها بالشروط . (تبیین الحقائق: ۶/۸۷ ط: امدادیہ).  
بنابرین بصورتِ مسئلہ بینک شی مرہون کو فروخت کر کے اپنا حق وصول کرنے کا شرعاً مجاز ہوگا۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

**نا جائز اموال کو بطور رہن رکھنے کا حکم:**

اگر البر کہ بینک کسی عامل کے ساتھ بیع مؤجل کرتا ہے تو بینک مشتری سے رہن لیتا ہے۔

**سوال:** اگر بینک نے سهام بطور رہن لیے اور یہ سهام ناجائز شرکت کے سهام ہوں تو درج ذیل

سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

(۱) کیا البر کہ بینک ایسے ناجائز سهام بطور رہن رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر مدیون نے قرض ادا نہیں کیا تو کیا البر کہ بینک یہ ناجائز سهام بیچ سکتا ہے؟

(۳) جو ربح اس ناجائز سهام سے حاصل ہوا، کیا مرتہن کے لیے بھی ناجائز ہے؟ بینو او کم الاجرا الجزیل۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ جو سهام بالکل ناجائز ہوں وہ واجب التصدق ہیں ان کو بطور رہن رکھنا اور

اس سے فائدہ اٹھانا راہن اور مرتہن دونوں کے لیے درست نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو شرح مجلہ میں ہے:

المادة : ۷۰۹ - يشترط أن يكون المرهون صالحاً للبيع فيلزم أن يكون موجوداً مالملاً متقوماً مقدور التسليم في وقت الرهن . فلا يجوز رهن ما ليس موجوداً وقت العقد ... ولا رهن الميتة والدم ، لانعدام ماليتهما ، ولا رهن صيد الحرم والإحرام ، ... ولا رهن الخمر والخنزير من مسلم سواء كان العاقدان مسلمين أو أحدهما مسلماً ، لانعدام مالية الخمر والخنزير في حق المسلم . (شرح المحجة: ۱۴۲/۳، للمحمد خالد الاتاسي).

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جو اشیاء مسلمان کے حق میں مال متقوم اور قابل انتفاع نہیں ہیں ان اشیاء کو بطور رہن رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ ناجائز اموال، سودی اموال سب مسلمان کے حق میں قابل انتفاع نہیں ہیں بلکہ واجب الصدق ہیں، لہذا ان کو بطور رہن رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

**حکومت کے قانون کے تحت مرتہن کا مرہون پر قبضہ کر لینے کا حکم:**

**سوال:** اگر راہن نے اپنی زمین مرتہن کے پاس بطور رہن رکھی اور طویل مدت (تقریباً بیس سال) تک دین ادا نہیں کیا، تو حکومت کا قانون یہ ہے کہ طویل مدت کے بعد مرتہن زمین کا مالک بن جاتا ہے تو کیا شرعاً مرتہن زمین کا مالک سمجھا جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر خاص وقت تک راہن دائن قرضہ ادا نہ کر سکے اور حکومت کے قانون کے مطابق مرتہن رہن کو زبردستی اپنے پاس رکھ کر اس کا مالک بنے یا حکومتی قانون کے ماتحت مقدمہ چلا کر مرتہن مقدمہ جیت لے تو دونوں صورتوں میں مرتہن اس زمین یا چیز کا شرعاً مالک نہیں بنے گا۔  
حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا يغلق الرهن له غنمه

وعلیه غرمہ“۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، رقم: ۵۹۳۴، قال الشيخ شعيب: رجاله ثقات رجال الشيخين غير اسحاق).

والمراد بقوله عليه الصلاة والسلام: ”لا يعلق الرهن“ على ما قالوا: الاحتباس الكلي والتمكن بأن يصير مملوكاً له. كذا ذكر الكرخي عن السلف. (الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید: ۴/۴۹۹). واللہ اعلم۔

### اشکال اور جواب:

اشکال: ہاں اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ حکومت کے قانون اور استیلاء کی وجہ سے مرتہن مرہون کا مالک بن جانا چاہئے، گویا حکومت کے قانونی غلبہ کی وجہ سے حکومت نے مرتہن کو مالک بنایا جیسے مولانا ظفر احمد عثمانی نے امداد الاحکام (۳/۳۸۲/۴۰۲) میں لکھا ہے اور اس کی تفصیل فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد پنجم میں گزر چکی ہے، تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے مرتہن مالک بن جانا چاہئے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقی استیلاء یہاں نہیں آیا یہاں ایسا نہیں جیسے کسی کار کی ڈیوٹی ادا نہیں کی گئی ہو اور حکومت اس پر قبضہ کرے، اور قانونی استیلاء درحقیقت استیلاء نہیں اگر مرتہن چاہے تو مرہون کو واپس کر سکتا ہے، ہاں حضرت تھانویؒ اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے میراث کے مسئلے میں قانونی استیلاء کو حقیقی استیلاء ضرورت اور تالیف قلب اور مال کی حفاظت اور بطور انتقام حقیقی استیلاء کا درجہ دیا ہے یعنی جب قانون کے ماتحت کافر بیٹا مسلمان باپ کا وارث بنتا ہے تو مسلمان باپ کو بھی کافر بیٹے کا وارث مان لیا گیا ورنہ عجیب بات ہوگی کہ غیر مسلم تو ہمارا مال اڑالیں اور ہم محروم رہیں۔ واللہ اعلم۔

### شئی مرہون کے ہبہ میں قبضہ کا حکم:

سوال: حامد نے محمود کے پاس سے قرض لیکر اس کے عوض زیور رہن رکھا تھا، پھر حامد نے قرض ادا کیا، اور محمود کو وہ زیور ہبہ کر دیا، محمود چونکہ فقہ کی کتابیں پڑھ چکا ہے ان میں لکھا ہے کہ قبض ضمان قبض امان کا قائم مقام



نہیں ہوتا تو تجدید قبض کی ضرورت ہے جب کہ حامد دور کسی اور ملک میں رہتا ہے تو اب کیا کرنا چاہئے؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** یہ مسئلہ ہمارے فتاویٰ میں مفصل گزر چکا ہے یہاں اتنا لکھنا کافی ہے کہ علامہ قاسم بن قطلوبغاؒ نے ”التصحیح والترجیح“ میں لکھا ہے کہ تجدید قبض کے لیے یہ کافی ہے کہ محمود اس چیز کے پاس اتنی دیر رہے جتنی دیر میں اس چیز پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو تحریر فرماتے ہیں:

أما لو كانت في يده ”أى الموهوب له“ رهنأ يحتاج إلى تجديد القبض قال  
الاسيحياني: بأن يرجع إلى موضع فيه العين و يمضى وقت يتمكن عن قبضها. (التصحیح  
والترجیح علی مختصر القدوری، ص ۲۸۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ،  
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾

[النساء: ۲۹]۔

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ:

”عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذْتَ حَتَّى تُؤَدَّى“

(رواه الترمذی)۔

## بَابُ الْغُصْبِ

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

”مَنْ ظَلَمَ شَيْئاً مِنَ الْأَرْضِ ظَلَمَهُ اللَّهُ مِنْ سَبْعِ أَرْضِينَ“

(متفق عليه)۔

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ:

”لَا يَأْخُذُنْ أَحَدُكُمْ مَتَاعُ أَخِيهِ لَاعِباً وَلَا جَاداً،

فَإِذَا أَخَذَ أَحَدُكُمْ عَمَّا صَاحِبِهِ فَلْيُردِّهِ إِلَيْهِ“

(رواه ابوداود)۔

## غصب کے احکام کا بیان

تاوان ادا کرنے کے بعد شی مغسوب کا حکم:

**سوال:** میرے پاس بلڈ پریشر چیک کرنے کی ایک مشین تھی جو بہت عمدہ مشینوں میں شمار کی جاتی تھی، ایک صاحب نے میری غیر موجودگی میں وہ مشین میری اجازت کے بغیر ہمارے گھر سے اٹھالی، بعد میں بتلایا، کچھ دنوں کے بعد میں نے مشین واپس کرنے کے لیے کہا اس نے کہا ٹھیک ہے، لیکن تلاش کرنے کے بعد کہا کہ وہ مشین گم ہوگئی، اور تاوان ادا کر دیا، کچھ مدت کے بعد اس نے یہ نوید سنائی کہ آپ کی مشین مل گئی۔ اب میں اپنی مشین واپس لے سکتا ہوں یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر تاوان مالک کی مرضی کے مطابق ادا کیا گیا تو مالک زبردستی مشین واپس نہیں لے سکتا، اور اگر مالک کی مرضی کے مطابق تاوان نہیں ملا بلکہ غاصب کی مرضی کے مطابق ملا تو مالک مشین واپس لے کر تاوان کی رقم واپس کر سکتا ہے۔  
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

فإن ظهرت العين و قيمتها أكثر مما ضمن وقد ضمها بقول المالك و بينة أقامها أو  
بنكول الغاصب عن اليمين فلا خيار للمالك وهو للغاصب لأنه تم له الملك بسبب  
اتصل به رضاء المالك حيث ادعى هذا المقدار. فإن كان ضمنه بقول الغاصب مع يمينه

فہو بالخیار إن شاء أمضى الضمان وإن شاء أخذ العين ورد العوض لأنه لم يتم رضاه بهذا المقدار حيث يدعى الزيادة وأخذه دونها لعدم الحجة. (الهداية: ۳/۳۸۱، کتاب الغصب).

(و کذا فی البحر الرائق: ۸/۱۲۰، کوئٹہ۔ وتبيين الحقائق: ۵/۲۳۱، امدادیہ، مملتان).

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

فإذا قضى القاضي ثم ظهرت الجارية فإن كان القضاء بالقيمة بالبينة أو بنكول الغاصب أو بإقرار الغاصب بما ادعى المالك من قيمة الجارية كانت الجارية للغاصب لا سبيل للمغصوب منه عليها وإن كان القضاء بالقيمة بزعم الغاصب بعد ما حلف الغاصب بخير المغصوب منه إن شاء استرد الجارية ورد ما قبض على الغاصب وإن شاء أمسك تلك القيمة ولا سبيل عليها. (الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ۳/۲۴۸).

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۰۳، سعید، والفتاوى الهندية: ۵/۱۳۷، الباب السابع فی الدعوى

الواقعة فی الغصب واختلاف الغاصب والمغصوب منه والشهادة فی ذلك).

یعنی اگر غاصب نے مالک کے بیند یا غاصب کی قسم سے گریز یا غاصب کے اقرار کے نتیجے میں قیمت ادا کی ہو اور غاصب کا اقرار مالک کی بتلائی ہوئی قیمت کے موافق تھا تو مالک مغصوب کو واپس نہیں لے سکتا، اور اگر غاصب نے قسم کھا کر قسم کے نتیجے میں قیمت ادا کی ہو تو مالک مغصوب کو واپس لے سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**شی مغصوب خراب ہونے پر تاوان کا حکم:**

**سوال:** ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کا موبائل فون اس کی اجازت کے بغیر لے لیا اور وہ خراب ہو

گیا تو اس پر تاوان ہے یا نہیں؟ اور اگر اجازت سے لیا تو پھر کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ بغیر اجازت کے لے لیا اور ان کے مابین اجازت عرفی بھی نہیں تھی اور فون

خراب ہو گیا تو تاوان لازم ہوگا، اور اگر اجازت سے لیا تھا تو یہ امانت ہے لہذا تعدی اور کوتاہی کے بغیر تاوان نہیں

آئیگا۔

ملاحظہ ہو شرح مجلہ میں ہے:

إذا هلك مال شخص في يد آخر فإن كان أخذه إياه بدون إذن المالك ضمن بكل حال، وإن كان أخذ ذلك المال بإذن صاحبه لا يضمن لأنه أمانة في يده إلا إذا كان أخذه على سوم الشراء وسمى الثمن فهلك المال لزوم الضمان... مثلاً إذا أخذ شخص إناء بلور من دكان البائع بدون إذنه فوقع من يده وأنكسر ضمن قيمته، أما إذا أخذه بإذن صاحبه فوقع من يده بلا قصد أثناء النظر وأنكسر لا يلزمه الضمان... وكذا لو وقع كأس الفقاعى من يد أحد فانكسر وهو يشرب لا يلزمه الضمان لأنه أمانة من قبيل العارية، أما لو وقع بسبب سوء استعماله فأنكر لزوم الضمان. (شرح المجلة: ۳/۲۳۰، المادة: ۷۷۱).

شرح المجلة میں ہے:

الإذن دلالة كالإذن صراحة أما إذا وجد النهي صراحة فلا عبرة للإذن دلالة مثلاً إذا دخل شخص دار آخر بإذنه فوجد إناء معداً للشرب فهو مأذون دلالة بالشرب به فإذا أخذ ذلك الإناء ليشرب به فوقع من يده وهو يشرب فلا ضمان عليه... (شرح المجلة: ۳/۲۳۱، المادة: ۷۷۲).

بدائع الصنائع میں ہے:

فلا شك أن الاتفاق سبب لوجوب الضمان عند اجتماع شرائط الوجوب لأن إتلاف الشيء إخراجاً من أن يكون منتفعاً به منفعة مطلوبة منه عادة، وهذا اعتداء وإضرار وقد قال الله سبحانه وتعالى: ﴿فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ وقال عليه الصلاة والسلام: "لا ضرر ولا ضرار في الإسلام"، وقد تعذر نفى الضرر من حيث الصورة فيجب نفيه من حيث المعنى بالضمان ليقوم الضمان مقام المتلف فينتفى الضرر بالقدر الممكن ولهذا وجب الضمان بالغصب فبالإتلاف أولى... سواء وقع إتلافاً له صورة ومعنى بإخراجه عن كونه صالحاً للانتفاع أو معنى بإحداث معنى فيه يمنع من الانتفاع به مع

قیامہ فی نفسه حقیقہ . (بدائع الصنائع: ۷/۱۶۴، فصل فی مسائل الاتلاف، سعید).

شرح مجملہ میں ہے:

العارية أمانة في يد المستعير فإذا هلك أو ضاعت أو نقصت قيمتها بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان مثلاً إذا سقطت المرأة من يد المستعير بلا عمد أو زلقت رجله فسقطت المرأة فانكسرت لا يلزم الضمان . (شرح المحلة: ۳/۳۱۲).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۸/۱۰۹، کوئٹہ، وشرح المحلة: ۳/۲۳۱، ۳/۳۱۳، موبدائع الصنائع: ۷/۱۴۸، سعید).

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ایک شخص دوسرے کی کتاب مالک کی اجازت کے بغیر خاموشی کے ساتھ لے گیا۔

جواب میں فرمایا: اس کا یہ فعل غصب میں داخل ہے اور حرام ہے اس پر وہ گنہگار ہوگا اگر وہ کتاب موجود ہو تو قیمت ادا کرنا کافی نہیں بلکہ یعنی اس کتاب کا واپس کرنا لازم ہے، جس طرح لایا ہے اسی طرح واپس بھی کر آئے اگر وہ تلف ہوگئی تو اس کی قیمت... یا وہ کتاب خرید کر دے دے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶/۳۳، مکتبہ محمودیہ)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقار کے غصب کا حکم:

سوال: میں ایک کمزور آدمی ہوں میری ایک زمین پر ایک بدمعاش آدمی نے قبضہ کر لیا اور پانچ سال تک اپنے قبضہ میں رکھا، اس عرصہ میں تین سال تک اس نے خود فائدہ اٹھایا اور دو سال زمین کو کرایہ پر دیا اور کرایہ وصول کیا، الغرض مختلف ذرائع استعمال کر کے زمین اس کے قبضہ سے واپس لے لی گئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس عرصہ کا تاوان اس پر لازم ہوگا یا نہیں؟ یاد رہے کہ اس مدت میں زمین کی قیمت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔ بیڑا تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ زمین کے غصب کی وجہ سے اگر زمین کو کوئی نقصان نہیں ہوا ہے تو کوئی

تاوان غاصب پر واجب اور لازم نہیں ہے، البتہ مدت استعمال کی اجرت طلب کرنا چاہیے تو اس کی گنجائش ہے۔  
ملاحظہ ہو شرح مجلہ میں ہے:

إن الغصب على ضربين، ما هو موجب للضمان فيشترط له إزالة اليد المحقة، وما هو موجب للرد فيشترط له إزالة إثبات اليد المبطله. وأن الحد المذكور في تلك المادة إنما هو للضرب الثاني فباعباره يتحقق الغصب في العقار اتفاقاً بين أئمتنا الثلاثة، إذ لا خلاف بينهم في وجوب الرد، بل وفي جميع ما عدا حكم الضمان من أحكام الغصب.  
نعم الخلاف بينهم في حكم الضمان لو هلك بأفة سماوية، فالإمامان اشترطا لتحقيق الغصب الموجب للضمان أن يكون المغصوب منقولاً، لأنه يشترط لذلك إزالة اليد المحقة كما علمت، وهذه الإزالة لا تتحقق إلا بنقل المغصوب من مكانه إلى مكان آخر، وهذا لا يمكن في العقار.

وقال محمد: إن استيلاء الغاصب على العقار المغصوب قائم مقام الإزالة، فيكون مضموناً بالهلاك، وقولهما مشتم عليه المتون، وعليه الفتوى إلا في عقار الوقف واليتيم والمعد للاستغلال، فإن الفتوى فيها على قول محمد بالضمان. (شرح المحلّة: ۳/۴۸، ملاتاسی).  
عائگی میں ہے:

وسئل شيخ الإسلام عطاء بن حمزة عن زرع أرض إنسان بذور نفسه بغير إذن صاحب الأرض هل لصاحب الأرض أن يطالبه بحصة الأرض قال: نعم إن جرى العرف في تلك القرية أنهم يزرعون الأرض بثلث الخارج أربعه أو نصفه أو بشيء مقدر شائع يجب ذلك القدر الذي جرى به العرف. (الفتاوى الهندية: ۵/۱۴۴).

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

فالحاصل أن من زرع أرض غيره بلا إذنه ولو على وجه الغصب فإن كانت الأرض ملكاً وأعدّها ربها للزراعة اعتبر العرف في الحصة إن كان ثمة عرف وإلا فإن أعدّها

للإيجار فالخارج كله للزارع وعليه أجر مثلها لربها وإلا فإن انتقصت فعلية النقصان وإلا فلا شيء عليه. (تنقيح الفتاوى الهندية: ۱۷۲/۲).

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے:

شرعاً کسی کا مال غصب کرنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا حرام ہے زمانہ غصب میں جو کچھ مغصوبہ سے حاصل ہوا ہو وہ مغصوب منہ کا حق ہے، بنا بریں مغصوب منہ مغصوبہ زمین کی جملہ پیداوار کا مطالبہ کر سکتا ہے، اسی طرح مغصوبہ زمین کی بازیابی کے بعد مساجد اور دیگر رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کی ہوئی رقم کی واپسی کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے، مگر علاقے کے عرف کے مطابق غاصب کو اجرت مزارعت دینا لازم ہوگا۔ (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۱۰۶/۲، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

## شی مغصوب میں کمی واقع ہونے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے دوسرے شخص کی ایک مشین غصب کر لی کچھ مدت کے بعد واپس کی لیکن درمیان میں اس کی قیمت بہت کم ہو گئی تقریباً نصف قیمت رہ گئی، لیکن ٹوٹی نہیں، تو کیا تاوان واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر غاصب کے تصرف کی وجہ سے قیمت کم ہو گئی تو غاصب پر تاوان واجب ہوگا لیکن اگر اس کے تصرف کے بغیر کمی واقع ہوئی ہے اور اس نے غصب کی جگہ سپرد کی تو غاصب اس کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہو صاحبِ عنایہ علامہ اسلم الدین بابر ترقی فرماتے ہیں:

فإن كان النقصان بتراجع السعر فلا يخلو إما أن يكون الرد في مكان الغصب أولاً، فإن كان فيه فلا ضمان عليه لأن تراجع السعر بفتور الرغبات لا بفوات جزء، وإن لم يكن فيه يخير المالك بين أخذ القيمة والانتظار إلى الذهاب إلى ذلك المكان فيسترده، لأن النقصان حصل من قبل الغاصب بنقله إلى هذا المكان فكان له أن يلنزم الضرر ويطالبه



بالقيمة ، وله أن ينتظر . (العناية شرح الهداية: ۳۲۷/۹، دارالفکر).

رد المحتار میں ہے:

تنبيه: النقصان أنواع أربعة: بتراجع السعر، وبفوات أجزاء العين، وبفوات وصف مرغوب فيه كالسمع والبصر واليد والأذن في العبد والصباغة في الذهب والبيس في الحنطة وبفوات معنى مرغوب فيه ؛

فالأول : لا يوجب الضمان في جميع الأحوال إذا رد العين في مكان الغصب .

والثاني : يوجب الضمان في جميع الأحوال .

والثالث : يوجب الضمان في غير مال الربا نحو أن يغصب حنطة ففقدت عنده أو إناء فضة فهشم في يده فصاحبه بالخيار إن شاء أخذ ذلك نفسه ولا شيء له غيره وإن شاء تركه وضمنه مثله تفادياً عن الربا .

والرابع : هو فوات المعنى المرغوب فيه في العين كالعبد المحترف إذا نسي الحرفة في يد الغاصب، أو كان شاباً فشاخ في يده يوجب الضمان أيضاً، هذا إذا كان النقصان قليلاً أما إذا كان كثيراً فيخير المالك بين أخذه وتركه مع أخذ جميع قيمته . (فتاوى الشامى: ۱۸۸/۶، كتاب الغصب، سعيد).

وللمزيد راجع : (شرح المحلة ۴۲۹/۳، المادة: ۹۰۰، لمحمد خالد الاتاسى). واللہ اعلم۔

## منافع غصب کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے کسی کی گاڑی غصب کر لی، تین مہینے چلائی اور خوب رینڈ کمائے، پھر گاڑی مالک کو واپس کر دی تو اس پر خفی مذہب کے مطابق تاوان آئیگا یا نہیں؟ یہ بھی یاد رہے کہ گاڑی میں کوئی نقصان نہیں آیا؟

**الجواب:** مذہب احتاف کے مطابق گاڑی چلانے اور کرایہ حاصل کرنے کے بعد اگر کرایہ کی رقم موجود ہو تو مالک کو دے دی جائیگی اور اگر غاصب نے استعمال کر لی ہے تو تاوان نہیں، لیکن فی زمانہ مفتی یہ قول یہ

ہے کہ اگر گاڑی کرایہ کے لیے ہے تو پھر جتنے دن غاصب نے استعمال کی ہے اتنے دنوں کا کرایہ لازم ہے۔  
 بلکہ محقق ابن ہمامؒ اور شیخ حلبیؒ اور شارح مجلہ شیخ عی حیدرؒ کے قول کے مطابق اگر گاڑی کرایہ کے لیے نہ  
 ہو تب بھی تاوان آریگا اور ظالموں کو ظلم سے روکنے کے لیے یہی قول مناسب ہے۔  
 ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ومنافع الغصب غیر مضمونہ... إلا فی ثلاث فیجب أجر المثل علی اختیار  
 المتأخرین... أن یکون وقفاً... أو للاستغلال أو مال الیتیم... (الدر المختار: ۶/۲۰۶، سعید).  
 بتایہ شرح ہدایہ میں ہے:

قال مشایخنا: هذا إذا لم یکن معداً للاستغلال فإن کان معداً له یضمن المنافع  
 بالغصب. (البنایة: ۱۰/۲۹۳).  
 التحریر فی أصول الفقه میں ہے:

(وینبغی مثله) أى الإفتاء بضمان إتلاف المنافع مطلقاً زماناً ومکاناً (لو غلب غصب  
 المنافع) مطلقاً فیہما، وإن کان علی خلاف القیاس فی باب الضمان زجراً للغصبة عن  
 ذلك، وقد أسلفنا فی أواخر التقسیم الأول من أقسام الوقت المقید به الواجب... و حکایة  
 بعضهم الإجماع علی ضمان المنافع بالغصب والإتلاف إذا کان العین معداً للاستغلال،  
 وإذا کان الموجب لذلك الزجر للغصبة والحفظ لأموال الضعفة فلا بأس بالفتوی  
 بضمانها حیثیذ علی الإطلاق، لاحتیاج ما سوى هؤلاء إلی هذا الارتفاق وحسماً لمادة هذا  
 الفساد بین العباد. (التحریر لابن الہمام مع التقرير لحنلی: ۳/۲۶۰، ط: بیروت).

وفی التقرير للشیخ الحلبي: وفی المجتبى: وأصحابنا المتأخرون یفتون بقول  
 الشافعی... وفی جامع الفتاوی نقلاً عن المحيط: الصحیح لزوم الأجر إن معداً للاستغلال  
 بکل حال، وحکی بعضهم الإجماع علی ضمان المنافع بالغصب والإتلاف إذا کان العین  
 معداً للاستغلال. (التقرير: ۲/۱۶۸، ط: بیروت).

دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

أن منافع المغصوب غير مضمونة مطلقاً عند الإمام الأعظم المجتهد في الشرع والإمامين أبي يوسف ومحمد المجتهدين في المذهب إلا أن متأخرى الفقهاء أهل التخريج والترحيج الحنفية شاهدوا تعدى الناس على أموال الأيتام والأوقاف فأفتوا بلزوم الضمان فيهما قطعاً للأطماع الفاسدة. انظر شرح المادتين (٣٩ و ٥٩٦) إلا أن الإفتاء يجب أن يكون على فتوى الإمام الشافعي المجتهد في الشرع وأن القول الذي قيل في المجلة بعدم ضمان منافع المغصوب فيما عدا المعد للاستغلال وأموال الأوقاف والأيتام فيؤمل قريباً أن يعمل بقول الإمام الشافعي بسبب زيادة التعدي على الحقوق فتصبح منافع المغصوب مضمونة. (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام: ٥٤٩/٤، بیروت).

وفيه أيضاً: أن فقهاءنا المتأخرين قد أخذوا في جواز هذه المسألة بقول الإمام الشافعي دون أقوال أئمتنا الثلاثة وللمنافع قيمة كبرى في هذا الزمان، كما لو أنشأ أحد بنفسه قصراً للاصطياف وكان أجر المثل السنوي لهذا القصر سبعين جنيهاً فانتهز شخص آخر غياپ صاحب القصر وسكنه مدة ثلاث سنوات غصباً، فعلى رأي الأئمة الحنفية لا يلزمه أجر، أما عند الشافعي فيلزمه، وبما أن المتأخرين من فقهاء الحنفية قالوا بضمان المنفعة في مال الوقف واليتيم فيجب على فقهاء عصرنا هذا أن يتشاوروا ويتخذوا قراراً بخصوص قبول مذهب الشافعي في عموم منافع الأموال... ولزم ضمان المنفعة فيما هو معد للاستغلال إنما لأن استعماله يقوم مقام العقد الفاسد. (دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام: ٥٨٥/٢، المادة: ٥٩٦، ط: بیروت). واللہ اعلم۔

مکان کے غصب پر تاوان کا حکم:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کے مکان پر جا براندہ غاصبانہ قبضہ کر لیا اور دو ماہ اس میں رہا پھر مکان

اس آدمی سے چھڑا لیا گیا۔ کیا غاصب پر کرایہ لازم ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عقار کے غصب کا مسئلہ پہلے مذکور ہوا، خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکان میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوا تو تاوان واجب نہیں ہے البتہ اگر مکان کرایہ کے لیے تیار کیا گیا تھا تو دو ماہ کا کرایہ لازم ہوگا۔ نیز اگر کرایہ کے لیے نہ ہو پھر بھی تاوان آنا چاہئے۔ کما مر۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ الشامی میں ہے:

ومنافع الغصب غیر مضمونۃ... إلا فی ثلاث فیجب أجرة المثل عند المتأخرین... أن  
یکون وقفاً... أو مال الیتیم... أو معداً للاستغلال. (فتاویٰ الشامی: ۶/۲۰۶، سعید).  
بنیاد شرح ہدایہ میں ہے:

قال مشایخنا: هذا إذا لم یکن معداً للاستغلال فإن کان معداً له یضمن المنافع  
بالغصب. (البنایۃ: ۱۰/۲۹۴).  
مزید دلائل کے لیے ملاحظہ ہو مسئلہ ”عقار کے غصب کا حکم“ و ”منافع غصب کا حکم“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**غلہ غصب کر کے اس کی کاشت کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص نے کچھ اناج غلہ کو چوری کیا اور اس کو کاشت کر کے فصل تیار کی، بعد میں اس کو توبہ کی توفیق ہوئی تو اب پوری فصل مالک کو دیگا یا صرف چوری کردہ غلہ دیگا پھر بقیہ کو کیا کرے گا، نیز اگر بیج کر حاصل شدہ مال سے تجارت شروع کی اور ربح کثیر کمایا تو اس کا کیا حکم ہے؟ بیوا تو جروا۔

**الجواب:** حنفیہ کے نزدیک شیء منغوب میں غاصب کے فعل سے ایسا تغیر آجائے کہ اس شیء کا نام ہی تبدیل ہو جائے اور اس کے اکثر منافع بھی ختم ہو جائیں تو غاصب اس شیء کا مالک بن جاتا ہے، پھر اس پر حاصل ہونے والے منافع بھی غاصب ہی کی ملک میں ہوں گے، ہاں غاصب پر شیء منغوب کا بدلہ ادا کرنا لازم ہوگا، اور اس کی ادائیگی سے قبل منافع سے انتفاع حلال نہیں ہوگا۔

پھر انتفاع کا حکم یہ ہے کہ اگر مالی مغبوب کی طرف اشارہ کر کے کوئی چیز خریدی اور وہ مشارالیه مالی حرام قیمت میں ادا کر دیا تو اس کی آمدنی ناجائز ہے اور واجب التصدق ہے، لیکن اگر مالی حرام کی طرف اشارہ کیے بغیر اس مال سے کچھ خریدا یا مالی حرام کی طرف اشارہ کیا لیکن مالی حلال ادا کیا تو اس صورت میں امام ابو الحسنؒ کرنی کے نزدیک کمایا ہوا نفع حلال ہوگا، صرف اصل مالی حرام واجب التصدق ہوگا۔

اور صورتِ مسئلہ میں تو حقیقی مغبوب ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل ہو، لہذا اپید اور غاصب کی ملک میں ہوگی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک صدقہ کرنا بھی لازم نہیں ہوگا۔ البتہ احتیاطاً تصدق افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ مع فتح القدر میں ہے:

وإذا تغيرت العين المغمصوبة بفعل الغاصب حتى زال اسمها وعظم منافعها زال ملك المغمصوب منه عنها وملكها الغاصب وضمنها ولا يحل له الانتفاع بها حتى يؤدي بدلها... وجه الاستحسان قوله عليه السلام في الشاة المذبوحة المصلية بغير رضا صاحبها "أطعموها الأسارى" أفاد الأمر بالتصدق زوال ملك المالك وحرمة الانتفاع للغاصب قبل الإرضاء... وعلى هذا الخلاف إذا غصب حنطة فزرعها أو نواة فغرسها غير أنه عند أبي يوسفٍ يباح الانتفاع فيهما قبل أداء الضمان لوجود الاستهلاك من كل وجه... وفي الحنطة يزرعها لا يتصدق بالفضل عنده خلافاً لهما. (الهداية مع فتح القدير: ۹/۳۳۲-۳۳۶، دار الفکر).

وفی المبسوط للإمام السرخسیؒ: "وإن غصب حنطة فزرعها ثم جاء صاحبها وقد أدرك الزرع أو هو بقل فعليه حنطة مثل حنطته ولا سبيل له على الزرع عندنا... وحقنا في ذلك أن الزرع غير الحنطة لأن الحنطة مطعوم بني آدم والزرع بقل هو علف الدواب وهذا الزرع حادث لأنه مالم يفسد الحب في الأرض لا ينبت الزرع... وإذا ثبت أنه مضاف إلى عمل الزارع كان هو مكتسباً للزرع والكسب ملك للمكتسب وعليه ضمان ما صار مستهلكاً بعمله إلا أنه لا يطيب له الفضل في قول أبي حنيفةؒ ومحمدؒ وعند أبي يوسفؒ يطيب له الفضل لأنه كسبه ولكننا نقول دخل في كسبه من حيث أنه استعمل في الاكتساب

ملک الغیر ولأنه من حيث الصورة هذا متولد من ذلك الأصل... ومن حيث المعنى والحکم غیره فلا اعتبار الصورة قلنا لا يطيب له الفضل احتياطاً. (المبسوط: ۱۱/۹۴).

وللمزيد راجع: (شرح المحلة للأناسی: ۳/۲۶۴، ودرر الحکام شرح محلة الاحکام: ۲/۴۸۶، المادة: ۸۹۹، ط: بیروت، و الفتاوی الهندیة: ۳/۱۴۰، و البدائع: ۷/۱۵۳، کتاب الغصب، سعید).  
در مختار میں ہے:

لو تصرف فی المغصوب والودیعة بأن باعه وربح فيه إذا كان ذلك متعيناً بالإشارة أو بالشراء بدراهم الودیعة أو الغصب ونقدها یعنی يتصدق بربح حصل فيهما إذا كانا مما يتعين بالإشارة وإن كانا مما لا يتعين فعلى أربعة أوجه فإن أشار إليها ونقدها فذلك يتصدق وإن أشار إليها ونقد غيرها أو أشار إلى غيرها ونقدها أو أطلق ولم يشر ونقدها لا يتصدق في الصور الثلاث عند الكرخي قيل: وبه يفتى. (الدر المختار: ۶/۱۸۹، سعید).

وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار وزاد بقوله: والمختار أنه لا يحل مطلقاً كذا في الملتقى ولو بعد الضمان هو الصحيح كما في فتاوى نوازل واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام وهذا كله على قولهما وعند أبي يوسف لا يتصدق بشيء منه كما لو اختلف الجنس ذكره الزيلعي. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۴/۱۰۵).

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق فصل واجب التصدق نہیں ہے، اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے، ہاں علامہ سرحدیؒ کے قول کے مطابق احتیاطاً صدقہ کر دینا افضل ہے۔ پھر آئندہ ایسا نہ کرے کیونکہ مالِ مغصوب کافی الفور مالک کو پہنچانا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شی مغصوب سے انتفاع کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کوئی چیز غصب کی یا چوری کی پھر مالک کو اس کا عوض دیا یا مالک معلوم نہ ہونے کی بنا پر اس کی طرف سے قیمت کا صدقہ کر دیا تو اب اس چیز کا استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ عینِ مغضوب کا مالک کو پہنچانا لازم اور ضروری ہے، اس سے کسی قسم کا انتفاع ناجائز ہے، اگر مالک معلوم نہ ہو تو مالک کی طرف سے اس چیز کا تصدق لازم ہے۔ الا یہ کہ شئی مغضوب ہلاک ہو جائے تو پھر قیمت واجب ہوگی۔ ہاں مالک خود معاف کر دے یا بخوشی انتفاع کی اجازت دیدے تو اس کے اختیار میں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ مع شرح العناية میں ہے:

قال ( وعلى الغاصب رد العين المغمضوبة ) معناه مادام قائماً لقوله عليه الصلاة والسلام: "على اليد ما أخذت حتى ترد" أى على صاحب اليد عين ما أخذت اليد حتى ترد، وقال عليه الصلاة والسلام: "لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده عليه" ولأن اليد حق مقصود وقد فوتها عليه فيجب إعادتها بالرد إليه، وهو الموجب الأصلي على ما قالوا، ورد القيمة مخلص خلفاً لأنه قاصر إذ الكمال فى رد العين والمالية. قيل (القائل هو الاتقاني، سعدى): والصحيح هو الأول لأن الموجب الأصلي لو كان القيمة لجاز للغاصب أن يمتنع عن رد العين إذا قدر على القيمة... (الهداية مع العناية: ۳۲۲/۹، دار الفكر). وفي حاشية الشيخ سعدى جلى: ثبت ذلك (رد العين) على خلاف القياس بالنص فيقتصر على مورد ۵. (حاشية الشيخ سعدى جلى على العناية: ۳۲۲/۹، دار الفكر، والبدائع: ۱۵۱/۷، كتاب الغضب، سعيد). والله أعلم.

**غیر جنس سے حق وصول کرنے کا حکم:**

**سوال:** اگر کسی شخص نے زید کا مال غصب کیا تو کیا زید اپنے مال کی جگہ اتنی قیمت کی دوسری کوئی اور چیز لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینو اتو جروا۔

**الجواب:** اصل مذہب یہ ہے کہ غیر جنس سے حق وصول کرنا ناجائز ہے لیکن موجودہ دور میں فساد زمانہ

کی وجہ سے فتویٰ اس پر ہے کہ غیر جنس سے حق وصول کرنا جائز اور درست ہے۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله وأطلق الشافعي أخذ خلاف الجنس) أى من النقود أو العروض؛ لأن النقود يجوز أخذها عندنا على ما قررناه آنفاً. قال القهستاني: وفيه إيماء إلى أن له أن يأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فى المالية، وهذا أوسع فيجوز الأخذ به وإن لم يكن مذهبا فإن الإنسان يعذر فى العمل به عند الضرورة كما فى الزاهدى. قلت: وهذا ما قالوا: إنه لا مستند له، لكن رأيت فى شرح نظم الكنز للمقدسي من كتاب الحجر. قال: ونقل جد والدي لأمه الجمال الأشقر فى شرحه للقدوري أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان فى زمانهم لمطاولتهم فى الحقوق. والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أى مال كان لاسيما فى ديارنا لمداءومتهم للعقوق:

قال الشاعر:

عفاء على هذا الزمان فإنه ☆ زمان عقوق لازمان حقوق

وكل رفيق فيه غير مرافق ☆ وكل صديق فيه غير صدوق

(فتاوى الشامى: ۹۵/۴، باب المارقة، سعيد).

وكذا نقل الطحطاوى عن الزاهدى. انظر: (حاشية الطحطاوى على

الدر المختار: ۲/۲۴، كتاب المارقة، ط: كوثه).

ہاں مطلقاً جائز نہیں ہے بلکہ جہاں ضرورت ہو وہاں خلاف جنس سے حق وصول کر سکتے ہیں علامہ سندھیؒ نے اسی طرح لکھا ہے جس کو علامہ رائےؒ نے اپنی تقریرات میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

(قوله والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة الخ) أى عند الضرورة كما يفيد

عبارة المجتبى إذ عند عدمها لا يؤخذ بمذهب الغير وبه يرد على من جوزه مطلقاً، سندى

عن شرح نظم الكنز. (التحرير المختار على هامش فتاوى الشامى: ۵۰/۴، سعيد).



علامہ شامیؒ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

تنبيه: قال الحموي في شرح الكنز نقلاً عن العلامة المقدسي عن جده الأشقر عن شرح القدوري للأخصب أن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس كان في زمانهم لمطاوعتهم في الحقوق والفتوى اليوم على جواز الأخذ عند القدرة من أي مال كان لاسيما في ديارنا لمداد متهم العقوق، قال الشاعر..... الخ. (فتاوى الشامی: ۱۵۱/۶، سعید).

و کذا نقل عنه فی تکملة فتح الملهم: ۵۸۰/۲.

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ہم احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ مدیون کے مال سے دین کے علاوہ کسی دوسری جنس میں دین وصول کرنا جائز نہیں ہے، لیکن علامہ حمویؒ نے شرح کنز میں مقدسی عن جده الاشقر عن شرح القدوري للأخصب کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خلاف جنس سے قرض وصول کر لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل مفتی بہ یہ ہے کہ مدیون کا جس قسم کا مال قابو میں آجائے اس میں سے قرض وصول کر لینا جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۱۵۴/۸، دار الاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

**بچہ کو اغوا کرنے پر تاوان کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص نے کسی کا تین سالہ بچہ اغوا کر لیا اور وہ بچہ مغوی کے پاس مر گیا تو اس پر تاوان یا دیت واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر بڑا بچہ ۱۵ سالہ اغوا کر لیا اور مر گیا تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بصورت مسئلہ اگر بچہ کو معتاد جگہ پر رکھا اور بچہ خود بخود یا بخار وغیرہ کی وجہ سے مر گیا تو مغوی پر رمضان واجب نہیں ہے، اور اگر غیر معتاد جگہ پر رکھا اور وہ بایا وہاں کی بیماری کی وجہ سے مر گیا یا سانپ وغیرہ نے ڈس لیا یا کسی آفت کی وجہ سے مر گیا تو اغوا کنندہ کے خاندان پر دیت واجب ہوگی۔ اور چھوٹے بچہ سے مراد اتنا چھوٹا ہو جو اپنا تعارف نہیں کر سکتا ہو مثلاً تین سالہ بچہ۔

اور اگر بالغ لڑکے کو اغوا کیا، پھر ایسی قید میں رکھا کہ وہ اپنی حفاظت نہ کر سکے اور ہلاک ہو گیا تو تادان آئے گا لیکن اگر اپنی حفاظت کر سکتا تھا اور کسی چیز کے گرنے سے سانپ کے ڈسنے سے ہلاک ہو گیا تو تادان نہیں آئیگا۔  
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

غصب رجل صبيّاً حرّاً لا يعبر عن نفسه والمراد بغصبه الذهاب به بلا إذن وليه فمات هذا الحر في يده فجأة أو بحمي لم يضمن وإن مات بصاعقة أو نهش حية فديته على عاقلة الغاصب استحساناً لتسببه بنقله لمكان الصواعق أو الحيات حتى لو نقله لموضع يغلب فيه الحمى والأمراض ضمن فتجب فيه الدية على العاقلة لكونه قتلاً تسبباً، هداية وغيرها، قلت: بقي لو نقل الحر الكبير لهذه الأماكن تعدياً إن مقيداً ولم يمكنه التحرز عنه ضمن، وإن لم يمنعه من حفظ نفسه لا، لأنه بتقصيره فحكم صغير ككبير مقيد عناية.

وفي رد المحتار: قوله لا يعبر عن نفسه لأنه لو كان يعبر يعارضه بلسانه، فلا تثبت يده حكماً كذا في الشرنبلالية عن البرهان؛ ومثله في الكفاية والقهستاني وغيرهما. قوله بصاعقة أي نار تسقط من السماء أو كل عذاب مهلك كما في القاموس، فيشمل الحر الشديد والبرد الشديد والغرق في الماء، والتردي من مكان عال كما في الخانية وغيرها قهستاني. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۳، فصل في غصب القن وغيره، سعيد).

(و كذا في البدائع: ۱۴۶/۷، كتاب الغصب، سعيد، و تبين الحقائق: ۶/۱۶۷، و ملتقى الابحر، ص ۳۹۵).

وفی ”الفقه الحنفی وأدلته“ (۳/۱۱۴، ط: بیروت): من اختطف صبيّاً، فمرض فمات في يد الغاصب، فلا ضمان عليه أبي حنيفة، وإن لم يمرض، ولم يمت، ولكن قتله رجل في يد الغاصب خطأ، فإن لأوليائه أن يطالبوا أيهما شاء وبالدية، فإن طالبوا الغاصب، رجع على القاتل، وإن طالبوا القاتل، لم يرجع على الغاصب، وكل هذا الضمان على العاقلة، وإن قتله عمداً كان أولياءه بالخيار، إن شاء واقتلوا القاتل، وبرئ الغاصب، وإن شاء واقتلوا الغاصب بالدية على قاتله الغاصب، وتؤخذ من مال القاتل. ولو قتل الصبي نفسه، أو طرح

نفسه من السيارة ، لا ضمان على الغاصب ، لأن الطفل هو الذي جنى على نفسه .

والله اعلم۔

## غصب کردہ اموال کے منافع کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے کسی کا مال چوری کیا یا غصب کیا اور اس مال سے تجارت کر کے اس کو خوب بڑھایا، اب تبلیغی جماعت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دی اب یہ تمام کمایا ہوا مال مالک کا ہے یا صرف چوری شدہ اور غصب شدہ مال واپس کیا جائے گا پھر باقی مال تائب کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** مذکورہ صورت میں چوری شدہ اور غصب شدہ مال واپس کیا جائے گا اور اس مال سے جو کمایا ہوا مال ہے اس کی درج ذیل چند صورتیں ہو سکتی ہے:-

(۱) غصب شدہ مال کو متعین کر کے اس کے بدلے میں حلال مال خرید اور پھر وہ غصب شدہ یا چوری شدہ

مال قیمت میں ادا کیا۔

(۲) غصب شدہ مال کو متعین کیے بغیر حلال چیز خریدی پھر غصب شدہ مال کو قیمت میں ادا کیا۔

(۳) مال حلال کو متعین کیا اور غصب شدہ مال ادا کیا۔

(۴) غصب شدہ متعین کیا اور حلال مال ادا کیا۔

پہلی صورت میں حاصل شدہ آمدنی ناجائز اور واجب التصدق ہوگی باقی صورتوں میں امام ابو الحسن الکرخیؒ کے نزدیک حاصل شدہ اموال کے استعمال کی گنجائش ہے لہذا تائب کے لیے باقی مال استعمال کرنا جائز ہوگا۔  
ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

و من غصب شيئاً مما له مثل فهلک في يده فعليه ضمان مثله وإن كان مما لا مثل له

فعليه قيمته يوم الغصب . (مختصر القدوری ، ص ۲۹۵ ، مؤسسة الريان) .

رد المحتار میں ہے:

لأن سبيل الكسب الخبيث التصديق إذا تعذر الرد على صاحبه . (رد المحتار: ۶ ، ۳۸۵ ،

سعيد).

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

اشتری بدرہم مفسوبہ ، أو بدرہم اکتسبہا من الحرام شیئاً ، فهذا علی وجہ :  
 (۱) إما أن دفع إلى البائع تلك الدراهم أو لا ، ثم اشتری منه بتلك الدراهم ، (۲) إذا  
 اشتری قبل الدفع بتلك الدراهم ، ودفعها ، (۳) أو اشتری قبل الدفع بتلك الدراهم ،  
 ودفع غیر تلك الدراهم ، (۴) أو اشتری مطلقاً ، ودفع تلك الدراهم ، (۵) أو اشتری  
 بدرہم آخر ، ودفع تلك الدراهم ، ففي الوجہ كلها لا طیب له التناول قبل ضمان یعنی  
 قبل ضمان الدراهم ، وبعد الضمان یطیب له الربح ، هكذا ذكره فی الجامع الصغير قال أبو  
 الحسن الكرخي: " هذا الجواب صحيح فی الوجہ الأول والثاني ، أما فی الوجہ الثالث  
 والرابع والخامس یطیب له ، والیوم قالوا : الفتویٰ علی قول أبي الحسن الكرخي " ، لكثرة  
 الحرام دفعاً للحرج علی الناس ، و علی هذا تقرر رأی الصدر الشہید " . ( الفتاوی التاتارخانیة :  
 ۵۱۰/۱ ط : دیوبند ) .

وللمزید راجع : ( الدر المختار مع رد المحتار : ۲۳۵/۵ ، سعید بن الدر المختار : ۱۸۹/۶ ، سعید بن حاشیة  
 الطحطاوی علی الدر المختار : ۱۰۵/۴ ، کوئٹہ ) .

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس قدر مال بطریق حرام کمایا اس کی واپسی لازم ہے... لیکن اس مال کے ذریعہ دوسرا حلال مال  
 کمایا گیا اس کو حرام نہ کہا جائے گا۔ ( فتاویٰ محمودیہ : ۳۰۸/۱۸ ، فاروقیہ ، ۳۱۰/۱۸ ) ۔ واللہ اعلم ۔

## کافر مغضوب منہ کی طرف سے صدقہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے کافر کا مال غصب کیا اور اس کی جگہ معلوم نہیں ہے تو مسلمان اس کے ساتھ کیا  
 کرے گا اگر اس کی طرف سے صدقہ کرے گا تو کافر کی طرف سے صدقہ ہو سکتا ہے؟ بیوقوف جواب۔

**الجواب:** عین مغضوب کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس کر دی جائے جب تک موجود ہوا اگر ہلاک ہوگئی ہو تو تاوان واجب ہوگا، لیکن اگر مالک کا صحیح پتہ نہ ہو اور نہ پتہ لگانا آسان ہو تو پھر اس کی طرف سے صدقہ کیا جائیگا، البتہ کافر کی طرف سے ایصالِ ثواب نہیں ہو سکتا اس لیے بلا نیتِ ثواب دیدے جیسے مردار کتے وغیرہ کو گھر سے باہر نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

و یجب رد عین المغضوب لقوله عليه الصلاة والسلام على اليد ما أخذت حتى ترد  
ولقوله عليه الصلاة والسلام: لا يحل لأحد أن يأخذ مال أخيه لاعباً ولا جاداً، وإن أخذه  
فليرده عليه. (فتاویٰ الشامی: ۱۸۲/۶، سعید).

مالِ مغضوب واپس کرنے سے بری الذمہ ہوتا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله يرد بأى رد العين المغصوبة إلى المغضوب منه. (فتاویٰ الشامی: ۱۸۲/۶، سعید).  
کافر کی طرف سے ایصالِ ثواب ممکن نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عبد الرزاق قال حدثنا معمر عن يحيى بن أبي كثير قال أحسبه عن عمرو بن شعيب  
قال: كان على العاص بن وائل مائة رقبة يعتقها فجعل على ابنه هشام خمسين رقبة وعلى  
ابنه عمرو وخمسين رقبة فذكر ذلك عمرو لرسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول  
الله صلى الله عليه وسلم: إنه لا يعتق عن كافر ولو كان مسلماً فأعتقت عنه أو تصدقت  
أو حججت بلغه ذلك. (أخرجه عبد الرزاق: ۹/۶۱/۹۶۳۴).

عمدة القاری میں ہے: إن الكافر لا تصح منه قرية فيكون مثاباً على طاعته، ويصح أن يكون  
مطيعاً غير متقرب كتنظيره في الإيمان، فإنه مطيع من حيث كان موافقاً للأمر والطاعة عندها  
موافقة للأمر، ولكنه لا يكون متقرباً، لأن من شرط التقرب أن يكون عارفاً بالمتقرب إليه،  
وهو في حين نظره لم يحصل له العلم بالله تعالى بعد. (عمدة القاری: ۱۵/۶، باب من تصدق في

الشركة، ط: دار الحديث، ملتان). واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کو آخرت میں طاعات پر اجر ملنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے غیر مسلم کے مال کو چوری کیا یا چھین لیا تو کیا قیامت کے دن غیر مسلم کو مسلمان کے حسنات دئے جائیں گے یا نہیں؟ اور کیا اس فعل کا بوجھ مسلمان پر آئے گا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ مسلمان کی نیکیاں کافر کو نہیں دی جائیں گی کیونکہ کفار اس کے اہل ہی نہیں ہیں یعنی ان کے اندر اس کی اہلیت نہیں ہے کہ وہ ثواب کے مستحق ہوں اور جو کچھ دنیا میں انہوں نے نیکی کے کام کیے ہیں تو اس کی وجہ سے تخفیف ہو سکتی ہے، البتہ بعض علماء کے نزدیک کفر کے علاوہ کافر کے دوسرے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں۔

اور کافر سے مراد ذمی اور متامن ہے یعنی جو محارب نہ ہو اور نہ حالتِ جنگ میں ہو۔ البتہ بوقتِ صلح و معاہدہ حربی بھی داخل ہو جائے گا۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

مسلم غصب من ذمی مالاً أو سرقه ، فإنه يعاقب عليه يوم القيمة ؛ لأنه أخذ مالاً معصوماً ، والذمی لا یرجى منه العفو بخلاف المسلم ، فكانت خصومة الذمی أشد ، وعند الخصومة لا يعطى ثواب طاعة المسلم للكافر ؛ لأنه ليس من أهل الثواب ولا وجه لأن يوضع على المسلم وبال كفر الكافر فيبقى في خصومته . (رد المحتار: ۳/۶۹۴، باب الاستلاد ، سعید).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

مسلم غصب مال الذمی يعاقب يوم القيمة ويخاصمه الذمی يوم القيمة وظلامة الكافر أشد من ظلامة المسلم . (الفتاویٰ السراجیہ، ص ۳۵۸، ط: زمزم).

وفی الدر المختار: وظلم الذمی أشد من المسلم ؛ وفی رد المحتار: قوله أشد من المسلم ، لأنه يشدد الطلب على ظالمه ليكون معه في عذابه ، ولا مانع من طرح سيئات

غير الكفر على ظالمه ، فيعذب بها بدله ذكره بعضهم . ( الدر المختار مع رد المحتار : ٤٠٢ / ٤ ، سعيد ) .

( وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار : ٢٠١ / ٤ ، كوثته ، و فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى

الهندية : ٢٥٨ / ٣ ، كتاب الغصب ) .

قال فى ” بريقة محمودية فى شرح طريقة محمديّة و شريعة نبوية فى سيرة أحمديّة “

فى الصنف الثامن من التسعة فى آفات الرجل ( ٣٥ / ٦ ) :

( وكذا الذمى ) ، وكذا المستأمن بل الحربى عند الصلح ( إن لم يستحل ) فيحل

( فى الدنيا ) وإلا فمجرد الاستحلال ليس بمفيد إلا أن يجعل على معنى أصل الفعل أى إن

لم يحل الذمى ، فى التاتارخانية : علاقة الكافر أشد من علاقة المسلم ؛ لأنه لا وجه أن

يعطى ثواب المسلم ولا وجه أن يوضع على المسلم وبال كفره فيعاقب عقوبته . ثم ذكر ما

نقل عن قاضى خان آنفاً ونقل عن الحاشية : هنا اعلم أن الطريق فى حقوق العباد أحد

الأمر الثلاثة : الإعطاء من حسنات من عليه الحق إن وجدت وإلا أو لم تف فيحمل إثم من

له الحق عليه وإدخاله فى النار بدله أو إعطاء الدرجات العالية من الله تعالى تفضلاً وكل

منهما لا يتصور فيهما لعدم دخولهما الجنة فلا فائدة لهما فى إعطاء الحسنات والدرجات ،

وعدم إمكان تحمل إثمهما لعدم الإثم فى الحيوان واقتضاء إثم الكفر التأييد فى النار

والمؤمن لا يتأبد فيها وليس للكافر سوى كفره إثم ، وفى بعض النسخ زيد قوله : لأنه غير

مكلف بالفروع .

أقول : إن كان المقام مقام الرواية فلا مجال لأحد أن يتكلم ، وإن سوغ جانب

الدراية فيجوز تخفيف عذاب الكافر بتحمل قوة بعض وزره إلى المسلم مثلاً ولا شك فى

تفاوت عذاب الكفار بل ذلك أنفع له من تعذيب المسلم لحقه ، ويجوز أن يخلق الله

تعالى للحيوان مراعى على وفق اقتضاء طبيعته ويجعلها فى مقابلة حقه وأنه قادر على خلق

قوة الرضاء عنه بمقابلتها وما ذكر يندفع ما يرد أن الشهادة مانعة من دخول النار وحقوق

الکافر والحيوان من دخول الجنة فكيف حال من جمع فيه هذان الأمران وهو المناسب لظاهر قوله : ﴿و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ واللہ تعالیٰ اعلم .

کفار کو دنیا و آخرت میں حسنت کا فائدہ ہو گا یا نہیں؟ اس بارے میں تفصیل ملاحظہ ہو:

عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، و ذكر عنده عمه أبو طالب فقال : لعله تنفعه شفاعتي يوم القيمة فيجعل في ضحضاح من النار يبلغ كعبه يغلي منه أم دماغه . (رواه البخاری: ۹۷۱/۲، باب صفة الجنة والنار).

و عن عبد الله بن الحارث بن نوفل عن عباس رضی اللہ عنہ أنه قال للنبي صلى الله عليه وسلم : هل نفعت أبا طالب بشيء [وفى رواية: فإنه كان يحفظك ويغضب لك قال : نعم و هو في ضحضاح من نار و لولا أنا، لكان في الدرك الأسفل من النار . ” البخاری: ۹۱۷/۲، باب كنية المشرك ، ۵۴۸/۱، باب قصة ابني طالب، ط: فيصل“] . (رواه البخاری: ۹۷۲/۲، باب صفة الجنة والنار).

وفى البخاری: قال عروة : وثوبية مولاة لأبي لهب كان أبو لهب أعتقها فأرضعت النبي صلى الله عليه وسلم فلما مات أبو لهب أريه بعض أهله بشرحبة قال له : ماذا لقيت قال أبو لهب : لم ألق بعدكم خيراً غير أني سقيت في هذه بعثاتي ثوبية . (صحیح البخاری: ۷۶۴/۲، كتاب النكاح).

فتح الباری میں علامہ ابن حجر قمر ازہی:

قوله بعثاتي ... قال البيهقي : ما ورد من بطلان الخير للكفار فمعناه أنهم لا يكون لهم التخلص من النار ولا دخول الجنة ، ويجوز أن يخفف عنهم من العذاب الذي يستوجبونه على ما ارتكبوه من الجرائم سوى الكفر بما عملوه من الخيرات ، وأما عياض فقال : انعقد الإجماع على أن الكفار لا تنفعهم أعمالهم ولا يثابون عليها بنعيم ولا تخفيف عذاب ؛ وإن كان بعضهم أشد عذاباً من بعض ؛ قلت : وهذا لا يرد الاحتمال الذي ذكره البيهقي، فإن جميع ما ورد من ذلك فيما يتعلق بذنب الكفر، وأما ذنب غير الكفر فما المانع من



تخفیفہ؟ وقال القرطبی: هذا التخفيف خاص بهذا وبمن ورد النص فيه، وقال ابن المنیر فی الحاشیة: هذا قضیتان إحداهما محال وهي اعتبار طاعة الكافر مع كفره، لأن شرط الطاعة أن تقع بقصد صحيح، وهذا مفقود من الكافر. الثانية: إثابة الكافر على بعض الأعمال تفضلاً من الله تعالى، وهذا لا يحيله العقل فإذا تقرر ذلك لم يكن عتق أبي لهب لثبوت قربة معتبرة. ويجوز أن يتفضل الله عليه بما يشاء كما تفضل على أبي طالب، والمتبع في ذلك التوقيف نفياً وإثباتاً، قلت: وتمة هذا أن يقع التفضل المذكور إكراماً لمن وقع من الكافر البر له ونحو ذلك، والله أعلم. (فتح الباری: ۹/۱۴۵).

عمدة القاری میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أن الكافر قد يعطى عوضاً من أعماله التي يكون منها قربة لأهل الإيمان بالله، كما في حق أبي طالب. غير أن التخفيف عن أبي لهب أقل من التخفيف عن أبي طالب وذلك لنصرة أبي طالب لرسول الله صلى الله عليه وسلم وحياطته له وعداوة أبي لهب له. وقال ابن بطال: وصح قول من تأول في معنى الحديث الذي جاء عن الله تعالى: أن رحمته سبقت غضبه، أن رحمته لا تنقطع عن أهل النار المخلدين فيها، إذ في قدرته أن يخلق لهم عذاباً يكون عذاب النار لأهلها رحمة وتخفيفاً بالإضافة إلى ذلك العذاب ومذهب المحققين أن الكافر لا يخفف عنه العذاب بسبب حسناته في الدنيا، بل يوسع عليه بها في دنياه. وقال القاضي عياض... وقال الكرمانی: لا ينفع الكافر العمل الصالح. إذ الرؤيا ليست بدليل، وعلى تقدير التسليم يحتمل أن يكون العمل الصالح والخير الذي يتعلق بالرسول صلى الله عليه وسلم مخصوصاً، كما أن أبا طالب أيضاً ينتفع بتخفيف العذاب

... (عمدة القاری: ۱۴/۴، ط: دار الحديث، ملتان).

(وکذا فی شرح البخاری لابن بطال: ۷/۱۹۵).

فتح الباری میں ہے:

فیحتمل أن يجازى بتخفيف العذاب عنه بمقدار ما عمل ، لقوله تعالى: ﴿ ونضع  
الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئاً ﴾ قلت: هذا البحث النظرى معارض  
بقوله تعالى: ﴿ ولا يخفف عنهم من عذابها ﴾ وحديث أنس ؓ الذي أشرت إليه ، وأما ما  
أخرجه ابن مردويه والبيهقى من حديث ابن مسعود ؓ رفعه ” ما أحسن محسن من مسلم  
ولا كافر إلا أثابه الله ، قلنا يا رسول الله ما إثابة الكافر ؟ قال : المال والولد والصحة وأشباه  
ذلك قلنا : وما إثابته فى الآخرة ؟ قال : عذاباً دون العذاب ، ثم قرأ : ﴿ أدخلوا آل فرعون  
أشد العذاب ﴾ فالجواب عنه أن سنده ضعيف ، وعلى تقدير ثبوته فيحتمل أن يكون  
التخفيف فيما يتعلق بعذاب معاصيه ، بخلاف عذاب الكفر . (فتح البارى : ۱۱/۴۳۱) .

وفي عمدة القارى : قوله ” لعله تنفعه شفاعتي “ قيل : يشكل هذا بقوله تعالى: ﴿ فما  
تنفعهم شفاعۃ الشافعين ﴾ ، [المذثر: ۴۸] . وأجيب بأنه خص فلذلك عدوه من خصائص النبی  
صلی اللہ علیہ وسلم ، وقيل : جزاء الكافر من العذاب يقع على كفره وعلى معاصيه فيجوز  
أن الله تعالى يضع عن بعض الكفار بعض جزاء معاصيه تطيباً لقلب الشافع لا ثواباً للكافر .  
لأن حسناته صارت بموته على كفره هباء منثوراً . (عمدة القارى : ۱۵/۶۲۷ ، كتاب الرقاق ، باب صفة  
الحنة والنار) .

شرح حدیث کی درج کردہ عبارات کا خلاصہ حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

☆ کفار کو مطلقاً اعمالِ حسنہ کا فائدہ نہیں ہوگا۔

☆ دنیا میں اعمالِ حسنہ پر بدلہ دیا جائے گا نہ کہ آخرت میں۔ (مثلاً دنیا میں مال و دولت ، اولاد ، صحت  
و عافیت وغیرہ کے اعتبار سے)۔ یہ محققین کا مذہب ہے۔

☆ اعمالِ حسنہ کے سبب آخرت میں عذاب میں تخفیف ہوگی۔ جیسا کہ روایات میں گزرا کہ ابوطالب  
اور ابولہب کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگی۔

**اشکال:** اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَا يَخْفَفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا﴾ ،

کفار سے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، اس کا کیا جواب ہے؟

**الجواب:** (۱) اس کا جواب یہ ہے کفار کو عذاب دو سبب سے ہوگا (الف) کفر کے سبب۔ (باء) دیگر

معاصی کے سبب۔ لہذا دیگر معاصی والے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے، لیکن کفر کے سبب جو عذاب ہوگا اس میں بالکل کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

(۲) ابوطالب اور ابولہب کے لیے تخفیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۳) شافع کے اطمینانِ قلب کے لیے ہے نہ کہ کفار کے حسنات کا بدلہ دینے کے لیے۔ ورنہ کفار کے

اعمال موت علی الکفر کی وجہ سے ہباء منثورا ہو چکے۔

(۴) تخفیف عذاب کا ہونا خواب کی بات ہے اور خواب حجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ :

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

(النساء: ۵۸)۔

عن أبي بن كعبٍ أنَّ رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قال في اللقطة: ”عرفها، فإن جاء أحدٌ يخبرك بحدودها ووعائها ووكائها فأعطها إياها، وإلا فاستتغ بها.

(اخرجه مسلم)۔

وعن عمر بن الخطابٍ قال في اللقطة: يعرفها سنة فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها... الخ.

(رواه ابن أبي شيبة في المصنف)۔

## باب اللقطة

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسئل عن اللقطة، فتأني: لا تحمل اللقطة، من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه، وإن لم يأت صاحبها فليصدق بها... الخ.

(اخرجه الدارقطني)۔

## احکام لقطہ کا بیان

باورچی خانہ میں آٹے کے بیگ کا حکم:

**سوال:** زید کو عام طلبہ کے باورچی خانہ میں ایک آٹے کا بیگ ملا اور وہ تقریباً دو ماہ سے وہاں موجود تھا، کوئی مالک معلوم نہیں، اب اس بیگ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کے لیے استعمال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ آٹے کا بیگ لقطہ کے حکم میں ہے، اور لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جس کو ملا ہے وہ اس کا اعلان اور اس کی تشہیر کریگا یہاں تک کہ مالک معلوم ہو جائے، لیکن اگر ہر ممکن حد تک تلاش و جستجو بسیار کے باوجود مالک کا سراغ نہ ملے اور جب اس کی آمد سے مکمل مایوسی ہو جائے، تو پھر خود اٹھانے والا اگر فقیر محتاج ہے تو وہ استعمال کر سکتا ہے، اور اگر وہ صاحبِ حیثیت ہے تو پھر مالک کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو لقطہ کے بارے میں احادیث میں موجود ہے:

أخرج الدار قطني: (١٨٢/٤)، والطبراني في الأوسط: (٣٥٣/٥)، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردّها إليه، وإن لم يات صاحبها فليصدق بها... الخ. وهذا اللفظ للدار قطني، وإسناده ضعيف.

وروى ابن أبي شيبة في المصنف عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال في اللقطة يعرفها سنة

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها... الخ. (رواه ابن أبي شيبة في المصنف: ۱۰/۱۳۹/۱۸۶۳۰).  
در مختار میں ہے:

(وعرف) أي نادى عليها حيث وجدها وفي المجامع (إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها أو أنها تفسد إن بقيت كالأطعمة) والشمار، قوله: إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها لم يجعل للتعريف مدة اتباعاً للسرخصي فإنه بنى الحكم على غالب الرأي، فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه وصححه في الهداية، وفي المضممرات والجوهره، وعليه الفتوى... فينتفع الرافع بها لو فقيراً وإلا تصدق بها على فقير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/۲۷۸، سعيد).  
ہدایہ میں ہے:

و يفوض إلى رأى الملتقط يعرفها إلى أن يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك ثم يتصدق بها، وإن كانت اللقطة شيئاً لا يبقى عرفه حتى إذا خاف أن يفسد تصدق به، وينبغي أن يعرفها في الموضع الذي أصابها. (الهداية: ۲/۶۱۴، كتاب اللقطة).  
امام محمدؒ سے اشیاء کے اعتبار سے مدت کی تحدید بھی مروی ہے لیکن ملا علی قاری وغیرہ حضرات نے فرمایا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ مدت کی تحدید لازم نہیں ہے، مسلم شریف کی حدیث کے اطلاق کی وجہ سے آخذ کی رائے پر موقوف ہے۔  
ملاحظہ ہو فتح باب العتایہ میں ہے:

(وعرفت) ما يبقى، على سبيل الوجوب، (في مكان وجدت) بأن نادى أني وجدت لقطة لا أدري مالکها، فليأت مالکها أو ليصفها لأردّها عليه (و) عرف أيضاً (في المجامع) لأن ذلك أقرب إلى الوصول إلى صاحبها (مدة لا تطلب بعدها) ... وروى محمد عن أبي حنيفة: إن كانت أقل من عشرة دراهم عرفها أياماً على حسب ما يرى، وإن كانت عشرة فصاعداً عرفها حولاً... والصحيح أن شيئاً من هذه التقادير ليس بلازم، وإن تفويض التقدير إلى رأى الآخذ، لإطلاق حديث مسلم عن أبي بن كعب ؓ أن رسول الله صلى الله

علیہ وسلم قال فی اللقطة : ” عرفها ، فإن جاء أحد یخبرک بعددها ووعانها ووکائها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها . [ أخرجه مسلم فی اللقطة ، رقم : ۱۷۲۳ ] ... ولأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد زاد علی السنة ونقص منها ... (شرح النقایة : ۴ / ۱۱۶ ، ط: بیروت) .

خلاصہ یہ ہے کہ زید اس بیگ کی تشہیر کریگا یہاں تک کہ اطمینان ہو جائے کہ اس کا مالک اب تلاش نہیں کریگا پھر اگر محتاج ہے تو استعمال کر سکتا ہے ورنہ مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### بیع میں سے کوئی قیمتی چیز برآمد ہونے کا حکم:

**سوال:** آج کل اناج غلہ وغیرہ کمپنیوں سے بیک ہو کر آتا ہے اور دکانوں میں فروخت ہوتا ہے، اگر مشتری کو خریدنے کے بعد اس بیگ میں سے کوئی قیمتی چیز مثلاً سونے کا سکہ مل گیا تو یہ کس کا ہوگا؟ کمپنی والوں کو واپس کیا جائے گا، یا بائع کا ہوگا یا مشتری خود لے سکتا ہے؟ بیذا تو جروا۔

**الجواب:** بصورت مسئلہ بائع اور بائع البائع سے دریافت کیا جائے اگر وہ لاعلمی ظاہر کریں یا کہہ دیں کہ ہمارا نہیں ہے تو پھر اس کا حکم لقطہ کا ہے کہ مالک کو تلاش کر کے پہنچا دے اور اگر مالک نہ ملے تو اگر خود مشتری محتاج ہے تو استعمال کر لے ورنہ صدقہ کر دے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی التاتارخانیة عن الینابیع : اشتری داراً فوجد فی بعض الجدار دراهم . قال أبوبکر : إنها کاللقطة . قال الفقیه : وإن ادعاه البائع رد علیہ ، وإن قال لیست لی فہی لقطه . (فتاویٰ الشامی : ۴ / ۲۸۵ ، کتاب اللقطة ، سعید) .

ہدایہ میں ہے:

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها إیصالاً للحق إلی المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذلك بإیصال عینها عند الظفر بصاحبها وإیصال العوض وهو الثواب علی اعتبار

إجازته التصديق بها وإن شاء أمسكها رجاء الظفر بصاحبها . (الهداية: ۶۱۵/۲، كتاب اللقطة) .  
نیز مذکور ہے:

وإن كان الملتقط غنياً لم يجزله أن ينتفع بها ... ولنا أنه مال الغير فلا يباح الانتفاع به إلا برضاه لإطلاق النصوص والإباحة للفقير لما رويناه أو بالإجماع فيبقى ما وراءه على الأصل ... وإن كان الملتقط فقيراً فلا بأس بأن ينتفع بها لما فيه من تحقيق النظر من الجانبين ولهذا جاز الدفع إلى فقير غيره . (الهداية: ۶۱۷/۲، كتاب اللقطة) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مالک کے لاپتہ ہونے پر امانت کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص کے پاس امانت ہے، کافی عرصہ گزرنے کے بعد بھی مالک کا کوئی پتہ نہیں ہے، اب اس امانت کا کیا حکم ہے؟ مزید کتنی مدت اس کو رکھا جائے گا؟ اور مالک کے نہ آنے پر اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ بینواتو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر غالب گمان یہ ہے کہ مالک مر گیا ہو گا یا نہیں آئے گا اور نہ کسی وارث کا علم ہے تو اس کا حکم لقطہ کی طرح ہے اگر غنی ہے تو صدقہ کر دے اور اگر خود محتاج ہے تو استعمال کرنے کی اجازت ہے، البتہ اگر مالک آ کر امانت کا مطالبہ کرے تو قیمت ادا کروینا ضروری ہے۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال في شرح الوهبانية : وفي البزازية قال الإمام الحلواني : إذا كان عنده ودیعة فمات المودع بلا وارث له أن يصرف الودیعة إلى نفسه في زماننا هذا ، لأنه لو أعطاها لبيت المال لضاع لأنهم لا يصرفون مصارفه فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى المصروف . (فتاویٰ الشامی: ۳۳۶/۲، باب العشر، سعید، و کذا فی: ۱۵۹/۴، سعید و ۷۳۴/۶، سعید) .

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الہندیة: ۲۰۷/۶) . واللہ تعالیٰ اعلم۔



## لا وارث میت کے مال کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کا انتقال ہوا اور جس کے ہاں انتقال ہوا اس کو میت کے ورثہ کا کوئی علم نہیں، تو اس کے مال کے ساتھ کیا کرے؟ اور اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اس کا حکم لقطہ کی طرح ہے اگر خود فقیر ہے تو وہ خود استعمال کر لے ورنہ فقراء میں تقسیم کرے۔  
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وفي الحاوي : غريب مات في بيت إنسان ولم يعرف وارثه فتركته كلقطة ، ما لم يكن كثيراً فلبيت المال بعد الفحص عن ورثته سنين ، فإن لم يجدهم فله لو مصرفاً . وفي رد المحتار : قوله ما لم يكن كثيراً ، ... والظاهر أن المراد بالكثير ما زاد على خمسة دراهم لما في البحر عن الخلاصة والوَلُو الحية : مات غريب في دار رجل ومعه قدر خمسة دراهم فله أن يتصدق على نفسه إن كان فقيراً كاللقطة وفي الخانية : ليس له ذلك لأنه ليس كاللقطة . قال في البحر : والأول أثبت وصرح به في المحيط . ( الدر المختار مع رد المحتار : ٢٨٤/٤ ، سعيد ) .

الاختیار میں ہے:

غريب مات في دار رجل ليس له وارث معروف وخلف مالاً وصاحب المنزل فقير فله الانتفاع به بمنزلة اللقطة . ( الاختيار لتعليق المختار : ٣٧/٣ ، كتاب اللقطة ، ط: بيروت ) .  
فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

غريب مات في بيت رجل و ليس له وارث معروف وخلف مالاً وصاحب الدار فقير ، فله أن يتصدق بها على نفسه كذا ذكره في فتاوى أئمة سمرقند . ( الفتاوى السراجية على هامش الخانية : ٤٩/٢ ، كوئته ) .

خلاصہ یہ ہے کہ بعض کتب فقہ مثلاً: الاختیار، فتاویٰ سراجیہ وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب خانہ فقیر ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہے، چاہے مال زیادہ ہو یا کم، لیکن بعض دیگر کتب فقہ مثلاً: درمختار، شامی، بحر، جوہرہ، محیط وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قلیل ہو تو استعمال کی اجازت ہے مثلاً پانچ دراهم کے بقدر، البتہ مالی کثیر ہو تو بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، فی زمانہ چونکہ بیت المال کا نظام نہیں ہے اس وجہ سے کل مال کے استعمال کی گنجائش ہونی چاہئے۔ لیکن قاضیان نے مطلقاً استعمال کی اجازت نہیں دی ہے مگر علامہ ابن نجیمؒ نے پہلے قول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

### لقطہ فروخت کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کو کوئی چیز ملی اس نے دوسرے کو بہت سستی قیمت پر فروخت کر دی، مالک ابھی تک نہیں ملا، اب ملقہ کیا کرے حاصل شدہ رقم صدقہ کر دے یا اصلی قیمت صدقہ کرے یا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے؟ بیند اتو جردا۔

**الجواب:** لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے مالک کو تلاش کر کے عین شی مالک تک پہنچا دی جائے لیکن اگر مالک دستیاب نہیں ہوا تو برابر اس کی تشہیر کی جائے یہاں تک کہ مالک کی آمد سے مایوسی ہو جائے تو پھر اس کا صدقہ کر دیا جائے اور اگر وہ خفقیر ہے تو استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن لقطہ کو فروخت نہیں کرنا چاہئے کیونکہ مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، اگر فروخت کر دیا تو قیمت صدقہ کر دے اور مالک آجائے تو اس شی کی اصلی قیمت واپس کرنی ہوگی۔

اعلاء السنن میں ہے:

عن علي بن أبي طالب ؑ أنه قال في اللقطة: يعرفها صاحبها الذي أخذها سنة، إن جاء لها طالب وإلا تصدق بها، ثم إن جاء لها طالب بعد ذلك كان صاحبها بالخيار إن شاء ضمنه مثلها وكان الأجر للذي تصدق بها، وإن شاء أمضى الصدقة وكان له الأجر. أخرجه

ابن خسر و فی مسنده للإمام ، وأخرجه الإمام محمد بن الحسن في الآثار ، فرواه عن أبي حنيفة<sup>ؒ</sup> ، وقال : وبه نأخذ وهو قول أبي حنيفة<sup>ؒ</sup> ... قوله : فلتكن ودیعة عندك رواه البخاری ومسلم ، ودلالته على معنى الباب ظاهرة حيث جعل المالك بالخيار بعد ما استنفقها أو تصدق بها الملتقط ، إن شاء ضمنه مثلها وإن شاء تركه وكان له الأجر ، فثبت أن اللقطة لا تكون ملكاً للملتقط بعد انقضاء مدة التعريف بل تبقى على ملك صاحبها .

واختلف العلماء فيما إذا تصرف في اللقطة بعد تعريفها سنة ثم جاء صاحبها ، هل يضمنها له أم لا ؟ فالجمهور على وجوب الرد إن كانت العين موجودة أو البدل إن كانت استهلك . (اعلاء السنن : ۱۳/۱۹ ، باب اللقطة ودیعة عند الملتقط يغرمها المالكها إن تصرف فيها) .  
وللمزيد انظر : (الهداية : ۲/۶۱۵ ، والنزالمختار : ۴/۱۰۸ ، وحسن الفتاوى : ۶/۳۹۰) . واللہ اعلم .

## لقطہ کی تشہیر کا طریقہ :

**سوال :** لقطہ کی تعریف و تشہیر کس طرح کی جائے اس کا کوئی خاص طریقہ ہے ؟

**الجواب :** فقہاء نے لکھا ہے کہ عام اجتماعات ، مساجد کے دروازوں پر اور بازاروں میں اعلانات کیے جائیں اور اخبارات و اشتہارات لگائے جائیں ، نیز آج کل مثلاً ریڈیو اسلام وغیرہ نشریاتی آلات کے ذریعہ بھی تشہیر کی جاسکتی ہے ، غرض ہر ممکن طریقہ سے اس کی تشہیر کی جائے ، اگر مالک مل جائے اور علامات سے یقین یاظن غالب ہو جائے کہ یہی شخص اس کا مالک ہے تو وہ شی اس کے حوالہ کر دی جائے ۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے :

عن أبي بن كعب رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في اللقطة : " عرفها ، فإن جاء أحد يخبرك بعددها ووعائنها ووكانها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها . " أخرجه مسلم في اللقطة ، رقم : ۱۷۲۳ .

فتح باب العتایہ میں ہے:

(وعرفت) ما یبقی، علی سبیل الوجوب، (فی مکان وجدت) بأن نادى أنى وجدت لقطه لا أدري مالکها، فلیأت مالکها أو لیصفها لأردھا علیه (و) عرف أيضاً (فی المجمع) لأن ذلک أقرب إلى الوصول إلى صاحبها. (شرح النقایة: ۱۱۶/۴، ط: بیروت). فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله أى نادى علیها الخ، أشار إلى أن المراد بالتعریف الجهر به كما فی الخلاصة لا كما فعله بعضهم حیث دلی رأسه فی بنر خارج المصر فنادى علیها فاتفق أن صاحبها كان هناك فسمعه كما حکاه السرخسی... قوله وفی المجمع، أى محلات الاجتماع كالأسواق وأبواب المساجد بحر، وکبیوت القهوات فی زماننا. (رد المحتار: ۲۷۸/۴، سعید). واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سیلاب میں بہہ کر آئی ہوئی چیز کے استعمال کا حکم:**

**سوال:** سیلاب میں اگر کوئی چیز بہہ کر آجائے تو اس کو استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ان اشیاء کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کی ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ بہہ کر آئی ہوئی چیزیں مختلف قسم کی ہوتی ہیں:

(۱) معمولی قسم کی اشیاء جن کے بارے میں یقین یا ظن غالب ہے کہ مالک اس کو تلاش نہیں کریگا، ان اشیاء کا استعمال جائز اور درست ہے ان کی تشہیر کی چنداں حاجت و ضرورت نہیں ہے۔  
(۲) قیمتی چیزیں جن کے بارے میں اکثر مالک کو تلاش و جستجو رہتی ہے، ان اشیاء کا استعمال درست نہیں، ان کا حکم لفظ کی طرح ہے یعنی اعلان اور تشہیر ضروری ہے۔

(۳) قیمتی چیز ہو لیکن اس کے جلدی خراب ہونے کا اندیشہ ہو مثلاً بہت زیادہ پھل وغیرہ تو ان کا استعمال

درست ہے، البتہ اگر مالک آکر طلب کرے تو قیمت واپس کرنا لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو مجمع الضمانات میں ہے:

حطب وجد فی الماء : إن لم یکن له قيمة فهو حلال لمن أخذه ، وإن کان له قيمة یكون لقلعة ، وحکم اللقلعة معلوم .

التفاح والکمثری إذا کان فی نهر جار ، قالوا : یجوز أخذه وإن کان کثیراً ؛ لأن هذا مما یفسد لو ترک ، ولو وجد جوزة ثم أخرى حتی بلغ عشرأ ، ولها قيمة ، فإن وجد الککل فی موضع واحد ، فهو لقلعة ؛ لأن لها قيمة ، وإن وجدها فی مواضع متفرقة اختلف المشایخ فیہ ، والمختار أنها بمنزلة لقلعة ، بخلاف النوى إذا وجدت ، متفرقة ، ویكون لها قيمة ، فإنه یجوز أخذها ؛ لأن النواة مما یرمى عادة فتصیر بمنزلة المباح ، ولا كذلك الجوز ، حتی لو وجد الجوز تحت الأشجار ویترکها صاحبها فإنها بمنزلة النواة . (مجمع الضمانات : ۱/ ۶۷ ، الباب السادس عشر فی مسائل اللقیط والقلعة ط: دار السلام) .

در مختار میں مرقوم ہے:

حطب وجد فی الماء ، إن له قيمة فلقلعة وإلا فحلال لأخذه کسائر المباحات الأصلية ، درر . وفى الشامیة : (قوله إن له قيمة فلقلعة ) وقیل : إنه کالتفاح الذى یجده فی الماء ، وذكر فی شرح الوهبانیة ضابطاً ، وهو أن ما لا یسرع إلیه الفساد ولا یعتاد رمیه کحطب وخشب فهو لقلعة إن كانت له قيمة ولو جمعه من أماكن متفرقة فی الصحیح ، كما لو وجد جوزة ثم أخرى وهكذا حتی بلغ ما له قيمة ، بخلاف تفاح أو کمثری فی نهر جار فإنه یجوز أخذه وإن کثر لأنه مما یفسد لو ترک ، وبخلاف النوى إذا وجد متفرقاً وله قيمة فیجوز أخذه لأنه مما یرمى عادة فیصیر بمنزلة المباح ولا كذلك الجوز ، حتی لو ترکها صاحبها تحت الأشجار فهو بمنزلته . (الدر المختار مع رد المحتار : ۴/ ۲۸۴ ، کتاب اللقلعة ، سعید) .

(و کذا فی شرح منظومة ابن وهبان : ۱/ ۲۲۴ ، کتاب اللقیط والقلعة ط: دیوبند) .

مزید ملاحظہ ہو : (فتاویٰ محمودیہ : ۱۳/ ۱۷۱ ، جامعہ فاروقیہ ، وجدید معاملات کے شرعی احکام : ۱۱۵/ ۲ ، دوار الاشاعت) ۔

واللہ تعالیٰ اعلم ۔

ااءرر ٱرٹھك كرنق كق لقق كوئق ٱقز دق ٱقھر مالك نھق آقا:

**سوال:** ءالء اءرر ٱر اشاء ٹھك كراا هق؁ راعل نق اٱق كوئق ٱقز ٹھك كرانق كق لقق ءالء كو دق؁ كئق سال كزر كئق لققن وق ٹقنص لققن كق لقق نھق آقا؁ اب ءالء اس كق سااھ كقا كر ق؟ اس كو اسامعال كر سكاا هق قا فر وءا كر كق ٱقق ل سكاا هق قانھق؟ مرقر ر كقنق مقل ءراب هونق كا انء قشق هق۔ بقوا او ءروا۔

**الءواب:** اكر ءالء مالك كق آمد سق ماقوس هوقائ اور مرقر ر كقنق مقل ءراب هونق كا انء قشق هوقا اس صورا مقل اس ٱقز كا صءق كر دقا جائق؁ اكر ءالء ءو فققر مءاا هق هوقا اس كو اسامعال كر سكاا هق لققن وونق صوراون مقل مالك آقائ اور طلب كر قق وقماا اءا كرنق هوقق۔  
ملا ءظق هوملا ءظق هوقا وئق شامق مقل هق:

قال في شرح الوهانية : وفي البزازية قال الإمام الحلواني : إذا كان عنده ودعة فمات المودع بلا وارث ، له أن يصرف الودعة إلى نفسه في زماننا هذا ، لأنه لو أعطاها لبيت المال لضاع لأنهم لا يصرفون مصارفه فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى المصريف . (فتاوى الشامق : ٢ ٣٣٦؁ باب العشر؁ سعقء؁ و كءافق : ١٥٩/٤؁ سعقء و ٧٣٤/٦؁ سعقء)۔

مسلم شرفق مقل هق:

عن أبي بن كعب ؓ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في اللقطة : ” عرفها ، فإن جاء أحد يخبرك بعددها ووعائها ووكائنها فأعطها إياه ، وإلا فاستمتع بها . (أءرقق مسلم فق اللقطة؁ رقم : ١٧٢٣)۔

هءاقق مقل هق:

فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها إيصالاً للفق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذلك بإيصال عينها عند الظفر بصاحبها وإيصال العوض وهو الثواب على اعتبار

إجازته التصديق بها وإن شاء أمسكها رجاء الظفر بصاحبها . (الهداية: ۶۱۵/۲، كتاب اللقطة).  
نیز مذکور ہے:

وإن كان الملتقط غنياً لم يجزله أن ينتفع بها ... ولنا أنه مال الغير فلا يباح الانتفاع به إلا برضاه لإطلاق النصوص والإباحة للفقير لما رويناه أو بالإجماع فيبقى ما وراءه على الأصل ... وإن كان الملتقط فقيراً فلا بأس بأن ينتفع بها لما فيه من تحقيق النظر من الجانبين ولهذا جاز الدفع إلى فقير غيره . (الهداية: ۶۱۷/۲، كتاب اللقطة).

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۶/۲۸۹، وجدیدہ معاملات کے شرعی احکام: ۱۱۲/۲، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### مدرسہ میں طلبہ کی کتاب، کاپی کا حکم:

**سوال:** سال کے اختتام پر بہت سے ملکی اور غیر ملکی طلبہ اپنی ذاتی کتابیں، کاپیاں درس گاہوں، کمروں اور مدرسہ کی مختلف جگہوں میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اکثر انہیں ان چیزوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ کبھی اپنی کتاب یا کاپی لینے کے لیے واپس نہیں آئیں گے، کیا ایسی کتابیں کسی بھی طالب علم کے لیے استعمال کرنا اور اپنے لیے رکھ لینا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر کسی کتاب کا مالک معلوم ہو اور کتاب پر اس کا نام مکتوب ہو تو اس سے رابطہ کر کے پوچھ لیا جائے کہ کتاب کے ساتھ کیا کریں، عام طور پر کتاب پر نام لکھا ہوا ہوتا ہے، اور اگر نام مکتوب نہ ہو اور مالک معلوم نہ ہو تو یہ کتابیں لقطہ کے حکم میں ہیں مالک کی تحقیق کی جائے اگر غالب گمان یہ ہو کہ مالک نہیں ملے گا تو کتابیں مالکین کی طرف سے فقیر طلبہ کو دے دی جائیں اگر واعد یعنی اٹھانے والا خود مالک نصاب نہیں تو وہ خود بھی لے سکتا ہے۔

لقطہ کے دلائل ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں، وہاں ملاحظہ کر لیے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم  
عامل أهل خيبر بشطرنج ما يخرج منها من ثمر أو زرع.

(متفق عليه)

عن ابن شہاب قال: فلر یکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم  
عمال یعملون بہا علی نخل خیبر و زرعہا،  
فدعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمود خیبر،  
فدفع إلیہم خیبر علی أن یعملوا علی النصف فیقودوها  
إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وأصحابہ...

(مصنف عبدالرزاق).

# باب المزارعة والمساقاة

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :  
ما من مسلم يئوس غرساً، أو يزرع زرعاً، فيأكل منه طير  
أو إنسان، أو بهيمة، إلا كان له به صدقة.

(متفق عليه).



## مزارعت اور مساقات کے احکام کا بیان

### مزارعت کا شرعی حکم:

**سوال:** اگر کوئی شخص اپنی زمین دوسرے کو مزارعت پر دے کہ آدھی فصل آپ کی ہوگی اور آدھی ہماری ہوگی تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہو تو کوئی مدت متعین نہ کرے تو عقد فاسد ہوگا یا نہیں؟ اور کتنی مدت کے بعد مزارع کو مزارعت سے علیحدہ کر سکتا ہے؟ بیٹا تو جروا۔

**الجواب:** امام ابوحنیفہؒ کا اصل مذہب یہ ہے کہ مزارعت ناجائز ہے، لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور مذہب احناف میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے لہذا یہ معاملہ جائز اور درست ہے۔ نیز مزارعت بالصف او بالثلث او بالربع سب جائز ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مدت متعین نہ کی ہو تب بھی مفتی بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے، البتہ یہ معاملہ صرف پہلی کٹائی پر ہوگا۔

مزارعت کے جواز کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

قال فی الموسوعة الفقهية الكويتية: اختلف الفقهاء في حكم المزارعة إلى اتجاهين: فذهب المالكية والحنابلة، وأبو يوسف ومحمد، وعليه الفتوى عند الحنفية إلى جواز عقد المزارعة، ومشروعيتها، وممن رأى ذلك سعيد بن المسيب، وطاؤوس،

وعبد الرحمن بن الأسود، وموسى بن طلحة، والزهرى، وعبد الرحمن بن أبي ليلى وابنه وابن عباس رضی اللہ عنہ في قول. وقد روى ذلك عن معاذ رضی اللہ عنہ، والحسن، وعبد الرحمن بن يزيد، وسفيان الثوري، والأوزاعي وابن المنذر وإسحاق، وآخرين.

واستدلوا على ذلك بالسنة والإجماع والمعقول.

فمن السنة ما روي عن ابن عمر رضی اللہ عنہ "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عامل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أوزرع" أخرجه البخاري ومسلم [۲].

أما الإجماع فقد أجمع الصحابة قولاً وعملاً على مشروعية المزارعة، ولم يخالف في ذلك أحد منهم. [المغنى: ۵/۴۱۸].

فالمزارعة شريعة متوارثة، لتعامل السلف والخلف ذلك من غير نكير. [بدائع: ۶/۱۷۵، وتبيين الحقائق: ۵/۲۷۸].

وأما المعقول، فقالوا: أن المزارعة عقد شركة بمال من أحد الشريكين وهو الأرض، وعمل من الآخر وهو الزراعة، فيجوز بالقياس على المضاربة، والجامع بينهما دفع الحاجة في كل منهما، فإن صاحب المال قد لا يهتدي إلى العمل، والمهتدي إليه قد لا يجد المال، فمست الحاجة إلى العقد هذا العقد بينهما. [تبيين الحقائق: ۵/۲۷۸، والمبسوط: ۱۷/۲۳، والهداية مع تكملة الفتوح: ۹/۴۶۳، (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۷/۵۰، ط: وزارة الاوقاف والشؤون الإسلامية).

شرح النقایہ میں ہے:

(ولا تصح عند أبي حنيفة...) (وصحت عندهما) لما أخرجه الجماعة إلا النسائي عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عامل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أوزرع... (وبه) أي: بقولهما في المزارعة (يفتي) لحاجة الناس إليها، وتعامل الناس بها، والقياس يترك بالتعامل كما في الاستصناع. وقد أجازها

الخلفاء الراشدون ، وعمدة من الأنصار والمهاجرين .

...والأظهر أن صحة المزارعة رواية عنه والمسائل متفرعة عليها إلا أنه اختار

فسادها ، وأخذ أصحابه برواية صحتها . (فتح باب العناية: ۳/ ۴۳۶، ط: بيروت).

وللمزيد راجع : (بدائع الصنائع: ۱۷۵/۶، كتاب المزارعة ، سعيد ، و اعلاء السنن : ۱۷/

۳۸-۵۵، والدر المختار مع رد المحتار: ۲۷۵/۶، سعيد ، والتصحيح والترجيح للشيخ قاسم بن قطلوبغا، ص ۳۱۵) .

بل تعین مدت مزارعت کے جواز کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال العلامة أبو بكر الكاساني: وأما الذي يرجع إلى مدة المزارعة فهو أن تكون

المدة معلومة فلا تصح المزارعة إلا بعد بيان المدة لأنها استتجار ببعض الخارج ولا تصح

الإجارة مع جهالة المدة وهذا هو القياس في المعاملة ... إلا أنها جازت في الاستحسان

لتعامل الناس ذلك من غير بيان المدة وتقع على أول جزء يخرج من الثمرة في أول السنة

لأن وقت ابتداء المعاملة معلوم . (بدائع الصنائع: ۶/ ۱۸۰، سعيد).

شرح نقایہ میں ہے:

ويشترط في المدة: أن لا تكون أقل مما يمكن فيه الزراعة، وأن لا تكون لا يعيش

إلى مثلها أحدهما غالباً، وهو المختار للفتوى، على ما في الخزانة . وعند محمد بن سلمة

لا يشترط بيان المدة، ويقع ما لم يبين فيه المدة على سنة واحدة، وبه أخذ الفقيه أبو الليث

وفى الفتاوى المنصورية: الفتوى على ما قاله محمد بن سلمة . (فتح باب العناية:

۴۳۶/۳، ط: بيروت).

ممکن ہے کہ پہلی کٹائی ایک سال پر ہوتی ہو اس وجہ سے ایک سال کی مدت فتویٰ کے لیے اختیار کی گئی۔

وللاستزادة انظر : ( شرح المحلة : ۴/ ۳۷۶، والدر المختار مع رد المحتار: ۱۹۵/۶ و ۲۷۵،

والموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۷/۶۰، و الفتاوى السراجية، ص ۵۳۵، و الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۳۶، و الباب في شرح

الكتاب ، وعمدة القارى: ۲۳/۹، كتاب المزارعة ، دار الحديث ، مثان . ) واللہ اعلم بالصواب

## بلا تعین مدت مزارعت پر دینے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے زمین کسی کو بٹائی یعنی مزارعت پر دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ایک سال کے لیے ہے یا دو سال کے لیے، تو مزارعت فاسد ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتنی مدت کے لیے ہوگی؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ مزارعت میں تعین مدت شرط ہے دیگر شرائط کی طرح، لہذا مدت کی جہالتِ مطلقہ مفسدِ مزارعت ہے، لیکن اگر مدت عرفاً متعین ہو تو ایسی جہالت مفسد نہیں ہے بلکہ مزارعت پہلی فصل کٹنے پر ہوگی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

والثالث (أى شرط الثالث) بيان المدة . (الهداية: ۴/۴۲۵).

عناہ میں ہے:

وبان المدة يريد به مدة يمكن خروج الزرع فيها . (العناية شرح الهداية: ۹/۴۶۴ مدار الفكر).

تبيين الحقائق میں ہے:

وأن يبين المدة لأنه عقد على منافع الأرض أو العامل وهي تعرف بالمدة ويشترط أن

تكون المدة قدر ما يتمكن فيها من الزراعة . (تبيين الحقائق: ۵/۲۷۹).

شرح مجلہ میں شیخ محمد خالد الاتاسی لکھتے ہیں:

وأما الذى يرجع إلى المدة فيشترط أن تكون المدة معلومة... حتى أنه لو كان في

موضع لا يتفاوت ، يجوز من غير بيان المدة وتقع المزارعة على أول زرع يخرج... (شرح)

المحلة: ۴/۳۷۶).

الدر المختار میں ہے:

وقيل : في بلادنا تصح بلا بيان مدة ، ويقع على أول زرع واحد وعليه الفتوى مجتبیٰ

وبزازية. وفي الشامية: قوله مجتبیٰ وبزازية، عبارة البزازية: وعن محمد جوازها بلا بيان

المدة و تقع على أول زرع يخرج واحد ، و به أخذ الفقيه و عليه الفتوى . (الدر المختار مع ردالمحتار: ۶/۲۷۵ و ۱۹۵، سعید).

وفى الفتاوى السراجية : إذا دفع أرضاً مزارعة ولم يبين وقتاً الفتوى على أنه يجوز فى بلادنا فى سنة واحدة أى فى زرع واحد . (الفتاوى السراجية، ص: ۵۳۵، ط: زمزم). عالمگیری میں ہے:

... لو كان فى موضع لا يتفاوت يجوز من غير بيان المدة وهو على أول زرع يخرج . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۳۶، وكذا فى البدائع الصنائع: ۶/۱۸۰، سعید، وشرح النقاية: ۳/۴۳۶).

خلاصہ یہ ہے جہاں تعین مدت کا عرف نہ ہو، لوگ بلا تعین مدت اپنی زمینیں مزارعت پر دیتے ہوں تو وہاں بلا تعین مدت بھی جائز ہے اور پہلی فصل کٹنے پر مزارعت ختم ہوگی۔ ہاں اگر بلا تعین مدت باعث نزاع ہو تو تعین مدت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مزارعت کی چند صورتیں اور ان کے احکام:

سوال: میں نے ایک رسالہ میں پڑھا ہے کہ مزارعت کی درج ذیل صورتیں جائز ہیں باقی جائز نہیں ہیں:-

- (۱) زمین ایک کی ہو اور بقیہ چیزیں مثلاً: بیج ٹریکٹر محنت دوسرے کی ہو یہ جائز ہے۔
- (۲) زمین اور تخم ایک کا ہو اور عمل اور ٹریکٹر دوسرے کا ہو یا زمین اور ٹریکٹر ایک کا ہو اور محنت اور تخم دوسرے کا ہو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن آج کل چونکہ زمین پر بہت سارے اخراجات آتے ہیں اس لیے عرف و عادت یہ ہے کہ زمین مالک کی ہوتی ہے اور عمل کا شکار کا ہوتا ہے اور بیج، ٹریکٹر، کیڑا مار دواؤں میں دونوں شریک اور حصہ دار ہوتے ہیں کیا شرعاً اس کی اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فقہاء مزارعت کو مضاربہ کی طرح سمجھتے ہیں اور مضاربہ میں راس المال ایک کا اور عمل دوسرے کا ہوتا ہے لہذا اگر مزارعت میں بھی زمین ایک کی ہو اور محنت دوسرے کی ہو اور بقیہ

اخراجات میں دونوں شریک ہوں تو اس کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ بینا تو جروا۔

**الجواب:** عام طور پر فقہائے احناف نے مزارعت کی صرف چار صورتوں کو جائز قرار دیا ہے لیکن علامہ شامیؒ اور دوسرے حضرات نے ان کے علاوہ جواز کی دوسری صورتیں بھی بیان فرمائی ہے اور علامہ شامیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس مسئلہ میں کوئی ایسا قاعدہ کلیہ نہیں ہے جس میں مزارعت کی تمام جائز صورتیں منحصر ہو جائیں۔ حاصل یہ ہے کہ مزارعت کا اصل مدار عرف اور تعامل پر ہے امام ابو یوسفؒ نے تعامل کی وجہ سے بعض ایسی شرائط کو جائز قرار دیا ہے جو اصل ظاہر الروایہ کے اعتبار سے مفسد عقد ہیں۔

بنا بریں تعامل اور عرف کی وجہ سے صورتِ مسئلہ کی بھی گنجائش ہونی چاہئے، جب کہ علامہ فتح محمد لکھنوی صاحبؒ نے اس کو صراحتہً جائز فرمایا ہے۔

دلائل حسب ذیل درج کیے جاتے ہیں:

وأما الشرائط المفسدة للمزارعة فأنواع ... ومنها شرط الحصاد و الرفع إلى البيدر و الدياس و التذرية ... و روي عن أبي يوسف أنه أجاز شرط الحصاد و رفع البيدر و الدياس و التذرية على المزارع لتعامل الناس و بعض مشايخنا بما وراء النهر يفتون به أيضاً وهو اختيار نصير بن يحيى و محمد بن سلمة من مشايخ خراسان . (بدائع الصنائع: ۱۸۰/۶، فصل فی الشرائط المفسدة للمزارعة، سعيد).

**وللمزيد راجع:** (حاشیة ابن عابدین: ۲۸۲/۶، سعيد، و الموسوعة الفقهية الكويتية: ۶۳/۳۷، وزارة الاوقاف، و الفتاوى الهندية: ۵/۲۳۷، و المبسوط للإمام السرخسی: ۳۶/۲۳، و تبیین الحقائق: ۵/۲۸۳، و نکمة البحر الرائق: ۱۶۳/۸، و شرح المحلة: ۴/۳۷۷).

شرح فتاویٰ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

ونفقة الزرع عليهما بالحصص، كاجر الحصاد ونحوه، فإن شرط على العامل، صح عند أبي يوسف، وبه يفتي. و هذا اختيار مشايخ بلخ. قال شمس الأئمة: وهو الأصح في ديارنا، يعني لتعامل الناس بها، كذا في الهداية. وفسد في ظاهر الرواية... و عن نصير بن

یحییٰ، و محمد بن سلمۃؒ أن هذا كله يكون على العامل، شرط عليه أم لا، بحکم العرف۔  
قال شمس الأئمة السرخسيؒ: هذا هو الصحيح في ديارنا، كذا في فتاوى قاضیخان، واللہ  
أعلم۔ (فتح باب العناية: ۳/۴۳۹، کتاب المزارعت، ط: بیروت)۔

(و کذا فی التصحیح والترجیح، ص: ۳۱۷)۔

عبارت بالا کا خلاصہ یہی ہے کہ عامل پر کیا مشروط ہونا چاہئے اور کیا نہیں اس کا اصل مرجع عرف اور تعامل  
ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی کو صحیح بتلایا ہے۔

حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنؤیؒ تلمیذ مولانا عبدالحی لکھنؤیؒ جو محقق و مدقق مفتی تھے ان کے کلام سے  
بھی جواز مترشح ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو عطر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

دوم (بٹائی) اور اسی کو مزارعت کہنا چاہئے یعنی جو پیدا ہو اس میں سے ایک مقدار صاحب زمین کی اور  
دوسری مقدار بونے والے کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے یہی معاملہ کیا تھا اس میں زمین محل ہے اور  
بقر اور رھٹ وغیرہ آلات اور ختم اور جو کچھ آب پاشی وغیرہ میں خرچ ہو وہ مصارف اور عمل سے نظم و نسق مراد ہے اور  
جو کچھ کام ہاتھ سے کرے یا خاص اپنی طرف سے کرائے وہ بھی داخل عمل ہے پس ضرور ہے کہ محل یعنی زمین کا  
مقابلہ عمل سے کیا جائے یعنی ایک شخص کی زمین ہو تو دوسرے کی طرف سے عمل رہے، مصارف بحکم شرط مشترک  
رہیں یا مختص۔ (عطر ہدایہ، ص ۱۲۱، ط: مکتبہ عصریہ دیوبند)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی کی زمین میں کاشت کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوسرے کی زمین میں بلا اجازت یا زبردستی کاشت کرے تو فصل کس کی ہوگی؟

نیز کاشت کار کو کیا ملے گا؟

الجواب: (۱) اگر وہ زمین مزارعت (حصہ پر کاشت کرنے) کے لیے مخصوص ہو اور مزارع کا حصہ

عرفاً معلوم ہو تو مزارعت ہے۔

(۲) اگر اس کا حصہ معلوم نہیں مختلف ہے تو پھر غصب کے حکم میں ہے۔ چنانچہ اگر زمین میں کوئی نقصان

واقع ہوا ہے تو تاوان واجب ہوگا۔ اور اگر کوئی نقصان واقع نہیں ہوا تو غاصب بری ہوگا البتہ مالک مدت استعمال کی اجرت طلب کر سکتا ہے۔

(۳) جو اناج وغلہ کاشتکار نے اس زمین میں ڈال کر مزید حاصل کیا ہے تو جتنا اس نے ڈالا تھا اسی کے بقدر استعمال کرنے کی اجازت ہے باقی صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

قال فی رد المحتار : قال فی الذخیرۃ : قالوا : إن كانت الأرض معدة للزراعة ، بأن كانت الأرض فی قرية اعتاد أهلها زراعة أرض الغیر ، وكان صاحبها ممن لا یزوع بنفسه ، و یدفع أرضه مزارعة فذلک عن المزارعة ، ولصاحب الأرض أن یطالب المزارع بحصة الدهقان علی ما هو متعارف أهل القرية النصف أو الربع أو ما أشبه ذلک . (رد المحتار : ۱۹۵/۶ ، سعید) .

عالمگیری میں ہے :

قال مولانا وعندي إن كانت الأرض معدة لدفعها مزارعة ونصيب العامل من الخارج معلوم عند أهل ذلک الموضع ولا یختلف فزرعها رجل جاز استحساناً وإن لم تكن الأرض معدة لدفعها مزارعة أو لم یکن نصیب العامل من الخارج واحداً عند أهل ذلک الموضع بل كان مختلفاً فیما بینهم لا یجوز و یكون المزارع غاصباً وإنما ینظر إلى العادة إذا لم یعلم أنه زرعها غصباً فإن علم أنه زرعها غصباً بأن أقر الزارع عند الزرع أنه یزرعها لنفسه لا علی المزارعة أو كان الرجل ممن لا یأخذ الأرض مزارعة ویأمن من ذلک یكون غاصباً و یكون الخارج له وعلیه نقصان الأرض . (الفتاویٰ الهندیة: ۲۷۲/۵) .

( و کذا فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندیة: ۱۸۷/۳) .

وفی الخانیة : رجل زرع أرض الغیر لنفسه كان الزرع له ، وعلیه لصاحب الأرض نقصان الأرض إن انتقصت بزراعته وطریق معرفة النقصان عند البعض أن ینظر إلى قيمة الأرض قبل الزرع و إلى قیمتھا بعد الزرع فیضمن الفضل وعند البعض ینظر بکم تستأجر



الأرض قبل الزرع وبكم تستأجر بعد الزرع فيضمن الفضل . (فتاویٰ قاضی خان: ۱۸۷/۳).

وفيه أيضاً: وعلى المزارع أن يرفع من الخارج مقدار أجر عمله وثيرانه وبذره

ويتصدق بالباقي كما في الغصب . (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیۃ: ۱۸۷/۳). واللہ اعلم

## مساقات کا شرعی حکم:

**سوال:** زید نے عمر کو اپنے باغ کی نگرانی اور پانی دینے وغیرہ کے لیے تین ہزار ریند ماہانہ تنخواہ پر ملازم رکھا لیکن اس نے باغ کی نگہداشت میں غفلت کی اور باغ نے کما حقہ پھل نہیں دئے، کیونکہ اس کو صرف اپنی تنخواہ کی فکر تھی، اب زید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ملازم رکھنے کے علاوہ کوئی اور طریقہ ہے جس میں ملازم کے فائدہ کے ساتھ میرا بھی فائدہ ہو جائے۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ تلافی نقصان کا حل شریعتِ مطہرہ میں مساقات ہے۔

مساقات کہتے ہیں اپنے درخت یا باغ کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا تاکہ وہ اس کو سیراب کرے اور اس کی دیکھ بھال کرے اور اس کو اس قابل بنائے کہ اس میں زیادہ پھل لگے، اور شرط یہ ٹھہرائے کہ پیدا ہونے والے پھل کا ایک معین حصہ اجرت میں دیا جائیگا۔

مفتی بہ قول کے مطابق شرعیاً یہ معاملہ جائز اور درست ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا تھا۔

بنابریں بصورتِ مسئلہ مزدور سے یہ کہہ دے کہ تم باغ کی خدمت کرو گے پانی وغیرہ دو گے اور تم کو کل پیداوار میں سے اتنا حصہ ملے گا۔ اس طور پر جائین سے نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

أخرج البخاري و مسلم عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ أنه قال : عامل النبي صلى الله عليه

وسلم أهل خيبر يشطروا ما يخرج منها من ثمر أو زرع . (أخرجہ البخاری، رقم: ۲۳۲۹، ومسلم،

رقم: ۱۵۵۱).

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أبو حنيفة: إنها غير مشروعة وقال أبو يوسف ومحمد والشافعي مشروعة واحتجوا بحديث خبير أنه عليه الصلاة والسلام دفع نخیلهم معاملة . (بدائع الصنائع: ۱۸۵/۶، کتاب المعاملة، سعيد).

ہدایہ میں ہے:

وقالا: جائزة إذا ذكر مدة معلومة وسمى جزء من النمرة مشاعاً و المساقاة هي المعاملة في الأشجار والكلام فيها كالکلام في المزارعة . (الهداية: ۴/۳۶۱، کتاب المساقاة).

الموسوعة میں ہے:

اختلف الفقهاء في حكم المساقاة على أقوال: القول الأول: إنها جائزة شرعاً، هو قول المالكية، والحنابلة، والشافعية، ومحمد وأبي يوسف من الحنفية وعليه الفتوى عندهم. واستدلوا بحديث ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطى خبير اليهود أن يعملوها ويزرعوها ولهم شطر ما يخرج منها. وبالقياص على المضاربة حيث الشركة في النماء فقط دون الأصل. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۱۳/۳۷، وزارة الاوقاف).

مساقاة کی شرائط:

- (۱) عمل صرف عامل کے ذمہ ہو باغ کا مالک عمل میں شریک نہ ہوگا، یہی مساقاة کا تقاضا ہے۔
- (۲) باغ مکمل طور پر عامل کے حوالہ کر دیا جائے تاکہ وہ باغ کی درستی وغیرہ یکسوئی کے ساتھ انجام دے سکے۔

(۳) پیداوار کے بعض حصہ کو اجرت ٹھہرایا جائے مثلاً آدھا، یا تہائی، یا چوتھائی۔ وغیرہ۔

(۴) مدت متعین کر لی جائے، ایسی مدت جس میں آسانی کے ساتھ ایک مرتبہ پھل لگ کر تیار ہو جائے اور اس کو اتارا جاسکے، اگر ایسی مدت متعین کی کہ جس میں عام طور پر ایک مرتبہ پھل لگ کر تیار نہیں ہوتا، تو اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔ لیکن اگر سرے سے مدت متعین ہی نہ کی تو عقد صحیح ہوگا اور پہلی کٹائی پر محمول ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل باب المزارعت کے تحت گزر چکی ہے۔

الموسوعة میں ہے:

قال الحنفية : المساقاة كالمزارعة في الخلاف والحكم وفي الشروط إلا المدة ، والقياس أن تذكر المدة لما فيها من معنى الإجارة ، وفي الاستحسان : يجوز ، وإن لم يبينها وتقع على أول ثمرة تخرج ، لأن وقت إدراك الثمرة معلوم والتفاوت فيه قليل ويدخل فيه المتيقن . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۷/۲۶، وزارة الاوقاف).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۸/۶۴ ط: المساجدية، وكاملة فتح القدير: ۹/۴۷۸، دار الفکر، والموسوعة الفقهية الكويتية: ۳۷/۱۱۳، ۱۳۰، واحسن الفتاوى: ۷/۳۸۰، وجديد محاملات کے شرعی احکام: ۲/۲۴۴).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿أَحَلَّتْ لَكُمْ بِهَيْمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

وقال تعالیٰ: ﴿قُلْ أَحِلَّ لَكُمْ لَحْمَ الطَّيْرِ، وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ

مَكْلَبِينَ تَعْلَمُونَ مِنْ مَّا عَلَيْكُمْ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنِ

عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾

(سورة المائدة)

# کتاب الصيد

## والذبائح

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن اللہ تعالیٰ کتب

الإحسان علی کل شیءٍ فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم

فأحسنوا الذبیح، ولیحد أحدکم شفرته ولیرح ذبیحته. (رواه مسلم).

عن عدی بن حاتم قال قال نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

إذا أرسلت کلبک فاذکر اسم اللہ فإن أمسک علیک فأدرکته حیاً

فأذبحه وإن أدرکته قد قتل ولم یأکل منه فکله

وإن أکل فلا تأکل، فإنما أمسک علی نفسه فإن وجدت مع کلبک

کلباً غیره وقد قتل فلا تأکل فانک لا تدري أيهما قتل،

وإذا رمیت بسمک فاذکر اسم اللہ فإن غاب عنک یوماً فامر تجد

فیه إلا أثر سمک فکل إن شئت،

وإن وجدت غریفاً فی الماء فلا تأکل. (متفق علیہ).

## باب ..... ﴿۱﴾

### ذبح کرنے کے احکام کا بیان

جانور کو ذبح کرنے سے پہلے بے ہوش کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے ایک گائے کو گولی ماری اس گولی کے نتیجے میں یہ جانور تین چار منٹ میں مرجائے گا، لیکن اس کو فی الفور ذبح کیا گیا، اور ذبح کرنے سے اس کا پورا خون بہہ گیا، کیا شرعاً یہ ذبح معتبر ہے یا نہیں؟

**الجواب:** گائے یا کسی جانور کو جو گولی ماری جاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ گولی جو جانور کو بے حس کر کے ذبح کے وقت اس کی تکلیف کو کم کرتی ہے اور کچھ دیر کے بعد یہ جانور ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کا احساس و شعور درست ہو جاتا ہے اور وہ چلنے پھرنے لگتا ہے اس قسم کی بے ہوشی کی گولی مارنے میں تو کوئی حرج نہیں بلکہ آج کل کے اہل تحقیق کے نزدیک جانور کی تکلیف کو کم کرانے کے مترادف ہے۔ نیز اس میں ذبح کے عمل کو تیز کرنے کا پہلو بھی موجود ہے اس سلسلہ کے ایک محقق دکتور علی مصطفیٰ یعقوب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

الصعق: — مما يتعلق بعملية الذكاة ما يسمي بالصعق أو stunning و هو عبارة عن عملية فقدان الوعي والشعور من الحيوان المذبوح. والصعق على نوعين: الصعق بالتيار الكهربائي، والصعق بالضرب على رأس المذبوح... أما الصعق الضربي فيعمل به إما قبل

الذبح ، وإما بعد الذبح . وكان الغرض من الصعق أمران :

- [ ۱ ] إزالة الوعي والشعور من الحيوان الذي سيدبح ، حتى إذا ذبح لا يشعر بأي ألم .
- [ ۲ ] إسراع أعمال الانتاج ، حيث لا يحتاج إلى وقت طويل في الانتاج ، إذا لا يستعمل الذابح الصعق ، يكون الانتاج قليلاً جداً ، ... وإذا ثبت ذلك ، فالصعق الذي لم يصل إلى درجة القتل ، من باب الإحسان للحيوان المذبوح لأنه لا يشعر بأي ألم عند الذبح ، والله أعلم . (معايير الحلال والحرام في الأطعمة والأشربة والأدوية والمستحضرات التحميلة على ضوء الكتاب والسنة للدكتور علي مصطفى يعقوب ، ص ۳۱۸) .

اور (۲) دوسری قسم وہ گولی ہے کہ جس کے مارنے سے تین یا پانچ منٹ کے بعد جانور مر جاتا ہے۔ چونکہ یہ دومرتبہ قتل کرنے کے مترادف ہے، اس لیے یہ مکروہ ہے، تاہم فقہاء کا اتفاق ہے کہ ذبح کرتے وقت جانور زندہ تھا اور شرعی طور پر ذبح کر دیا تو جانور حلال ہوگا۔ لیکن اس میں تغذیہ حیوان ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حیوان کو ذبح کرتے وقت اس کے ساتھ نرمی اور اچھا سلوک کرو۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

عن شداد بن أوس رضی اللہ عنہ قال : ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، قال : إن الله تعالى كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة ، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح ، وليحد أحدكم شفرته و ليرح ذبيحته . (رواه مسلم : ۱۵۲/۲ ، باب الامر بإحسان الذبح والقتل) .

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کر لی ہیں ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کر دیا ہے پس جب تم (کسی کا فرکو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو ، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو ، اور اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

قال الإمام النووي : قوله صلى الله عليه وسلم : فأحسنوا القتلة ، عام في كل قاتل من الذبائح والقتل قصاصاً وفي حد ونحو ذلك ، وهذا الحديث من الأحاديث الجامعة لقواعد

الإسلام. واللّٰهُ أعلم. (شرح مسلم: ۱۵۲/۲).

مرقات میں ہے:

وقد قال علماؤنا وكره السلخ قبل أن تبرد وكل تعذيب بلا فائدة لهذا الحديث ولما أخرج الحاكم في المستدرک وقال صحيح على شرط الشيخين عن ابن عباس "أن رجلاً أضجع شاة يريد أن يذبحها وهو يحد شفرته فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: أتريد أن تميتها موتين هلا حددت شفرتك قبل أن تضجعها. (مرقاۃ المفاتیح: ۱۱۵/۸، امدادیہ، مملتان). صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وهذا لأن في جميع ذلك وفي قطع الرأس زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة وهو منهى عنه والحاصل أن مافيه زيادة إيلا م لا يحتاج إليه في الذكاة مكروه... إلا أن الكراهة لمعنى زائد وهو زيادة الألم قبل الذبح أو بعده فلا يوجب التحريم. (الهداية: ۴/۴۳۹، كتاب الذبائح). اور اگر جانور زخ کرنے سے پہلے ہی مر گیا تو وہ مردار کے حکم ہوگا۔ ملاحظہ ہو:

وإذا وصل الصعق إلى درجة قتل الحيوان، فلا شك أن المذبوح على هذه الحالة لا يؤكل، لأن القتل لم يكن على الشريعة الإسلامية. (معايير الحلال والحرام، ص ۳۱۸). مجمع الفقہ اسلامی کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

وبعد مناقشة الموضوع ، وتداول الرأي فيه قرر المجمع ما يلي:

أولاً: إذا صعق الحيوان المأكول بالكهربائي ثم بعد ذلك تم ذبحه أو نحوه وفيه حياة فقد ذكى ذكاه شرعية، وحل أكله لعموم قوله تعالى: ﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة وما أكل السبع إلا ما ذكيتم﴾ [المائدة: ۳].

ثانياً: إذا زهقت روح المصاب بالصعق بالكهربائي قبل ذبحه أو نحره فإنه ميتة يحرم أكله، لعموم قوله تعالى: ﴿حرمت عليكم الميتة﴾.

ثالثاً: صعق الحيوان بالتيار الكهربائي - عالي الضغط - هو تعذيب للحيوان قبل ذبحه أو نحره ، والإسلام ينهى عن هذا ويأمر بالرحمة والرأفة به ، فقد صح عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: " إن الله كتب الإحسان على كل شيء ... الحديث .

رابعاً: إذا كان التيار الكهربائي منخفض الضغط وخفيف المس بحيث لا يعذب الحيوان ، وكان في ذلك مصلحة ، كتخفيف ألم الذبح عنه وتهذئة عنفه ومقاومته فلا بأس بذلك شرعاً ومراعاة للمصلحة ، والله أعلم .

أحكام الذبائح میں مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

أما التدويخ ، فيقع بطرق مختلفة ، ولعل من أكثرها استعمالاً ، هو التدويخ بالمسدس ، وهذا المسدس غير مسدس الرصاص ، وإنما تخرج منه عند إطلاقه إبرة ، أو قضيب معدني ويضعون المسدس في وسط جبهة الحيوان فيطلقونه ، فتخرج هذه الإبرة أو القضيب وتثقب دماغ الحيوان ، فيفقد الحيوان الوعي فوراً ، وبعد ذلك يذبح .... والطريق الرابع للتدويخ استعمال الصدمة الكهربائية . وتوضع فيها آلة كالملقط على صدغي الحيوان ، ويرسل من خلاله تيار كهربائي ينفذ إلى الدماغ ، فيفقد الحيوان الوعي بسبب هذه الصدمة الكهربائية .

والحكم الشرعي لهذا التدويخ يحتاج إلى البحث من ناحيتين : الأولى : هل استخدام هذا الطريق جائز شرعاً ، والثانية : هل تكون الذبيحة حلالاً إن ذبحها مسلم أو كتابي بالطريق المشروع بعد هذا التدويخ ؟

أما كون هذه الطرق جائزة شرعاً ، فيتوقف الحكم فيه على أن هذا الطريق يخفف من ألم الذبح على الحيوان أم لا ، ... أما التدويخ ، ففي بعض الحالات يضر بالحيوان ويؤلمه أكثر مما يؤلمه الذبح ، ... لأن إطلاق المسدس على الجبهة إنما يحصل به وقد عنيف ، والصدمة الكهربائية لا تخلو من ألم ... فإذا تحقق ذلك قطعاً وأنه لا يموت به الحيوان جاز



استعمالها، وإلا فلا .

... ولا شك أن هذه الطرق للتدويخ لو كانت مسببة للموت ، أو يخشى منها الموت فلا يجوز استعمالها، ولا القول بحلة الحيوان المذبوح بعد التدويخ. وما دامت هذه الطرق مشكوكة ، فالأسلم أن يتعدوا عنها، ومن المعروف أن اليهود لا يقبلون أي طريق للتدويخ ، والمسلمون أولى منهم بالابتعاد عن الشبهات ، والله سبحانه وتعالى أعلم. (احکام الذبائح، ص ۵۷، ۵۸، الذبح الصناعي للانعام، ط: مكتبة جامعة دارالعلوم کراتشي).

خلاصہ یہ ہوا کہ جانور میں بوقت ذبح یقینی حیات ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا ورنہ حرام، لیکن حیات سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں ائمہ ثلاثہ حنفیہ کا کچھ اختلاف ہے۔ درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

امام صاحبؒ کے نزدیک نفس حیات کافی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک نفس حیات کافی نہیں بلکہ حیات مستقرہ یعنی آدھادن یا اس سے زیادہ زندہ رہنا ضروری ہے اور فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها قيام أصل الحياة في المستأنس وقت الذبح قلت أو كثرت في قول أبي حنيفة وعند أبي يوسف ومحمد لا يكتفى بقيام أصل الحياة بل تعتبر حياة مقدورة... ولأبي حنيفة قوله تعالى: ﴿حرمت عليكم... إلا ما ذكيتم﴾ استثنى سبحانه وتعالى المذكى من جملة المحرمة والاستثناء من التحريم إباحة وهذه مذكاة لوجود فري الأوداج مع قيام الحياة فدخلت تحت النص. (بدائع الصنائع: ۵/۵۰، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

المتردة والمنخنقة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت ينظر إن كان فيها حياة مستقرة حلت بالذبح بالإجماع وإن لم تكن الحياة فيها مستقرة تحل بالذبح سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفة وهو الصحيح وعليه الفتوى كذا في محيط السرخسي . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸۶، شرائط الذبح).

فتاویٰ النوازل میں ہے:

شاة مریضة بقي فيها من الحياة مقدار ما بقي في المذبوح بعد الذبح إذا ذبحها تحل عند أبي حنيفة<sup>٢</sup>. (فتاویٰ النوازل، ص ۲۳۵، آرام باغ کراچی).

لسان الحکام میں ہے:

و ذکر الإمام السرخسي: إذا علم أنها كانت حية حين ذبحت حل أكلها سواء كانت الحياة فيها يتوهم بقاؤها أو لا يتوهم بقاؤها. (لسان الحکام، ص ۳۸۳، کتاب الذبائح، دار الفکر).

فتاویٰ ولوالجیہ میں ہے:

الشاة إذا مرضت، وبقي فيها من الحياة مقدار ما يبقى في المذبوح بعد الذبح. والثاني: إذا قطع الذئب بطن الشاة وبقي فيها من الحياة مقدار ما ذكرنا،... واختلف المشايخ على قول أبي حنيفة<sup>٢</sup>: قال بعضهم: تقبل الذكاة وعليه الفتوى. (فتاویٰ الولوالجية: ۶۸/۳، الفصل الثاني في الذكاة الاختياري، ط: بيروت).

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل ۲۰/۲۳۹)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب جانور میں حیات کا ہونا یقینی طور پر معلوم تھا اور پھر اس جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا تو وہ حلال ہوگا، ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ریبوچکن کا حکم:

سوال: ریبوچکن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے اس مذب کا مشاہدہ کیا ہو اور ان کا طریقہ کار دیکھا ہو تو اس مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالیں کیونکہ آج کل عوام و خواص سب اس کے مذبوحات کے کھانے میں ملوث ہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب: بندہ اپنے رفقاء کے ساتھ ریبوچکن مذب میں بتاریخ ۵ دسمبر ۲۰۰۸ء بروز جمعہ حاضر ہوا، اور وہاں جانے کا مقصد ان کے طریقہ کار کو دیکھنا تھا کہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں؟

ہم نے اس مذبح کے اس حصے کو دیکھا جس میں مرغیوں کو لوہے کے ساتھ لٹکایا جاتا ہے، پھر چلتے چلتے ذابحین ان کو ذبح کرتے ہیں، ہمیں یہ بتایا گیا اور خود ہم نے بھی یہ دیکھا کہ آخر تک احتیاط برتی جاتی ہے کہ کہیں ذبح سے پہلے مرغی مرنے جائے، مرغی لٹکانے والا سب سے پہلے اس کی حیات کا یقین کر لیتا ہے، پھر ذابح ذبح کرتے وقت ملاحظہ کرتا ہے، پھر ذبح کرنے کے بعد کچھ فاصلہ پر ایک اور صاحب مقرر ہوتا ہے اور جس مرغی کا رنگ بدلا ہوا ہو اس کو علیحدہ کر لیتا ہے اگرچہ ذبح کے وقت خون بہا ہو۔

مذبح میں ذابح چارتھے اور ہر شخص چوتھی مرغی کو ذبح کرتا تھا جس میں باسانی تسبیہ پڑھ سکتا ہے، ذابح کے ذبح کرنے کے ساتھ ساتھ ہم بھی بسم اللہ پڑھتے رہے، اور آرام و اطمینان سے پڑھ سکتے تھے، ہاں مشینوں کے شور کی وجہ سے بسم اللہ سنائی نہیں دیتی تھی، لیکن ذابح مسلمان تھے ان پر حسن ظن کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پڑھتے ہوں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن قوماً قالوا: يا رسول الله إن قوماً يأتوننا باللحم لاندري أذكروا اسم الله عليه أم لا؟ فقال: "سموا عليه أنتم وكلوه"، قالت: وكانوا حدثي عهد بكفر". (رواه البحاری: ۲/۸۲۹)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک قوم نے کہا یا رسول اللہ! کچھ لوگ (نومسلم) ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے (بوقت ذبح) بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ذابحین مسلمان ہوں اور وہ بسم اللہ پڑھنے کا اقرار کرتے ہوں تو ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں اور ان پر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے کہ انہوں نے بسم اللہ نہیں پڑھی ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر ایک ذابح کو چالیس منٹ کے بعد بیس منٹ کے لیے، یا ایک گھنٹے کے بعد آدھے گھنٹے کے لیے آرام کا وقت دیا جاتا ہے، تاکہ وہ کچھ آرام کر لے، نیز ایک مسلمان نگران کمپنی کی طرف سے اور دوسرا نگران سنہا (SANHA) کی طرف سے مقرر ہے وہ دونوں حضرات ذبیحہ کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔

اس لیے ہمارے خیال میں ہمارے مشاہدہ کے مطابق ذبح شدہ مرغیاں حلال ہیں، مسلمان ان کو کھا سکتے

ہیں۔ ہاں اگر اس کے بعد کوئی تغیر اور تبدل ہوا ہو یا احتیاط نہ برتنے ہوں تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں، ہم نے اپنے مشاہدہ کے موافق لکھا ہے۔

### اشکالات اور ان کے جوابات:

بعض علماء کی طرف سے اس ذبیحہ پر کچھ اشکالات کیے جاتے ہیں، ان کا ذکر کرنا اور اشکالات کا دفع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اشکالات اور ان کے جوابات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۱) پہلا اشکال یہ ہے کہ مرغیوں کو ذبح کرنے سے قبل لوہے کے ساتھ التالک کیا جاتا ہے، جو مرغیوں کے لیے باعثِ کلفت و عقوبت ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ میرے خیال میں پرندوں اور مرغیوں کے لیے سر نیچے اور پاؤں اوپر کرنا باعثِ کلفت و عقوبت نہیں ہے۔

دیہاتوں میں ہم مرغیوں اور پرندوں کو رات دن دیکھتے رہتے ہیں کہ دیواروں پر چڑھتے ہیں، جن میں ان کا سر اوپر اور پاؤں نیچے ہوتے ہیں، پھر دیوار اور چھت سے نیچے اترتے وقت سر نیچے اور پاؤں اوپر ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں مرغیاں انسانوں کی طرح نہیں ہیں، انسان کا سر نیچے اور پاؤں اوپر کی طرف ہوتا اس کے لیے باعثِ کلفت اور سببِ مشقت ہے، نیز دیہاتوں میں یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب دیہاتی لوگ بازار سے مرغیاں خریدتے ہیں تو ان کے پاؤں کو پکڑ کر ان کے سروں کو نیچے کرتے ہیں اور مرغیوں کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی، کیونکہ زیادہ پھرتی نہیں ہیں، مزید براں مذابح میں التالک باندھنا اس مصلحت کی وجہ سے ہے کہ ان کی چونچ نیچے پانی میں لگ کر ان پر بے خودی اور بے حسی یا کم شعوری طاری ہو جائے۔ الغرض اس طرح باندھنا مصلحت کی وجہ سے ہے۔

(۲) دوسرا اشکال: بعض حضرات سے یہ سنا کہ ان کی چونچ کو پانی میں ڈبونے سے ان کو پکلی کی کرنٹ

لگ جاتی ہے، یہ تعذیب اور عقوبت ہے جو خلافِ شریعت ہے۔ شریعت نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله تعالى كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته. (رواه مسلم: ۱۵۲/۲، باب الامر بإحسان الذبح والقتل).

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کر لی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کر دیا ہے پس جب تم (کسی کافر کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اور اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کو راحت پہنچانا چاہئے، جب کہ کرنت لگانا اس کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں راحت پہنچانے کے آلات بدلتے رہتے ہیں، مثلاً موجودہ زمانہ میں اگر کسی کا آپریشن کیا جاتا ہے تو اس کو نشہ کا انجکشن لگایا جاتا ہے، جس سے مریض پر بے حسی، بے خودی یا بے ہوشی طاری ہوتی ہے اور آپریشن کرتے وقت اس پر جراحی کا عمل آسان ہو جاتا ہے۔ اگر کسی کی ڈاڑھ نکالی جاتی ہے اور بغیر آپریشن کے نکالے تو اس کو کتنی تکلیف ہوگی، بلکہ ڈاکٹر آپریشن ہی نہیں کر سکے گا، مریض تڑپتا رہے گا، لیکن انجکشن کی وجہ سے مسوڑھوں کا حصہ بے حس ہو جاتا ہے اور آسانی سے آپریشن کا عمل جاری رہتا ہے جو مریض کے لیے ایک بڑی نعمت سے کم نہیں۔

اسی طرح مرغیوں کے لیے بھی یہ عمل انجکشن کی طرح ہے جس سے ان پر ایک گونہ بے خودی سی طاری ہو جاتی ہے اور ذبح کا عمل آسان ہو جاتا ہے، جیسے انجکشن کی تکلیف اس تکلیف کے مقابلہ میں ہلکی ہے جو تکلیف آپریشن کے وقت بغیر انجکشن کے ہے، اسی طرح کرنت والے پانی کی تکلیف ہے۔

پھر عام طور پر اس پانی میں سولہ (۱۶) سے تیس (۳۰) دوسلج تک کا کرنت ہوتا ہے۔ جن اکابر نے اس بے ہوشی کے عمل کے خلاف لکھا ہے، معلوم نہیں ان کے زمانہ میں اس کی کیا نوعیت تھی، بلکہ بعض اکابر کا زمانہ سائنس کی ترقی کا ابتدائی زمانہ تھا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے اس عمل کو دیکھا تھا یا نہیں؟ اگر اس طریقہ کار کو اکابر ملاحظہ فرماتے تو غالباً اس کی تائید فرماتے، بہر حال اس عمل میں بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے، ہم نے گائے بیلوں کے

ذبح میں دیکھا کہ ان کو پیشانی پر بے خودی کی گولی مارتے ہیں اس کے بعد ان کو آرام سے ذبح کرتے ہیں، جب کہ دوسری طرف دیہات میں کئی آدمی اس کو پکڑتے ہیں، اس کے پاؤں میں رسیاں ڈالتے ہیں، کبھی ڈرکی وجہ سے وہ اتنے زور سے بھاگتے ہیں کہ مجمع میں کئی آدمیوں کو زخمی کرتے ہیں، ڈرکی وجہ سے جانور کو دست لگ جاتے ہیں، اس کا روائی کے مقابلہ میں گولی لگانے کا معاملہ آسان معلوم ہوتا ہے، جب کہ گولی سے صرف بے خودی طاری ہوتی ہو، اور گولی قاتل یا انتہائی اذیت پہنچانے والی نہ ہو، ہاں عام جگہوں پر چونکہ مشینی آلات میسر نہیں تو ان کے لیے پرانا طریقہ صحیح ہے۔

(۳) تیسرا اشکال یہ سامنے آیا کہ کرنٹ والے پانی کے لگنے سے موت کا خطرہ موجود ہے، اس لیے یہ مرغیاں مشکوک ہوئیں، اور مشکوک چیز سے بچنا چاہئے، مشہور حدیث: ”الحلال بین والحرام بین، و بینہما مشتبہات، فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه“۔ او کما قال۔

یعنی حلال و حرام دونوں کھلے ہوئے ہیں ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچتا ہو اس نے اپنے دین و عزت کو پاک و صاف رکھا۔ پس مشکوک اشیاء سے احتیاط کرنا چاہئے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مرغی کی چوچ میں کرنٹ آلودہ پانی لگنے کے بعد جب مشاہدہ یہ ہے کہ مرغی زندہ ہے، پھر ذبح کے دیکھنے اور ذبح کرنے اور خون بہنے سے بھی مرغی کی زندگی کا یقین ہو تو اس کا مشتبہ ماننا قابل تسلیم نہیں، اگر پانی لگنے کے بعد مرغی پر نیند طاری ہوتی تو پھر بھی موت کا شبہ ہوتا، لیکن اس پر نیند بھی طاری نہیں ہوتی بلکہ اس کے بال و پر بھی اچھی طرح متحرک ہوتے ہیں۔ بلکہ مزید بات یہ معلوم ہوئی کہ نشہ کے بعد اگر مرغیوں کو چھوڑا جائے تو مرغیاں دو تین منٹ کے بعد چلنے لگتی ہیں۔ جس سے پتہ چلا کہ نشہ کے بعد مرغیاں اچھی طرح زندہ ہیں۔

بوقت ذبح جب حیات یقینی ہو تو شبہ غیر معتبر ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ مینات میں ہے:

جس صورت میں بے ہوشی کے بعد جانور کی حیات یقینی ہو تو اس صورت میں ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے لہذا ۷۰ سے ۹۰ دو لٹ کے کرنٹ سے گزر کر بے ہوش ہونے والی مرغیاں جن میں حیات یقینی ہو تو اس حالت میں ذبح کی ہوئی مرغی حلال ہوگی اس کے علاوہ ۱۰۰ سے ۱۲۰ دو لٹ کے کرنٹ سے گزری ہوئی مرغی اس وقت تک حلال

نہ ہوگی جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ ذبح سے قبل اس میں حیات باقی تھی، اگر ذبح کرنے سے قبل حیات یقینی ہو تو اس صورت میں ذبح کے بعد اس کا کھانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۵۵۰/۴، کتاب الذبايح)۔

(۴) چوتھا اشکال: ایک اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مرغی کو بال و پر نکالنے کی غرض سے گرم پانی میں ڈالا جاتا ہے جب کہ مرغی کے پیٹ میں آلائش اور گندگی ہوتی ہے اور اس گندگی کے گوشت کے ساتھ ملنے اور سرایت کرنے کا خطرہ ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ پانی سے مرغی صرف گزرتی ہے، جب مرغیوں کی قطار باہر آتی ہے تو آدمی کو مرغیوں کا اندر رہنا اور ٹھہرنا محسوس بھی نہیں ہوتا اتنے قلیل وقت میں نجاست گوشت کے ساتھ سرایت نہیں کرتی ہے۔ مراقی الفلاح، طحاوی، شامی اور بحر وغیرہ میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے۔  
ملاحظہ ہو حاشیہ الطحاوی میں ہے:

لو أُلقيت الدجاجة حال غليان الماء قبل أن يشق بطنها لتنف، أو كرش قبل أن يغسل  
إن وصل الماء إلى حد الغليان ومكث فيه بعد ذلك زماناً يقع في مظه التشرب والدخول  
في باطن اللحم لا تطهر أبداً إلا عند أبي يوسف كما مر في اللحم، وإن لم يصل الماء إلى  
حد الغليان أولم تترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلى سطح الجلد لا انحلال مسام  
السطح عن الريش والصوف تطهر بالغسل ثلاثاً. (حاشية الطحاوی علی مراقی الفلاح، ص ۱۶۰)۔  
فتاویٰ شامی میں ہے:

لكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع في مثله  
التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل واحد منهما غير محقق في السميطة. (فتاویٰ الشامی: ۳۳۴/۱، معید)۔

وللمزيد من البحث راجع: (فتح القدیر: ۲۱۱/۱، دار الفکر، والبحر الرائق: ۲۳۹/۱، کوئٹہ)۔  
ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پانی ابلتا ہو، یا ابلتا ہوا ہے لیکن مرغیاں بہت کم وقت اس میں رکتی  
ہیں، تو دونوں صورتوں میں مرغیاں پاک ہیں، ہاں اس پانی سے نکالنے کے بعد ان کو تین مرتبہ دھویا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ مینات میں ہے:

اگر مرغیاں شرعی طریقے کے مطابق ذبح ہوتی ہیں کہ مسلمان بسم اللہ پڑھ کر اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں اور ذبح کرنے کے بعد ان مرغیوں کو گرم پانی میں ڈال کر فوراً ہی نکال لیا جاتا ہے کہ مرغیوں کے اندر جو آلائش اور نجاست ہے وہ مرغیوں کے اندر بذریعہ مسامات سرایت نہیں کرتی تو اس صورت میں ان مرغیوں کا کھانا حلال ہوگا تاہم پکانے سے قبل گوشت کو اچھی طرح دھو کر پاک کر لیا جائے تاکہ غیر شرعی طور پر ذبح کردہ مرغیوں کی نجاست والا پانی دور ہو جائے۔

اور اگر گرم پانی میں اتنی دیر رکھی جائے کہ گرمی کی وجہ سے اندر کی آلائش و نجاست کے اثرات گوشت کے مسامات میں سرایت کر جاتے ہیں تو اس صورت میں وہ گوشت بھی حرام ہوگا اور اس کا کھانا جائز نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ مینات: ۵۹۱/۴، کتاب الذبايح)۔

تنبیہ: بلکہ بعد میں معلوم ہوا کہ پانی ابلا ہوا نہیں ہوتا، کیونکہ پانی ابالنے کے لیے ۸۰ ڈگری سے لے کر ۸۵ ڈگری تک کی حرارت چاہئے، جب کہ اس پانی کی حرارت ۵۲ ڈگری ہوتی ہے، جس سے پانی ابلتا نہیں، ہاں گرم ضرور ہوتا ہے۔ پھر مذبح والے مرغیوں کی کھجی کو دیکھتے ہیں اگر اس کے رنگ میں تبدیلی آئی ہو تو اس کو الگ کر دیتے ہیں، جب کہ کھجی بہت جلدی پکنے والی چیز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس پانی سے گزرنے والی مرغی میں پانی کے اثرات ظاہر نہیں ہوتے، سوائے اس کے کہ بال و پر نپکتے ہیں۔

(۵) پانچواں اشکال یہ ہے کہ ان مرغیوں کے بال و پر نکالنے میں ان کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار نہیں کیا جاتا، بلکہ تڑپتی ہوئی مرغیوں کو گرم پانی میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے۔

جواب: اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ بعض فقہائے کرام نے مرغی ٹھنڈی ہونے اور مکمل روح نکلنے سے پہلے ان کے بال و پر نکالنے کو مکروہ لکھا ہے۔ محمد بن عبداللطیف بن عبدالعزیز بن ملک نے شرح تحفۃ الملوک میں تحریر فرمایا ہے:

وکل زیادة لایحتاج الیہا فی الذکاة ، مکروہة ، کجر المذبوح برجلہ الی المذبح و سلخہ قبل أن یتیم موتہ ، و کذا لومات ولم یرد ای لم یسکن من الاضطراب یرکہ سلخہ



أيضاً عند البعض لما فيه من زيادة الألم. (شرح تحفة الملوک، ص ۱۷۷۲)۔

یعنی ہر وہ زائد کام جس کی ضرورت ذبح میں نہیں کمروہ ہے، جیسے مذبوح کو ٹھل ذبح تک پاؤں کے ساتھ گھسیٹنا اور موت مکمل ہونے سے پہلے کھال اتارنا، اسی طرح اگر جانور مر گیا اور ٹھنڈا نہیں ہوا اور اس کی حرکت بند نہیں ہوئی تو یہ بھی بعض فقہاء کے نزدیک کمروہ ہے، کیونکہ اس میں زیادہ تکلیف دینا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حرکت بند ہونے سے پہلے کھال اتارنا بعض علماء کے نزدیک کمروہ ہے، اگر تڑپنے کی حالت میں بال و پیر یا کھال اتاری جا رہی ہو تو گرم پانی کے فاصلے کو ذرا دور کر دیں تاہم مذبوح حلال ہے۔ جیسے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

إلا أن الكراهة لمعنى زائد وهو زيادة الألم قبل الذبح أو بعده فلا يوجب التحريم فلهذا قال (الإمام القدوري) توكل ذبيحته. (الهداية: ۴/۳۹، كتاب الذبائح)۔

خلاصہ یہ ہے کہ کراہت لغیرہ ہے اس لیے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا بلکہ امام قدوری کے کہنے کے موافق ذبیحہ کھایا جائیگا۔ ہاں مسلمان کی شان یہ ہے کہ حتی الامکان کمروہ اشیاء سے بھی پرہیز کریں یہ فتویٰ نہیں ہے۔

(۶) چھٹا اشکال: ایک اشکال یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ مرغیوں کو قبلہ رو ذبح نہیں کیا جاتا۔ جب کہ درمختار میں ہے: وكره ترك التوجه إلى القبلة لمخالفة السنة. وقال الشامي: قوله لمخالفة السنة أي الموكدة لأنه توارثه الناس فيكره تركه بلا عذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۹۶، كتاب الذبائح، سعيد)۔

جواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ذائقہ حسنین رو بہ قبلہ ہوتے ہیں، ہاں ان کو یہ تلقین و ہدایت کی جائے کہ مرغی کے منہ کو رو بہ قبلہ کرایا کریں، نیز اگر مرغی کو بالفرض رو بہ قبلہ ذبح نہ کریں تو بھی مرغی حلال ہے۔ ملاحظہ ہو طحاوی علی الدرر میں ہے:

وتوجيه القبلة سنة مؤكدة وترك السنة لا يوجب الحرمة. (حاشية الطحاوی علی الدرر

عالمگیری میں مذکور ہے:

إذا ذبحها بغير توجه القبلة حلت ولكن يكره كذا في جواهر الأختلاطی. (الفتاویٰ

الهندية: ۵/۲۸۸).

محیط برہانی میں ہے:

وإذا ذبحها متوجهة إلى غير القبلة حلت، ولكن يكره. (المحیط البرہانی: ۶/۴۶۲، کتاب

الذبايح، الفصل الثانی فی صفة الذکاة).

بدائع الصنائع میں ہے:

ويستحب أن يكون الذبايح حال الذبح متوجهاً إلى القبلة. (بدائع الصنائع: ۵/۷۹، سعيد).

مستحب کے بالمقابل خلافِ اولیٰ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے ذبیحہ حلال ہے۔

(۷) ساتواں اشکال: بعض علماء نے یہ اشکال فرمایا کہ مرغیوں کو مذکورہ بالا طریقہ پر ذبح کرنا سلفِ

صالحین سے مروی نہیں ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ سلفِ صالحین سے ذبح کرتے وقت وہ طریقہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا

جس پر عام لوگ عمل کرتے ہیں، کیا کسی حدیث میں یہ وارد ہے کہ مرغی کو ذبح کرتے وقت اس کے پروں پر ایک

پاؤں رکھو اور اس کے پیروں پر دوسرا پاؤں رکھو اور سر پکڑ کر ذبح کر لو؟

ہاں یہ طریقہ چونکہ عام لوگوں کے ہاں آسان تھا اس لیے اس کو اختیار کیا گیا، مقصود جانور کو شرعی طریقہ پر

ذبح کرنا ہے، اس کے مقدمات ہر زمانہ میں بدلتے رہتے ہیں، اور ہر جگہ آسان سے آسان طریقہ کو اختیار کیا جاتا

ہے۔ جیسے مقصود علم دین کا حصول ہے، لیکن اس کا نصاب بدلتا رہتا ہے، یا مقصود اللہ کا ذکر ہے لیکن اس کے طریقے

نقشبندیہ، چشتیہ وغیرہ بدلتے رہتے ہیں یا مقصود قال فی سبیل اللہ ہے اور اس کے آلات ہر زمانہ میں بدلتے رہتے

ہیں، یا جیسے مقصود بیت اللہ کا حج لیکن اس کے لیے پرانے زمانہ میں اونٹوں پر سفر ہوتا تھا اب سفر کے ذرائع بدل

گئے اور کاروہوائی جہاز سے سفر ہوتا ہے، نیز پرانے قلم و قرطاس کی جگہ بول پین، بکلیو، لیٹر اور ٹائپ رائٹر کا

استعمال، پرانے چراغوں کی جگہ بجلی کے بلب اور لائٹ کا استعمال، دھوپ گھڑی کی جگہ ہاتھ کی گھڑی کا استعمال نہ

بدعت ہے اور نہ خلافِ شریعت ہے، پھر آدمیوں کے مل کر گائے کو گرانے کی جگہ جدید طریقے پر اس کو بے حس کرنا کیسے بدعت اور خلافِ شریعت ہوگا، اور مرغیوں کے پروں اور پاؤں پر پاؤں رکھنے کی جگہ جدید طریقے پر اس کو قابو کرنا اور ذبح کرنا کیسے بدعت اور خلافِ شریعت ہوگا۔

ہاں بے احتیاطی کی وجہ سے کچھ مکروہات شامل ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے ذبیحہ حرام نہیں ہوتا، البتہ مکروہات کی فہرست بنا کر ذبیحہ کو حرام کہنا یہ حکمِ شریعت پر جرأت کرنا ہے۔ واللہ اعلم۔

## بوقتِ ذبح استقبالِ قبلہ کا حکم:

**سوال:** ذابح اور ذبیحہ کے لیے بوقتِ ذبح استقبالِ قبلہ واجب ہے یا سنتِ مؤکدہ یا مستحب؟ اور دیگر ائمہ کا اس سلسلہ میں کیا موقف ہے؟ تفصیل کے ساتھ واضح کیجئے؟

**الجواب:** مذہبِ احناف میں ذابح اور ذبیحہ کے لیے استقبالِ قبلہ کے سلسلہ میں دو قول ہیں: بعض فقہاء مثلاً علامہ شامی، علامہ سید احمد طحاوی وغیرہ حضرات کی تحقیق کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے اور دیگر بعض مثلاً علامہ ابوبکر کاسانی صاحب بدائع الصنائع وغیرہ کے نزدیک مستحب ہے۔ اور شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابوالحسن علی السعدی صاحبِ نصف الفتاویٰ کے نزدیک استقبالِ قبلہ آداب میں سے ہے۔

عبارات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

ملاحظہ ہو طحاوی علی الدر میں ہے:

وتوجيه القبلة سنة مؤكدة وترك السنة لا يوجب الحرمة. (حاشية الطحطاوى على

الدر المختار: ٤/١٥٢، كوثه).

در مختار میں ہے:

وكره ترك التوجه إلى القبلة لمخالفة السنة. وقال الشامي: قوله لمخالفة السنة أي

المؤكدة لأنه توارثه الناس فيكره تركه بلا عذر. (الدر المختار مع رد المختار: ٢٩٦/٦، كتاب الذبائح،

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما ما يستحب من الذكاة وما يكره فيها... منها: أن يكون الذابح مستقبل القبلة والذبيحة موجهة إلى القبلة لماروينا، ولما روى أن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم كانوا إذا ذبحوا استقبلوا القبلة، فإنه روى عن الشعبي أنه قال: كانوا يستحبون أن يستقبلوا بالذبيحة القبلة. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۰، سعید).

وكذلك إن ذبحها متوجهة لغير القبلة حلت ولكن يكره ذلك... وهذا لأن أهل الجاهلية ربما كانوا يستقبلون بدبائحهم الأصنام فأمرنا باستقبال القبلة لتعظيم جهة القبلة، ولكن تركه لا يفسد الذبيحة، بخلاف ترك التسمية لأن في التسمية تعظيم الله تعالى، وذلك فرض. فأما استقبال القبلة لتعظيم الجهة وذلك مندوب إليه في غير الصلاة فلهذا كان تركه موجبا للكرهة غير مفسد للذبيحة. (المبسوط للإمام السرخسي: ۱۲/ ۳، إدارة القرآن، كراتشي).

خلاصہ الفتاویٰ میں ہے:

وفي الأصل يستحب توجيهها إلى القبلة في وقت الذبح. (خلاصہ الفتاویٰ: ۴/ ۳۰۸، الفصل الثاني في التسمية).

وفي الهندية: واستحب الجمهور استقبال القبلة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۶۲).

وفي لسان الحکام: ويستحب توجيهها في الذبح إلى القبلة. (لسان الحکام، ص ۳۸۱، کتاب الذبائح، دار الفکر).

شیخ الاسلام قاضی القضاة ابوالحسن علی بن حسین السعدیؒ نے استقبال قبلہ کو آداب میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وآداب الذبح سبعة أشياء: والثالث إقبال وجهها إلى القبلة. (التنف في الفتاوى، ص ۱۴۸، آداب الذبح، ط: بیروت).

نیز عام حالات میں بھی نشست رو بہ قبلہ مستحب ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن لكل شيء سيء

وإن سيد المجالس قبالة القبلة“ . رواه الطبرانی فی الأوسط: وإسناده حسن. (مجمع الزوائد: ۵۹/۸، باب الجلوس مستقبل القبلة، دارالفکر).

میرے خیال میں استحباب والا قول بہتر ہے، کیونکہ ایسر للناس ہے، اور اس میں دیگر مذاہب کے ساتھ موافقت بھی ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ کتاب الجائز سے پتہ چلتا ہے کہ بوقت وفات مسلمان میت کے لیے استقبال قبلہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، کیونکہ ترک استقبال کو مکروہ تحریمی نہیں کہا بلکہ جائز کہا، تو جب اشرف المخلوقات کے لیے استقبال قبلہ مستحب ہے تو حیوان کے لیے سنت مؤکدہ ہونا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

يوجه المحتضر أى القبلة على يمينه هو السنة، و جاز الاستلقاء على ظهره وقدماه، إليها... وقيل: يوضع كما تيسر على الأصح . (الدر المختار: ۱۸۹/۲، سعید).

وقال الطحطاوي: يسن توجيه المحتضر أى للقبلة... و جاز الاستلقاء... والأول أفضل لأنه السنة . كذا فى المضممرات . (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص ۵۵۸، كذا فى شرح منية المصلی، ص ۵۷۶).

دیگر ائمہ کا موقف:

اجتہاد کے علاوہ دوسرے ائمہ مثلاً مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب کے ہاں مستحب ہے۔

مذہب مالکیہ:

ملاحظہ ہو حاشیہ العدوی میں ہے:

وتوجه الذبيحة فى الأضحية وغيرها عند الذبح إلى القبلة استحباباً إجماعاً على ما حكاه ابن المنذر . (حاشية العدوى على شرح كفاية الطالب الربانى: ۷۲۲/۱، باب فى الضحايا، دارالفکر).

وفى الثمر الدانى: وتوجه الذبيحة فى الأضحية وغيرها عند الذبح إلى القبلة استحباباً . (الثمر الدانى، ص ۲۶۰، باب فى الضحايا، دارالفکر).

مذہب شافعیہ:

قال فی روضة الطالبین: فصل فی سنن الذبوح وآدابه... الثالثة: استقبال الذابح القبلة وتوجيه الذبيحة إليها، وذلك فی الهدی والأضحية أشد استحباباً؛ لأن الاستقبال مستحب فی القربات. (روضة الطالبین: ۲۰۴/۳، المکتب الاسلامی).

وفی المجموع شرح المہذب: والمستحب أن یوجه الذبيحة إلى القبلة لما روت عائشةؓ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "ضحوا وطبوا أنفسکم، فإنه مامن مسلم یستقبل بذبیحته القبلة إلا کان دمها وفرثها وصوفها حسنات فی میزانه يوم القيمة". ولأنها قربة لا بد فیها من جهة، فكانت القبلة فیها أولى. (المجموع شرح المہذب: ۴۰۷/۸، مدار الفکر).

مذہب حنابلہ:

قال فی الإقناع (المستحب) ... الثالث: استقبال القبلة بالذبيحة أى بمذبحها فقط علی الأصح دون وجهها لیمكنه الاستقبال أيضاً. (الإقناع: ۲۴۳/۲، باب المستحبات).

وفی المغنی: ويستحب توجيه الذبيحة ... وإن اقتصر علی التسمية ووجه الذبيحة إلى غیر القبلة ترک الأفضل وأجزأه. (المغنی: ۴۶۲، باب نحر الهدی). واللہ اعلم.

بوقت ذبح فقط "بسم اللہ" کہنے کا حکم:

سوال: ایک مذبح میں بعض ذائحین جانوروں کی قطار میں بہت سارے جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، اگر کبھی ذابح کو "بسم اللہ، واللہ اکبر" پورا پڑھنے کی مہلت نہیں ملی اور صرف بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کر دیا تو حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ ذابح نے بوقت ذبح صرف "بسم اللہ" پڑھ کر ذبح کیا تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے کی وجہ سے مستحب یہ ہے کہ "بسم اللہ واللہ اکبر" پورا پڑھے۔ فقہائے احناف میں سے شیخ الاسلام ابوالحسن علی السعدیؒ نے فقط "بسم اللہ" پڑھنے احسن

فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد و شریف میں مذکور ہے:

عن جابر بن عبد اللہ ﷺ قال: شهدت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الأضحی بالمصلی فلما قضی خطبته نزل من منبرہ وأتی بکبش فذبحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ وقال: ”بسم اللہ واللہ اکبر“... (رواہ ابوداؤد برقم: ۲۸۱۲، الترمذی برقم: ۱۵۲۱، والبیہقی فی سننہ الکبری: ۲۸۶/۹)۔

الدر المنکوری میں ہے:

وأخرج عبد بن حمید وابن أبی الدنیا فی الأضاحی وابن أبی حاتم والحاکم وصححه والبیہقی فی سننہ، عن أبی ظبیان قال: سألت ابن عباس ﷺ، عن قوله ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ﴾ قال: إذا أردت أن تنحر البدنة... ثم قل: ”بسم اللہ واللہ اکبر، اللہم منك ولك“۔ (الدر المنثور: ۵۲/۶، سورة الحج)۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

بخلاف قوله ”بسم اللہ“ فإنه یصح ولو لم تحضره نية... وماتداولته الألسن عند الذبح وهو ”بسم اللہ واللہ اکبر“ منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وعن علی ﷺ وابن عباس ﷺ مثله قاله ابن عباس ﷺ، فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافٍ﴾ ونقل فی الذخيرة عن البقالی: أنه المستحب. وفي الجوهرية: وإن قال: بسم اللہ الرحمن الرحیم فهو حسن. (فتاویٰ الشامی: ۳۰۱-۳۰۲، کتاب الذبائح، سعید)۔

وفی التتف فی الفتاوی: قال: والأحسن أن یقول: ”بسم اللہ“۔ (التتف فی الفتاوی، ص ۱۴۸، کتاب الذبائح والصید، التسمیة، دار الکتب العنمیة)۔

فتاویٰ ولوالجیر میں ہے:

رجل ذبح وقال: بسم اللہ، ولم یظهر الهاء إن قصد ذکر اللہ تعالیٰ تحل، لأنه قصد

التسمیة. (الفتاویٰ الولوالجیر: ۷۲/۳، کتاب الذبائح، الفصل الثانی، ط: بیروت)۔

(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۴/ ۳۰۸، الفصل الثانی فی التسمیة). واللہ اعلم۔

## متروک التسمیہ عماً کا حکم:

**سوال:** مجھے معلوم ہے کہ احناف کے یہاں ذبیحہ پر لساناً تسمیہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے اور امام شافعیؒ کے ہاں اس مسئلہ میں تخفیف ہے، ان کے نزدیک ہر مومن کے دل میں بسم اللہ ہے۔ اس بات کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے کسی خنفی کے لیے یہ جائز ہوگا کہ کسی شافعی کے مذبح کو جو بلا تسمیہ ذبح کیا گیا ہو کھالے؟ شریعت مطہرہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور متروک التسمیہ عماً میں امام شافعیؒ کا صحیح قول کیا ہے؟

**الجواب:** جمہور فقہاء کے ہاں تسمیہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے، اگر عداً ترک کر دیا تو جانور میتہ کے حکم میں ہوگا، اور اگر نسیاناً چھوٹ گیا تو جمہور کے ہاں حلال ہے البتہ امام احمد کے نزدیک تب بھی شکار حلال نہیں ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک تسمیہ سنت ہے واجب اور لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی استخفافاً ترک کر دے تو جانور مردار کے حکم میں ہوگا، ہاں ویسے ہی اتفاقاً تسمیہ ترک کر دیا بلا استخفاف کے تو جمہور کے نزدیک حرام و امام شافعیؒ کے نزدیک حلال ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص عداً ترک کرنے کا عادی ہو تو یہ استخفاف میں شمار ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی جانور میتہ کے حکم میں ہوگا۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں مذکور ہے:

قال جمهور الفقهاء غير الشافعية: تشترط التسمية عند الذكية وعند الإرسال في العقر، فلا تحل الذبيحة، سواء أكانت أضحية أم غيرها، في حال ترك التسمية عمداً، وكانت ميتة. فلو تركها سهواً، أو كان الذابح المسلم أخرس أو مستكراً، أو نكلاً لقوله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ وأضاف الحنابلة: من ترك التسمية على الصيد عامداً أو ساهياً، لم يؤكل... وقال الشافعية: تسن التسمية ولا تجب وتركها مكروه، لقوله تعالى: ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ فلو ترك التسمية عمداً،



أو سهواً حل الأكل... الخ. (الفقه الاسلامي وادلته: ۳/ ۶۵۹، الذبايح، دار الفکر).

احکام الذبايح میں ہے:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أنه يجب للذكاة الشرعية أن يذكر الذابح اسم الله تعالى عند الذبح فإن ترك التسمية عمداً فلا تحل ذبيحته عند أبي حنيفة ومالك وأحمد وجمهور الفقهاء، وأما إذا نسيها فالذكاة معتبرة عند الحنفية والمالكية، ولا فرق عندهم في هذا بين الذبيحة والصيد. أما عند الحنابلة، فالنسيان معفو عنه في الذكاة الاختيارية فقط. أما في الصيد، فلا تعتبر الذكاة إذا لم يذكر الصائد اسم الله عند إرسال السهم أو الكلب سواء أتركها عمداً أو نسياناً.

أما الإمام الشافعي<sup>ؒ</sup> فلمشهور عنه أن التسمية ليست بواجبة عنده، وإنما هي سنة، فتحل الذبيحة وإن تركها الذابح عمداً. ولكن الذي يظهر من مراجعة كتاب الأم للشافعي أنه لم يصرح بحل متروك التسمية عمداً، وإنما صرح بحل ما نسي الذابح ذكر الله عليه وعبارته ما يلي:

وإذا أرسل الرجل المسلم كلبه أو طائره المعلمين أحببت له أن يسمى، فإن لم يسم ناسياً، فقتل أكل، لأنهما إذا كانا قتلتهما كالذكاة، فهو لو نسي التسمية في الذبيحة أكل، لأن المسلم يذبح على اسم الله عز وجل وإن نسي. (كتاب الأم: ۲/ ۲۲۷، كتاب الصيد والذبايح).

ثم إن الإمام الشافعي<sup>ؒ</sup> صرح فيما بعد بأن من يترك التسمية عند الذبح استخفافاً لا يحل أكل الذبيحة، فقد ذكر في معرض ما هو مسلم عنده:

إن المسلم إن نسي اسم الله تعالى أكلت ذبيحته، وإن تركه استخفافاً لم تؤكل ذبيحته. (كتاب الأم: ۲/ ۱۳۱، باب ذبايح أهل الكتاب).

وقد صرح بعض العلماء بأن الفقهاء أجمعوا على ذلك، فقد جاء في التفسير المظهر نقلاً عن شرح المقدمة المالكية:

وکل هذا في غير المتهاون، وأما المتهاون فلا خلاف أنها لا تؤكل ذبيحته تحريماً،  
 قاله ابن الحارث والبشير، والمتهاون هو الذي يتكرر منه ذلك كثيراً، والله أعلم. (التفسير  
 المظهری: ۳/۳۱۸، سورة الانعام).

وهذه العبارات تدل على أن مذهب الإمام الشافعي<sup>ؒ</sup> ليس على إطلاق الحل فيما  
 تعدد ترك التسمية عليه، وإنما تحرم الذبيحة عنده إذا ترك عليها التسمية تهاوناً  
 واستخفافاً، وجعله الرجل عادة له. (احکام الذبائح، ص ۱۲-۱۴، للشيخ المفتي محمد تقي مدظله).

حضرت مفتی شفیع صاحب بھی کتاب الام کی مذکورہ بالا عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ بھول کر تسمیہ چھوٹ گیا، تو وہ معاف ہے، دوسرے یہ کہ  
 جان بوجھ کر بھی استخفاف کے طور پر بسم اللہ کہنا چھوڑا ہے، تو اس کا ذبیحہ امام شافعی کے نزدیک بھی حرام ہے، اب  
 ایک صورت زیر بحث رہ گئی کہ کسی نے بسم اللہ کہنا چھوڑا، تو قصداً ہے، مگر اتفاقی طور پر ایسا ہو گیا، بے پرواہی یا  
 استخفاف مقصود نہیں، (اس بارے میں امام شافعیؒ سے کوئی روایت منقولہ نظر سے نہیں گزری البتہ شافعی فقہاء کی عبارات ملاحظہ  
 ہو) اس کا جواز اس عبارت (کتاب الام کی استخفاف والی عبارت جو مذکور ہوئی) سے مفہوم ہوتا ہے، یہی قول اہلب کا  
 تفسیر قرطبی نے اس طرح نقل کیا ہے:

قال أشهب توكل ذبيحة تارك التسمية عمداً إلا أن يكون مستخفاً. (تفسير  
 قرطبی: ۷/۷۶).

خلاصہ یہ ہے امام شافعیؒ یا بعض دوسرے علماء جنہوں نے قصداً ترک تسمیہ کے باوجود ذبیحہ کو حلال کہا ہے،  
 وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ ترک تسمیہ استخفافاً اور تهاوناً نہ ہو، یعنی اس کی عادت نہ ڈال لے، بلکہ اتفاقی  
 طور پر کبھی تسمیہ چھوڑ دیا ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی اس کا کھانا مکروہ ہے، اور گناہ ہے۔ امام ابو بکر ابن العربی نے احکام  
 القرآن میں نقل کیا ہے:

إن تركها متعمداً كره أكلها ولم تحرم قاله القاضي أبو الحسن والشيخ أبو بكر من

أصحابنا وهو ظاهر قول الشافعي<sup>ؒ</sup>. (احکام القرآن لابن العربی: ۱/۳۰۹).

علامہ نووی جو شافعی المذہب کے امام ہیں شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

وعلى مذهب أصحابنا يكره تركها وقيل لا يكره والصحيح الكراهة . (صحيح مسلم: ۲۰/

۱۴۵، كتاب الصيد والذباح).

مذکورہ بالا تصریحات سے اس مسئلے میں امام شافعیؒ کے مذہب کے متعلق امور ذیل ثابت ہوئے:

(۱) ذبیحہ پر بسم اللہ کا قصد اچھوڑنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔

(۲) جس ذبیحہ پر بسم اللہ قصد اچھوڑ دی گئی ہو، اس کا کھانا بھی ظاہری قول امام شافعیؒ کے مطابق مکروہ

ہے۔

(۳) کراہت والا قول اس وقت ہے جب کہ استخفافاً ترک نہ کی ہو بلکہ ترک اتفاقی ہو ورنہ حرام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کی طرف مطلقاً متروک التسمیہ عمدأ حلت کو منسوب کر دینا صحیح نہیں۔

پھر چند صفحات کے بعد فرماتے ہیں:

بہت سے علمائے شافعیہ نے بھی اس مسئلے میں جمہور ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔۔۔ ائمہ شافعیہ میں سے

محقق حضرات نے امام شافعیؒ کے اس قول کو اختیار نہیں کیا، امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

لأن الآية ظاهرة في إيجابها والأخبار متواترة فيه فإنه صلى الله عليه وسلم قال لكل

من سألته عن الصيد إذا أرسلت كلبك المعلم وذكرت اسم الله فكل ونقل ذلك علي

التكرار وقد اشتهر الذبح بالبسملة وكل ذلك يقوى دليل الاشتراط . (احیاء العلوم: ۲/۱۰۳،

مصری) .

ابن کثیرؒ نے ایک شافعی المذہب عالم ابوالفتح محمد علی الطائفی کی کتاب اربعین سے نقل کیا ہے کہ انھوں

نے شافعی المذہب ہونے کے باوجود متروک التسمیہ عمدأ کو حلال نہیں کہا۔ (ابن کثیرؒ ۱/۱۶۹، سورۃ الانعام)۔

(مختص از جواہر الفقہ، جلد ششم، ص ۱۹۰-۱۹۹، رسالہ اسلامی ذبیحہ، ط: دارالعلوم کراچی)۔

خلاصہ یہ کہ شافعیہ کے ہاں بھی متروک التسمیہ عمدأ مکروہ ہے۔ بلکہ محققین شافعیہ کے ہاں جمہور کا قول

راجح ہے لہذا احناف کو اس طرح کے ذبائح سے احتراز و اجتناب کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولا تحل ذبیحة تارک التسمیة عمدًا وإن ترکها ناسیاً تحل والمسلم والکتابی فی

ترک التسمیة سواء. (فتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۸۸).

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ولا تحل ذبیحة من تعمد ترک التسمیة مسلماً أو کتابياً لنص القرآن ولا انعقاد

الإجماع ممن قبل الشافعیؒ علی ذلك،... ولو قضی القاضی بجوازہ لا ینفذ، وقولہ صلی

اللہ علیہ وسلم: ”المسلم یدبح علی اسم اللہ سمي أو لم یسم“ محمول علی حالة النسیان

دفعاً للتعارض بینہ وبين قولہ علیہ الصلاۃ والسلام حین سأله عدي بن حاتمؓ عما إذا وجد

مع کلبہ کلباً آخر ”لا تأکل“، إنما سمیت علی کلبک ولم تسم علی کلب غیرک“ علل

الحرمة بترک التسمیة. (فتاویٰ الشامی: ۶/۲۹۹، سعید). واللہ اعلم۔

## ذبح بالنار کا حکم:

**سوال:** فقہاء نے آگ کے ذریعہ ذبح کو تسلیم کیا ہے، کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر آگ کے ذریعہ جانور ذبح

کیا جائے تو جائز ہوگا، اس کا حوالہ مطلوب ہے، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟

**الجواب:** فقہاء نے فقہ کی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ آگ کے ذریعہ ذبح کرنے سے جانور حلال

ہوتا ہے، جب کہ آگ ذبح کا عمل کرے، یعنی رگیں کٹ جائیں اور خون بہہ جائے، بظاہر نار سے رگوں کا کٹنا

عجیب معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آگ بظاہر قاطع نہیں محرق ہے، حضرت مفتی محمود پاکستانیؒ فرماتے تھے کہ اس کا مطلب

یہ ہے کہ کسی کندلوہے کو جو کاٹنا نہیں آگ میں سرخ کر کے اس میں کانٹے کی قوت پیدا کی جائے اور پھر اس سے

جانور کی رگوں کو کاٹ دے اور خون بہہ جائے تو ذبح متحقق ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وحل الذبیح بکل ما أفری الأوداج وأنهر الدم أى أساله ولو بنار. وفي رد المحتار: قوله ولو بنار قال: فی الدر المنقی: وهل تحل بالنار علی المذبح؟ قولان، الأشبه لا كما فی القهستانی عن الزاهدي. قلت: لكن صرحوا فی الجنایات بأن النار عمد وبها تحل الذبیحة لكن فی المنع عن الكفاية إن سال بها الدم تحل وإن تجمد لا، فلیحفظ ولیکن التوفیق. (الدر المختار: ۶/۲۹۶، سعید).

مجمع الأنهر میں ہے:

وقال فی الكفاية: ألا ترى أنها تعمل عمل الحديد حتى أنها أى النار إذا وضعت فی المذبح فقطعت ما يجب قطعه فی الذكاة وسال بها الدم حل وإن انجمد ولم يسال لا يحل انتهى، ... وفي الخلاصة: ... لا يجعل النار كالسلاح فی حکم الذكاة حتى لو توقدت النار علی المذبح وانقطع بها العروق لا يحل أكله انتهى، لكن قال فی البزاية: إن النار تعمل فی الحيوان عمل الذكاة حتى لو قذف النار فی المذبح فاحترق العروق يؤكل انتهى، وهذا موافق لما قدمناه عن الكفاية ويحمل ما إذا سال بها الدم وبه يحصل التوفیق بین كلامي صاحب الخلاصة والبزاية. (مجمع الأنهر شرح مفتی الابح: ۲/۶۱۵، كتاب الجنایات).

(وكذا فی الكفاية علی الهداية: ۹/۱۳۹، كتاب الجنایات، مكتبة رشیدیہ).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

پس مشین سے ذبح کرنے کی مثال بالکل یوں سمجھیں کہ آگ جل رہی ہو آپ نے لوہے کی نیکی لی اور بسم اللہ پڑھ کر اس کے ذریعہ آگ مذبح تک پہنچادی یا نیکی کی بجائے اور کوئی ایسی چیز آگ اور مذبح کی گردن کے درمیان رکھ دی جس کے ذریعہ آگ مذبح تک پہنچ گئی اور عروق منقطع ہو کر خون بہ گیا تو کیا ایسے جانور کی حلت میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۷۷)۔

آگ سے ذبح کی اس پر تکلف توجیہ کے مقابلے میں حضرت مفتی محمود صاحبؒ کی توجیہ بے تکلف ہے، حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ اس تشریح پر حضرت مفتی محمود صاحبؒ کو داد دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

## بطخ ذبح کرنے کا شرعی طریقہ:

**سوال:** ایک بطخ فروش نے یہ بات بتلائی کہ بطخ کے حلال ہونے کے لیے بطخ ذبح کرنے سے پہلے اس کے پیروں کے درمیان کی جھلی کا کاٹنا ضروری ہے، نیز جھلی کاٹتے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر کہنا بھی ضروری ہے، پھر یہ بھی بتلایا کہ تمام جھلی والے جانوروں اور پرندوں میں احناف کے نزدیک یہی حکم ہے چنانچہ ان کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ہم نے جھلی کو کاٹا تو خون بھی نکلا پھر ہم نے ذبح کیا۔ برائے کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح مسئلہ سے آگاہ کیجئے؟

**الجواب:** جانور کو ذبح سے پہلے بے فائدہ زخمی کرنا اور اذیت پہنچانا شرعاً مکروہ اور ممنوع ہے، اور جہاں تک حلت کا مدار ہے تو وہ شریعت مطہرہ نے اونٹ کے علاوہ میں ذبح اختیاری میں رگوں کے کاٹنے پر رکھا ہے، یعنی بسم اللہ پڑھ جانور کی اکثر رگیں کاٹ دیں تو جانور حلال ہو جائیگا، اس سلسلہ میں جھلی والے جانور اور غیر جھلی والے دونوں برابر ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

کراہت کی وجوہات حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) شریعت نے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے:

عن شداد بن أوس رضی اللہ عنہ قال: ثنتان حفظتهما عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: إن الله تعالى كتب الإحسان على كل شيء فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحد أحدكم شفرته وليرح ذبيحته. (رواه مسلم: ۵۲/۲، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل).

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو باتیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کر لی ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان کو ہر چیز پر لازم کر دیا ہے پس جب تم (کسی کافر کو) قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل کرو، اور جب تم (کسی جانور کو) ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو، اور اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے جانور کو راحت پہنچاؤ۔

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ذبیحہ کو راحت پہنچانا چاہئے، جب کہ زخمی کرنا اس کے خلاف ہے۔

(۲) قبل الذبح جانور کو کسی قسم کی اذیت دینا مکروہ اور شریعت کے خلاف ہے۔

ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

ومن بلغ بالسكين النخاع أو قطع الرأس كره له ذلك... لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن تنزع الشاة إذا ذبحت... وكل ذلك مكروه وهذا لأن في جميع ذلك زيادة تعذيب الحيوان بلا فائدة وهو منهى عنه والحاصل أن مافيه زيادة إيلا م لا يحتاج إليه في الذكاة مكروه . (الهداية: ۴/ ۴۳۹)۔

(۳) فقہاء نے تصریح فرمائی کہ ذبح اختیاری میں جانور کو اگر محل ذبح کے علاوہ کسی اور جگہ زخمی کیا جائے اور اس سے موت واقع ہو جائے تو وہ جانور حرام ہوگا۔ اور صورتِ مسئلہ میں بلخ کی حلت کا جھلی کاٹنے پر موقوف ہونا روایت و درایت کے مخالف ہے۔ نیز اصول و قواعد شریعت سے بھی متصادم ہے، بلکہ اگر یہی زخم مفضی الی الہلاک ہو گیا تو جانور حرام ہوگا، لہذا اس طریقہ سے مکمل احتراز و اجتناب لازم اور ضروری ہے۔

ذبح اختیاری کا شرعی طریقہ ملاحظہ ہو:

قال الإمام القدوري: والذبح في الحلق واللبة والعروق التي تقطع في الذكاة أربعة: الحلقوم، والمرى، والودجان، فإذا قطعها حل الأكل، وإن قطع أكثرها فكذلك عند أبي حنيفة<sup>ؒ</sup>. (مختصر القدوري مع، ص ۴۹۴، مؤسسة الريان)۔

وفی التصحیح والترحیح: قال فی زاد الفقہاء: الصحیح قول أبی حنیفہؒ، واعتمده الإمام المحبوبی والنسفی وغیرہما . (التصحیح والترحیح علی هامش مختصر القدوری مع، ص ۴۹۵، مؤسسة الريان)۔

ہاں مفسرین نے یہ تخریر فرمایا ہے کہ یہود پران کی شرارت اور سرکشی کی وجہ سے عارضی طور پر جھلی والے جانور حرام کیے گئے تھے بعد میں یہ منسوخ ہو گیا تھا۔ جیسے ٹم اور چربی ان حرام کی گئی تھی۔

ملاحظہ ہو امام ابو بکر حصص احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

و علی الذین ہادوا حرمنا کل ذی ظفر... بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم أن حکم

ذلک التحريم إنما كان موقفاً إلى هذا الوقت وإن مضى الوقت أعاده إلى ما كان عليه من حكم الإباحة فلا فرق بينه في هذا الوجه وبين ما لم يحظر قط... كل ذي ظفر قال ابن عباس وسعيد بن جبیر وقتادة والسدي ومجاهد هو كل ما ليس بمفتوح الأصابع كالإبل والنعام والإوز والبطة . (احکام القرآن: ۳/۲۲، ط: سهیل، تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۰۷)۔

علامہ آلوسی مفتی بغداد فرماتے ہیں:

﴿وعلى الذين هادوا﴾ أي اليهود خاصة لا على من عداهم من الأولين والآخرين .

(روح المعانی: ۸/۴۷)۔

مولانا دریس کاندھلوی صاحب معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

یہ چیزیں فی حد ذاته حلال و طیب ہیں مگر یہودی کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں خاص طور پر صرف یہود پر حرام کیں تاکہ ان پر دائرہ رزق تنگ ہو جائے ورنہ یہ چیزیں فی نفسه قابل تحریم نہ تھیں صرف عارضی طور پر یہود کے حق میں حرام کی گئیں۔ (معارف القرآن: ۳/۴۳، ط: مکتبۃ المعارف)۔ واللہ اعلم۔

## ذبح فوق العقدہ کا حکم:

**سوال:** بعض حضرات اس جانور کے کھانے کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں جو جانور فوق العقدہ ذبح کیا گیا

ہو۔ اگر اس طریقہ میں سب رگیں یا اکثر رگیں کٹ گئیں ہوں تو پھر ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** مفتی اعظم پاکستان و ہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ: ذبح کا مدار شرعاً اکثر

عروق کے قطع ہو جانے پر یعنی من جملہ چار عروق کے حلقوم، مری، ودجین کے تین عروق قطع ہو جائیں تو ذبح تحقق ہو جائے گا، خواہ کسی طریق پر قطع کیا جائے فوق العقدہ یا تحت العقدہ بلکہ حلق کی جانب سے یا گدی کی جانب سے البتہ جس صورت میں جانور کو تکلیف زیادہ ہو اس کا اختیار کرنا دوسری حیثیت سے ممنوع و مکروہ ہے لیکن حلت ذبیحہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، اب یہ بات تجربہ کے متعلق رہ گئی کہ فوق العقدہ ذبح کرنے سے عروق ثلاثہ قطع ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر ہو جاتی ہیں تو ذبیحہ درست ہے ورنہ نہیں، لیکن اکثر اہل تجربہ کے بیان سے قطع ہو جانے کی تصدیق



ہوئی ہے۔ (امداد المقتنین، جلد دوم، ص ۷۹، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

قال فی الہدایۃ : وفی الجامع الصغیر : لا بأس بالذبح فی الحلقی کلہ وسطہ وأعلاه وأسفله ، والأصل فیہ قولہ علیہ الصلاۃ والسلام : ”الذکاة ما بین اللبۃ واللحیین“ ولأنہ مجمع العروق فیحصل بالفعل فیہ إنہار الدم علی أبلغ الوجوہ فکان حکم لكل سواء ، وعبارۃ المبسوط : الذبح ما بین اللبۃ واللحیین کالحديث . قال فی النہایۃ : وبینہما اختلاف من حیث الظاہر لأن روایۃ المبسوط تقتضی الحل فیما إذا وقع الذبح قبل العقدۃ لأنه بین اللبۃ واللحیین ، وروایۃ الجامع تقتضی عدمہ لأنه إذا وقع قبلہا لم یکن الحلق محل الذبح فکانت روایۃ الجامع الصغیر مقیدۃ لإطلاق روایۃ المبسوط .

وقد صرح فی الذخیرۃ بأن الذبح إذا وقع أعلى من الحلقوم لا یحل لأن المذبح هو الحلقوم لكن روایۃ الإمام الرُستغفنی (هو علی بن سعید أبو الحسن ، من رُستغفَن یضم الراء وسكون السین وصم التاء وسكون الغین وبالنون بعد الفاء : قریۃ من قرى سمرقند، كان من كبار مشایخ سمرقند، كان من أجل أصحاب أبی منصور الماتریدی) تخالف هذه، حیث قال : هذا قول العوام وليس بمعتبر، فتحل سواء بقيت العقدۃ مما یلی الرأس أو الصدر، لأن المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج وقد وجد، وكان شیخی یفتی بہذہ الروایۃ ویقول : الرستغنی إمام معتمد فی القول والعمل ، ولو أخذنا یوم القیامۃ للعمل بروایتہ نأخذہ کما أخذنا، ما فی النہایۃ ملخصاً . وذكرفی العنایۃ أن الحديث دلیل ظاہر لہذہ الروایۃ وروایۃ المبسوط تساعدها، وما فی الذخیرۃ مخالف لظاہر الحديث . أقول : بل روایۃ الجامع تساعد روایۃ الرستغنی أيضاً ، ولا تخالف روایۃ المبسوط بناء علی ما مر عن القہستانی من إطلاق الحلق علی العنق ...

أقول : والتحریر للمقام أن یقال : إن کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلاثۃ من العروق، فالحق ما قالہ شراح الہدایۃ تبعاً للرستغنی وإلا فالحق خلافہ ، إذ لم یوجد شرط

الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سوال أهل الخبرة، فاعتنم هذا المقال ودع عنك الجدل. (فتاوى الشامى: ۶/۲۹۴، سعيد).

(و كذا فى اللباب فى شرح الكتاب: ۴/۵۶۳-۵۶۶، كتاب الصيد والذبائح).

مجمع الانهر شرح ملقى الابحار میں ہے:

مقتضى رواية الجامع أن الذبح لو وقع في أعلى من الحلقوم كان المذبوح حلالاً وكلامه هكذا هذه الرواية تقتضي أن يحل وإن وقع الذبح فوق الحلق قبل العقدة ولو جعل بين بمعنى فى كما فى الكرمانى لم يستقم كما لا يخفى وقيل لا يجوز فوق العقدة وإنما أتى بصيغة التمريض لمخالفة ظاهر الحديث الذى مر آنفاً. (مجمع الانهر فى شرح ملقى الابحار: ۴/۵۸، كتاب الذبائح، ط: دار الكتب العلمية).

قال الشيخ أسعد الصاغري فى "الفقه الحنفى وأدلته": وفى حديث أبى أمامة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: للجارية فى الشاة المعطوبة، وقد كسرت حجراً من المروة، فذبحتها بها، وجائته بأمر سيدها عقبه بن عمر قال لها: "هل أفريت الأوداج؟" قالت: نعم، قال: "كل ما فرى الأوداج..." الحديث. [معجم الطبرانى: ۸/۲۱۱] وعليه فإذا قطع فوق العقدة، فقد حل، لأنه قطع ثلاثة من أربعة، وإن قطع تحت العقدة، وجعلها تابعة للرأس فقد قطع العروق الأربعة، وهو الأتم إن شاء الله تعالى. (الفقه الحنفى وأدلته: ۳/۱۹۹، كتاب الذبائح، بيروت).

علامہ ملا خسرؒ نے اپنی کتاب ”دررالحکام فی شرح غرر الاحکام“ میں جواز وحلت کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو: (دررالحکام فی شرح غرر الاحکام: ۱/۲۷۶، کتاب الذبائح)۔

حضرت تھانویؒ نے پہلے حرمت کا فتویٰ دیا تھا پھر مشاہدہ کے بعد رجوع فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

حلت و حرمت دونوں قولوں میں اختلاف کا مبنی صرف یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ میں حلقوم اور مری قطع ہوں گے یا نہیں، سو یہ امر مشاہدہ کے متعلق ہے، مشاہدہ کے بعد اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں، اور چونکہ مشاہدہ

قطع کا روایت ثقات سے محقق ہو چکا اس لیے حلت کا حکم دیا جاوے گا، مدت ہوئی کہ احقر نے اس کی حرمت کا فتویٰ کتب فقہ سے نقل کیا تھا، اب اس سے رجوع کرتا ہوں۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۹، ترجیح خاص)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ فرماتے ہیں:

بندہ نے اس کو تحقیق کیا ہے اور گائے مذبوح کا سرمگہ کر دیکھا ہے لہذا بندہ کی رائے میں اکثر عروق قطع ہو جاتی ہیں اور مذبوح حلال ہے، اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ ذبح بحکم حدیث ”ما بین اللبۃ واللحیین“ ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ خلیلیہ، ص ۲۸۸، مکتبہ الشیخ)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

صاحب رد المحتار معروف شامی نے اس بارہ میں یہ قول فیصل لکھا ہے: اقول: التحریر للمقام... الخ. اور اہل تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ عروق ذبح فوق العقدہ ذبح کرنے سے بھی قطع ہو جاتی ہیں لہذا اس کی حلت میں شبہ نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱/۶۷۳، دارالاشاعت)۔

فقیر انفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

عقدہ سے اوپر جانور ذبح کیا، اگر مرئی کٹ گئی تو حلال ہے اور اگر یہ رگ نہیں کٹی تو حرام۔ اسی کو در مختار کے مصنف نے ترجیح دی ہے اور سب روایات جمع کی ہیں، یہ ہی سب سے بہتر ہے۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۳۵)۔

بعض فقہاء نے ذبح فوق العقدہ کو غیر معتبر مانا ہے، ان کے اسماء درج ذیل ہیں:

علامہ سید احمد طحاوی۔ علامہ زلیحی صاحب تبیین الحقائق۔ برہان الدین محمود بن احمد البخاری صاحب ذخیرہ۔ صدر الشریعہ صاحب النقایہ۔ ملا علی القاری۔ صاحب المواہب۔ علامہ شمش۔ علامہ شرنبلالی۔ ابن کمال باشا، وغیرہ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ الشامی: ۶/۲۹۵، سعید، وحاشیۃ الطحطاوی عنی الدر المختار ۴/۱۵۰-۱۵۱، ط: کوئٹہ، وتبیین الحقائق: ۵/۲۹۰، امدادیہ، وفتح باب العنایۃ: ۴/۷۵، ط: بیروت، وحاشیۃ الشرنبلالی: ۱/۲۷۶)۔

لیکن ناجائز کہنے والوں کے دلائل پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ منع کرنے کی اصل علت رگوں کا صحیح طور پر نہ کٹنا ہے، بایں وجہ ذیل فوق العقدہ کی حرمت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ علامہ زیلعیؒ فرماتے ہیں:

ما قاله المستغنى مشكل، فإنه لم يوجد فيه قطع الحلقوم ولا المرىء وأصحابنا وإن اشترطوا قطع الأكثر فلا بد من قطع أحدهما عند الكل، وإذا لم يبق شيء من العقدة مما يلي الرأس لم يحصل قطع واحد منهما فلا يؤكل بالإجماع، الخ. (تبیین الحقائق: ۵/۲۹۰، ط: امدادیہ، ملتان)۔

علامہ سید احمد طحاویؒ نے علامہ زیلعیؒ کی تائید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

والذي ظهر لي أن الحق قول الزيلعي ومن معه... وعلى كل فالاحتياط في المتفق عليه. والله تعالى أعلم بالصواب. (حاشية الطحاوي على الدر المختار: ۱۵۱/۴، کوئٹہ)۔

لكن رده محشيه الشلبى والحموى، وقال المقدسى: قوله لم يحصل قطع واحد منهما ممنوع بل خلاف الواقع، لأن المراد بقطعهما فصلهما عن الرأس أو عن الاتصال باللبة. (فتاوى الشامى: ۶/۲۹۵، سعید)۔

نیز حافیۃ الدرر میں مولانا ابوسعید محمد بن مصطفیٰ الحادى نے علامہ زیلعیؒ کے قول کی تردید فرمائی ہے کہ یہ رائے نص کے مقابل ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ ملاحظہ ہو: (حاشیۃ الدرر علی الغرر، ص ۱۳۵، کتاب الذبائح، مطبعہ عثمانیہ)۔

حاصل یہ ہے کہ علامہ شامیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ کی مذکورہ بالا تحقیق اور مشاہدہ و تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام رگیں اچھی طرح کٹ جاتی ہیں لہذا عدم حلت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، اور مانعین کا قول اس کے بالمقابل مرجوح ثابت ہوتا ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۲۵۲، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۲۳۶، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بلا حرکت و بلا سیلان دم ذبیحہ کا حکم:

**سوال:** ہم نے ایک جانور کو ذبح کیا، نہ خون بہا اور نہ جانور نے کوئی حرکت کی، لیکن ذبح کے وقت زندہ تھا کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں کی تو کیا ذبیحہ حلال ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** مذکورہ بالا ذبیحہ حلال ہے جب کہ بوقت ذبح جانور کے زندہ ہونے کا یقین تھا اور اگر بوقت ذبح زندہ ہونا مہموہ تھا یا معلوم نہیں تھا، تو پھر حرام ہے، اسی طرح اگر آثار زندگی محسوس ہوئے مثلاً ہاتھ پاؤں سمیٹے یا منہ بند کیا یا آنکھ بند کی تو بھی ذبیحہ حلال ہے۔  
ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

ذبح شاة لم تدر حياتها وقت الذبح ولم تتحرك ولم يخرج الدم إن فتحت فاهها لا تؤكل وإن ضمته أكلت ، وإن فتحت عينها لا تؤكل وإن ضمته أكلت ، وإن مدت رجلها لا تؤكل ، وإن قبضتها أكلت ، وإن نام شعرها لا تؤكل وإن قام أكلت ، لأن الحيوان يسترخي بالموت ، ففتح فم وعين ومد رجل ونوم شعر علامة الموت لأنها استرخاء ومقابلها حركات تختص بالحی فدل على حياته ، وهذا كله إذا لم تعلم الحياة وإن علمت حياتها وإن قلت وقت الذبح أكلت مطلقاً بكل حال ، زيلعي .

وفي حاشية لابن عابدين: قوله ولم تتحرك أى بعد الذبح بحركة اضطرابية كحركة المذبوح وإلا فضم العين وقبض الرجل حركة... قوله بكل حال ، سواء وجدت تلك العلامات أولا . (الدر المختار مع حاشية ابن عابدين: ۶/۳۰۹، سعيد).

تبیین الحقائق میں ہے:

ولو ذبحت شاة مريضة ولم تتحرك منها إلا فوها قال محمد بن مسلمة: إن فتحت فاهها لا تؤكل وإن ضمت عينها أكلت... الخ . (تبیین الحقائق: ۵/۲۹۷، ط: امدادیہ، و فتاویٰ قاضی جان علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۶۷).

وللاستزادة انظر: (تكملة البحر الرائق: ۱۷۳/۸، كنز دہ، ولسان الحکام، ص ۳۸۲، ط: دار الفکر، و الفتاوی

المسراجية، ص ۳۸۰، و الفتاوی التاتار خانية: ۱۷/۳۹۴، مكتبة زكريا، و فتاوی محمودية: ۱۷/۲۸۶، جامعة فاروقية).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ذبح اختیاری کی جگہ اضطراری استعمال کرنے کا حکم:

**سوال:** حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب ”جواہر الفقہ“ کی کچھ عبارات درج ہیں جن کا تعلق

ذبح کے ساتھ ہے، اب میرا سوال ان عبارات کی روشنی میں یہ ہے کہ کیا ”ریمبو چکن“ کے طریقہ ذبح کو ذبح اضطراری کے تحت لاسکتے ہیں، کہ جس کی وجہ سے نہ تمام رگوں کا کاٹنا ضروری ہو اور نہ رو بہ قبلہ کرنا ضروری ہو اور نہ دوسری چیزیں ضروری ہوں؟ بینا تو جروا۔

جواہر الفقہ کی عبارات حسب ذیل ہیں:

غیر اختیاری ذکات شکار وغیرہ کے احکام درج ذیل ہیں:

اوپر اسلامی ذبیحہ کے متعلق قرآن مجید کی دس آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ایک تو عام ذبائح کا حکم مذکور ہے جو گھر بلو اور پالتو جانوروں سے متعلق ہے جن کے حلال ہونے کے لیے تین شرطوں کی تصریح پوری وضاحت کے ساتھ آچکی ہے یعنی ذابح کا مسلمان ہونا ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا اور عروق ذبح کو دھاردار چیز سے قطع کرنا۔

دوسرا حکم شکار کا بھی سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ تربیت یافتہ کتے وغیرہ کو اگر بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے اور وہ جانور کوزخمی کر کے پکڑ لائے اور خود اس میں سے نہ کھائے تو یہ شکار حلال ہے۔ احادیث صحیحہ میں بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر پھینکنے کا بھی یہی حکم مذکور ہے... الخ۔ (جواہر الفقہ: ۱۷/۲، ۳۸۱، اسلامی ذبیحہ)۔

**الجواب:** شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق انسان جب تک ذبح اختیاری پر قادر ہو اس وقت تک

ذبح اضطراری کی طرف نہیں جاسکتا۔ اور اختیاری صورت سے مردان جانوروں کا ذبیحہ ہے جو گھروں میں پالے جاتے ہیں، جیسے بکری، گائے، بیل، بھینس وغیرہ اور کسی جنگلی جانور جیسے ہرن وغیرہ کو گھر میں پال کر مانوس بنالیا جا

ئے تو وہ بھی اسی حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس اختیاری اسلامی ذبیحہ کے لیے درج ذیل تین شرائط کا لحاظ رکھنا لازم اور ضروری ہے:-

(۱) ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔

(۲) بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔

(۳) شرعی طریقہ پر حلقوم اور مرکی اور خون کی رگیں کاٹ دینا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی رہ جائے گی تو وہ اسلامی ذبیحہ نہیں ہوگا۔

بصورتِ مسئلہ مذبح ریمبوچکن میں مرغیاں چونکہ انسانوں کے قابو میں ہیں لہذا ذبح اختیاری ہی متعین ہے، اس کو ذبح غیر اختیاری (اضطراری) میں شامل کرنا درست نہیں ہے۔  
تفصیلی دلائل کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں:

(الاختیار لتعلیل المختار: ۵/۱۰، الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۰۳، سعید بن الجوزی: ۲/۲۷۷، ونکمة

البحر الرائق: ۸/۱۶۷، وجوہ الفہم: ۲/۳۸۱، اسلامی دیبچہ)۔

تنبیہ: ریمبوچکن کے بارے میں ہمارے ہاں سے تفصیلی فتویٰ شائع ہو چکا ہے اس کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

**جانور کو منشیات کے ذریعہ قابو میں لانے کا حکم:**

**سوال:** ہمارے یہاں موزن بیک میں ایک شخص نے جنگل میں ایک شراب سے بھرا ہوا برتن کھلا ہوا رکھ دیا، تاکہ شکار اس سے پی لے، چنانچہ شکار نے پی لیا، اور جانور نشہ میں آ گیا، اور نشہ کی وجہ سے بھاگ نہ سکا، اس آدمی نے جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کر دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس جانور کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ گوشت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، اور اس طرح کا حیلہ استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟  
بیوقوف و جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ شراب اگر اشرہ اربعہ محرمہ کے علاوہ سے ہے تو معاملہ آسان ہے، اور اگر اشرہ اربعہ محرمہ میں سے ہے تو چونکہ جانور غیر مکلف ہے اس لیے شراب دور رکھ لے اور جانور خود آکر پی لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، پھر جس طرح مردہ کیڑوں کے ذریعہ مچھلی کا شکار کرنا جائز ہے اسی طرح اس قسم کا حیلہ استعمال کرنے کی بھی گنجائش ہوگی، کیونکہ اس حیلہ کا مقصد جانور کے شکار کو آسان بنانا ہے اس سے جانور کو کوئی ایذا پہنچانا مقصود نہیں ہے، پھر شراب کی وجہ سے گوشت میں کوئی خرابی بھی نہیں آئی لہذا اس کا گوشت کھانا حلال ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ولو لسقى دواب) قال بعض المشايخ: لو قاد الدابة إلى الخمر لا بأس به، ولو نقل إلى الدابة يكره، وكذا قالوا فيمن أراد تحليل الخمر ينبغي أن يحمل الخل إلى الخمر ولو عكس يكره وهو الصحيح. (فتاوى الشامى: ۶/ ۴۹، كتاب الاشربة، سعيد).

قال فى البزازیة: ولا يحمل الجيفة إلى الهرة ويحمل الهرة إلى الجيفة. (الفتاوى البزازیة على هامش الفتاوى الهندية: ۴/ ۸۲).

فعلم من هذا أن نقل الخمر أو الجيفة إلى الحيوان مكروه ولو قاد الحيوان إلى الخمر أو الجيفة أو أتى إليه بنفسه لا بأس به والحيوان غير مكلف ولهذا يحل له أكل الميتة.

البحر الرائق میں ہے:

ولا بأس برش الماء النجس فى الطريق ولا يسقى للبهائم وفى خزانة الفتاوى: لا بأس بأن يسقى الماء النجس للبقر والإبل والغنم. (البحر الرائق: ۱۰/ ۱۲۵، باب التداوى ببول ما يؤكل لحمه).

مزید ملاحظہ ہو: (الهداية: ۴/ ۹۵، كتاب الاشربة).

تبیین الحقائق میں ہے:

ولو سقى ما يؤكل لحمه خمرًا فذبح من ساعته حل أكله ويكره. (تبیین الحقائق:



(و کذا فی الدر المختار: ۳۴۱/۶، سعید، و فتاویٰ الکنوی، ص ۳۷۶).

لیکن مذکورہ بالا عبارت میں کراہت کی علت گوشت میں خرابی کا پیدا ہونا ہے اگر گوشت میں کوئی خرابی نہیں ہے تو بلا کراہت جائز ہوگا۔ ملاحظہ ہو علامہ زیلیعیؒ فرماتے ہیں:

أما الدجاجة التي تخلط بأن تناول النجاسة والجيف وتناول غيرها على وجه لا يظهر أثر ذلك في لحمها فلا بأس به ولهذا يحل أكل لحم جدى غذى بلبن الخنزير لأن لحمه لا يتغير وما غذى به يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر. (تبیین الحقائق: ۶/۱۰، امدادیہ).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

وجازت من الماء المنجس عينه ☆ ولو أرسلت فيه إلى حين يكبر  
مسئلة البيت من القنية رقم لعين الأئمة الكرابسى، وقال: أرسلت سمكة في ماء  
نجس فكبرت فيه لا بأس بأكلها للحال .

وظاهر عبارة المصنف أنه سوى بين ذلك وبين ما لو تولدت من ماء نجس العين ولا  
ينكر ذلك كالحیوان المتولد من المنی، ووجهه المصنف بأنه حلال بالنص وكونه يتغذى  
بالنجاسة لا يمنع حله، إذا ثبت حله بالدليل... ونقل عن مقطعات الظهيرية: ولو أن جدياً  
غذى بلبن الخنزير لا بأس بأكله لأن لحمه لا يتغير. (شرح منظومہ لابن وہبان: ۲/۱۳۸، کتاب الصیود  
والذبايح).

خلاصہ یہ ہے کہ اگر گوشت میں کوئی تغیر ہو چکا ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

**منکر حدیث کے ذبیحہ کا حکم:**

**سوال:** ہمارے یہاں ایک قصائی منکر حدیث بن چکا ہے اگر وہ کبھی خود بکری یا دنبہ ذبح کرے تو اس ذبیحہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ایسے قصائی کا ذبیحہ بالکل نہیں کھانا چاہئے، وہ زندقہ ہے اپنے کفر کو اسلام

ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قادیانی کا بھی یہی حکم ہے۔  
ملاحظہ ہو شرح فقہ اکبر میں ہے:

من رد حدیثاً قال بعض مشایخنا یکفر وقال: المتأخرون إن کان متواتراً کفر، أقول:  
هذا هو الصحيح إلا إذا کان رد حدیث الآحاد من الأخبار علی وجه الاستخفاف  
والاستخفاف الإنکار، نقلاً عن الخلاصة . (شرح فقہ الاکبر، ص ۲۰۴).  
عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ منکر حدیث مرتد ہے۔  
نیز ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں روایت ہے:

عن معديکرب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: ألا أني أوتيت الكتاب  
ومثله (أى ومثل الكتاب) معه (وهو الحديث؛ لأنه وحى غير متلو... الخ). (سنن ابی داود:  
۲/۲۸۴، باب لزوم السنة، امدادیہ، مع بذل المحجہ د: ۱۳، ۱۴، ط: امدادیہ).  
ابن ماجہ شریف میں ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: يوشك الرجل متكناً على أركته يحدث  
بحديث من حديثي فيقول: بيننا وبينكم كتاب الله عز وجل فما وجدنا فيه من حلال  
استحللناه وما وجدنا فيه حرام حرمناه ألا وإن ما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم مثل  
ما حرم الله . (رواه ابن ماجه، ص ۳، باب تعظيم رسول الله صلى الله عليه وسلم والتغليظ على من عارضه، قدیمی).  
(وکنذا رواه الترمذی: ۹۵/۲).  
در مختار میں ہے:

لا تحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد . (الدر المختار: ۶/۲۹۸، سعید).  
وفي تبیین الحقائق: وأما المرتد فلائنه لا ملة له لأنه لا یقر علی ما انتقل إلیه ولهذا  
لا یجوز نکاحه . (تبیین الحقائق: ۵/۲۸۷، امدادیہ).  
وفی البدائع: أن یكون مسلماً کتابياً فلا تؤکل ذبیحة أهل الشرك والمجوسی

والوثنی وذبیحة المرتد... وأما المرتد فلأنه لا یقر علی الدین الذی انتقل إلیه فکان کالوثنی الذی لا یقر علی دینہ . (بدائع الصنائع: ۴۵/۵، سعید).

لسان الحکام میں ہے:

ولا تحل ذبیحة المرتد وإن ارتد إلی دین أهل الكتاب . (لسان الحکام، ص ۳۸۱، کتاب

الذبائح، دار الفکر).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ قاضیخان عی ہامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۶۸، مو الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۸۵).

حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

قادیانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے، اور چیزوں کا لین دین بھی ایک نوع کا تعلق ہے، قادیانی کا ذبیحہ مردار ہے اس کا کھانا حلال نہیں اس لیے کہ یہ مرتد اور زندیق ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۴۵۳).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جب انکار حدیث کیا تو جن آیات میں اطاعت و اتباع رسول ہے ان کا بھی انکار ہو گیا تو پھر قرآن پر ایمان کہاں رہا؟ قرآن کا قرآن ہونا بھی تو رسول کے فرمانے سے معلوم ہوا، انکار رسول اور انکار قرآن کے ساتھ ساتھ ایمان کیسے جمع ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲/۳۴۶، جامعہ فاروقیہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## غیر اللہ کی تعظیم میں ذبح شدہ جانور کا حکم:

**سوال:** بعض کفار کے علاقوں میں یہ دستور ہے کہ خاندان کے خاص اجتماع پر یا کسی کے انتقال کے موقع پر جانور کو غیر اللہ کے نام پر یعنی مردہ باپ دادا کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے، اور کثرت سے لوگ مدعو ہوتے ہیں، ایسے اجتماع کے موقع پر خاندان میں ایک دو مسلمان بھی ہوتے ہیں، ان کی شرکت بھی لازم ہوتی ہے ورنہ قطع تعلق وغیرہ کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مسلمان مخالفت سے بچتے ہوئے شرکت کر لے، اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر نامزد ہو اس کو بسم اللہ پڑھ کر خود ذبح کر لے تو ذبیحہ حلال ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ مالک کی نیت کا اعتبار ہو گا اور جانور جو غیر اللہ کے نام پر نامزد کیا ہے وہ بسم

اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوگا، بلکہ ما ابل لغير الله میں شامل ہو کر حرام ہوگا، بنا بریں اگر غیر مسلموں کا اجتماع ہو تو کچھ دیر کے لیے مصلحت کی وجہ سے شرکت کر لے، لیکن مذبح نہ کھائے، اس وقت کھانے سے معذرت کر دے، یا چلا جائے تو اجتماع میں شرکت تبلیغ و دعوت کی نیت سے درست ہوگی۔  
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ذبح لقدم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله ولو ذكر اسم الله تعالى ولو للضيف لا يحرم... والفارق أنه... كان لتعظيم غير الله فتحرم. وفي رد المحتار: قوله والفارق أي بين ما أهل به لغير الله بسبب تعظيم المخلوق وبين غيره. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۰۹، سعيده).

مزید ملاحظہ ہو: (الاشباه والنظائر مع شرح الحموی: ۲/۴۵۹-۴۶۰، کتاب الصید و الذبائح).

کفایت المفتی میں ہے:

جو جانور کہ مذکور لغير الله اور تقرب الی غیر اللہ کی نیت سے ذبح کیا جائے اگرچہ ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے وہ حرام اور مردار ہے کیونکہ ان میں نیت ان کے اصل مالک کی ہی معتبر ہوگی اور اس کی نیت یہ تھی کہ ان کی جان غیر اللہ کے لیے قربان ہو۔ (کفایت المفتی: ۲۳/۸، دارالاشاعت)۔  
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے یعنی اس کا خون بہانے سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو لیکن بوقت ذبح اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یہ صورت بھی بالافتقار فقہاء حرام اور مذبحہ بنجہم میتہ ہے، مگر تخریج دلیل میں کچھ اختلاف ہے بعض حضرات مفسرین و فقہاء نے اس کو بھی ”ما اهل به لغير الله“ کا مدلول صریح قرار دیا ہے جیسا کہ حواشی بیضاوی کی عبارت... نیز در مختار کتاب الذبائح میں ہے... اور بعض حضرات نے اس آیت کو ”ما اهل به لغير الله“ کا مدلول صریح تو نہیں بنایا کیونکہ اس میں بحیثیت عربیت تکلف ہے مگر اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے اس کو بھی ”ما اهل به لغير الله“ کے ساتھ ملحق کر کے حرام قرار دیا ہے اور احقر کے نزدیک یہی اسلم و احوط ہے، نیز اس صورت کی حرمت کے لیے ایک دوسری مستقل

آیت بھی شاہد ہے یعنی آیت کریمہ ”وما ذبح علی النصب“ کیونکہ عطف کی وجہ سے ظاہر یہی ہے کہ ”ما اهل به لغير الله“ اور ذبح علی النصب دو متغایر صورتیں ہیں، پس ”ما اهل به لغير الله“ تو وہ ہے جس پر غیر اللہ کا نام بوقت ذبح پکارا جائے اور ”وما ذبح علی النصب“ وہ ہے جو نصب کی تعظیم و تکریم کے لیے ذبح کیا جائے خواہ وہ اس پر کسی غیر اللہ کا ذکر نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا نام ذکر کریں۔ (امداد المستعین، جلد دوم، ص ۷۳، ۷۴، دارالاشاعت)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## شیعہ، بریلوی کے ذبیحہ کا حکم:

**سوال:** اگر کسی شیعہ یا بریلوی وغیرہ کے عقائد کفر کی حد تک پہنچ گئے ہوں تو ان کا ذبیحہ اہل کتاب پر قیاس کرتے ہوئے حلال ہوگا یا نہیں؟ وہ مشرک کے حکم میں ہیں یا اہل کتاب کے حکم میں ہیں؟

**الجواب:** کسی شخص کے عقائد کفر کی حد تک پہنچ گئے ہوں اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں کی فہرست میں شمار کرتا ہو لیکن اس کا شمار اہل سنت والجماعت میں نہیں ہوگا، فقہاء نے ایسے لوگوں کو زندیق طبقہ میں شمار کیا ہے، اور بعض فقہاء نے ایسے لوگوں کو باغیوں کی جماعت میں شامل کیا ہے۔

اور آج کل کے شیعہ، بریلوی وغیرہ جن میں سے بعض کے عقائد کفر کی حد تک پہنچ چکے ہیں، لہذا ان کے ذبیحہ کو حلال کہنا جائز اور درست نہیں۔

نیز ایسے لوگوں کا اہل کتاب میں شمار کرنا بھی مشکل ہے، کیونکہ اہل کتاب وہ ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی اور دین سماوی کے اصول و قوانین پر باقی ہوں اور کسی وحی منزل کو مانتے ہوں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وکل من یعتقد دیناً سماویاً ولہ کتاب منزل کصحف ابراہیم علیہ السلام وشیث علیہ السلام، وزبور داود علیہ السلام فہو من اهل الکتاب فتجوز منا کحتہم واکل ذبايحہم کذا فی التبیین . (الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۸۱/۱)۔

وفیہ أيضاً: ولا یجوز نکاح المجوسیات ولا الوثنیات ... ویدخل فی عبدة الأوثان

عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسوها والمعطلة والزناديق ... وكل مذهب يكفر معتقده كذا في فتح القدير . (الفتاوى الهندية: ۱/۲۸۱).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

الرافضی إن كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر . (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۸۱، کتاب الفاظ

الكفر).

عالمگیری میں ہے:

ولو قذف عائشة رضي الله تعالى عنها بالزنى كفر بالله ... ومن أنكر إمامة الصديق عليه السلام فهو كافر وعلى قول بعضهم هو مبتدع وليس بكافر والصحيح أنه كافر... ويجب إكفارهم بإكفار عثمان عليه السلام وعلي عليه السلام وطلحة عليه السلام و زبير عليه السلام وعائشة رضي الله تعالى عنها... ويجب إكفار الروافض في قولهم برجفة الأموات إلى الدنيا . (الفتاوى الهندية: ۲/۲۶۴).

وفى الخلاصة : ولا يؤكل ذبيحة المجوسى والمرتد والمرتدة والوثنى . (خلاصۃ

الفتاوى: ۴/۳۰۵، کتاب الصيدو الذبائح).

حضرت مفتی رشید صاحب فرماتے ہیں:

معتزلہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہل کتاب کہتا تھا، بعد میں تنبیہ ہوا کہ یہ لوگ زندیق ہیں، اس لیے انھیں اہل کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں، زندیق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بمعنی منافق یعنی اسلام کا مدعی ہو اور کفر پر عقائد چھپاتا ہو۔ قال العلامة النفثا زانی رحمه الله

تعالى وإن كان مع اعترافه بنبوۃ النبی صلی الله عليه وسلم وإظهاره شعائر الإسلام یطعن

عقائدہ ہی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق . (شرح المقاصد: ۲/۲۶۹).

وقال الحافظ العيني رحمه الله تعالى: واختلف في تفسيره فقليل هو المبطن للكفر

المظهر للإسلام كالمنافق . (عمدة القاری: ۶/۲۰۰، باب حکم المرتدو المرتدة، ط: دار الحديث، ملتان).

(۲) جو شخص عقائد اسلام میں تاویلاتِ باطلہ کرتا ہو، ایسا شخص اگرچہ اپنے عقائد کفر پر پوشیدہ رکھنے کی

کوشش نہیں کرتا بلکہ ان کی اشاعت کرتا ہے اس کے باوجود اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: قوله المعروف أى بالزندقة الداعى الذى يدعو الناس إلى زندقته، فإن قلت كيف يكون معروفاً داعياً إلى الضلال وقد اعتبر فى مفهومه الشرعى أن يبطن الكفر، قلت: لا بعد فيه فإن الزنديقى يموه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها فى الصورة الصحيحة وهذا معنى إبطان الكفر فلا ينافى إظهاره الدعوى إلى الضلال وكونه معروفاً بالإضلال، ابن كمال . (رد المحتار: ۳/۳۰۵).

وقال الشاه ولى الله رحمه الله تعالى: إن المخالف للدين الحق إن لم يعترف به ولم يذعن له لا ظاهراً ولا باطناً فهو كافر وإن اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهو منافق، وإن اعترف به ظاهراً لكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسرہ الصحابة والتابعون واجتمعت عليه الأمة فهو الزنديقى . (المسوى: ۲/۱۳۰).

### زندیق کے احکام:

(۱) زندیق واجب القتل ہے۔ (لیکن یہ کام اسلامی حکومت کا ہے عام لوگ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں)۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد اس کی توبہ قبول نہیں، گرفتاری سے پہلے قبول ہے۔

(۳) ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۴) ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۱/۸۸)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

شیعہ، قادیانی، آغا خانی، ذکری، پرویزی، انجمن دینداران اور اس قسم کے دوسرے فرقے جو کافر ہونے کے باوجود خود کو مسلم کہلاتے ہیں، اسلام میں تحریف کر کے اپنے عقائد کفریہ کو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ سب زندیق ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۰۲)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵/۲، جامعہ فاروقیہ، و فتاویٰ فریدیہ: ۱/۱۳۳، فتاویٰ تھانیہ: ۶/۴۴۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے عقائد کفر تک پہنچ چکے ہوں ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائیگا، بلکہ وہ

مشرک کے حکم میں ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

## قادیانی اور آغا خانی کے ذبیحہ کا حکم:

**سوال:** اگر کسی قادیانی اور آغا خانی نے بسم اللہ پڑھ کر جانور ذبح کیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہو تو کیا یہ اہل کتاب سے بھی خراب اور ادنیٰ ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے اور ان کا حرام، حالانکہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول خدا مانتے ہیں اور اہل کتاب نہیں مانتے، اور اگر جواب اثبات میں ہو تو کیوں؟

**الجواب:** قادیانی، آغا خانی اور خوجہ سب مرتد اور زندیق ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام اور ناجائز ہے۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

إذ لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الإسلام من حدوث العالم وحشر الأجساد ونفى العلم بالجزئيات وإن كان أهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات كما في شرح التحرير. (رد المحتار: ۱/۵۶۱، سعيد).

عمدة القاری میں ہے:

واختلفوا في تفسيره (أى الزنديق) فقيل: هو المبطن للكفر المظهر للإسلام كالمنافق وقيل: من لا دين له وقيل: هم طائفة من الروافض تدعى السبائية... واختلف في الزنديق هل يستتاب؟... وقول أبي حنيفةؒ وأبي يوسفؒ مختلف فيه، فمرة قالوا: بالاستتابة ومرة قالوا: لا قلت: روي عن أبي حنيفةؒ أنه قال: إن أتيت بزنديق استبته فإن تاب وإلا قتلته. (عمدة القاری: ۱/۲۰۰، باب حكم المرتد والمرتدة، ط: دار الحديث، مئتان).

البحر الرائق میں ہے:

الزنديق... هو من لا يتدين بدين، وأما من يبطن الكفر والعياذ بالله ويظهر الإسلام، فهو المنافق، ويجب أن يكون حكمه في عدم قبولنا توبته كالزنديق؛ لأن ذلك في الزنديق



لعدم الاطمینان إلى ما يظهر من التوبة إذا كان قد يخفى كفره الذى هو عدم اعتقاده ديناً .  
(المحرر الرائق: ۱۲۶/۵، باب احکام المرتدين، کوئٹہ).

حضرت شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

ولا ينجو من الكفر إلا من أكفر ذلك الملحد (أى غلام أحمد القاديانى) بلا تلعم  
وتردد. (اكفار الملحدین، ص ۱۰، ط: المجلس العلمی).

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا تؤكل ذبيحة المجوسى والمرتد. (الهداية: ۴/۴۳۴).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولا يؤكل ذبيحة المجوسى والمرتد والمرتدة والوثنى. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۰۵، کتاب  
الصید و الذبائح).

فقہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کیے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا، جو  
شخص بھی اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرے گا اس کا بھی حکم یہی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۶/۳، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ فرماتے ہیں:

آغا خانی جماعت بھی قادیانی جماعت کی طرح زندیق و مرتد ہے، چنانچہ قرون اولیٰ سے لے کر آج تک  
کے تمام اہل علم ان کے کفر و ارتداد اور زندقہ و الحاد پر متفق ہیں۔ (ادیان باطلہ اور صراط مستقیم، ص ۸۹، مفتی محمد رفیع صاحب)۔  
آغا خانیوں کا حقیقی کلمہ:

أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله وأشهد أن أمير المؤمنين علي  
ولي الله. ”یا علی مدد“ ہمارا اسلام ہے۔ (مکالمہ بین المذاہب، ص ۲۲۹، مکتبہ فاروقیہ، وادیان باطلہ، ص ۸۸)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر

ہے، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہئے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ علامہ شامیؒ غالی روافض کو کافر مانتے ہیں، اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا؟  
والظاهر أن الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لا ينفكون عن اعتقادهم الباطل في حال  
ايمانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلاة فهم كفار لامرتدون ولا  
أهل كتاب. (رسائل ابن عابدین، ص ۳۷۰، ط: سہیل)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں، رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں، ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہو وہ مرتد بھی ہے اور زندقہ بھی۔

(۲) اس کی صلیبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندقہ بھی۔

(۳) اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندقہ ہے۔

(۴) مرتد اور زندقہ دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام

اور مردار ہے اس لیے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں۔ (رسالہ قادیانی ذبیحہ، ص ۲۳، ۲۵)۔ (فتاویٰ رحمہ: ۱/۱۵۴، مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

حضرت مفتی رشید صاحبؒ فرماتے ہیں:

معترکہ کے بارے میں تحریر شامیہ کی بنا پر میں شیعہ کو اہل کتاب کہتا تھا، بعد میں متنبہ ہوا کہ یہ لوگ زندقہ ہیں، اس لیے انھیں اہل کتاب میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ (حسن الفتاویٰ: ۱/۸۸)۔  
دوسری جگہ فرماتے ہیں:

شیعہ، قادیانی، آغا خانی، ذکری، پرویزی، انجمن دینداران اور اس قسم کے دوسرے فرقے جو کافر ہونے کے باوجود خود کو مسلم کہلاتے ہیں، اسلام میں تحریف کر کے اپنے عقائد کفریہ کو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں، یہ سب زندقہ ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ (حسن الفتاویٰ: ۲/۴۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان گمراہ فرقوں کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، ان میں اور اہل کتاب میں فرق یہ ہے کہ اہل کتاب

دینِ سماوی کو تسلیم کرتے ہیں، جب کہ یہ گمراہ فرقے زنادقہ کے حکم میں ہیں کہ اسلام کی پشت پناہی میں اپنے عقائدِ خبیثہ اور تاویلاتِ فاسدہ کے ذریعہ کفر کو درپردہ رکھتے ہیں، اور اسلام کو ظاہر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے اسلام کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ واللہ اعلم۔

## ذباحہ اہل کتاب کا حکم:

**سوال:** اگر غیر مسلم (عیسائی) عورت، یا یہودی، نصرانی شخص کسی جانور کو ذبح کرے اور اللہ کا نام بھی نہ لے اور غیر اللہ کا نام بھی نہ لے تو اس ذبیحہ کو کھایا جائیگا یا نہیں؟ یعنی اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر کتابی صحیح طریقہ پر جانور ذبح کرے یعنی اللہ کا نام لے کر اچھی طرح رگوں کو کاٹ دے، تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا۔ لیکن اگر اللہ کا نام نہ لے اور نہ کسی غیر اللہ کا نام لے، تو اس کے ذبیحہ کے حلال ہونے میں فقہاء کا حسب ذیل اختلاف ہے:

**پہلا قول:** احناف اور حنابلہ کے ہاں چاہے مسلم ذبح کرے یا کتابی تسمیہ میں دونوں برابر ہے یعنی ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا ضروری ہے، پس اگر مسلم یا کتابی نے عمدتاً تسمیہ ترک کر دیا، یا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔

ملاحظہ ہو شرح اللباب میں ہے:

وإن ترک الذابح التسمیة عمداً، مسلماً کان أو کتابياً فذبیحته میتة لا تؤکل؛ لقوله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ [الأنعام، ۱۲۱]۔

وإن ترکها ناسياً أکلت؛ لأن فی تحریمه حرجاً عظيماً؛ لأن الإنسان قلما یخلو عن النسیان، فکان فی اعتباره حرج، والحرج مدفوع، ولأن الناسی غیر مخاطب بما نسیه... الخ. (شرح اللباب فی شرح الکتاب: ۴/۵۶۰، کتاب الصید والذباحہ).

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء أو سمع وشهد منه تسمية الله تعالى وحده لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمى الله تبارك وتعالى وجرد التسمية تحسیناً للظن به كما بالمسلم... الخ . (بدائع الصنائع: ۴۶/۵، سعید).

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلماً أو كتابياً لنص القرآن . (رد المحتار:

۶/۲۹۹، سعید).

ہدایہ میں ہے:

والمسلم والكتابي في ترك التسمية سواء . (الهداية: ۴/۴۳۵، کتاب الذبائح).

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

فلو ترك الكتابي التسمية عمداً أو ذبح وسمى باسم المسيح لم تحل ذبيحته  
باجتماع الفقهاء وأكثر أهل العلم . (البنية في شرح الهداية: ۱۰، ۶۳۸، ط: رشيدية).

الاختيار لتعليل المختار میں ہے:

فلو تركها عمداً لا تحل ، لقوله تعالى: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْهُمُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ [الانعام: ۱۲۱] ... والكتابي فيه كالمسلم ، ولأن ما ذكرنا من النصوص منها أمر بالتسمية ، ومنها جعلها شرطاً لحل الأكل ، وذلك يدل على حرمة المتروك عمداً .  
(الاختيار لتعليل المختار: ۱۰-۱۱، کتاب الذبائح، دار الكتب العلمية ، بيروت).

منية الصيادين میں ہے:

ولا تحل ذبيحة تارك التسمية عمداً، ... والمسلم والكتابي في ترك التسمية

سواء . (منية الصيادين، ص ۱۵۰، ۱۵۲).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۸/۱۶۹، کوئٹہ، والفتاویٰ الهندية: ۲۸۵/۵، احکام الذبائح، ص ۳۴، ۳۶، جدید فقہی مسائل: ۲/۲۱۵، وکفایات المفتی: ۸/۲۴۶-۲۴۹، دار الاشاعت، وامداد الاحکام: ۴/۲۰۲، وامداد المفتین: ۲/۷۷۱، دار الاشاعت).

تفسیر مظہری میں ہے:

قلت: والصحيح المختار عندنا هو القول الأول يعني ذبائح الكتابي تاركاً للتسمية عامداً أو على غير اسم الله تعالى لا يؤكل إن علم ذلك يقيناً أو كان غالب حالهم ذاك وهو محمل النهي عن أكل ذبائح نصارى العرب ومحمل قول علي عليه السلام: لا تأكلوا من ذبائح نصارى بني تغلب فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشيء إلا بشربهم الخمر فلعل علياً علم من حالهم أنهم لا يسمون الله عند الذبح أو يذبحون على غير اسم الله تعالى.

فكذا حكم نصارى العجم إن كان عادتهم الذبح على غير اسم الله تعالى غالباً لا يؤكل ذبيحتهم ولا شك أن النصارى في هذا الزمان لا يذبحون بل يقتلون بالوقد غالباً فلا يحل طعامهم. (تفسير المظهری: ۳/۳۹).

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ ”المغنی“ میں فرماتے ہیں:

فالتسمية مشترطة في كل ذابح مع العمد سواء كان مسلماً أو كتابياً فإن ترك الكتابي التسمية عن عمد أو ذكر اسم غير الله لم تحل ذبيحته، روى ذلك عن علي عليه السلام. (المغنی: ۱۱/۵۶، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت).

دوسرا قول: کتابی کا ذبیحہ حلال ہونے کے لیے تسمیہ علی المذبح ضروری نہیں ہے بلکہ بوقت ذبح سکوت اختیار کیا ہو تب بھی ذبیحہ حلال ہوگا، لیکن اگر غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا تو ذبیحہ حرام ہوگا۔  
الشرح الصغیر میں ہے:

وجب عند التذكية (ذكر اسم الله) بأى صيغة من تسمية أو تهليل أو تسبيح أو تكبير، لكن (لمسلم) لا كتابي، فلا يجب عند ذبحه ذكر الله، بل الشرط أن لا يذكر اسم غيره مما يعتقد الوهيته. (حاشية الصاوى على الشرح الصغير: ۴/۱۲۲).

وللاستزادة انظر: (الخلاصة الفقهية لمحمد العربي القروى المالكي، ص ۲۸۲، ط: دار الکتب العلمیہ،

الاستذکار: ۱۵/۲۱۷، وبداية المجتهد: ۴/۱۲۸).

**تیسرا قول:** یہ ہے کہ غیر اللہ کا نام لے تب بھی بعض مالکیہ کے نزدیک جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (منح الحلیں شرح علی مختصر سید الحلیل: ۲/۴۱۳، دارالفکر)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

ذبیحة أهل الكتاب حلال سواء ذكروا اسم الله تعالى عليها أم لا لظاهر القرآن العزيز هذا مذهبا ومذهب الجمهور وحكاه ابن المنذر عن علي رضي الله عنه والنخعي وحماد بن سليمان وأبي حنيفة وأحمد وإسحاق وغيرهم. (المجموع شرح المذهب: ۹/۷۸، دارالفکر)۔  
 تنبیہ: غالباً نقل مذہب اور جمہور کی طرف نسبت کرنے میں امام نوویؒ سے تسامح ہوا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ عداوتِ ترکِ تسمیہ میں فعلِ مسلم کی نسبت فعلِ کتابی اہوں ہے، عندا لحمو راول حرام ہے اور ثانی حلال۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۳۱۶)۔

**اہل کتاب سے کون مراد ہے؟**

آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے، جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں، نہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ محض مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے،... خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی ہی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔ (وہ دہریہ ہیں ان کا ذبیحہ حلال نہیں)۔ (جواہر الفقہ: ۶/۲۰۳، ۲۰۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مسائل: ۲۰/۲۱۷، ۲۲۰، اہل کتاب سے مراد اور عصر حاضر کے اہل کتاب، واماوا لمفتین:

۷/۷۷، دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ میں شروطِ ذبح میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ذابح مسلمان یا کتابی ہو،

بائیں وجہ یہودی اور عیسائی اگر اپنے مذہب کی بنیادی تعلیمات کی پیروی کے دعوے دار ہوں محض دہریہ قسم کے نہ ہوں اور صحیح طریقہ کے مطابق ذبح کریں تو ان کا ذبیحہ کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تاہم عصر حاضر میں یہود و نصاریٰ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، ان کا ذبیحہ کسی حال میں درست نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ غیر مسلم یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ سے بھی حتی الامکان احتراز کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والأولى أن لا يأكل ذبائحهم ولا يتزوج منهم إلا للضرورة كما حققه الكمال ابن

الهام. (فتاوی الشامی: ۶/۲۹۷، سعید).

فتاویٰ علماء البلد الحرام میں مرقوم ہے:

... أما في هذه الأزمنة فلم يعودوا يعملون بما في كتبهم فأصبحوا كالمرتدين ؛

فنرى ألا تؤكل ذبائحهم إلا إذا تحقق أنهم يذبحونها ذبائحاً شرعياً ... الخ. (فتاویٰ علماء البلد الحرام، ص: ۱۰۱۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## کتابی کے لیے بوقت ذبح تسمیہ کا حکم:

**سوال:** ایک مذبح میں اہل کتاب بغیر بسم اللہ کے ذبح کرتے ہیں، ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** مذہب احناف کے مطابق مسلمان اور کتابی کا ذبیحہ اس وقت حلال ہوگا جب کہ بوقت ذبح

بسم اللہ پڑھے ہاں اگر نسیاناً چھوٹ گئی تو کوئی حرج نہیں البتہ عمدہ ترک کر دی تو ذبیحہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

البتہ شوافع کے نزدیک اگر بسم اللہ قصد ترک کر دی تب بھی ذبیحہ حلال ہے لیکن مکروہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وإن ترك الذبائح التسمية عمداً ، فالذبيحة ميتة ، لا تؤكل وإن تركها ناسياً أكل ،





ذبیحة أهل الكتاب حلال سواء ذكروا اسم الله تعالى أم لا لظاهر القرآن  
العزیز هذا مذهبنا ومذهب الجمهور وحكاہ ابن المنذر عن عليؑ والنخعي وحماد بن  
سليمان وأبي حنيفة وأحمد وإسحاق وغيرهم. (المجموع شرح المذهب: ۷۸/۹، دار الفکر).  
حنابلہ کے یہاں بھی کتابی کے لیے بسم اللہ کہنا ضروری ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک کتابی کے لیے بسم اللہ  
کہنے کی شرط نہیں۔۔۔ (جدید فقہی مسائل: ۲/۲۱۶، ۲۱۷، کتابی کا ذبیحہ). واللہ اعلم۔

## مشینی ذبیحہ کا حکم:

**سوال:** مشینی ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟ صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے  
ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے کی مدد سے انجام دے رہا ہے، چنانچہ بعض ممالک میں اس مشینی ذبیحہ کا  
طریقہ کار یہ ہے کہ بہت سارے جانور اس مشین کے نیچے کھڑے کر دیے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے  
ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں، یہ بجلی کی مشین سارا دن چلتی رہتی ہے اور اس کے نتیجہ میں مرغیاں کٹتی رہتی ہیں،  
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بجلی کے مشین میں گھومنے والی چھری سے گردن کٹنے سے جانور ذبح شدہ سمجھا جائیگا  
یا نہیں؟ نیز بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ بینو اتو جروا۔

**الجواب:** مشینی ذبیحہ سے متعلق اکابر کی آراء میں اختلاف ہے: (۱) حضرت مفتی شفیع صاحب وغیرہ  
درج ذیل تفصیل کے مطابق مشینی ذبیحہ کے حلال ہونے کے قائل ہیں۔

پہلے قول کی وضاحت و تفصیل ملاحظہ ہو:

پہلی بات تو یہ ہے کہ خواہ وقتی چھری سے یا مشین کے ذریعہ سے جانور کی گردن بالکل علیحدہ کر دینا شرعی  
طریقہ ذبح کے خلاف ہے اور مکروہ ہے، البتہ جو جانور اس طریقہ سے ذبح کیا جائے اس کے گوشت کے حلال  
ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور مسلم یا کتابی  
نے بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبا دیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کے لیے کافی ہوگئی اور مذبوہ جانور حلال ہو گیا، اور اگر آگے

پچھے گردنیں کٹیں تو یہ بسم اللہ پہلے جانور کے لیے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لیے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور یہ جانور مردار کے حکم میں ہوں گے۔

بعض اوقات کسی وجہ سے مرغی کی گردن بالکل نہیں کٹتی اور بعض اوقات اتنی تھوڑی سی کٹتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی تمام رگیں کٹنے میں شک ہو جاتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ذبیحہ شرعی نہیں کہلائے گا بلکہ مردار کے حکم میں ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

من بلغ بالسکین النخاع أو قطع الرأس کره له ذلك وتؤکل ذبیحته... أما الکراهة فلما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن تنزع الشاة إذا ذبحت... وإن ذبح الشاة من قفاها فبقیت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هو ذکاة ويکره. (الهداية: ۴۳۸/۴، کتاب الذبائح).

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۲۹۶، سعید، ویدائع الصنائع: ۵/۴۲، سعید).

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

والذکاة اختیاریة، وهی الذبح فی الحلق واللبة؛ واضطرابیة، وهی الجرح فی أى موضع اتفق؛ وشرطهما التسمیة، وكون الذابح مسلماً أو کتابياً، فإن ترک التسمیة ناسياً حل، وإن أضجع شاة وسمى فذبح غیرها بتلك التسمیة لم تؤکل، وإن ذبح بشفرة أخرى أکل... ويکره أن یبلغ بالسکین النخاع، أو یقطع الرأس وتؤکل. (الاختیار لتعلیل المختار: ۱۰-۱۳، کتاب الذبائح، دار الکتب العلمیة، بیروت).

الفتاویٰ الہندیہ میں ہے:

ولو أضجع إحدى الشاتین علی الأخری تکفی تسمیة واحدة إذا ذبحهما بامرار واحد، ولو جمع العصافیر فی یدہ فذبح وسمى وذبح آخر علی اثره ولم یسم لم یحل الثانی ولو أمر السکین علی کلک جاز بتسمیة واحدة کذا فی خزانة المفتین. (الفتاویٰ الہندیة: ۲۸۹/۵، وکذا فی تحفة الملوک: ۲/۱۷۰).

اس جزئیہ کا یہ مطلب نہیں کہ سارا ان دن مشین چلتی رہے اور پہلی دفعہ بٹن دباتے وقت صرف ایک تسمیہ کافی ہوگی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بٹن دباتے وقت مشینی چھری پر بالفعل جو جانور موجود ہوں اور ان پر بیک وقت چھری چلی وہی حلال ہوں گے، بعد میں جو جانور آ کر اس چھری پر کٹیں، بٹن دبانے والے کا تسمیہ ان کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ تسمیہ کے فوراً بعد ذبح کیا جائے اگر معتد بہ فصل واقع ہوا تب بھی ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

ملاحظہ ہوا جو ہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو أضع شاة وسمی وکلمہ إنسان أو استسقی ماء فشرب أو شحد السکین قليلاً ثم ذبح علی تلک التسمیۃ الأولى أجزأه وأما إذا طال الحدیث أو أخذ فی عمل آخر واشتغل به ثم ذبح بتلک التسمیۃ الأولى لم تؤکل . (الجوهرة النيرة: ۲/۲۷۵، ط: امدادیہ، ملتان).

وفی المحيط البرہانی: ولبس فی ذلک تقدیر بل ینظر فیہ الی العادة .

إن استکثر الناس فی العادة یكون کثیراً وإن کان یعد قليلاً فهو قليل . (المحیط البرہانی:

۶/۴۶۵، الفصل الرابع فیما یعلق بالتسمیۃ علی الذبیح، مکتبہ رشیدیہ).

وللاستزادة انظر: ( الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۸۸، و المحيط البرہانی: ۶/۴۶۵، مکتبہ رشیدیہ).

مشینی ذبیحہ سے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تفصیلی فتوے کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلاف شرع اور موجب گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

(۱) مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان، نصرانی یا یہودی ہو۔

(۲) مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچاتے وقت اس نے خالص اللہ کا نام ”بسم اللہ واللہ

اکبر“ پڑھا ہو۔ (پہلے مذکور ہوا کہ فقط بسم اللہ بھی کافی ہے، بلکہ شیخ الاسلام ابو الحسن علی السعدی کے نزدیک یہ احسن ہے۔)

(۳) یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔

مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (ماخوذ از جدید معاملات کے شرعی احکام: ۱۰۷/۳)۔

مشینی ذبیحہ کی مزید تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: (احکام الذبايح، و جدید فقہی مسائل، جلد دوم، و جدید معاملات کے شرعی احکام، جلد سوم، و منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۶۹ و ۳۶۴ و ۳۶۵، و حلال و حرام، ص ۱۳۷-۱۳۴)۔

## دوسرا قول:

دوسری رائے حضرت مفتی محمود صاحب شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی ہے، چنانچہ ان کا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیے:

فرماتے ہیں: مہربان من! میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دباتے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ وہ مردار ہی ہے۔

آپ یہ دیکھیں کہ بٹن دبانے والے نے صرف اتنا ہی تو کیا کہ برقی طاقت اور مشین کا جو کنکشن (تعلق) کٹ چکا تھا اور ان دونوں کے درمیان جو مانع تھا اس کو دور کر دیا اور پھر سے کنکشن جوڑ دیا اور بس، دراصل مشین کی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر (کرنٹ) ہے نہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ کی قوت محرکہ، اور یہ گلا کاٹنا برقی قوت اور مشین کا فعل ہے نہ کہ اس مسلمان کا۔

اور ذبح اختیاری میں ذابح (ذبح کرنے والے) کا فعل (اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا) اور اس کی تحریک کا موثر ہونا شرط ہے۔ یہاں تو بٹن دبانے والے کا فعل سوائے رفع مانع (رکاوٹ کو ہٹا دینے) کے اور کچھ نہیں۔ رفع مانع

(رکاوٹ دور کر دینے سے) فعل ذبح کی نسبت رافع (ہٹانے والے) کی طرف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور اس کو ذبح کرنے والا کیسے کہا جاسکتا ہے؟

اس کی مثال اس طرح سمجھیں۔ (۱) کہ ایک مجوسی چھری ہاتھ میں لے کر کسی جانور کو ذبح کرنا چاہتا تھا کہ کسی شخص نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے سے روک دیا۔ اب ایک مسلمان شخص بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اس روکنے والے کا ہاتھ کھینچ لے اور مجوسی کا ہاتھ چھڑا دے اور وہ فوراً جانور کی گردن پر چھری پھیر دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہو جائے گا؟

دیکھئے اس مثال میں رفع مانع (رکاوٹ ہٹانے) کا فعل تو ایک مسلمان نے کیا ہے اور تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا ہے اور وہ ذبح کا اہل بھی ہے۔ لیکن چونکہ اصل ذبح کرنے والا جس کی تحریک موثر ہے وہ مجوسی ہے۔ اس لیے لازماً اصل محرک و موثر کو دیکھ کر ہی اس ذبیحہ کو حرام ہونے کا حکم لگایا گیا اور رافع مانع (رکاوٹ دور کرنے والے) کے فعل کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

(۲) اسی طرح اگر ایک تیز دھاڑ دار آلہ مثلاً چھری اوپر کسی رسی سے بندھا ہوا ٹنگ رہا ہے اور اس کے نیچے بالکل سیدھ میں مرغی یا بکری کا بچہ یا کوئی جانور کھڑا ہے۔ اب اگر کوئی مسلمان تسمیہ پڑھ کر رسی کاٹ دے اور وہ آلہ اپنے طبعی ثقل سے نیچے گر کر اس جانور کا گلا کاٹ دے تو کیا یہ ذبیحہ حلال ہوگا؟ اور یہ فعل ذبح اس رافع مانع مسلمان کی طرف منسوب ہوگا اور اس کو جانور ذبح کرنے والا اور اس جانور کو مسلمان کا ذبیحہ کہا جائے گا؟

اگر ان دونوں مثالوں میں اس ذبیحہ کا حکم حلت کا نہیں ہے اور یہ ذبیحہ حلال نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو مشینوں کے ذبیحہ پر حلت کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے اور ان دونوں میں فرق کیا ہے؟

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اگر اس حقیقت کو نظر انداز بھی کر دیا جائے اور ایک لمحہ کے لیے تسلیم کر لیا جائے کہ بٹن دبانا ایک موثر اور اختیاری عمل ہے تو بٹن دبانے کا فعل تو بٹن دباتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ مشین کے چلنے اور گلے کاٹنے کے وقت تو اس کا فعل موجود نہیں ہوتا۔ مشین چلتی رہتی ہے اور گلے کٹتے رہتے ہیں تو گلے کٹنے سے پہلے ہی اپنے عمل سے فارغ ہو جاتا ہے۔

یہ صورت حال ذبح اضطراری (مجبوری کی ذبح) میں تو شرعاً گوارا ہے کہ تیر پھینکتے ہی رامی (پھینکنے

والے) کا عمل ختم ہو جاتا ہے اور اصابتِ سہم (تیر لگنے) کے وقت بظاہر اس کا فعل باقی نہیں ہوتا۔ مگر اس صورت میں شریعت نے صرف عذر اضطراری (مجبوری کے عذر) کی وجہ سے اصابتِ سہم (تیر لگنے کی نسبت) کو رامی (چھکنے والے) کے ساتھ قائم کر دیا ہے اور اس کو ذبح کرنے والا قرار دیا ہے۔ دراصل اس کا عمل صرف ”رمی“ پھینکنا ہے۔ اور بس حتیٰ کہ اصابتِ سہم کے وقت اس رامی کا اہل رہنا بھی ضروری نہیں جب کہ ”رمی“ کے وقت وہ اہل تھا۔ امام ابو بکر الکاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں:

ولو رمى أو أرسل وهو مسلم ثم ارتد أو كان حلالاً فأحرم قبل الإصابة وأخذ الصيد يحل ولو كان مرتداً ثم أسلم وسمى لا يحل لأن المعتبر وقت الرمي والإرسال فتراعى الأهلية عند ذلك . (بدائع الصنائع: ۴/۱۷۲، ط: احیاء التراث العربی).

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

ولأن الكلب والبازي آلة والذبح لا يحصل بمجرد الآلة إلا بالاستعمال وذلك فيهما بالإرسال فنزل منزلة الرمي وإمرار السكين . (الهداية: ۴/۵۰۰).

ذبحِ اضطراری اور ذبحِ اختیاری کا بنیادی فرق یہی ہے کہ اختیاری ذبح میں امرِ السکین (چھری چلانا) ہی عملِ ذبح ہے۔ اور ذبحِ اضطراری میں رمی (تیر پھینکنا) اور ارسال (سدھے ہوئے شکاری جانور کو چھوڑنا) از روئے شرع عملِ ذبح کے قائم مقام ہے۔

دیکھیے امام شافعیؒ بھی ذبحِ اختیاری میں ”فعل انسانی“ کو شرط قرار دیتے ہیں۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۹۸ پر فرماتے ہیں:

والذكاة وجهان وجه فيما قدر عليه الذبح والنحر وفيما لم يقدر عليه ما ناله الإنسان بسلح بيده أو رميه بيده فهي عمل يده وما أحل الله عز وجل من الجوارح الملعونات التي تأخذ بفعل الإنسان كما يصيب السهم، فأما الحفرة فإنها ليست واحداً من ذا كان فيها سلاح أو لم يكن ولو أن رجلاً نصب سيفاً أو رمحاً ثم اضطر صيداً فأصابه فزكاه لم يحل أكله لأنها ذكاة بغير فعل أحد .

اور اس میں شک نہیں کہ برقی مشین سے جو جانوروں کے گلے کٹتے ہیں، وہ یقیناً نہ انسان کا فعل ہے نہ اس کے ہاتھ کی قوت کو اس میں کوئی دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ سمجھ رکھنے والا بھی اس کو انسان کا فعل نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے اس کو مشینی ذبیحہ کہتے ہیں۔

اس لیے میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے باادب درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس فتوے پر نظر ثانی فرما کر اصلاح فرمائیں۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص ۵۴۰-۵۴۵، کتاب الذبايح والا ضحیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے نزدیک ذبح شرعی متحقق نہیں ہوتا اور یہی صحیح قول ہے اور ہم اس فتوے سے متفق ہیں۔ بنابرین مشینی ذبیحہ سے مکمل احتراز کرنا لازم اور ضروری ہے۔ نیز فتاویٰ مفتی محمود صاحب ملتانی کے مقدمہ (ص ۱۱۳) میں مرقوم ہے کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے اپنے فتوے سے رجوع فرما لیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مشینی ذبیحہ کی صحیح اور غیر مشکوک متبادل صورت:

اس مشین سے چھری نکال دی جائے اور اس کی جگہ پر چند مسلمان یا اہل کتاب کھڑے کئے جائیں اور جب مرغیاں ان کے سامنے سے گزریں تو ان میں سے ہر ایک باری باری ہر مرغی پر ”تسمیہ“ پڑھتے ہوئے ان کو شرعی طریقہ پر ذبح کر دے۔

تنبیہ: مشینی ذبیحہ میں چند اور بھی خرابیاں ہیں، مثلاً بجلی کے کرنٹ سے بے ہوشی کا طاری ہونا، صفائی وغیرہ کے لیے گرم پانی میں ڈالنا وغیرہ لیکن چونکہ ”ریسبوچکن“ کے مسئلہ کے تحت ان کی تفصیلات ذکر کی جا چکی ہے لہذا تطویل سے دامن بچاتے ہوئے دوبارہ ذکر کرنا مناسب سمجھا، اگر کوئی ان تفصیلات کا خواہاں ہو تو وہاں رجوع کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے فتوے پر اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے فتوے پر یہ اشکال کرتے تھے کہ مفتی صاحب نے

فرمایا کہ: مشین مباشر ہے اور انسان صرف رافع مانع (رکاوٹ دور کرنے والا) ہے، لہذا مشین کا ذبیحہ ہے انسان کا

ذبیحہ نہیں ہے اس لیے حرام ہے، تو فقہاء نے ذبح بالنار کو تسلیم کیا ہے اور اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے جب کہ یہاں بھی انسان صرف آگ پہنچانے کا عمل کرتا ہے اور ذبح کا عمل آگ کرتی ہے جو انسان کے عمل کے درمیان حائل ہے اس کے باوجود فقہاء نے کیوں ذبیحہ کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا؟

الجواب: حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے سامنے جب یہ اشکال پیش کیا گیا تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ تو عجیب بات ہے کہ کسی جانور کو کھڑا کر دیا جائے اور آگ جلادی جائے اور جانور ذبح ہو جائے اس سے تو جانور جھلس جائے گا، اس کی رگیں ہرگز قطع نہیں ہوں گی۔ اور فقہاء نے جو ذبح بالنار سے جانور کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کسی کند لوہے کو آگ میں سرخ کیا جائے پھر وہ لوہا جانور کے گلے پر پھیر دیا جائے تو اس آگ کی تیزی سے جانور کی تمام رگیں کٹ جائیں گی اور ذبح متحقق ہو جائیگا۔

یہ واقعہ حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ نے سنایا تھا، حضرت علامہ بنوریؒ نے بھی اس جواب کو بہت پسند فرمایا۔ واللہ اعلم۔

## کانٹے سے مچھلی کے شکار کا حکم:

سوال: بعض حضرات فرماتے ہیں مچھلی کے شکار کے لیے دھاگے میں کانٹا لگانا مچھلی کے لیے تعذیب ہے لہذا یہ جائز نہیں ہے؟

الجواب: مچھلی کے شکار کے لیے کانٹے کا لگانا قدیم زمانہ سے متعارف اور جائز ہے، فقہاء نے بغیر انکار و تکیر کے اس کو ذکر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو شرح تحفۃ المملوک میں ہے:

ولو نصب شبكة فوقع فيها صيداً أو رمى شصاً [”حديدة معقوفة مخصصة لصيد السمك“ وهو بالفتح والكسر شيء يصاد به السمك] فتعلقت به سمكة، فاضطربا أي تحرکا حتى انقطعت الشبكة، وخيط الشص فخلصا أي وصل أحدهما إلى الآخر



فصادهما آخر فهما له. (شرح تحفة الملوك مع التعليقات: ۱۷۳۲/۲).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے شکار کے لیے جال یا کانٹا لگا دیا اور اس میں ایک مچھلی پھنس گئی پھر دوسری مچھلی آئی اور پہلی کے ساتھ لٹک گئی اور دونوں چھوٹ گئیں پھر دوسرے شخص نے دونوں مچھلیوں کا شکار کیا تو دونوں مچھلیاں دوسرے آدمی کی ہو گئیں۔

مذکورہ بالا عبارت میں کانٹے سے شکار کرنے کی تصریح اور جواز مرقوم ہے۔

مذیہ الصیادین کی عبارت سے بھی جواز مترشح ہوتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

وفی الخلاصة : الشخص ( وهو حديدة عقفاء يصاد بها السمك ) إذا رمى به الرجل في الماء ، فتعلق به السمك : إن رمى به خارج الماء في موضع يقدر على أخذه ، فاضطرب فوقع في الماء ، ملكه ، فليس لرجل آخر أخذه بالاصطيداء ، وإن انقطع الحبل قبل أن يخرجه من الماء ، لا يملكه .

ولو لدغتم سمكة حية في الماء وقتلتها ، أو أصابتها حديدة ، أو أكلت شيئاً ألغاه في الماء ، أو قتلها شيء من طير الماء أو غيره ، تؤول ، لأنها ماتت بسبب . (منية الصيادين،

ص ۱۳۷، ۱۳۸، الفصل الثالث في بيان صيد البحر و احكامه).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: ایک کٹرے کو جس کا نام گھینسا ہے اس کو توڑ توڑ کر اور کانٹے میں لگا کر شکار مای کا کرتے ہیں پس ایسا شکار کرنا اور اس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: اول اس کو مار کر پھر کٹرے کر کے کانٹے میں لگانا درست ہے اور زندہ کو لگانا منع ہے کہ اذیت ذی روح کی مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص: ۵۸۱، ط: کراچی)۔

اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مچھلی کے شکار کے لیے کانٹے کا استعمال درست ہے۔ اس میں تعذیب

حیوان نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## غیر ماکول اللحم جانور کے شکار کا حکم:

**سوال:** بعض لوگ شکار کے لیے جاتے ہیں اور شیر، چیتا، بھیڑ یا وغیرہ کا بھی شکار کر لیتے ہیں جب کہ یہ حرام جانوروں میں سے ہیں، لیکن ان کی کھال یا اجزاء جسم کی اور کوئی چیز مقصود ہوتی ہے تو کیا ان جانوروں کا شکار کرنے کی شرعاً گنجائش ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** شکار کرنا جائز اور درست ہے خواہ ماکول اللحم جانور کا ہو یا غیر ماکول اللحم کا ہو، جب کہ اس شکار سے شکاری کی کوئی مشروع اور جائز غرض وابستہ ہو، مثلاً ماکول اللحم کا گوشت کھانا مقصود ہو اور غیر ماکول اللحم جانور کے پر، بال، کھال، سینگ یا ہڈی وغیرہ مقصود و مطلوب ہو یا فقط دفعِ اذیت مقصود ہو تو شکار کرنے کی گنجائش ہے البتہ محض اہولعب اور تہیج اوقات ہی مقصود ہو تو ناجائز ہے۔  
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

قال ويجوز اصطياد ما يؤكل لحمه من الحيوان وما لا يؤكل لإطلاق ما تلونا (أى :  
وإذا حللتهم فاصطادوا) ، و الصيد لا يختص بما كول اللحم ، قال قائلهم:

صيد الملوک أرناب و ثعالب ☆ و إذا ركبت فصيدی الأبطال

ولأن صيده سبب لالانتفاع بجلده أو شعره أو ريشه أو لاستدفاع شره وکل ذلك

مشروع . (الهداية: ۴/۵۱۵، کتاب الصيد).

وفي رد المحتار: قوله لنفع ما أی ولوقليلاً ، والهرة لومؤذية لا تضرب ولا تفرک

أذنہا بل تدبح . (رد المحتار: ۶/۴۷۴، سعید).

وللاستزادة انظر: ( البحر الرائق: ۸/۲۳۱، وکوئته، والجوهرۃ النيرة: ۲، امدادیہ، واللباب فی شرح

الکتاب: ۴/۵۵۸، وتبيين الحقائق: ۵/، وفتح القدير: ۹/۱۳۴، دارالفکر، ومجمع الانهر فی شرح ملتقى

الابحر). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## چوری کا جانور ذبح کرنے کا حکم:

**سوال:** اگر کسی شخص چوری کا جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** چوری کا جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا بلکہ حلال ہے، ہاں سارق پر تاوان واجب ہوگا کہ مالک کو اس کی قیمت ادا کر دے اس کے بعد اس ذبیحہ کا کھانا کھانا مناسب جائز اور درست ہے۔ تاوان ادا کرنے سے قبل اس کا کھانا، کھانا جائز اور درست نہیں ہے۔ یا مالک نے قیمت کی ادائیگی مؤجل کر دی یا قیمت سے بری کر دیا تب بھی کھانے، کھلانے کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو أن رجلاً أخذ شاة لرجل بغير إذنه فذبحها وطبخها أو شواها كان لصاحبها أن يضمه القيمة فإن كان صاحبها غائباً أو حاضراً لا يرضى أن يضمه لم يسع للذي ذبحها أو شواها أن يأكلها ولا يطعم منها أحداً ولا يسع أحداً أن يأخذها منه حتى يضم من الذي صنع بها ذلك قيمتها لصاحبها فإن ضمنه صاحبها قيمتها بقضاء قاض أو بغير قضاء قاض وسعه أن يأكل منها وأن يطعم من أحب إذا أدى القيمة أو كانت ديناً عليه وإن لم يضم القيمة فليتصدق بها . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۱۴۰، الباب الثامن في تملك الغاصب المغصوب والانتفاع به).

خلاصہ یہ ہے کہ مالک جب تک قیمت نہ لے اس وقت تک اس بکری سے کسی قسم کا انتفاع جائز اور درست نہیں ہے، ہاں جب تاوان ادا کر دیا اور مالک نے بخوشی قبول کر لیا تو اب اس کا کھانا اور دوسروں کھانا سب جائز اور درست ہے۔

محیط برہانی میں مذکور ہے:

وروي عن أبي حنيفة في الشاة المغصوبة: إذا ذبحها وشواها، لم يسع له أن يأكلها، ولا يطعم أحداً حتى يضم، وإن كان صاحبها غائباً، أو حاضراً، لا يرضى بالضمن لا يسع له

الأكل ، وإذا دفع الغاصب قيمتها حل له الأكل ، لأن حق المالك صار موفى بالبدل ، وكذلك إذا أبرأه أصلاً ، لأن حقه سقط بالبراءة وكذلك إذا ضمنه المالك القيمة ، أو ضمنه الحاكم ؛ لأن الحاكم لا يضمنه إلا بعد طلبه فكان راضياً به . (المحيط البرهاني: ۶/۲۷۲ ، الفصل التاسع في تملك الغاصب المغصوب ، والانتفاع به) . والله ﷻ اعلم۔

## دوسرے کی زمین میں شکار کرنے کا حکم:

**سوال:** اگر کسی شخص کی زمین میں ہرن یا کبوتر رہتا ہے یا آتا جاتا ہے، تو شکاری اس شخص کی زمین سے اس کا شکار کر سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی دوسرے شخص نے مالک کی زمین کی اجازت کے بغیر شکار کر لیا تو وہ اس شکار کا مالک بنے گا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر صاحب زمین نے اپنی زمین اسی لیے تیار کی تھی کہ ہرن یا کبوتر وغیرہ آکر رہے۔ یا مالک زمین سے اتنے قریب ہو کہ وہ ہاتھ پھیلا کر ان کو پکڑ سکتا ہے تو اس صورت میں شکاری اس شکار کا مالک نہیں بنے گا۔ ورنہ مالک بن جائیگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ولو فرخ طير أو باض في أرض رجل أو تكسر فيها طي) أي انكسر رجله بنفسه فلو كسرها رجل كان للكاسر لا للأخذ (فهو للأخذ) لسبق يده لمباح (إلا إذا هيا أرضه لذلك) فهو له (أو كان صاحب الأرض قريباً من الصيد بحيث يقدر على أخذه لومد يده فهو لصاحب الأرض) لتمكنه منه فلو أخذه غيره لم يملكه . وفي رد المحتار: قوله أو تكسر، وقع في الكنز تنكس... قوله إلا إذا هيا أرضه لذلك، الخ. أي بأن حفر فيها بئراً ليسقط فيها أو أعد مكاناً للفراخ ليأخذها فتح ، لأن الحكم لا يضاف إلى السبب الصالح إلا بالقصد بحر، قوله أو كان صاحب الأرض قريباً، الخ ؛ ظاهره أن سبب الملك أحد شئنين

إما التهيئة أو القرب ومقتضاه أنه لو خرج الصيد من أرضه المهيأة قبل قربه منه يبقى على ملكه فليس لغيره أخذه... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۳۳/۵، باب المتفرقات، سعيد).

و کذا فی (البحر الرائق: ۲۳۷/۲، باب العشر، ط: کوئٹہ، والمبسوط للامام المرخسي: ۴۵۴/۱۱، بيروت، والمحيط البرهاني: ۶۲۵/۵، ط: التراث العربي، والفتاوى الهندية: ۴۱۸/۵).

شرح تحفة الملوك میں ہے:

ومن أخذ صيداً، أو فراخه، أو بيضة من دار رجل، أو أرضه، فهو له، أي للآخذ؛ لأنه مباح سبقت إليه يده فهو أولى به لقوله صلى الله عليه وسلم: "الصيد لمن أخذه"... إلا أن يغلق الباب لإحرازه، فحينئذ يملكه لأن الحكم عند القصد يضاف إلى السبب وعلى هذا لو حفر رجل في أرضه حفيرة فوقع فيها صيد فجاء رجل وأخذه فهو له إلا أن يتخذ صاحب الأرض تلك الحفيرة لأجل الصيد، ذكره محمد. (شرح تحفة الملوك لمحمد بن عبد اللطيف ابن ملك، ۱۷۳۲/۲).

خلاصہ یہ ہے کہ صاحب زمین نے شکار کی حفاظت کے لیے انتظام کیا ہے تو وہ اس کا مالک ہے دوسرا نہیں لے سکتا اور اگر حفاظت کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا تو شکاری مالک بن جائیگا۔ واللہ اعلم۔

## مقطوع الرأس پرندہ کو ذبح کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے پرندہ کو بندوق سے گولی ماری بسم اللہ نہیں پڑھی، پرندے کی گردن کٹ گئی، تھوڑی سی باقی تھی اس پر بسم اللہ پڑھ کر چھری چلا دی اس ذبح کا شرعاً اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ اگر ذبح کامل یعنی حلق کی چار رگیں باقی تھیں اور بسم اللہ پڑھ کر چاروں کو کاٹ دیا تو ذبیحہ حلال ہوگا، ورنہ اس ذبح کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور ذبیحہ حرام ہوگا۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

شاة قطع الذئب أو داجها وهي حية لا تذكي لفوات محل الذبح، ولو انتزع رأسها و

هي حية تحل بالذبح بين اللبۃ واللحیین. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۰۸، سعید).

(و کذا فی الفتاویٰ البرزازیة علی هامش الہندیۃ: ۶/۳۰۸، و الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۹۱).

وفي فتاویٰ قاضیخان: قوله عليه الصلاة والسلام: الذكاة ما بين اللبۃ واللحیین، والذكاة الكاملة فری الأوداج الأربعة وهی الحلقوم والمری والعرقان اللذان بينهما الحلقوم والمری... وإن علم حیاتها وقت الذبح أكلت علی کل حال. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیۃ: ۳/۳۶۶).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: چڑیا کو گولی کی ضرب ایسی پڑی کہ گردن ہی اُڑ گئی، سر کا نام و نشان نہیں رہا، گردن کے حصہ میں ذبح کیا، اس سے کچھ خون برآمد ہوا۔ شرعاً یہ ذبح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: اگر گہائے مذکورہ بالا باقی تھیں یعنی گردن کا اتنا حصہ باقی تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں اور پھر ذبح کر دیا گیا تو درست ہو گیا اگرچہ سر باقی نہیں رہا تھا۔ اگر یہ رگیں باقی نہیں رہی تھیں، یعنی گردن کا اتنا حصہ بھی نہیں رہا تھا جس میں یہ رگیں ہوتی ہیں تو ذبح درست نہیں ہوا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۲۸۳، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اگر مرغی زندہ ہے اور گردن کا اتنا حصہ باقی ہے کہ ذبح کر سکے تو ذبح کر کے کھانا درست ہے، لیکن توڑا ہوا سر کھانا درست نہیں ہے۔ اور جب سر کے ساتھ پوری گردن بھی توڑ دی ہو اور ذبح کرنے کی مقدار کا حصہ نہ بچا ہو تو ذبح کرنے کا کوئی راستہ نہیں اس کا کھانا حرام ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۳۶۶، مکتبۃ الاحسان، دیوبند)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

تسمیہ واحدہ سے چند مرغیاں ذبح کرنے کا حکم:

سوال: قریبی زمانے میں مجھے ایک مرغی کے مذبح میں جانے کا اتفاق ہوا جہاں پر ایک منٹ میں تقریباً ۱۴۰ مرغیوں کو ذبح کیا جاتا تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ مرغیاں زنجیر میں بندھی ہوئیں مسلمان ذاکھین کے پاس ترتیب سے آتی تھیں، تقریباً ۵ مسلمان افراد تیزی سے بسم اللہ پڑھ کر مرغیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے

تھے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ غلت کی وجہ سے دو یا زیادہ مرغیوں کو ایک ہی تسمیہ سے ذبح کر دیتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں ایک تسمیہ سے دو یا زیادہ مرغیاں حلال ہوں گی یا نہیں؟ کیا ایک تسمیہ چند مرغیوں کے لیے کافی ہو جائیگا یا نہیں؟ یہ بھی مد نظر رہے کہ یہ تا درالوقوع ہے، کمپنی کے مالک کا کہنا ہے کہ اس تیزی کو کم نہیں کر سکتے ورنہ تجارت میں نقصان ہوگا کیونکہ یہ مذبح کثیر مقدار میں مرغیاں تیار کر کے برآمد کرتا ہے۔  
بیٹو اتو جروا۔

**الجواب:** بصورت مسئلہ ہر ایک مرغی پر علیحدہ بسم اللہ پڑھنا لازم اور ضروری ہے، اگر غلت کی وجہ سے پوری تسمیہ ”بسم اللہ واللہ اکبر“ نہ پڑھ سکے تو فقط بسم اللہ پڑھنا بھی کافی ہوگا، لیکن اگر کسی مرغی کو بلا بسم اللہ ذبح کر دی تو وہ مردار کے حکم میں ہوگی، اگر تیزی میں کی نہیں کر سکتے تو ذائقہ احسن کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تاکہ ذبیحہ موافق شریعت ہو جائے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط ركن الذكاة فأناواع... ومنها التسمية حالة الذكر عندنا... ومنها أن يريدها التسمية على الذبيحة. أما وقت التسمية فوقتها في الذكاة الاختيارية وقت الذبح. (بدائع الصنائع: ۴۸، ۴۶/۵، سعید).

النتف في الفتاوى میں ہے:

والأحسن أن يقول: بسم الله. (النتف في الفتاوى، ص: ۱۴۸، كتاب الذبائح، دار الكتب العلمية).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل أراد أن يذبح عدداً من الذبائح لا تجزیه تسمية واحدة على واحدة لما بعدها.

(فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۶۸).

در مختار میں ہے:

والمعتبر الذبح عقب التسمية قبل تبدل المجلس حتى لو أضجع شاتين إحداهما

فوق الأخرى فذبحهما ذبحة واحدة بتسمية واحدة حلاً، بخلاف ما لو ذبحهما على

التعاقب لأن الفعل يتعدد فتعدد التسمية ذكره الزيلعي في الصيد . وفي رد المحتار : قوله لأن الفعل يتعدد ، فيتبدل المجلس حكماً . ( الدر المختار مع رد المحتار : ۶/۳۰۲ ، سعيد ) . والله تعالى اعلم .

شوقیہ شکار کا حکم:

سوال: جنوبی افریقہ میں عام طور پر لوگ چھٹیوں میں مچھلی کے شکار کے لیے جاتے ہیں، ہمارے علاقے میں بعض علماء کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ ایک کھیل کی طرح ہے اصل مچھلی حاصل کرنا مقصود نہیں ہے اس وجہ سے یہ درست نہیں۔ میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب: شکار محض لہو لعب اور تہیج اوقات کے لیے نہ ہو تو جائز اور درست ہے، پھر اگر مچھلی استعمال کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اس کو بدیہہ کر دینی چاہئے۔ شکار کر کے اس کا کھانا ضروری نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

الصيد مباح إلا للتلهي كما هو ظاهر... وفي الشامية: استدل في الهداية على إباحة الاصطياد بعد استدلاله عليه بالكتاب والسنة والإجماع، وأقره الشراح... وفي التاترخانية قال أبو يوسف: "إذا طلب الصيد لهواً ولعباً فلا خير فيه وأكرهه، وإن طلب منه ما يحتاج إليه من بيع أو إدام أو حاجة أخرى فلا بأس به." ( الدر المختار مع رد المحتار : ۶/۴۶۲ ، سعيد ) .  
وفي البحر: ولأن الاصطياد سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو لاستدفاء شره وكل ذلك مشروع . ( البحر الرائق : ۸/۴۶۲ ، كوثه ) .

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

كل لهو باطل إذا شغله أي شغل اللاهي عن طاعة الله أي كمن انتهى بشيء من الأشياء مطلقاً سواء كان مأذوناً في فعله أو منهيّاً عنه ، كمن اشتغل بصلاة نافلة أو بتلاوة أو ذكر أو تفكير في معاني القرآن مثلاً حتى خرج وقت الصلاة المفروضة عمداً فإنه يدخل



تحت هذا الضابط ، وإذا كان هذا في الأشياء المرغب فيها المطلوب فعلها فكيف حال ما دونها . (فتح الباری: ۹۱/۱۱)۔

وقال أيضاً: وفيه إباحة الاصطياد للانتفاع بالصيد للأكل والبيع وكذا اللهو بشرط قصد التذكية والانتفاع . (فتح الباری: ۶۰۲/۹)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قتل الزنبور والحشرات هل يباح في الشرع ابتداء من غير إيذاء وهل يثاب على قتلهم قال: لا يثاب على ذلك وإن لم يوجد منه الإيذاء فالأولى أن لا يتعرض بقتل شيء منه كذا في جواهر الفتاوى . (الفتاوى الهندية: ۳۶۱/۵)۔

مفتی تقی عثمانی صاحب تكملة فتح الملہم میں فرماتے ہیں:

فاللعب التي يقصد بها رياضة الأبدان أو الأذهان جائزة في نفسها ما لم تشتمل على معصية أخرى وما لم يؤد الانهماك فيها إلى الإخلال بواجب الإنسان في دينه ودنياه . (تكملة فتح الملہم: ۴۳۵/۴، قبیل الرؤیا)۔

خلاصہ یہ ہے مچھلی یا اور جانوروں کا شوقیہ شکار مباح خلاف اولیٰ ہے ناجائز اور حرام نہیں ہے جب تک اس میں کسی معصیت کا ارتکاب نہ ہو، نیز انسان کے دینی و دنیوی امور ضروریہ میں مخل نہ ہو، نیز شکار فقط تلہی [یعنی تصبیح اوقات اور محض ابولعب] کے لیے نہ ہو، نیز جانوروں کو زخمی کرنے کے بعد پانی میں نہ چھوڑ دے کہ اس میں بے جا اذیت ہے۔

اور جو فارم کا مالک یا لائسنس یافتہ آدمی اس کام سے کمائی کرے گا وہ کمائی حلال ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فارم میں شکار کرنے کا حکم:

سوال: ایک مسلمان شخص فارم کا مالک ہے یا گورنمنٹ نے اس کو سرکاری فارم کا لائسنس دیا ہے، یہ آدمی شکار کی اجازت دیتا ہے اور ان کے لیے شکار کا انتظام کرتا ہے، شکاری کبھی ما کوں اللحم جانور اور کبھی غیر

ماکول اللحم جانور مثلاً شیر، چیتا وغیرہ کا شکار کرتا ہے اور ایک ایک شکار کی قیمت مالک یا لائسنس یافتہ شخص وصول کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فارم کا مالک ان جانوروں کا مالک بنایا نہیں؟ اور اگر مالک ہے تو بغیر قبضہ کے ان کی بیع کیسے جائز ہوگی؟ اور اگر شکار کے بعد فروخت کرتا ہے تو ہرن وغیرہ میں ذبح کے بعد یا بسم اللہ پڑھنے کے بعد مذبح جانور کا فروخت کرنا جائز ہوگا لیکن شیر وغیرہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا فروخت کرنا کیسے جائز ہوگا؟ کیونکہ وہ مردار کے حکم میں ہے۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر یہ فارم جانوروں کے جمع کرنے کے لیے بنایا گیا ہے یا گورنمنٹ نے یہ جانور وہاں رکھے ہیں یا ان کے آنے جانے کا راستہ بند کر دیا ہو تو ان صورتوں میں فارم کا مالک یا لائسنس یافتہ شخص جانوروں کا مالک بن جائیگا۔ یا گورنمنٹ مالک ہو تو یہ شخص مالک کا وکیل بن گیا۔

ملاحظہ ہو عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وصاحب الأرض لم يعد أرضه لذلك إشارة إلى أنه لو أعدّها لذلك بأن حفرها ليقع فيها أو بغير ذلك مما يصاد به كان له. (العناية في شرح الهداية: ۶/۲۵۷ مسائل منثورة، مكتبة رشدية).

فتح القدیر میں ہے:

وإن علم به أي الصيد وأغلق الباب عليه أو سد الكوة كان لصاحب الدار. (فتح القدیر: ۶/۲۵۷ مسائل منثورة، مكتبة رشدية).

شرح تحفۃ المملوک میں ہے:

... إلا أن يغلق الباب لإحرازه، فحينئذ يملكه لأن الحكم عند القصد يضاف إلى السبب وعلى هذا لو حفر رجل في أرضه حفيرة فوقع فيها صيد فجاء رجل وأخذهُ فهو له إلا أن يتخذ صاحب الأرض تلك الحفيرة لأجل الصيد، ذكره محمد<sup>ؒ</sup>. (شرح تحفة المملوك لمحمد بن عبد اللطيف ابن ملك، ۲/۱۷۳۲).

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مچھلیوں کی فروخت کے بارے میں درختار کی طویل عبارت نقل کرنے کے

بعد تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ کہ اگر یہ زمین مچھلیوں کے جمع ہونے کے لیے مقرر کر لی گئی ہو تو مچھلیاں صاحب زمین کی ملکوت ہیں دوسروں کو پکڑنے کا حق نہیں، اسی طرح اگر زمین اس لیے تیار تو نہ کی گئی ہو مگر مچھلیوں کے دخول کے بعد نکلنے اور آنے کا راستہ بند کر دیا گیا ہو تب بھی مالک زمین کی ملکوت ہیں۔ (امداد الاحکام: ۳/۳۱۷)۔

درج کردہ عبارات کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ فارم کا مالک اور گورنمنٹ ان جانوروں کے مالک ہیں، لیکن چونکہ مقدور تسلیم نہیں ہیں اس لیے زندہ بھاگنے والے جانوروں کی خرید و فروخت جائز نہیں پھر جب شکاری نے ان کو شکار کیا اور جانور ذبح کیا گیا یا شکار کرتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی تو حلال جانور کی فروخت جائز ہے۔ ہاں شکار کرنے سے قبل بیع کا وعدہ کیا جائے اور شکار کرنے کے بعد وعدہ کا ایفا کر کے مشتری کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور اس وقت قیمت میں نزاع اس لیے نہیں ہوگا کہ ہر جانور کی قیمت پہلے سے متعین ہوتی ہے اور چونکہ مالک جانور کا گوشت بھی مطلوب و مرغوب ہے اس لیے مشتری اس کو خرید لیتا ہے۔

اور غیر مالک اللہ جانور کا گوشت شرعاً و عرفاً نہیں کھایا جاتا اس میں بھی وعدہ کام آئے گا چونکہ مشتری شکاری کو اس کی کھال مطلوب ہے اس لیے فارم کے مالک کی طرف سے وعدہ کیا جائے کہ کھال اتارنے کے بعد آپ ہی کے ہاتھ فروخت کروں گا اور پھر مطلوبہ قیمت سے کھال کو فروخت کر لیں، شیر وغیرہ کو جب بندوق کی گولی سے مارے اور خون بہہ جائے تو دم مسفوح نکلنے سے اس کی کھال مدبوغ کھال کی طرح قابل فروخت ہوگی۔

قال فی الدر المختار: وهل يشترط لطهارة جلده كون ذكاته شرعية بأن تكون من الأهل في المحل بالتسمية، قيل: نعم، وقيل لا، والأول أظهر؛ لأن ذبح المجوسى وتارك التسمية عمداً كلا ذبح، وإن صحح الثاني، صححه الزاهدی فی القنية والمجتبى وأقره فی البحر. (الدر المختار: ۲۰۵/۱، سميع).

ذکر أنه فی المعراج نقل عن المجتبى والقنية تصحيح الثاني ثم قال: وصاحب القنية هو صاحب المجتبى وهو الإمام الزاهدی المشهور علمه وفقهه، ويدل على أن هذا هو

الأصح أن صاحب النهاية ذكر هذا الشرط أى كون الذكاة شرعية بصيغة قيل معزياً إلى الخانية . (البحر الرائق: ۱/۶۰، كوثته، مقاضيه خان على هامش الفتاوى الهندية: ۱/۲۰).

یعنی غیر شرعی ذبح سے کھال کا پاک ہونا اصح قول ہے اور ذبح شرعی کی شرط قیل سے مذکور ہے۔

شامی (۱/۲۰۵، معید) کی ذکر کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ ذبح اختیاری اگر غیر شرعی ہو تو بھی کھال پاک ہو جاتی ہے، اسی طرح ذبح غیر اختیاری یعنی تیر کا مارنا یا گولی کا مارنا غیر اختیاری ہے، تو اگر یہ غیر شرعی ہو یعنی اس کو غیر مسلم نے بغیر بسم اللہ کے یا مسلمان نے بغیر بسم اللہ کے مارا ہو تو اس کی کھال پاک ہو جائے گی اور مذبح کے حکم میں ہو کر اس کی بیع جائز ہوگی۔

نیز اس مسئلہ کی تفصیل جلد پنجم میں کتاب البیوع کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

فارم میں داخلہ کی فیس وصول کرنے کا حکم:

سوال: شکار کرنے والے شکار کے فارم میں جاتے ہیں اس میں شکار کرنے کی جگہ اور دوسرے مناظر ہیں، فارم کا مالک اس میں داخلہ کی فیس وصول کرتا ہے تو کیا یہ فیس لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فارم میں لوگ شکار اور دوسرے مناظر سے متمتع ہوتے ہیں اور عرف بھی یہی ہے، لہذا صورت مسئلہ میں دو وجوہات کی وجہ سے داخلہ فیس لینے کی اجازت ہے۔

پہلی وجہ: مدت اور کرایہ معلوم ہو تو اس کو اجارہ میں شامل کریں گے۔

ملاحظہ ہو شرح مجملہ میں ہے:

يشترط في الإجارة أن تكون المنفعة معلومة بوجه يكون مانعاً للمنازعة. (شرح المحجة:

۵۳۲/۲، للشيخ محمد خالد الاتاسي).

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

عقد الإجارة لا يجوز إلا أن يبين البدل من الجانبين جميعاً أما بيان المنفعة فإحدى

معان ثلاثة بيان الوقت وهو الأجل وبيان العمل وبيان المكان . (خلاصة الفتاوى : ۱۰۳/۳)۔

جواز کی دوسری وجہ: اگر اجارہ تسلیم نہ کریں تو پھر تبرع مشروط میں داخل ہو کر فیس لینا جائز ہوگا۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے داخلہ فیس کو تبرع مشروط اور چندہ میں شمار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مدرسہ میں داخلہ فیس سے متعلق سوال کیا گیا تو جواب میں فرمایا: جائز ہے کیونکہ یہ اجرت نہیں چندہ ہے

اور چندہ میں شرط جائز ہے کیونکہ اس جبر لازم نہیں آتا جس کو شرط منظور نہ ہوگی اس کو عدم داخلہ کا اختیار ہوگا۔

ودليله أنه صلى الله عليه وسلم قال لمن أضافه وعائشة رضي الله تعالى عنها قال : لا

قال : فلا إذن ، حتى قال في الثالثة : وعائشة ، قال : فنعم . (امداد الاحکام : ۶۰۶/۳)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد پنجم، باب الاجارۃ، و باب الہیۃ تبرع مشروط)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

شکار کے لیے زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا:

سوال: اکثر لوگ مچھلیاں پکڑنے کے لیے زندہ کیڑوں کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ اس کی وجہ سے مچھلی

بہت جلد آسانی سے پکڑی جاسکتی ہے کیا محض مچھلی پکڑنے کی غرض سے زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا درست ہے

یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ زندہ کیڑوں کو استعمال کرنا درست نہیں ہے بلکہ ان کو مار کر استعمال کرنا

چاہئے کیونکہ اس میں جاندار کو اذیت پہنچانا ہے اور یہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو دور مختار میں ہے:

ویکرہ تعلیم البازی بالطیر الحی لتعذیبه ، (الدر المختار : ۴۷۴/۶ ، باب الصید، سعید)۔

عامگیری میں ہے:

ویکرہ تعلیم البازی بالطیر یاخذہ ویعذبه ولا بأس بأن یعلم بالمذبوح . (الفتاویٰ الہندیہ:

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وکل طریق أدى الحيوان إلى تعذيب أكثر من اللازم لإزهاق روحه فهو في النهي ومأمور بالاجتناب عنه. (تکملہ فتح الملہم: ۳/ ۵۴۰ باب الامر بحسان الذبح).

قال الحافظ في الفتح في باب ما يكره من المثلة والمصورة ... وفي هذه الأحاديث تحريم تعذيب الحيوان الآدمي وغيره. (فتح الباری: ۹/ ۴۴۵ ط: لاہور).

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: ایک کیڑے کو جس کا نام گھینسا ہے اس کو توڑ توڑ کر اور کانٹے میں لگا کر شکار مائی کا کرتے ہیں پس ایسا شکار کرنا اور اس مچھلی کا کھانا کیسا ہے؟

جواب: اول اس کو مار کر پھر ٹکڑے کر کے کانٹے میں لگانا درست اور زندہ کو لگانا منع ہے کہ اذیت ذی روح کی مکروہ تحریمہ ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۳۵ ط: لاہور)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

اگر کیچوے کو اول مار دیا جائے پھر اس سے شکار کیا جائے جائز ہے، اس وقت ایک شکاری نے بیان کیا کہ مردہ کیچوے سے بھی ویسی ہی مچھلی آتی ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۵۵۷)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کیچو اگر مار کر کانٹے میں لگا کر شکار کیا جائے تو یہ فعل درست ہے۔ زندہ جانور کو کانٹے میں لگا کر شکار کرنا ممنوع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/ ۲۱۸، ۲۱۹ جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ بچہ کے شکار کا حکم:

سوال: اگر کسی نابالغ بچہ نے شکار کیا تو والدین وغیرہ اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بچہ نے بسم اللہ پڑھی اور ہوشیار ہے تو والدین اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مچھلی کا شکار کیا جس میں تسمیہ کی ضرورت نہیں تو اس میں سے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر نابالغ بچہ تسمیہ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا ہے تو شکار حلال نہیں ہوگا اور کسی کے لیے کھانے کی گنجائش نہیں ہوگی، البتہ اگر نابالغ بچہ ہوشیار اور سمجھدار ہو، تسمیہ بھی اچھی طرح جانتا ہو اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے یا شکار کرے تو اس کا ذبیحہ اور شکار حلال ہوگا، اور چھلی کے شکار میں تسمیہ کی ضرورت و حاجت نہیں۔ پھر عرف کی وجہ سے والدین کے لیے کھانے کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ينبغي أن يكون الصيد من أهل الذكاة وذلك بأن يعقل الذبح والتسمية حتى لا يؤكل صيد الصبي والمجنون إذا كانا لا يعقلان الذبح والتسمية . (الفتاوى الهندية: ۵/ ۴۲۱).

ہدایہ میں ہے:

إذا كان يعقل التسمية والذبحه يضبط وإن كان صبياً أو مجنوناً أو امرأة أما إذا كان لا يضبط ولا يعقل التسمية فالذبحه لا تحل لأن التسمية على الذبيحة شرط بالنص وذلك بالقصد وبما ذكرنا . (الهداية: ۴/ ۴۳۴).

تحفة الملوک میں ہے:

والصبي والمجنون ، والسكران ، إن كان يقدر على الذبح ، ويعقل التسمية ، حل وإلا فلا . (تحفة الملوک ، ص ۲۱۶ ، دلائل البشائر الاسلامیة).

الدر المختار میں ہے:

ويباح لو اذنيه أن يأكل من مأكول وهب له وقيل لا ، فأفاد أن غير المأكول لا يباح لهما إلا لحاجة . وفي رد المحتار : قال في التاترخانية : روى عن محمد نصاً أنه يباح . (الدر المختار مع فتاوى الشامی: ۵/ ۶۹۶ ، سعید).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد پنجم، ابواب الہیۃ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# إبراز الدقائق فی حکم صید البنادق



## ”إبراز الدقائق في حكم صيد البنادق“

### بندوق سے شکار کا حکم

**سوال:** شکار والی بندوق سے شکار کیا جائے اور مارتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے تو شکار حلال ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل۔

**الجواب:** مسئلہ مذکورہ بالا میں علماء کا اختلاف ہے کہ شکار والی بندوق سے بسم اللہ واللہ اکبر پڑھ کر شکار کیا جائے اور جانور مر جائے، ذبح اختیاری کا موقع نہ ملے تو جانور حلال ہوگا یا نہیں؟ احادیث، شروحات و فقہائے کرام کی عبارات اور بعض مفتیان کرام کے فتاویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ حلال ہونا چاہئے۔ اس وجہ سے کہ ذبح اضطراری میں جرح، انہار الدم اور تسمیہ عند الرمی، یہ چیزیں ضروری ہیں یہ چیزیں پائی جائیں تو شکار حلال ہو جاتا ہے اور شکار والی بندوق میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں، اس میں جرح بھی ہے اور انہار الدم بھی ہوتا ہے، اور ان چیزوں کی تفصیلات عنقریب سپردِ قریطاس کردی جائیں گی۔

بطور استیناس واستشہاد آیات اور احادیث ملاحظہ فرمائیں:

قال الله تعالى: ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ﴾ [الأنعام: ۱۱۸]۔

وقال أيضاً: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ﴾ [الأنعام: ۱۲۱]۔

عن عدي بن حاتم رضي الله تعالى عنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم:

إذا أرسلت كلبك فاذا ذكر اسم الله... وإذا رميت بسهمك فاذا ذكر اسم الله... الخ. متفق

علیه.

وعنه قال: قلت يا رسول الله! إنا نرسل الكلاب المعلمة قال: كل ما أمسكن عليك قلت: وإن قتلن قال: وإن قتلن، قلت: إنا نرمي بالمعراض قال: كل ما خزق وما أصاب بعرضه فقتل فإنه وقيد فلا تأكل. (متفق عليه-مشکوٰۃ المصابيح: ۲/۳۷۵).

### حدیث پاک کی تشریح:

احادیث میں شکار سے متعلق چند الفاظ وارو ہوئے ہیں مثلاً سهم، معراض، خزق، وقید وغیرہ، چونکہ حلت و حرمت کا مدار انھیں الفاظ پر موقوف ہے لہذا بطور تمہید ان الفاظ کی مختصر وضاحت حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

معراض کی تعریف اور اسکی اقسام:

ملاحظہ ہو ملا علی قاریؒ مرقات میں فرماتے ہیں:

”قلت: إنا نرمي بالمعراض“ هو السهم الثقيل الذي لا ريش له ولا نصل ذكره ابن الملك وهو كذا في النهاية وفي المغرب سهم لا ريش عليه يمضى عرضاً فيصيب بعرض العود لا بحده وفي القاموس كمحراب سهم بلا ريش رقيق الطرفين غليظ الوسط يصيب بعرضه دون حده وقال النووي: خشبة ثقيلة أو عصا في طرفها حديدة وقد تكون بغير حديدة هذا هو الصحيح في تفسيره وقال الهروي: هو سهم لا ريش فيه ولا نصل وقيل: سهم طويل له أربع قدد رفاق فإذا رمى به اعترض وقيل: هو رقيق الطرفين غليظ الوسط إذا رمى به ذهب مستوياً ويصح إرادة الكل كما لا يخفى ويدل عليه الجواب. (مرقاۃ: ۸/۱۰۹)

### خزق اور نفل کی تشریح:

قال: ”كل ما خزق“ أى نفل ذكره السيوطي وفي النهاية خزق السهم أصاب الرمية ونفل فيها وقال النووي: خزق معناه نفل وقال بعض الشراح من علمائنا: الخزق الطعن وهو الظاهر ويؤيده ما في القاموس: خزقه طعنه والخازق السنان ومن السهام المقرطس وفيه

رمی فقرطس اى اصاب القرطاس فالمعنى كل ما جرح وقتل وهو ما اصاب بحده . (مرقاۃ)۔  
مولانا وحید الزمان کیرانوی ” لغات الحدیث “ میں فرماتے ہیں:

”خزق“ کو چنچا، مارنا، گھس جانا، پار نکل جانا۔ ”كل ما خزق...“ الخ۔ عدی بن حاتم نے کہا یا رسول اللہ! ہم بے گنسی کا تیر جس میں لوہے کی نوک نہیں ہوتی (عربی میں اس کو معراض کہتے ہیں) اس سے شکار کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ جانور میں نوک کی طرف سے گھس جائے تو اس کو کھا اور اگر عرض کی طرف سے پڑے اور جانور اس کی چوٹ سے مر جائے تو اس کو مت کھا۔

عرب لوگ کہتے ہیں: ”سهم خازق“، تیر گھس جانے والا۔

”لا تأكل من المعراض إلا أن يخزق“ معراض کا شکار مت کھا مگر جب وہ جانور میں نوک کی طرف سے گھس جائے۔ (لغات الحدیث، جلد اول، کتاب خ، ص ۴۱)۔

موقوفہ کی وضاحت اور اس کا حکم:

”فإنه وقيد“ اى موقوف مضروب ضرباً شديداً بعضاً أو جرح حتى مات قال السيوطي:  
ما قتل بعضاً أو جرح أو ما لا حد له قال النووي: الوقيد والموقوف هو الذى يقتل بغير محدد من عصا أو جرح أو غيرهما واتفقوا على أنه إذا اصطاد بالمعراض فقتل الصيد بحده حل وإن قتله بعرضه لم يحل وقالوا: لا يحل ما قتله بالبندقة مطلقاً لحديث المعراض وقال مكحول والأوزاعي وغيرهما من فقهاء الشام يحل ما قتل بالمعراض والبندقة .

وفى الشمنى: روى أصحاب الكتب الستة عن عدی ابن حاتم قال: قلت يا رسول الله إني أرمي بالمعراض الصيد فأصيد قال: إذا أصاب بحده فكل وإذا أصاب بعرضه فقتل فلا تأكل فإنه وقيد قال: ولأنه لا بد من الجرح ليتحقق معنى الزكاة وعرض المعراض لا يجرح ولذا لو قتله ببندقة ثقيلة ذات حدة حرم الصيد لأن البندقة تكسر ولا تجرح فكانت كالمعراض أما لو كانت خفيفة ذات حدة لم يحرم ليتقن الموت بالجرح فلو رمى صيداً بسكين أو بسيف إن أصابه بحده أكل وإلا لا ولو رماه بحجر إن كان ثقیلاً لا يؤكل وإن

جرح لا حتمال أنه قتل بثقله وإن كان خفيفاً وبه حدة وجرح يؤكل ليتيقن الموت بالجرح والأصل هنا أن الموت إن حصل بالجرح يبين يؤكل وإن حصل بالثقل أو شك فيه لا يؤكل حتماً أو احتياطاً. انتهى. (المرقاۃ شرح المشكاة للعلامة القاری: ۸/ ۱۰۹ ط: إمدادیه، ملتان).

ذبح اضطراری کا رکن اور اسکی شرائط:

قال الإمام محمد في "الزيادات" (۶/ ۲۱۸ ط: المجلسس العلمی): الذکاة نوعان ...

واضطراري وهو الجرح مع التسمية ممن هو أهل الذکاة في أى موضع كان .

ثم التسمية فى الصيد تشترط عند الإرسال والرمي وهو على الآلة لأن المقدور هو الرمي والإرسال دون الإصابة فيشترط عند فعل يقدر عليه. (الهداية: ۴/ ۴۳۶).

وأما الاضطرارية فركنها العقر وهو الجرح فى أى موضع كان وذلك فى الصيد وما هو فى معنى الصيد وإنما كان كذلك لأن الذبح إذا لم يكن مقدوراً ولا بد من إخراج الدم لإزالة المحرم وتطيب اللحم وهو الدم المسفوح على ما بينا فيقام سبب الذبح مقامه وهو الجرح على الأصل المعهود فى الشرع من إقامة السبب مقام المسبب عند العذر والضرورة ... الخ. (بدائع الصنائع: ۵/ ۴۳، سعيد).

أما الذکاة الاضطرارية فوقتها (أى التسمية) وقت الرمي والإرسال لا وقت الإصابة لقول النبي صلى الله عليه وسلم لعدي بن حاتم رضى الله عنه حين سأل عن صيد المعراض والكلب إذا رميت بالمعراض وذكرت اسم الله فكل إلى قوله ولا تقع التسمية على السهم والكلب إلا عند الرمي والإرسال فكان وقت التسمية فيها هو وقت الرمي والإرسال والمعنى هكذا يقتضي وهو أن التسمية شوط والشرائط يعتبر وجودها حال وجود الركن لأن عند وجودها يصير الركن علة كما في سائر الأركان مع شرائطها هو المذهب الصحيح على ما عرف في أصول الفقه.

والرکن فى الذکاة الاختيارية هو الذبح وفى الاضطرارية هو الجرح وذلك مضاف

إلى الرامي والمرسل وإنما السهم والكلب آلة الجرح والفعل يضاف إلى مستعمل الآلة لا إلى الآلة لذلك اعتبر وجود التسمية وقت الذبح والجرح وهو وقت الرمي والإرسال ولا يعتبر وقت الإصابة في الذكاة الاضطرارية لأن الإصابة ليست من صنع العبد لا مباشرة ولا سبباً بل محض صنع الله عز وجل يعني به مصنوعه هو مذهب أهل السنة والجماعة... الخ .  
(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۵/ ۴۹، سعيد).

إن شرط ذكاة الصيد: الجراحة وإسالة الدم. (احکام القرآن للامام الحصاص: ۲/ ۳۰۴).

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ تیر چلاتے وقت تسمیہ پڑھ لیا تو شکار حلال ہو جائیگا، لیکن اصل بات یہ ہے کہ شکار والی بندوق سے کیا ہوا شکار حلال ہو گا یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ لیکن احادیث کی شروحات اور عبارات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال ہونا چاہیے اس وجہ سے کہ ذبح اضطراری میں صرف جرح اور انہار الدم اور تسمیہ عند الرمی یہ چیزیں ضروری ہیں یہ چیزیں پائی جائیں تو شکار حلال ہو جاتا ہے اور بندوق میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں اس میں جرح بھی ہے اور انہار الدم بھی ہوتا ہے، پھر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے ایک جزئیہ میں بھی بندوق کا حکم شامل ہو سکتا ہے:

فرمایا: لو قتل ببندقية خفيفة ذات حدة لم يحرم لتيقن الموت بالجرح. اور جو گولی خاص شکار کیلئے ہوتی ہے اس گولی کی بھی تیز نوک ہوتی ہے اور جرح کرتی ہے، جیسا کہ شکار کرنے والوں کا کہنا ہے اور جس بندوق پر فقہاء نے بحث فرمائی ہے وہ اُس زمانہ کا بندوق تھا اس زمانہ کا بندوق مرا نہیں ہے، جس کی تفصیل بھی عنقریب ذکر کی جائیگی۔

بندوق سے شکار کی حلت فقہاء کی عبارات اور مفتیان کرام کے فتاویٰ کی روشنی میں:

(۱) علامہ شیخ محمد عابد سندی صاحب طوابع الانوار حاشیہ علی الدر المختار کا مستقل رسالہ ”حلة المصيد بالبندقية الرصاصية“ کے نام سے شائع ہوا ہے، علامہ نے جواز کے فتاویٰ نقل کرنے کے ساتھ علامہ ابن نجیم کے فتوے کا جواب بھی نقل فرمایا ہے۔ فائدہ کی خاطر سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ شیخ فرماتے ہیں:

... فهی مسألة سئل عنها ابن نجيم صاحب البحر فأجاب في فتاويه بالحرمة، بناء

علیٰ أنها موقوذة .

واقتمدی به علامة السند الشیخ محمد هاشم السندی فعلى هذا لو أدرکها وفيها حياة خفيفة و عجز عن التذكية بأن لم يجد آلة وضاق الوقت فماتت ففي متن الوقاية والتنوير إشارة إلى عدم حل أكلها كما نقله في الدرالمختار عن المنح ، وهو المروى عن أبي حنيفة وأبي يوسف كما في جامع الرموز والدرر .

وصرحا بأن ذلك خلاف ظاهر الرواية ، لكن الذى يفهم من عبارة التنوير وغيره حل المجروحة بالسند الرصاصي مطلقاً ماتت قبل إدراك الصائد أو بعده إن وجدت فيها حياة المذبوح ، وذلك أنهم فرقوا بين البندقة الثقيلة والخفيفة فقالوا: ولو كانت خفيفة بها حدة حل لقتلها بالجرح حينئذ ، ولو لم يجرحه لا تؤكل مطلقاً ، كذا في الدرر .

وكذلك قال الشيخ المحقق عثمان الشامي مدرس المدينة المشرفة وعلامتها المرجع إليه في الفتيا ومقتمدی المشايخ في وقته (١٢١٤هـ) في مؤلفاته سماه قوت القلوب في الفقه شرحاً ومتناً في آخر كتاب الصيد ما لفظه :

واعلم أن مدار حل الصيد حصول الجرح بأى شيء حصل الجرح كما أن شرط حل الذبيحة قطع أكثر العروق بأى شيء حصل القطع ، ولو بنار ، كما في الحصكفي أو بلبطة أو مروءة كما في المتون ، فعلى هذا فما يقتل بالرصاصه يحل لأنه مقتول بالجرح كما لا يخفى على أهل الدراية لأن الرصاصه تقتل الفيل وينفذ من جانب إلى جانب ومعلوم أن ذلك إنما يحصله بسبب الجرح الحاصل بحددة الرصاص الحاصلة من مس النار .

فإن النار من المحدد بقرينة أن من قتل شخصاً بالنار يقتص منه لأن النار تفرق البدن وهو المراد بقولهم المحدد فإذا كانت مفارقة كانت جارحاً لأن الجرح أثر التفريق ، فثبت أن المقتول بالرصاصه مقتول بالجرح بالمحدد .

غاية ما في الباب أن الحدة في الرصاصه إنما حصلت بمجاورة النار في نفسها ولا

تأثیر لذلك لا أن القتل بالثقل، كما كنت أقول به أولاً، ويقول به بعض قاصري الأذهان ألا ترى أن الرصاصة لو خرت من السماء ووقعت على حيوان ما قتله بثقلها لأن المراد بالقتل بالثقل: القتل الحاصل بالندق إذا كانت البُنية لا تحتل الثقل والقتل بالرصاصة لا يحصل بالندق بلا مزية وإنما اشتبه على بعض القاصرين من اشتراك المحدد في اسم البندقة بما قاله الفقهاء من أن الصيد بالبندقة لا يحل مرادهم بها الطين المدور الذي يرمى بالقوس فلا يفرق الأجزاء فيقتل الصيد بثقله حتى قالوا أيضاً لو كان للبندقة حدة وعلم أنه قتل بحدتها يحل وليس مرادهم بها الرصاصة أو أعم منها لما علمت أن العاقل لا يقول أن البندقة الرصاصية هي تقتل بثقلها لا بحدتها .

فمن يدعى أن الصيد مقتول بعمل الرصاصة لا يلتفت إليه، لأنه إنكار المحسوس وخروج عن دائرة المعقول والمنقول .

فإن قلت: لِمَ لَمْ يتكلم الفقهاء على الرصاصة صريحاً ؟

قلت: لأنها لم تكن في زمانهم وإنما هو شيء محدث بعد انقطاع عصرهم وقد صرحوا بحكمها في قولهم ذكاة الاضطراب جرح في أى موضع وقع بأى جرح كان والرصاصة جارحة بسبب النار كما قد علمته وقد كنت قررت ذلك ولم أره ثم وجدته مكتوباً بهامش كتاب بعض الإخوان نقلاً عن بعض علماء مكة المشرفة فحمدت الله تعالى حيث لم انفرد بحل هذه المسألة، انتهى .

ونقل الشيخ أحمد حماد الحنفى علامة عصره من علماء جدة والعلامة خير الدين إلياس في فتاويه وهو من علماء المدينة المشرفة كلاهما عن العفيف الكازرونى أنه قال في فتاويه في جواب من سأله عن المقتول ببندقة الرصاص فقال: أفتى العلامة ابن نجيم في فتاويه بحرمة صيد بندقة الرصاص .

وفى شرح الهداية للعلامة العيني ما يفيد حله فتأمل ، وعليه الفتوى انتهى .

ثم انى لما اطلعت على هذا المنقول راجعت البناية على الهداية للعلامة العيني فوجدت فيها ما لفظه : ولا خلاف فى سائر آلات الجراحة أنها إن قتلته بعرضها ولم تجرح لا تحل، وإن جرحت تحل، لأنها إذا لم تجرح فإنها تقتل بثقلها فأشبه ما أصاب بعرض المعارض انتهى .

ولعل هذا مأخذ العفيف . وقد سئل العلامة حسين بن علي الطوري [وهو محمد بن الحسين بن علي الطوري الحنفى م ۱۱۳۸ هـ، وله " الفواكه الطورية فى الحوادث المصرية " ] عن الصيد : ان قتل بالبندقية الرصاصية هل يحل ذلك الصيد أم لا ؟ فأجاب بما حاصله أنه ذكر فى الكنز وما قتله المعارض أو البندقية حرم .

وفى الينابيع وإن رماه بالمعارض فجرحه أكل كيف ما أصابه وكذلك البندقية والحجر والعودة ، ثم قال بعد هذين النقلين ، فعلى هذا يحمل كلام صاحب الكنز على البندقية من الطين وكلام الينابيع على البندقية من الرصاص ونقل عن المختار أنه قال : ولا يؤكل ما قتله البندقية والحجر والعصا والمعارض بعرضه فإن خرق الجلد بحده أكل .

ثم قال فهو موافق لمافى الينابيع ثم قال أيضاً : أقول : فى شرح الهداية للعلامة العيني ما يفيد حل مصيدة بندقية الرصاص فليراجع ، انتهى ملخصاً .

وقد ذكر العلامة أبو السعود فى طلاق فتح المعين حاشية المسكين أن الفتاوى الزينية لا يوثق بها إلا إذا تأيدت بنقل ذلك عن مستقل شيخه علي .

حلیۃ مصیدة الرصاص عولت فى طوابع الأنوار شرحی علی الدر المختار واللہ تعالیٰ أعلم .  
یاد رہے کہ علامہ عابد انصاری سندھی بڑے محقق عالم ہیں اور فقہ اور حدیث کے ماہر ہیں اور ہمارے شیخ المصباح حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کے شیخ و استاذ ہیں اور علامہ شامی کے معاصر ہیں ، شیخ سائیکد اش نے ان کے حالات پر ۵۶۰ صفحات پر مشتمل ایک مستقل کتاب " الإمام الفقیہ المحدث الشیخ محمد عابد السندی الأنصاری رئیس علماء المدینۃ المنورۃ فی عصرہ " کے نام سے تصنیف فرمائی ہے۔



(۲) مفتی دمشق، شام علامہ شیخ محمود بن محمد الحرمی اوی الحنفی الحسینیؒ کا تفصیلی فتویٰ جو رسالہ کی شکل میں ”فتویٰ الخواص فی حل ما صید بالرصاص“ کے نام سے شائع ہوا ہے۔ افادہ کی خاطر سپرد قرطاس کیا جاتا ہے، اس رسالہ میں تمام اشکالات کو بھی حل کیا ہے اور ہندوق کے شکار پر بڑی اچھی تحقیق فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو تمام مسلمانوں کے طرف سے بہترین جزا و بدلہ عنایت فرمادیں۔ آمین۔ ملاحظہ ہو فرمائیں:

قال: وقد سنلت عن مأكول اللحم من الطير وغيره إذا سمى الصيد ورماه بالرصاص، أو ما يسمونه: الخُرْدُق [كلمة أصلها من التركية عن الفارسية: خرده، وأصل معناه: الصغير من القطع المعدنية وغيرها، ثم استعمل لدى اختراع السلاح الناري في حب الرصاص الصغير، والواحدة: خُرْدُقَة] فوق ميتاً، ولم يتأخر الصيد عن طلبه، فهل يقوم الجرح مقام ذكاته كالسهم أم لا؟ أفيدونا مأجورين.

فأجبت: الحمد لله وحده، نعم يقوم الجرح مقام ذكاته، ولا فرق بين ما رمى بالرصاص أو الخردق، وما رمى بالسهم، كما أفتى بذلك مفتي السلطنة علي أفندي، والمسألة في فتاويه من كتاب الصيد. وفي فتاوى المولى أبى السعود العمادى [هذا ليس هو أبوالسعود العمادى المصرى صاحب فتح المعين شرح منلا مسكين م ۱۱۷۲ھ] ما نصه:

”هل يؤكل لحم الصيد الذى رمى ببندق الرصاص بعد التسمية؟  
الجواب: ”إذا جرحه يؤكل“.

ونص أبو السعود على هذا فى موضع آخر من فتاواه.

وفى ”الفواكه“ سنلت عن الصيد إذا قتل ببندق الرصاص، هل يحل أم لا؟  
أجبت: يحل، وإن قتله ببندق الطين لا يحل.

وفى الكا زرونية ما نصه: وفى شرح الهداية للعينى ما يفيد حل الصيد ببندق الرصاص، والله تعالى أعلم.

ورأيت أيضاً فى رسالة مستقلة لمنلا على التركمانى، ونصه: بسم الله الرحمن

الرحیم۔ الحمد لله رب العالمین، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين .

فاعلم أن مدار حل الصيد حصول الموت بالجرح بأى شيء حصل الجرح، كأن شرط حل الذبيحة قطع أكثر العروق بأى شيء حصل القطع، ولو بنار كما فى الحصكفى أو بلبطة [نرکل، بانس وغيره کا چھکا جو چٹا رہتا ہے] أو مروءة [ایک سخت قسم کا پتھر]، كما فى المتن .

فعلى هذا فما يقتل بالرصاصة يحل، لأنه مقتول بالجرح، كما لا يخفى على أهل الدراية، لأن الرصاصة تقتل الفيل، وتنفذ من جانب إلى جانب، ومعلوم أن ذلك إنما يحصل بسبب الجرح الحاصل بحدة الرصاصة الحاصلة من مساس النار، فإن النار من المحدد، بقريئة أن من قتل شخصاً بالنار يقتص منه، لأن النار تفرق البدن، وهو المراد بقولهم: [المحدد] فإن كانت مفارقة كانت جارحة، لأن الجرح أثر التفريق .

فثبت أن المقتول بالرصاصة مقتول بالجرح، غاية ما فى الباب أن الحدة فى الرصاصة إنما حصلت بمجاورة النار، لا فى نفسها، ولا تأثير لذلك بالثقل، كما يقول به بعض قاصرى الأذهان .

ألا يرى أن الرصاصة لو خرت من السماء، ووقعت على حيوان ما قتلته بثقلها، لأن المراد بالقتل بالثقل: القتل الحاصل بالدق إذا كانت البنية [دھانچہ، ٹکڑ] لا تحمل الثقل .

والقتل بالرصاصة لا يحصل بالدق بلا مرية، وإنما اشتبه على بعض القاصرين بين اشتراك المحدد فى اسم البندقة، فما قال الفقهاء: إن صيد البندقة لا يحل، مرادهم بها: الطين المدور الذى يرمى بقوس، فيقتل الصيد بثقله .

حتى قالوا: لو كان للبندقة حدة، وعلم أنه قتل بحدتها: يحل، وليس مرادهم بها الرصاصة أو أعم منها، لما علمت أن العاقل لا يقول: إن البندقة الرصاصة يقتل بثقلها لا بحدتها، فمن يدعى أن الصيد مقتول بثقل الرصاصة، لا يلتفت إليه، لأنه إنكار للمحسوس، وخروج عن دائرة المعقول .

وإنما لم يتكلم الفقهاء على الرصاصة ، لأنها لم تكن في زمانهم ، وإنما هي شيء محدث بعد انقطاع عصرهم وتدخل تحت قولهم: ذكاة الاضطراب جرح في أى موضع وقع بأى جرح كان. والبندقية (الرصاصية) جارحة بسبب النار، [وليس الأمر كذلك كما سيأتى] كما أعلمناك، والله أعلم .

الحمد لله الذى هدانا لهذا ، وما كنا لنهتدى لولا أن هدانا الله ، ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور، انتهى كلامه .

وفي فتاوى شيخ الإسلام على أفندى من كتاب الصيد ما نصه: الصياد (زيد) إذا رمى حيواناً من الحيوانات التى يؤكل لحمها بالبندق مع التسمية وجرحه ، لكنه لما وصل إلى هذا الصيد مات من الجرح قبل أن يذبحه . هل يجوز أكله ؟  
الجواب: نعم .

قال فى الهداية فى فصل الرمي:

”والأصل في هذه المسائل أن الموت إذا كان مضافاً إلى الجرح بيقين ، كان الصيد حلالاً ، وإن كان مضافاً إلى الثقل بيقين ، كان حراماً ، وإن وقع الشك ، ولا يدرى مات بالجرح أو الثقل ؟ كان حراماً احتياطاً“ . انتهى كلامه .

أقول: وإن يكن حكمه [أى حكم الشيخ على التركمانى] مسلماً ، لكن ينظر فى تعليقه وقوله : (إن الرصاص قاتل بناريته) . أى فيه نظر .

فليس كذلك ، والرصاص إنما هو قاتل مفرق الأجزاء بالقوة القاذفة بواسطة الهواء المستقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود ، والبارودة والبارود كلاهما آلة لحصول القوة القاذفة ، وانحصارها بواسطة البارودة أو المدفع أو غير ذلك من الآلات .

ولا يشكل عليك حرارة الرصاص ، أو الكُلة [كرة من حديد يلعب بها و يقذف بها] أو إحراقها في وقت ما ، لما تنفذ فيه ، فإن هاتيك الحرارة إنما هي من مصادمتها للأجزاء

الھوائیۃ بحسب سرعۃ حرکتھا ، و بعد مسافتھا لا غیر .

وہذا من الأمور البدیہیۃ عند أهل ذلك الشأن ، والدلیل علی ذلك أننا لو فرضنا وضع حبة من الجمد الذی هو بعيد عن الناریۃ فی بارودۃ محل الرصاص ، وأثرنا تلك البارودۃ إلى حیوان ، لنفذت تلك القنڈقۃ من الجمد فی ذلك الحیوان ، و فرقت أجزاء ہ .  
أفیقول أحد : إنها فرقت أجزاء ہ بناریتھا ؟ .

لا ، بل إنما هو بسبب القوة القاذفة ، كما قلنا .

والمطلوب لأجل حل الصيد إنما هو الجرح قصداً عند عدم إمكان الذکاة بما یخزق ویفرق الأجزاء ، ویمکن فیہ إنہار الدم .

و أما احترازہم عن صید البندقة - وھی ما عمل من الطین ، ورمی بہ بقوس أو نفیس - والحجر والمعرض والعصا ، وما أشبه ذلك ، وإن جرح فلعدم الخزق .

قال قاضیخان : ولا یحل صید البندقة والحجر والمعرض والعصا ، وما أشبه ذلك ، وإن جرح لأنه لا یخزق . (فتاویٰ قاضیخان: ۳/ ۳۶۰).

فالمطلوب الخزق وإنہار الدم بأی شیء کان ، وهو المراد بقولہم : (المحدد)، أی ما یفرق الأجزاء ، ویخزق ویریق الدم ، وهذه الأوصاف فی الرصاصۃ والخردق علی أكمل وجه ، فلا شبهة أن ما صید بہما ، ولم یدرک حیاً ، حل أكله بشروطه ، واللہ أعلم . (فتویٰ الخواص فی حل ما صید بالرصاص ، المندرجۃ فی آخر منیۃ الصیادین ، ص ۱۹۲ - ۱۹۸ ط: دار البیضاء الاسلامیۃ).

(۳) علامہ عینی کا میلان بھی جواز کی طرف ہے جیسا کہ بحوالہ علامہ سندھی مذکور ہوا مزید ملاحظہ ہو بحوالہ

فخر الاسلام فرماتے ہیں:

( قال ولا یؤکل ما أصابہ البندقة فمات بہا ) أی قال (الإمام) القدوری ، والبندقة طینۃ مدورۃ یرمى بہا ، ویقال لہا : الجلاہق ... ولا خلاف فی سائر آلات الجراحۃ أنها ... وإن جرحت تحل ... و ذکر فخر الإسلام فی شرح الزیادات فی باب الصيد : ویحل أكله

إذا رمى فأصاب غيره، لأن الحجر والبندقية إذا جرح حل. (البنایة فی شرح الہدایة: ۱۱/۲۲، فصل فی الرمی، مکتبۃ رشیدیہ).

(۴) علامہ مولانا ابوسعید محمد بن مصطفیٰ بن عثمان الخادمی حاشیۃ الدرر میں جواز تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

و اما الرصاص الذى يرمى بآلة معتبرة عنها بالتركية بتوفتك فيحل ماقتل به ... الخ .  
علامہ ابن نجیم مصریؒ نے عدم جواز تحریر فرمایا ہے اس کا جواب بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

و بما ذكره يظهر وجه ما ذكر في فتاوى ابن نجيم أنه لا يحل صيد بندقية الرصاصى انتهى، وهو أنه لاحدة لها فلا يحصل بها الجرح بالمعنى المعتبر في حل الصيد على ما مر ومنعه سفسطة للحس كيف لا والرصاص لو اتخذ منه سكين لا يتصور به القطع انتهى، وقد علمت مما ذكر أن تعلق الحل بما قتل بالرصاص إنما هو لكون مقتولة مقتولاً بالنار | وليس الأمر كذلك والرصاص إنما هو قاتل ومفرق الأجزاء بالقوة الفاذقة] و البندقية فى الحديث ليس كذلك ويمكن أن ما نقل عن ابن نجيم يجوز أن لا يكون ما يرمى بالآلة المعروفة المعهودة بأن يرمى بآلة لا تكون فيها عمل النار . (حاشية الدرر على الغرر، ص ۱۳۴، كتاب الصيد، مطبعة عثمانية).

(۵) علامہ رافعیؒ نے بحوالہ خادمی اور علامہ سندھی جواز تحریر فرمایا ہے۔ علامہ رافعیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

نقل الخادمي في حواشي الدرر عن فتاوى على أفندي الحل معللاً بأن النار تعمل عمل الذكاة في الحيوان حتى لو قذف النار في المذبح فاحترقت العروق يؤكل لكن ينبغي أن يحمل على ما إذا سال الدم حتى إذا الجمد ولم يسأل لا يحل إلى آخر ما ذكره فانظره وسيأتى للمحشى في الجنايات أن القتل بالبندقية الرصاص عمداً لأنها من جنس الحديد وتجرح فيقتص به لكن إذا لم تجرح لا يقتص به على رواية الطحاوى انتهى، ومقتضاه حل الصيد بها تأمل، وما ذكره السندی هنا مؤيد للحل وأنه لا شبهة فيه. (التحرير المختار: ۶/۳۱۵، سعيد).

(۶) قال الشيخ أسعد محمد الصاغر جي في "الفقه الحنفى وأدلته" (۱۹۶/۳)، كتاب

(الصید): والصید بالبندقية مثل الصيد بالسهم. انتهى .

(۷) علامہ شیخ محمد بن عبداللطیف ابن ملک شرح تحفۃ الملوک میں فرماتے ہیں:

ولا يحل الصيد بالبندقية وهي: طينة مدورة يرمى بها؛ لأنها لا تجرح بل يدق و يكسر... قال: في الكنز وما قتله المعراض بعرضه أو البندقية حرم .

وقال في الينابيع: وإن رماه بمعارض فجرحه أكل كيف ما أصابه، وكذلك البندقية والحجر، والعودة، فيحمل كلام صاحب الكنز على البندقية من الطين، وكلام الينابيع على البندقية من الرصاص. انتهى . وقال الشيخ عبدالمجيد الدرويش في تعليقات شرح التحفة: قوله البندقية من الرصاص، وهو محدد بجرح . (شرح تحفة الملوك مع التعليقات ۱۷۱۸/۲).

(۸) فتاویٰ زبیریہ میں علامہ ابن نجیم نے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن تعلیق میں محشی شیخ سعید بن سالم بن مسعود الغامدی فرماتے ہیں راجح قول جواز کا ہے۔ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

سنل (أى العلامة ابن نجيم) عمن اصطاد طيوراً بالبندق الرصاص والطين هل يحل أكلها أم لا ؟

فأجاب: لا يحل أكلها. قال المحقق: والراجح القول بحله لأن البندقية في معنى المحدد ويحمل قول الجمهور على أن البندقية التي كانت في عهدهم كانت تختلف في القوة و السرعة عن البندقية الموجودة فلم تكن في معنى المحدد كالبندقية اليوم فقالوا: بعدم حله . (الفتاوى الزينية، مع التعليقات، ص ۶۳، ط: دار كنوز اشبيليا).

أقول: وقد تقدم أن "الفتاوى الزينية" لا يوثق بها ما لم تأيدت بنقل آخر كما قاله ابوالسعود العمادى المصرى فى فتح المعين على مثلا مسكين (۱۳۶/۲، قبيل باب تفويض الطلاق، ط: سعيد).

(۹) قال فى "الجوهرۃ النيرة" (۲۷۴/۲): ثم البندقية إذا كان لها حدة تجرح به أكل .

(۱۰) وہابی سلیمان عاویجی "الكافى فى الفقه الحنفى" میں بحوالہ "فتاوى الخواص" تین

فتاویٰ (۱) فتویٰ مثلاً علی الترمذی (۲) فتویٰ ابی السعد العمادى (۳) فتویٰ الطوری الحنفی نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں:

قلت: والفرق واضح بين الطين والرصاص . (الكافي في الفقه الحنفی: ۱۲۹۷/۲، ط: مؤسسة

الرسالة).

(۱۱) محمد بیرم بن مصطفیٰ نے مستقل رسالہ بنام ”تحفة الخواص فی حل صید بندق الرصاص“

تحریر فرمایا ہے، اور بندوق کے شکار پر حلت کے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ یہ رسالہ مصر سے شائع ہوا ہے۔ اس رسالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن بدران دمشقی ”درة الغواص“ میں فرماتے ہیں:

ألف المؤرخ محمد بیرم بن مصطفیٰ أحد علماء تونس (۱۳۰۷ھ) رسالة ”تحفة

الخواص فی حل بندق الرصاص“ ذکر فیها الأدلة علی حله ونقل عن علماء الحنفية ذلك... الخ. (درة الغواص فی حکم الذکاة بالرصاص، ص ۴۱).

(۱۲) مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

بندوق کے شکار کو عام طور پر فقہاء حرام قرار دیتے ہیں اور اس طرح کی جزئیات فقہاء متقدمین و متأخرین

کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن فقہاء کی ان تحریرات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مٹی کے معمولی ڈھیلے بندوق کے ذریعہ پھینکے جاتے تھے، اس لیے فقہاء کی یہ رائے اپنی جگہ درست ہے۔

موجودہ زمانہ میں جو بارودی گولیاں تیار ہوئی ہیں وہ کسی دھاردار سے بھی بہتر طریقہ پر جسم کے خون کو

بہا دیتی ہیں اور پارہ پارہ کر دیتی ہیں اور شریعت کا اصل مقصود یہی ہے کہ خون اچھی طرح بہہ جائے،... اس اعتبار

سے کوئی شبہ نہیں کہ بندوق کا شکار شریعت کے مقصد کی تکمیل کرتا ہے اس لیے اسے حلال ہی ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم

بالصواب۔ (حلال و حرام، ص ۱۶۱، ۱۶۲)۔

علمائے مالکیہ کے فتاویٰ حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قال الشيخ عبد الرحمن المالکی البغدادی فی ”إرشاد السالک“ فی فصل

الصید (ص: ۱۰۲): وأما البندق فهو نوعان بندق الطین وکان معروفاً قديماً يضرب به

الحیوان من بعد فقدہ یقتله وقد لا یقتله ولما کان البندق غیر محدد فقد منع العلماء جواز

أكل الصيد الذي رمى به إلا إذا وجدت به حياة مستقرة وذكي فيجوز أكله كصيد الشبكة والحباله ، والنوع الآخر: بندق الرصاص المعروف لنا الآن وقد حدث الرمي به بحدوث البارود في وسط المائة الثامنة وليس فيه نص للمتقدمين واختلف فيه المتأخرون فمنهم من قال بالمنع قياساً على بندق الطين ومنهم من قال بالجواز كأبي عبد الله القروي وابن غازي وسيدى عبد الرحمن الفاسي لما فيه من إنهار الدم والإجهاز بسرعة وهذا الذي شرعت الذكاة لأجله ، انتهى كلامه .

(۲) قال الشيخ محمد العربي المالكي القروي في ”الخلاصة الفقهية على مذهب

السادة المالكية“ (ص: ۲۷۹):

وأن يكون العقرب بأحد شيئين إما بمحدد سواء كان سلاحاً أو غيره كحجر له سن ويدخل فيه الرصاص فيؤكل الصيد به لأنه أقوى من السلاح وإما بحيوان معلم. انتهى كلامه .

(۳) قال الشيخ محمد عlish المالكي في ”منح الجليل شرح مختصر الخليل“

(۲، ۴۲۱): وأما الصيد بالبندق ومن الرصاص فلم يوجد فيه نص للمتقدمين ، واختلف فيه المتأخرون من الفاسين لحدوث الرمي به بحدوث البارود واستخرجه حكيم كان يستعمل الكيمياء ففرق له فأعاده فأعجبه ، فاستخرج منه هذا البارود في وسط المائة الثامنة وأفتى فيه بجواز الأكل ، أبو عبد الله القروي ، وابن غازي وعلي بن هارون والمنجور والعارف بالله تعالى عبد الرحمن الفاسي ، واختاره شيخ الشيوخ عبد القادر الفاسي لإنهاره وإجهازه بسرعة الذين شرعت الذكاة من أجله ، قال بل الإنهار به أبلغ وأسهل من كل آلة يقع الجرح بها ، ... وقياسه على البندق الطينية غير صحيح لوجود الفارق بينهما ، وهو وجود الخرق والنفوذ في الرصاص تحقيقاً وعدم ذلك في البندق الطينية ... الخ.

(۴) قال العلامة الدردير المالكي في ”الشرح الكبير“ (۲/ ۱۶۳، ط: دار الفکر): واحترز به



عن نحو العصا والبندق أى البرام (بئى ہوئی رسی) الذى یرمى بالقوس، وأما الرصاص فیؤکل به لأنه أقوى من السلاح کذا اعتمده بعضهم .

(۵) قال العلامة شمس الدین الدسوقي في حاشيته على الشرح الكبير (۱۶۳/۲) ط: دارالفکر: قوله کذا اعتمده بعضهم ؛ الحاصل أن الصيد ببندق الرصاص لم يوجد فيه نص للمتقدمين لحدوث الرمي به بحدوث البارود في وسط المائة الثامنة، واختلف فيه المتأخرون فمنهم من قال بالمنع قياساً على بندق الطين، ومنهم من قال بالجواز كأبي عبد الله القوري وابن غازي والشيخ المنجور وسیدی عبد الرحمن الفاسي والشيخ عبد القادر الفاسي فيه من الإنهيار والإجهاد بسرعة الذى شرعت الذکوة لأجله، وقياسه على بندق الطين فاسد لوجود الفارق وهو وجود الخرق والنفوذ في الرصاص تحقيقاً وعدم ذلك في بندق الطين، وإنما شأنه الرض والكسر، وما كان شأنه لا يستعمل لأنه من الوقف المحرم بنص القرآن .

و للاستزادة انظر: (حاشية الصاوى على الشرح الصغير: ۴/ ۱۰۸، وبلغه السالك لأقرب المسائل: ۲/ ۱۰۴ ط: دارالکتب العلمية، بیروت).

علمائے حنابلہ نے بھی جواز کا قول اختیار فرمایا ہے۔ چند فتاویٰ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) قال الشيخ صالح بن فوزان في ”الملخص الفقهي“ (۴۷۲/۲)، احکام الصيد: الشرط الثاني، الآلة، وهي نوعان: الأول: المحدد... الرصاص الذي يطلق من البنادق اليوم، فيحل ما قتل به من الصيد، لأن فيه قوة الدفع التي تحرق وتنهر الدم كالمحدد وأشد .

(۲) قال الشيخ ابن ضويان الحنبلي (۱۳۵۳ھ) في ”منار السبيل في شرح الدليل“ (۴۲۸/۲): وأما بندق الرصاص فهي أقوى من كل محدد، فيحل بها الصيد. قال الشيخ عبد القادر الفاسي :

وما ببندق الرصاص صيدا ☆ جواز أكله قد استفيد

أفتى به والدنا الأواه ☆ وانعقد الإجماع من فتواه

(۳) قال الشيخ محمد بن صالح العثيمين في "شرح الممتع على زاد المستنقع" (۱۰۴/۱۵) وقد اختلف العلماء أول ما ظهر بندق الرصاص... ولكنهم في آخر الأمر أجمعوا على حل صيده .

(۴) قال العلامة الشوكاني في "الدرارى المضية" (۳۲۱/۲-۳۲۲، باب ما جاء في الصيد، ط: بيروت) وقد نزل صلى الله عليه وسلم المعارض إذا أصاب فخرق منزلة الجراح واعتبر مجرد الخرق كما في حديث عدی المذكور وفي لفظ لأحمد من حديث عدی قال: "قلت يا رسول الله إنا قوم نرمي فما يحل لنا؟ قال: يحل لكم ما ذكيت وما ذكرت اسم الله عليه فخرقتهم فكلو" فدل على أن المعتبر مجرد الخرق وإن كان القتل بمثقل، فيحل ما صاده من يرمى بهذه البنادق الجديدة التي يرمى بها بالبارود والرصاص؛ لأن الرصاص تخرق خرقاً زائداً على خرق السلاح؛ فلها حكمه وإن لم يدرك الصائد بها زكاة الصيد إذا ذكر اسم الله على ذلك .

(۵) علامہ شیخ عبدالقادر بن احمد بن بدران دمشقی نے ایک استفتاء کے جواب میں تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا ہے جو بنام "درة الغواص في حكم الذكاة بالرصاص" شائع ہوا ہے، اگرچہ اس رسالہ کا مقصد اصلی مذہب حنابلہ کے مطابق بندۃ الرصاص سے ذبح کو ثابت کرنا تھا لیکن ضمن میں بندۃ الرصاص کے ذریعہ شکار پر بھی بحث کرتے ہوئے حلت کا قول اختیار فرمایا ہے۔

نیز رسالہ کے آخر میں مفتی دمشق شیخ حمزوی کے رسالہ "فتویٰ الخواص..." سے منلا علی الترمکانی کی عبارات نقل کرنے کے بعد بعض مالکی اور حنبلی علماء کے فتاویٰ بھی نقل فرمائے ہیں۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (درة الغواص في حكم الذكاة بالرصاص، و تتمه في حكم الصيد بالرصاص المندرجة في آخر درة الغواص في حكم الذكاة بالرصاص، ص ۴۰-۴۴)۔

بندوق کے شکار پر اعتراضات اور ان کے جوابات:

## علامہ شامیؒ کا اعتراض:

علامہ شامی نے عدم حلت کو ترجیح دی ہے اور اسکی علت بھی ذکر فرمائی ہے، عبارت حسب ذیل ملاحظہ ہو:

ولا يسخى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والنقل بواسطة اندفاعه العنيف إذ

ليس له حد فلا يحل وبه أفتى ابن نجيم. (فتاوى الشامی: ۶/۴۷۱، سعید).

الجواب: أولاً بندوق کے شکار میں احراق بالنار غیر مسلم ہے۔ جس کی تفصیل بحوالہ فتویٰ الخواص

مذکور ہوئی۔ ثانیاً علی سبیل الفرض والتسلیم احراق بالنار ہو تب بھی علامہ رافعیؒ نے بحوالہ خادمی اور علامہ سندھیؒ جواز تحریر فرمایا ہے۔ علامہ رافعیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

نقل الخادمی فی حواشی الدرر عن فتاوی علی أفندی الحل معللاً بأن النار تعمل

عمل الزكاة فی الحيوان حتی لو قذف النار فی المذبح فاحترقت العروق يؤكل لكن ينبغي

أن يحمل علی ما إذا سال الدم حتی إذا انجمد ولم یسل لا یحل إلى آخر ما ذكره فانظره

وسأنتی للمحشی فی الجنایات أن القتل بالبندقية الرصاص عمد لأنها من جنس الحديد

وتجرح فيقتص به لكن إذا لم تجرح لا یقتص به علی رواية الطحاوی انتهى، ومقتضاه حل

الصید بها تأمل، وما ذكره السندی هنا مؤید للحل وأنه لا شبهة فيه. (التحریر

المختار: ۶/۳۱۵، سعید).

## بندوق کی گولی سے احراق ہوتا ہے یا نہیں؟

بعض حضرات تجربہ اور تحقیق کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بندوق کی گولی سے احراق غیر مسلم ہے۔ ملاحظہ

ہو مفتی دمشق علامہ شیخ محمود الحمر اوی فرماتے ہیں:

أقول: ... فلیس كذلك، والرصاص إنما هو قاتل مفرق الأجزاء بالقوة القاذفة

بواسطة الهواء المنقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود، والبارودة والبارود كلاهما آلة

لحصول القوة القاذفة، وانحصارها بواسطة البارودة أو المدفع أو غیر ذلك من الآلات.

و لا يشكل عليك حرارة الرصاص ، أو الكُلة [كرة من حديد يلعب بها و يقذف بها] أو احراقها في وقت ما ، لما تنفذ فيه ، فإن هاتيك الحرارة إنما هي من مصادمتها للأجزاء الهوائية بحسب سرعة حركتها ، و بعد مسافتها لا غير .

وهذا من الأمور البديهية عند أهل ذلك الشأن ، والدليل على ذلك أننا لو فرضنا وضع حبة من الجمد الذي هو بعيد عن النارية في بارودة محل الرصاص ، وأثرنا تلك البارودة إلى حيوان ، لنفذت تلك الفُندقة من الجمد في ذلك الحيوان ، و فرقت أجزائه . أفيقول أحد : إنها فرقت أجزائه بناريتها ؟ .

لا ، بل إنما هو بسبب القوة القاذفة ، كما قلنا . (فتاوى الخواص في حل ماصيد بالرصاص، المنلوجة في آخر منية الصيادين، ص ۱۹۲-۱۹۸، ط: دار البشائر الإسلامية).

وأيضاً رده شيخ مشايخنا الکنگوہیؒ بأن الرصاص غير محرق و ذلك لما جرب هو بنفسه بإطلاق الرصاص على مجموعة من القطن فنفذ الرصاص و لم يحترق القطن . (تذكرة الرشيد، ص ۱۳۹).

حدیث سے بندہ کے شکار کی ممانعت اور اس کا جواب:

سوال: بعض مفتیان کرام ہندو کے شکار کو حرام کہتے ہیں اور دلیل میں درج ذیل حدیث پیش کرتے

ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن عدي بن حاتم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أرسلت كلبك وسميت فخالط كلاباً أخرى فأخذته جميعاً فلا تأكل فإنك لا تدري أيهما أخذه وإذا رميت فسميت فخرقت فكل فإن لم تخزق فلا تأكل ولا تأكل من المعراض إلا ما ذكيت ولا تأكل من البندقة إلا ما ذكيت - اس حدیث شریف کا کیا جواب ہے؟

الجواب: أخرجه الإمام أحمد في مسنده (۱۳۶/۳۲) بسنده عن إبراهيم عن

عدي بن حاتم... الخ. قال الشيخ شعيب الأرناؤوط في تعليقه على مسند الإمام أحمد:

حدیث صحیح دون قولہ ”ولا تأکل من البندق إلا ما ذکیت“ و هذا إسناد ضعيف لا نقطاعه ما بين إبراهيم النخعي وعدی بن حاتم . (راجع: السير للامام الذهبي: ۵۲۰/۴، ترجمہ: ۲۱۳)

والبندق معروفة تتخذ من طين و تيبس فيرمى بها . انتهى .

شیخ شعیب صاحب نے اس حدیث شریف کے دو جوابات دیے ہیں:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے انقطاع کی وجہ سے کہ ابراہیم نخعی کا سماع حضرت عدی بن حاتم سے ثابت نہیں۔

(۲) بندق سے مراد پرانے زمانہ کا مٹی کا غلہ ہے۔ اور ہمارا کلام بارودی بندوق کے بارے میں ہے۔

فافتراق۔

شیخ علامہ عبدالقادر الدمشقی نے اپنے رسالہ ”درة الغواص فی حکم الذکاة بالرصاص“ (۲۶-۲۷) میں اس حدیث پر کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

والثاني: عدم قبوله... وأياً ما كان فلا يصح قياس الرمي بالرصاص على الرمي بالبندق؛ ... والجامع بين الرصاص والبندق والخذف والمعارض غير موجود لوجوه:  
أولها: أن البندق المذكورة في الحديث لا تخزق... وأما الرصاص فإنه يخزق و ينهر الدم ويسيله، فقياسه عليهما قياس مع الفارق .

وثانيهما: أن البندق مخالفة للرصاص في المادة والشكل والهيئة والاستعمال، ... وهذا النوع لم يكن عند العرب... الخ.

ثالثها: أن النبي صلى الله عليه وسلم علل النهي عن الخذف بقوله: ”إنها لا تصيد صيداً ولا تنكأ عدواً“. وبندق الرصاص ما أشد نكايته للأعداء، وهو اليوم من آلات الحرب التي أبطلت السيف والرمح إلا نادراً، وأبطلت آلات الرمي بالسهم، وهو الذي يردي أعظم الطيور من نقطة أوج طيرانه إلى حضيض الأرض .

والبندق التي جاء النهي عن الرمي بها، إنما غاية أمرها أن تكسر السن وتفقأ العين كما ذكره النبي صلى الله عليه وسلم، ومثل هذا كاف في عدم صحة قياس بندق الرصاص

علی بندق الطین ، وعلى الحبر والحصى وأشباه ذلك .

مشارك الأنوار میں قاضی عیاض فرماتے ہیں:

البندقۃ وهي غالباً تصنع من فحار مطبوخ . (مشارك الأنوار: ۱/۹۱، المكتبة العتیقة).

علامہ عینی عمدة القاری میں فرماتے ہیں:

والبندقۃ طينة مدورة مجففة يرمى بها عن الجاهل و هو اسم لقوس البندقۃ . (عمدة

القاری: ۴۸۱/۱، باب الخذف و البندقۃ، ط: دار الحديث، ملتان).

فتح الباری میں علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والبندقۃ معروفة تتخذ من الطین وتیسس فی رمی بها . (فتح الباری: ۶۰۷/۹).

الروضة الندية میں شیخ محمد صدیق خان حسن التتویٰ فرماتے ہیں:

وما روي من النهي عن أكل ما رمي بالبندقۃ كما في رواية من حديث عدي بن حاتم

عند أحمد... فالمراد بالبندقۃ هنا هي التي تتخذ من طين فيرمي بها بعد أن تیسس . (الروضة

الندية: ۱۸۸/۲، دار المعرفة).

حدیث کی شرح میں شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں موجودہ دور کی بندوق مراد نہیں ہے بلکہ زمانہ ماضی کا بندوقہ مراد ہے۔ علامہ مصطفیٰ الحادمی نے حاشیہ الدرر میں بھی یہی توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ نیز آئندہ فقہاء کرام کی عبارات بھی ذکر کی جائیں گی۔

بعض اکابر اور مفتیان کرام کے شبہات پر ایک نظر:

قابل اشکال بات یہ ہے کہ ہمارے بعض اکابر اور مفتیان کرام مثلاً:

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۳) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶) حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

ان تمام حضرات کے فتاویٰ اور تفاسیر میں بندوق کے شکار کو مردار کے حکم میں قرار دیا ہے لہذا ضروری ہے کہ انکی عبارات کو نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ ممانعت کی اصل وجہ پر غور کر کے مناسب توجیہ بیان کی جائے۔

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عبارت:

حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن (۲۹/۳) میں موقوفہ کے تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں:

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک ہو گیا اسکو بھی فقہاء نے موقوفہ میں داخل اور حرام قرار دیا ہے۔ امام بھاصؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے: ”المقتولة بالبندق تلک الوقوذة“ یعنی بندوق کے ذریعہ جو جانور قتل کیا گیا ہے وہی موقوفہ ہے اس لئے حرام ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ و امام شافعی و امام مالک وغیرہ سب اس پر متفق ہیں۔ (تفسیر قرطبی: ۳/۲۹)۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے امام بھاصؒ و امام قرطبیؒ کے حوالہ سے بندوق کے شکار کی حرمت کو بیان فرمایا ہے لہذا ہم اصل کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ بندوق سے مراد کیا ہے اور اسکے شکار کی حرمت کی علت کیا ہے؟ چنانچہ دونوں تفسیروں سے عبارات حسب ذیل درج کی جاتی ہیں۔

امام بھاصؒ احکام القرآن فرماتے ہیں:

قد روی أبو عامر العقدي عن زهير بن محمد عن زيد بن أسلم عن ابن عمر أنه كان يقول في المقتولة بالبندق تلک الموقوذة إلى قوله.. أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن الخذف وقال: إنها لا تنكأ العدو ولا تصيد الصيد ولكنها تكسر السن وتفقأ العين... إلى قوله عن عدي بن حاتم قال سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صيد المعراض فقال: ما أصاب بحده فحزق فكل وما أصاب بعرضه فقتل فإنه وقيد فلا تأكل فجعل ما أصاب بعرضه من غير جراحة موقوذة وإن لم يكن مقدوراً على ذكاته وفي ذلك دليل على

أن شرط ذكاة الصيد الجراحة وإسالة الدم . ( احکام القرآن للامام الحصاص: ۴/۳۰۲ ط: سهیل ) .  
امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الثالثة: قوله تعالى: ﴿الموقودة﴾... ومنه المقتولة بقوس البندق... وفي صحيح مسلم عن عدی بن حاتم قال: ... الخ ، قال أبو عمر: اختلف العلماء قديماً وحديثاً في الصيد بالبندق والحجر والمعرّاض ، فمن ذهب إلى أنه وقيد لم يجزه إلا ما أدرك ذكاته على ما روي عن ابن عمر وهو قول مالك وأبي حنيفة وأصحابه والثوري والشافعي وخالفهم الشاميون في ذلك... والأصل في هذا الباب والذي عليه العمل وفيه الحجة لمن جاء إليه حديث عدی بن حاتم وفيه وما أصاب بعرضه فلا تأكله فإنما هو وقيد . ( الجامع لاحکام القرآن: ۶/۳۴ دار الكتب العلمية ) .

دونوں تفاسیر کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ جس بندق سے شکار کی ممانعت منقول ہے وہ پرانے زمانہ کا بندق مراد ہے جس میں جرح اور انہار دم متحقق نہیں ہوتا، جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم کی روایت سے عیاں ہے۔ لیکن ہم جس بندوق سے بحث کرتے ہیں وہ عصر حاضر کی جدید بندوق مراد ہے جس میں جرح و انہار دم متحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اسی وجہ سے امام حصاصؒ نے فرمایا کہ شکار کے حلال ہونے میں اصل جرح اور انہار دم ہے، یہ حاصل ہو تو شکار حلال ہے، نیز امام قرطبیؒ کی تفسیر سے بھی یہی مترشح ہے، لہذا دونوں بندوقوں کے مابین فرق واضح ہے۔  
زمانہ ماضی کے ”بندق“ کی حقیقت:

ملاحظہ ہوا امام ناصر الدین الطبرسیؒ ”المغرب“ میں فرماتے ہیں:

بندق (البندقية) طينة مدورة يرمى بها، ويقال لها: الجلاهي . (المغرب: ۱/۸۷) .

لغات کشوری میں مسطور ہے:

بندق مٹی کا غلہ جو غلیل میں رکھ کر مارتے ہیں۔ (لغات کشوری ص ۷۷)۔

البنایہ شرح الہدایہ میں درج ہے:



قال: ولا يؤكل ما أصابه البندقة فمات بها لأنها تدق وتكسر ولا يجرح فصار كالسمعراض إذا لم يخزق (ش) أى قال القدورى والبندقة طينة مدورة يرمى بها ويقال لها الجلاهق [فارسی، البندق الذى يرمى به الطين المدور جلاهة واحد] . (البنایة: ۴/۳۷۴)۔  
اللباب فی شرح الکتاب میں مرقوم ہے:

البندقة طينة مدورة يرمى بها . (اللباب: ۴/۵۵۴، دار البشائر الاسلامیة)۔

وللمزید راجع: (فتاویٰ الشامی: ۶/۴۷۱، سعید، والعناية فی شرح الهدایة: ۱۰/۱۳۰، دار الفکر بمجمع

الانهر شرح ملتقى البحر: ۴/۲۶۳، کتاب الصيد)۔

خلاصہ یہ ہے کہ پرانے زمانے کے بندوق کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی کا غلہ ہوتا تھا جس کو مٹی (گوپھن) میں رکھ کر پھینکا جاتا تھا جس کے ثقل سے جانور مر جاتا تھا اس میں جرح اور انہار دم کا تصور نہیں ہوتا تھا، آج کل بھی دیہاتوں میں یہ طریقہ رائج ہے، اپنی کاشت کی حفاظت کے لیے اکثر یہی بندوق استعمال کرتے ہیں۔  
خود حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں حلت و جواز تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:  
بندوق سے شکار کا حکم:

سوال: ایک آلہ لوہے کا یا ریک نوکدار ہے یہ ہوائی بندوق میں رکھ کر چھوڑا جاتا ہے اس سے اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر شکار مارا جائے اور شکار مر جائے یا اتفاقاً ذبح نہ کیا جائے تو شکار حلال سمجھا جائیگا؟

الجواب: آلہ مذکورہ کی شکل دیکھنے سے نیز اس حال سے جو سوال میں درج ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ تیر کی طرح زخم کھولتا ہے بندوق کی عام گولی اور چھروں کی طرح جسم کو کوٹنا نہیں لہذا اس کا حکم تیر ہی کا حکم ہے یعنی اگر بسم اللہ کہہ کر چھوڑا جائے اور جانور اس کے ذریعہ مر جائے تو حلال ہوگا۔

کما هو حکم السهم فی عامة کتب الفقہ۔ لیکن یہ مسئلہ چونکہ محض قواعد سے لکھا گیا ہے کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا اس لئے دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لینا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲/۹۴۳)۔

نیز فتاویٰ دارالعلوم میں تین جگہوں پر اسکو ناجائز اور حرام لکھا ہے۔

(۱) ذبح کا تحقق نہیں ہوتا۔ یہی مذہب مفتی بہ ہے۔ (۲/۹۴۳)۔

(۲) بندوق کا شکار بدون ذبح حلال نہیں، بحوالہ شامی۔ فلا یحل وبہ أفتی ابن نجیم۔ (۲/۹۵۵)۔

(۳)۔ اسی طرح ص ۹۵۶ پر فرماتے ہیں: بندوق کے شکار کے متعلق ہمارے نزدیک علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم وغیرہم کی تحقیق صحیح ہے کہ شکار بدون ذبح کے حلال نہیں۔

علامہ ابن نجیم و علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کا جواب مفصل مذکور ہوا عائدہ کی حاجت نہیں۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ میں بھی بندوق کے شکار کو مردار کے حکم میں داخل فرمایا ہے۔ (۲۲۳/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

اور دلیل میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کی عبارت مذکور ہے۔ (۲۲۳/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

نیز فتاویٰ محمودیہ میں (۲۲۰/۱۷، جامعہ فاروقیہ) مذکور ہے:

بندوق میں گولی ہوتی ہے وہ چاقو یا تیر کی طرح دھار دار نہیں ہوتی وہ تیر کے حکم میں نہیں وہ جانور حلال

نہیں۔

لیکن ممکن ہے کہ اسوقت تیز دھار دار گولی نہ ہوتی ہو لیکن موجودہ ترقی یافتہ دور میں تیز دھار دار خاص شکار

کے لئے گولیاں بنائی جاتی ہیں۔

(۳) تذکرۃ الرشید میں مذکور ہے۔ (سوال کا حاصل حسب ذیل درج ہے):

سوال: بندوق سے جو شکار کیا جائے اکثر مالکیہ نے حلال کا فتویٰ دیا ہے بظاہر تیر کے مثل معلوم ہوتا ہے۔

جواب: لوگوں کو اسکی حالت کا اس وجہ سے شبہ ہوا کہ فقہ میں احراق بالناز کو قاطع لکھا ہے اور اسی بنا پر

بندوق کے گولی کو بھی محرق اور قاطع سمجھ کر بعض علماء نے حلت کا فتویٰ دیدیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے، مولانا مملوک علی

صاحب سے ہم نے اسکو دریافت کیا تھا، فرمایا کہ روئی پر نشانہ لگاؤ معلوم ہو جائیگا چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا گولی پار

ہوگئی اور روئی کچھ نہ جلی سو گولی توڑنے والی ہے محرق نہیں ہے، جب تک ذبح نہ یا جائے شکار حلال نہیں۔

اسکا جواب بھی دیگر محققین اور حضرت گنگوہی کے شیخ الشیخ حضرت مولانا عابد سندھی کی عبارات میں گزر

چکا کہ بندوق میں احراق بالناز نہیں ہے۔ ہاں ذبح اضطراری کی جو شرط ہے جرح اور انہار الدم وہ گولی میں حاصل

ہے اور گولی تو تیر کی طرح تیز ہوتی ہے آگ کی مجاورت سے اور تیزی سے جرح کرتی ہے اور خون بھی بہاتی ہے۔

(۴) احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ مفتی صاحب کے سامنے جب حلت کے دلائل پیش کئے گئے تو

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس پر جوابات تحریر کئے ہیں اور اپنا رجحان بلکہ شدت کے ساتھ عدم جواز تحریر فرمایا ہے اور دلیل میں شامی کی عبارت بحوالہ علامہ ابن نجیم پیش کی ہے اور اسی عبارت کو عدم جواز کی بنیاد قرار دی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کے جوابات جو حلت پر اعتراضات کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ انکا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے۔

اعتراض (۱): بندوق کے شکار کی حلت کی بنیاد قرار دی گئی ہے کہ ذبح اضطراری میں خصوصیت آلہ شرط نہیں یہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہے۔

اعتراض (۲): اگر آلہ غیر محدودہ کا ایسا زخم جس سے موت مضاف الی اشل نہ ہو بلکہ مضاف الی الجرح وانہار الدم موجب حلت ہوتا تو مصاب بالعرض وبالبدنہ پر مطلقاً حکم حرمت نہ لگایا جاتا۔

اعتراض (۳): دھار سے مراد چھری یا چاقو جیسی دھارسنگی ہے حالانکہ جمہور کی مراد محدود ہے اگرچہ نوکدار ہو۔ فتح الباری۔ السہم وما فی معناه۔ سے ظاہر ہے۔

اعتراض (۴): گولی نشانہ تک پہنچنے سے پہلے نوکدار بن جاتی ہے اگر یہ دعویٰ مشاہدہ سے ثابت ہو جائے تو انکار کی مجال نہیں ورنہ محض تخیل سے کسی امر کا اثبات ناممکن ہے۔ إن الظن لا یغنی عن الحق شیئاً۔

اعتراض (۵): جرح اور انہار دم منسوب ہیں احراق و ضرب غیر محدود کی طرف پس جب تک موت اور جرح کا مضاف الی الاحراق ہونا قطعی طور پر معلوم نہ ہو حلت کا حکم نہ لگایا جائے گا۔

اعتراض (۶): حتی الامکان تسہیل الامر اور رخصت سے کام لینا بہتر ہے مگر جمہور کی مخالفت خصوصاً حلت و حرمت کے معاملہ میں اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ کوئی قوی اور موجب اطمینان دلیل معلوم نہ ہو۔

اعتراض (۷): نوکدار گولی کی نوک تو معراض کی نوک سے کم نہیں ایسی گولی کے شکار کی حلت میں کوئی شبہ نہیں اور نہ ہی اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہے۔

امداد المقتنین میں بھی ایسے شکار کی حلت کا فتویٰ درج ہے لیکن اگر گولی کے قتل سے جانور مر جائے جیسے چھوٹا جانور تخیل نہ کر سکے تو یہ جانور حلال نہ ہوگا۔ بحوالہ شامی۔ (حسن الفتاویٰ: ۳۳۶-۳۳۸/۷، رسالہ حرمة المفقاع برمیۃ

ارصا ص)۔

ان اعتراضات کے جوابات ذکر کردہ احادیث کی تشریح اور عبارات فقہیہ اور رسالہ جو حلت کی تحقیق میں لکھا گیا ہے اس سے خود بخود واضح ہیں۔ تاہم انہیں عبارات کی روشنی میں مختصر جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔

اعتراضات کے جوابات:

اعتراض (۱) کا جواب: حلت کی بنا خصوصیت آلہ شرط نہ ہونے پر نہیں رکھی گئی، بلکہ خصوصیت کے ساتھ آلہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، جیسا کہ معراض کی تشریح میں گزر چکا کہ کونسا آلہ جرح کرتا ہے اور کونسا ثقل سے قتل کرتا ہے اور فقہاء نے بھی اسی پر اصول قائم کئے ہیں:

”حتى قالوا لو كان للبندقة حدة وعلم أنه قتل بحدتها يحل“ اور آلہ محدود سے فقہاء کا مقصد بھی خرق اور انہار دم ہے، چنانچہ مذکور ہے:-

فالمطلوب الخزق وإنهار الدم بأى شيء كان وهو المراد بقولهم (المحدد) أى ما يفرق الأجزاء ويخزق ويريق الدم وهذه الأوصاف فى الرصاصة على أكمل وجه. لہذا یہ فقہاء کے خلاف نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔

اعتراض (۲) کا جواب:- معراض اور بندقہ کے شکار پر حرمت کا حکم اس وجہ سے لگایا گیا کہ دونوں جانور کو قتل سے مارتے ہیں جو چوٹ کے حکم میں ہے اور بندقہ اُس زمانہ میں وہی معروف و مشہور تھا جیسے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے جسکو امام ہصاص و قرطبی نے بیان فرمایا ہے اس میں بھی چوٹ لگتی ہے، جبکہ اس زمانہ کے بندوق میں یہ معاملہ نہیں۔

اعتراض (۳) کا جواب: اول کے جواب میں گزر چکا ہے۔

اعتراض (۴) کا جواب: بندوق کی گولی نوکدار تیر کی طرح کام کرتی ہے یہ تو مشاہدہ سے ثابت ہے تخیل اور ظن نہیں ہے۔ چنانچہ فتویٰ الحواص میں مذکور ہے: والرصا ص إنما قاتل ومفرق الأجزاء بالقوة القاذفة بواسطة الهواء المنقلب عن النار الحاصلة بواسطة البارود.

مجاورت ناکر کی بنا پر حدت اور تیزی پیدا ہوتی ہے اور تیر کا سا کام کرتی ہے۔ جنھوں نے تجربہ کیا ہے انھوں نے اسی طرح لکھا ہے۔ لہذا جو چیز تجربہ سے ثابت ہو اس پر ظن اور تخیل کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے؟

**اعتراض (۵) کا جواب:** حدیث میں مذکور ہے: ”قلت: إنا نرعى بالمعروض قال كل ما خنزق“ اور خنزق کی تشریح میں فرماتے ہیں: أي نلفذ خنزق السهم أصاب الرمية ونفذ فيها وقال النووي: معناه نفذ الخ. اور بندوق کی گولی کے بارے میں مذکور ہے: إن الرصاص تنفذ من جانب إلى جانب ومعلوم أن ذلك إنما يحصل بسبب الجرح الحاصل بحدّة الرصاصة الحاصلة من مسامو النار۔ لہذا اب یہ کہنا کہ ”موت اور جرح قطعی طور پر معلوم ہو کہ احراق سے حاصل ہوئیں“ ضروری نہیں ہے جبکہ شکار حلال ہونے کے سبب شرائط موجود ہیں،

جو احادیث اور شروح وغیرہ میں مرقوم ہیں، نیز بدائع میں تو صرف جرح اور انہار الدم شرط ہے اسکے علاوہ کوئی اور شرط مذکور نہیں، لہذا عبارت بدائع کے مطابق چاہے کسی بھی چیز سے جرح حاصل ہو شکار حلال ہو جائیگا۔

**اعتراض (۶) کا جواب:** اس جگہ جمہور کی مخالفت نہیں بلکہ فقہاء کے وضع کردہ اصولوں کے تحت اور احادیث کے اصولوں کے تحت جدید آلات کی تحقیق کر کے حکم کو واضح کرنا ہے اور اس مسئلہ میں فقہاء نے جہاں بھی بندقہ کا حکم بیان فرمایا اسی جگہ استثناء بھی فرمایا اسی طرح احادیث میں جہاں کہیں معروض کا حکم آیا اسی جگہ استثناء بھی آیا ہے فقہاء کی عبارت ”حتی قالو: لو كان للبندق حدة وعلم أنه قتل بحدتها يحل“۔ اسی طرح ہدایہ بحر وغیرہ میں بھی موجود ہے اور شرح مجلہ نے تو صراحتہً بندقہ کے شکار کو حلال قرار دیا ہے اور آلہ جارحہ میں شمار کیا ہے اور حدیث میں بھی جب معروض کا حکم دریافت کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا: ”كل ما خنزق“۔ جواب میں عموم ہے بلا کسی تخصیص آلہ کے، تاکہ آلات جدیدہ بھی حکم میں شامل ہو سکے۔

اس کے برخلاف فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کے تحت کسی مسئلہ پر غور نہ کرنا بھی قابل ملامت ہوگا۔ نیز جدید آلات اور ضروریات زمانہ پر غور و فکر نہ کرنا اور بندوق کی گولی کو بندقہ طین پر قیاس کر کے سبکدوش ہو جانا علماء کے شایان شاں نہیں۔

نیز اس میں جمہور کی مخالفت بھی نہیں کیونکہ بندق کے شکار کی حلت پر بہت سارے مفتی حضرات نے حلت

کافتوی دیا ہے جن کے فتاویٰ مذکور ہوئے اور خود حضرت مفتی صاحب کار حجاج اس گولی کے بارے میں جو نو کدار ہو حلت کا ہے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۷ میں بحوالہ امداد المفتیین مذکور ہے۔

اعتراض (۷) کا جواب: تجربہ اور مشاہدہ سے واضح ہو چکا کہ گولی ثقل سے نہیں مارتی، نیز فتویٰ الخواص میں مذکور ہے: ولا تأثير لذلك بالثقل كما يقول به بعض...

(۵) تفسیر عثمانی (۳۲) میں آیت ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ کی تفسیر کے تحت مذکور ہے:

مرد اور وہ ہے کہ جو خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اسکو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے۔

(۶) آپ کے مسائل اور انکاح میں اسی تفسیر سے استدلال کرتے ہوئے مرد اور قرار دیا ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ غلیل اور بندوق کا حکم لاٹھی کا سا ہے تیز دھار والے آلہ کا نہیں اس سے شکار کیا ہوا جانور اگر مر جائے تو حلال نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۳۱-۲۳۲/۴، و کتابت المفتی: ۲۳۷/۸، دارالاشاعت)۔

ان دونوں عبارتوں کا جواب یہ ہے کہ جب ذبح اضطرابی کے شرائط پائے جائیں تو پھر کس وجہ سے اس جانور کو مرد اور قرار دیا جائے؟ جیسا کہ مفتی دمشق فرماتے ہیں:

فالمطلوب الخزق وإنهار الدم بأى شيء كان ، وهذه الأوصاف فى الرصاصة على أكمل وجه فلا شبهة أن ما صيد بها ولم يدرک حياً حل أكله بشرطه .

حاصل یہ ہے کہ اکابر نے ان بعض فقہاء کے کلام سے استدلال فرمایا ہے جنہوں نے پرانے زمانے کے بندوق کو سامنے رکھ کر عدم جواز کا حکم تحریر فرمایا تھا۔ یا علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم کے کلام سے استدلال فرمایا ہے اس سے متعلق عرض کیا جا چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک شبہ کا ازالہ:

بعض مفتی حضرات نے اپنی تحریرات میں فرمایا ہے کہ علامہ شامی نے بندوق کے شکار کی حلت پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تاملہ فتح الہام میں ہے:

وذكر بعض المعاصرين أن ابن عابدين ألف رسالة في جواز الاصطياد ببندقية

الرصاص (راجع: الذبائح في الشريعة الإسلامية، للدكتور عبد الله عبد الرحيم العمادی، ص: ۱۲۳، طبع بيروت) ولكني لم أجد هذه الرسالة، وقد رأيت أنه جزم في رد المحتار بعدم الجواز. (تكملة فتح الملهم: ۹۱/۳، مطب: دارالعلوم کراتشي).

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ڈاکٹر عبد اللہ عبد الرحیم العمادی نے نقل کیا ہے کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے اس کے حلال ہونے پر ایک مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ (حلال و حرام، ص ۱۶۲، ہندوق کا شکار)۔

جب کہ علامہ شامیؒ نے فتاویٰ الشامی میں بحوالہ ابن نجیمؒ صراحۃً ہندوق کے شکار کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ پھر حلت پر رسالہ کیسے تصنیف فرمایا؟ اگر کوئی رسالہ ہوتا تو فتاویٰ میں یا رسائل ابن عابدینؒ میں اس کا ذکر موجود ہوتا؟

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ بظاہر جن حضرات نے علامہ شامیؒ کی طرف نسبت دیکھ ابن عابدینؒ مراد لیا ان کو لفظ علامہ شامی سے اشتباہ ہو گیا، کیونکہ دراصل علامہ شامی مفتی دمشق محمود بن محمد الحمراوی نے ہندوق کے شکار کی حلت پر رسالہ بنام ”فتویٰ الخواص فی حل ما صید بالرصاص“ تصنیف فرمایا ہے۔ جو پہلے مفصل مذکور ہوا۔ ورنہ ابن عابدین شامیؒ کا کوئی رسالہ اس بارے میں ہمارے علم میں موجود نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہندوق کی ایجاد کونسی صدی میں ہوئی؟

مذکورہ بالا احداث کے جاننے کے بعد یہ بھی جاننا چاہئے کہ ہندوق کی ایجاد کون سے زمانہ میں ہوئی ہے۔ چنانچہ حاشیۃ الدسوقی میں مذکور ہے۔

الحاصل أن الصيد ببندقية الرصاص لم يوجد فيه نص للمتقدمين لحدوث الرصاص به

بحدوث البارود في وسط المائدة الثامنة. (حاشیۃ الدسوقی: ۴/۱۰۴).

مؤرخ محمد میر بن مصطفیٰ (م ۱۳۰۷ھ) تحفۃ الخواص میں فرماتے ہیں:

اعلم أن البارود حدث سنة سبع مائة وسبع وثلاثين وذلك قبل حدوث المدافع

بعض سنین ولا يعرف محدثه كذا في بعض كتب المتأخرين والحق أنه كان معروفاً في الصين قبل تاريخ المسيح عليه السلام بأحقاب كثيرة إلا أن استعمالهم له كان للإصلاح لا للتدمير... وإن كان قد ظهر من أدوات سلاحهم ما يتحقق أنهم جعلوه له لكن لم ينقل عنهم استعماله في حرب قط ثم نقلته عنهم العرب... (تقلاً عن درة الغواص، ص ۱۴-۱۵).

Encyclopedia (انسائیکلو پیڈیا)

Brittanica (برطانیکہ)

The invention of gunpowder in the 14th century and the perfection of the MATCHLOCK - RIFLE in the 15th century dramatically changed the method of hunting.

ترجمہ: چودھویں صدی میں بارود کی ایجاد اور پھر پندرہویں صدی میں میچلوک رائفل کے تمام نے شکار کے طریقہ کو بالکل ہی بدل دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بعض مفتیانِ کرام کے مزید شبہات اور ان کے جوابات:

شبہہ (۱): علامہ شامی کی عبارت: ولا يخفى أن الجرح بالرصاص إنما هو بالإحراق والشغل بواسطة اندفاعه العنيف إذ ليس له حد. (فتاویٰ الشامی: ۶/۴۷۱، سعید).

افسوس!۔ احراق نہیں ہے یہ تو مسلم ہے۔ جیسا کہ قطب الاقطاب حضرت شیخ گنگوہیؒ نے بذاتِ خود تجربہ فرمایا ہے۔ (تذکرہ الرشید: ۱/۱۳۹)۔ نیز شیخ حمزاوی مفتی دمشق نے بھی تحقیق فرمائی ہے۔

رہا مسئلہ قتل کا تو سوال یہ ہے کہ کیا گولی قتل کی وجہ سے سرایت کرتی ہے؟ قتل تو چیز کو گراتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ گولی کا قتل بد اہمت کے خلاف ہے بلکہ یہ تیزی سے اپنا کام کرتی ہے۔ گولی کی نوک



اور بارود کی طاقت دونوں ملکر اس میں تیزی پیدا کر دیتے ہیں۔

قولہ: اذ ليس له حد فلا يحل۔ حد: طرف کے معنی میں ہے اور طرف کنارہ، انتہا اور نوک سب کو کہتے ہیں۔

علامہ شامیؒ نے دراصل اپنے زمانہ کی ہندوق کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ محد نہیں ہے اس کی وجہ سے انہار الدم حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس وقت شکار کے لیے خاص گولیاں موجود نہ ہوں، لیکن علامہ شامیؒ اگر موجودہ دور کی ہندوق کی گولیوں کا مشاہدہ فرماتے ”جو خاص شکار کے لیے بنائی جاتی ہیں اور محد ہوتی ہیں اور ان سے جرح و انہار الدم بھی حاصل ہوتا ہے“ تو ہرگز عدم جواز تحریر نہ فرماتے، بلکہ خود انھوں نے تصریح فرمادی کہ اگر محد ہو اور انہار الدم حاصل ہو جائے تو شکار حلال ہے۔

ملاحظہ ہو قاضی خانؒ سے نقل فرماتے ہیں: قال قاضي خان: لا يحل صيد البندقية والحجر والمعرّاض... لأنه لا يخزق إلا أن يكون شيء من ذلك قد حدده وطوله كالسهم وأمكن أن يرمى به؛ فإن كان كذلك وخزقه بعده حل أكله، وأما الجرح الذي يدق في الباطن ولا يخزق في الظاهر لا يحل لأنه لا يحصل به إنهار الدم... إلخ. (فتاویٰ الشامی: ۶/۴۷۱، سعید)۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ خزق یعنی نفوذ سے جرح حاصل ہو اور خون بہہ جائے تو شکار حلال ہے، اور جرح ثقل کی طرف منسوب ہو جس میں نفوذ نہ ہو تو وہ دق یعنی کوٹنا ہے اس سے خون نہیں بہتا، لہذا شکار حلال نہیں ہوگا۔

موجودہ دور کی گولیوں کا مشاہدہ کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جرح دق کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ جرح نفوذ سے متحقق ہوتی ہے اور خون بھی بہہ جاتا ہے۔ لہذا علامہ شامیؒ کی تحقیق کے مطابق بھی شکار حلال ہوگا۔ مذکورہ بالا تشریح اور شکار کی گولیوں کی نوعیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجددہ کی عبارت سے ہندوق کا شکار بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

مندرجہ بالا اختلاف اس وقت ہے کہ جب گولی نوکدار نہ ہو لیکن اگر گولی ایسی بنائی گئی ہے جو نوکدار ہے تو اس صورت میں وہ جانور بالاتفاق حلال ہو جائے گا۔ (تقریر ترمذی: ۱۳۳/۲، ہندوق سے شکار کیے ہوئے جانور کا حکم)۔

تصاویر سے بالکل روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ شکار کی خاص گولیاں نوکدار ہیں۔

تجربہ اور مشاہدہ:

بعض شکار کرنے والوں نے تجربہ کیا اس طور پر کہ ایک کوکا کولا کے ڈبہ (coke can) کو زمین پر رکھ کر اس پر نشانہ لگایا تو گولی پار ہو گئی لیکن ڈبہ نہیں گرا، اگر گولی میں ثقل ہوتا تو ڈبہ گر جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس میں ثقل نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابوالسعود مصری حنفی نے فتح الموعین میں فرمایا ہے کہ اگر جرح خفت سے ہو تو حلال ہے۔ ملاحظہ ہو:

وأما إذا كان القتل بالجرح للخفة بأن كان لها حدة فيحل. (فتح المعين: ۴۳۱/۲، کتاب

الصید، ط: سعید).

نیز علامہ شامی کتاب الجنایات میں قصاص واجب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: وعلى كل فالقتل بالبندقية الرصاص عمد لأنها من جنس الحديد وتجرح

فيقتص به. (فتاویٰ الشامی: ۵۲۸/۶، کتاب الجنایات، سعید).

وفي حاشية الطحطاوى على الرد المختار: قلت فعلى ظاهر الرواية لا شك في

وجوب القصاص بالقتل بالبندقية لأنها من جنس الحديد وعلى الأصح يقتص أيضاً

لجرحها. (حاشية الطحطاوى: ۴/۲۵۲).

وفي شرح منظومة ابن وهبان: والحاصل: إن كل ما يتعلق به الذكاة في البهائم يتعلق

به وجوب القصاص وما لا، فلا، كذا ذكره الناطقى في الأجناس. (شرح منظومة ابن وهبان: ۲۰۰/

۲، وهكذا في الفتاوى الزلزلية: ۶/۳۸۱، على هامش الفتاوى الهندية).

(احناف کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آلہ غیر محمد سے قصاص واجب نہیں)۔

یہاں پر مقتیان کرام سے ایک سوال ہے کہ اگر گولی چلا کر کسی کو قتل کیا تو آپ قصاص کو واجب قرار دیتے ہیں یا

نہیں؟ کیا یہ قتل بالمثقل ہے؟

اور یہ جو کہا جاتا ہے تیر ہلکا اور گولی ثقیل ہے یہ بھی بدایت اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ تیر یقیناً ثقل ہوتا

ہے۔ (آج کل کے تیر پر قیاس نہ کیا جائے، بلکہ آج کل کا تیر بھی گولی سے قتل ہوتا ہے)۔

شبہ (۲): تیر تھا بھی بلا کمان کے بطور ہتھیار استعمال ہو سکتا ہے۔ جب کہ گولی میں یہ صلاحیت نہیں

ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کنا ہوا ناخن یا ٹوٹا ہوا دانت یہ بھی اسلحہ نہیں ہیں رگوں کو عرفاً نہیں کاٹ سکتے ہیں لیکن اگر کاٹ لیں تو حلال ہے۔ اسی طرح نوکدار گولی اگر خون بہائے اور خوب بہاتی ہے تو حلال ہونا چاہئے ذبح اختیاری اور اضطراری میں تو نہار دم مشترک ہے جب خون بہائے اور حد والی چیز ہو تو کافی ہے۔ تنہا بطور ہتھیار استعمال ہونے کی شرط تو کہیں نظر سے نہیں گزری۔

شبہ (۳): اس میں شبہ رہتا ہے کہ شاید قتل کی وجہ سے مرا ہو؟

اقول: اگر قتل سے قتل کا شبہ مفقود ہو اور اچھی طرح خون بھی بہہ جائے جو ذبح اضطراری میں رکن ہے۔ تو

پھر کیوں حلال نہیں؟

نیز اس خلیان کا جواب شارح تحفۃ الملوک شیخ محمد بن عبداللطیف ابن ملک نے شرح تحفۃ الملوک میں یہ دیا ہے کہ اگر گارے کی گولی سے شکار کو مارا جائے تو شکار حرام ہے اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں، اور ثن یا تانبے وغیرہ کی گولی یا چھرے سے بسم اللہ پڑھ کر مارا جائے اور اس میں خون بہانے کی صلاحیت ہو تو بلاشبہ کیا ہوا شکار حلال ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

ولا يحل الصيد بالبندقية وهي: طينة مدورة يرمى بها؛ لأنها لا تجرح بل يندق و

يكسر... قال: في الكنز وما قتله المعراض بعرضه أو البندقية حرم.

وقال في النبايع: وإن رماه بمعارض فجرحه أكل كيف ما أصابه، وكذلك البندقية

والحجر، والعودة، فيحمل كلام صاحب الكنز على البندقية من الطين، وكلام النبايع على

البندقية من الرصاص. انتهى. وقال الشيخ عبد المجيد الدرويش في تعليقات شرح التحفة:

قوله البندقية من الرصاص، وهو محدد يجرح. (شرح تحفة الملوک مع التعليقات ۱۷۱۸/۲).

پھر حلال چیز کو حرام کہنا بھی زیادتی ہے۔

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ طیب اور حلال رزق کو حرام کہنا بھی کہاں درست ہے؟ حلال و حرام جمع ہوں تو حرام کو ترجیح ہے۔ اسکی مثال تو یہ ہے کہ مجوسی اور مسلمان کا کتا شکار میں شریک ہوں تو وہاں قوی شبہ ہے اور حرمت غالب ہے اور یہاں یہ صورت نہیں، فتا مل۔

شبہ (۴): جمہور علماء احناف عدم حل کی طرف ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مفتی شام جو حنفی تھے انہوں نے حلت پر رسالہ لکھا ہے جو ”فتویٰ الخواص فی حل ما صید بالرصاص“ کے نام سے معروف ہے اور منیۃ الصیادین میں از ص ۱۹۲ تا ۱۹۸، مذکور ہے اسی طرح الفقہ الحنفی وادلہ کے مصنف بھی جواز کے قائل ہے۔ علامہ شیخ محمد عابد الانصاری السندی نے بھی شکار کی حلت پر رسالہ تحریر فرمایا ہے، اس کے علاوہ فقہائے حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کی عبارات مذکور ہوئیں اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جمہور حلت کے قائل ہیں۔

باقی موجودہ دور کے مفتیان کرام نے جو عدم جواز تحریر فرمایا ہے تو ان کے دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے دو گروہ ہیں:

(۱) بعض حضرات نے علامہ شامی کی عبارت کو اساس بنایا ہے اور اس کا جواب اور اس پر کچھ مختصر کلام گزر

گیا۔

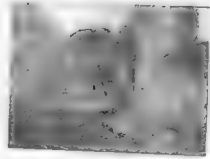
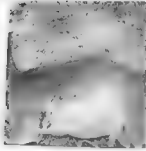
(۲) اور دوسرے بعض حضرات نے موجودہ دور کی بندوق کو فقہاء کے زمانہ کے بندوق پر قیاس فرمایا ہے

اور دونوں میں کیا فرق ہے وہ پہلے مفصل لکھا جا چکا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

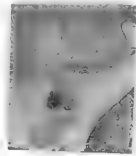
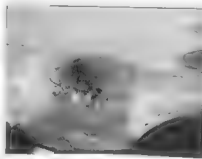
موجودہ زمانے کی بندوق میں استعمال ہونے والی گولیاں نوکدار ہیں، جرح اور انہار دم اچھی طرح حاصل

ہوتا ہے۔

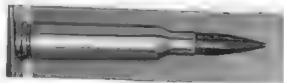
ملحقہ تصاویر میں اس کا مشاہدہ کیجئے:



*A deer shot behind the shoulder with a Vulkan bullet in .308 Win. The animal is skinned and lungs removed to check the effect of the shot.*



*A roe deer has been shot with a heavy but high velocity calibre. The animal is skinned and the effect of the impact is analysed.*



## شکار کے مسئلہ پر مقالہ تحریر کرنے کے اسباب

در اصل اس مسئلہ پر زیادہ تحقیق کرنے کے تین اسباب ہیں:

(۱) جنوبی افریقہ میں ملک کے اکثر دارالافتاء کے مفتیان کرام نے ایک اکیڈمی ”جمعیۃ المفتین“ کے نام سے منعقد کی ہے جس میں حالاتِ حاضرہ اور جدید مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا ہے، اسی مناسبت سے بتاریخ ۷/ مئی ۲۰۰۳ء مطابق ۶/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ بروز سنچر بمقامِ آزادول شکار کے مسئلہ پر بحث و مباحثہ ہوا اور مفتیان کرام نے اپنی اپنی تحقیق و مقالات پیش فرمائے، اسی مجلس کے لیے یہ اس مقالہ کا ایک حصہ تیار کیا گیا اور شرکاءِ سیمینار کی خدمت میں پیش بھی کیا گیا۔ بعد میں مزید اضافے کیے گئے پھر بعد میں علامہ محمد عابد انصاری سندھی کا رسالہ بھی بندہ عاجز کو اسلام آباد کے ایک کتب خانہ سے مل گیا، شیخ محمد عابد سندھی حضرت مولانا عبد الغنی مجددی کے شیخ ہیں، مولانا عبد الغنی مجددی سنن ابن ماجہ کے حاشیہ ”انجاء الحاجہ“ میں توسل کے مسئلہ میں فرماتے ہیں: ذکر شیخنا عابد السندی فی رسالته، (ص ۹۸)۔

پھر ص ۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں: وقد کتب شیخنا المذکور رسالة مستقلة فیها التفصیل۔ (ص ۹۹) اور حضرت مولانا عبد الغنی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت گنگوہی دونوں کے شیخ ہیں۔ (۲) دوسری اہم اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس ملک میں شکار کا زیادہ دستور ہے عام طور پر لوگ ایامِ تعطیلات میں شکار کے لیے جاتے ہیں اور شکار کرتے ہیں، اور جانور کا فی مہینے ہوتے ہیں مثلاً چار، پانچ ہزار کا ایک جانور ہوتا ہے، پھر گولی لگنے کے بعد شکار تک پہنچنا کبھی مشکل ہوتا ہے زیادہ مسافت کی وجہ سے، اس لیے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گولی لگنے کے بعد جانور شکاری کے پہنچنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے، جس کی وجہ سے کافی نقصان ہوتا ہے، بنا بریں شکار کرنے والوں نے خصوصی توجہ دلائی کہ اس مسئلہ پر غور فکر کر کے شریعت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کی جائے۔

(۳) چونکہ ہر زمانہ میں آلات بدلتے رہتے ہیں چنانچہ فقہاء کے زمانہ میں بندوق کی نوعیت مختلف تھی جس کی وجہ سے اکثر فقہاء محدثین نے مٹی کے غلہ کو بندوق کہا ہے، اور ہمارے زمانہ میں بندوق کی نوعیت بالکل ہی جداگانہ اور مختلف ہے، لہذا ضرورت اس بات کی تھی کہ دونوں کے درمیان فرق واضح کیا جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ بدلتے ہوئے آلات سے احکام بھی بدلتے ہیں، جو حکم مٹی کے غلہ کا ہے وہ حکم نوکدار گولی کا یقیناً نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷).

عن أبي ثعلبة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

نهى عن أكل كل ذي ناب من السباع.

(رواه البخارى).

وعن ابن عباس قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم

عن كل ذي ناب من السباع وعن كل ذي مخلب من الطير.

(رواه مسلم).

## باب ..... ﴿۲﴾

# ما يؤكل لحمه من

# الحيوانات وما لا يؤكل

وعن أبي قتادة، في قصة انحصار الوحشى، فأكل منه

النبي صلى الله عليه وسلم. (متفق عليه).

وعن ابن أبي أوفى قال: غزونا مع رسول الله صلى الله عليه

وسلم سبع غزوات فأكل الجراد. (متفق عليه).

وعن أنس، في قصة الأرنب، قال: فذبحها فبعث بوركها إلى

رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبضه. (متفق عليه).



## باب ..... ﴿۲﴾

### ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم جانوروں کے احکام

ہاتھی کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: ہاتھی کا گوشت کھانا کیوں ناجائز ہے جب کہ وہ گھاس کھاتا ہے؟ کیا ہاتھی کا شمار ذوناب میں ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے ہاتھی کو ذوناب جانوروں میں شمار کیا ہے اس لیے اس کا کھانا ناجائز ہے، ذوناب کا مطلب چیرنے اور پھاڑنے والے دانت چاہے وہ رباعی ہوں یا اضراس ہوں اور ہاتھی ان باہروالے دانتوں کو چیر پھاڑ کے لیے استعمال کرتا ہے اس لیے اس کا کھانا ناجائز ہے، اور یہ سینگ نہیں ہیں کیونکہ سینگ سر پر ہوتے ہیں اور یہ دانتوں کی جگہ پر سامنے ہوتے ہیں، گویا کہ یہ دانتوں کا ایک حصہ ہے جس کو صرف چیر پھاڑ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، اور گھاس کھانا حلال ہونے کی دلیل نہیں ہے گدھا اور خیر بھی گھاس کھاتے ہیں پھر بھی حرام ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن کل ذی ناب من

السباع وعن کل ذی مخلب من الطیر. (مسلم شریف ۱۴۷/۲)۔

البحر الرائق میں ہے:

ولا يؤكل ذوناب ولا مخلب من سبع وطير يعني لا يحل أكل ذوناب من سباع البهائم وذی مخلب من سباع الطير لما روى ابن عباس رضی اللہ عنہ... ويدخل فيه الفيل أيضاً لأنه ذوناب . (البحر الرائق: ۱۷۱/۸، کوئٹہ). (وكذا في بذل المجتهد: ۵۲۵/۱۱، دار البشائر الإسلامية).

وقال في الهداية : والفيل ذوناب . (الهداية: ۴/۴۴۰).

وقال في المحيط البرهاني : والمراد من الناب والمخلب الناب الذي هو سلاح والمخلب الذي هو سلاح... وكرهوا أيضاً الفيل والدب والقرود والضب . (المحيط البرهاني: ۴۳۱/۶، مکتبہ رشیدیہ).

وقال في منية الصيادين : ولا يؤكل كل ذی ناب من السباع وكل ذی مخلب من الطير والمراد من الناب والمخلب : الناب الذي هو سلاح وكرهوا لحم الفيل . (منية الصيادين، ص ۲۰۵).

وفيه أيضاً: وكل ذی ناب من السباع وذی مخلب من الطير حرام كالأسد والفهد... والفيل والقرود . (منية الصيادين، ص ۲۰۶).

وفی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ما لا یحل اكله... فیل . (الفقہ الحنفی: ۲۵۹/۵).

اعلاء السنن میں ہے:

الفيل محرم، قال أحمد: ليس هو من أطعمة المسلمين، وقال الحسن: هو مسخ، وكرهه أبو حنيفة، والشافعي، ورخص في أكله الشعبي، ولنا نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن أكل كل ذی ناب من السباع، وهو من أعظمها ناباً، ولأنه مستخث، فيدخل في عموم الآية المحرمة .

أغرب ابن حزم حيث قال: وأما الفيل فليس سباعاً، ولا جاء في تحريمه نص فهو حلال، قلنا: كونه من السبع أظهر من أن يخفى على عاقل، ولعله رأى الفيلة المستأنسة،

ولم ير المتوحشة في الجبال والصحارى ، ولو كان الاستئناس دليل انعدام السبعية لم يكن الدب ، والفهد أيضاً من السباع ، فان كلها تستأنس ، وتقناد للانسان ، وای نص اصرح فی تحریمه من قوله صلى الله عليه وسلم : ”كل ذی ناب من السباع فاکله حرام“ والفيل من اعظمها ناباً ، كما لا يخفى .

والعجب ممن يقول : بأن الكلب ذو ناب من السباع ، وكذلك الهر والثعلب ، فكل ذلك حرام ، ويخفى عليه ناب الفيل ، فإن كان كذلك ، فقد خفى عليه ما لم يخف على أحد غيره . (اعلاء السنن : ۱۷/۱۵۴)۔

فتح القدیر میں ہے:

والفيل كالخنزير نجس العين عند محمد فيكون حكمه حكمه وعند أبي حنيفة وأبي يوسف هو كسائر السباع نجس السور واللحم لا العين فيجوز بيع عظمه والانتفاع به في الحمل والمقاتلة والركوب فكان كالكلب يجوز الانتفاع به . (فتح القدیر: ۶/۴۲۷ ، دار الفکر)۔  
مجمع الانهر میں ہے:

ويحرم أكل ذی أى صاحب ناب ... والفيل لأنه ذو ناب . (مجمع الانهر ۲/۵۱۳)۔

لسان الحکام میں ہے:

[ نوع فيما يؤكل وفيما لا يؤكل ] وفي شرح الطحاوي: لا يؤكل ذو ناب من السباع . بيانه الأسد والذئب والنمر والفهد والثعلب والضبع والكلب والسنور الأهلي والبري والفيل . (لسان الحکام ، ص ۳۸۰ ، الفصل الثاني والعشرون ، دار الفکر)۔  
بدائع الصنائع میں ہے:

وعن الزهري قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”كل ذی ناب من السباع حرام“ ، فذو الناب من سباع الوحش مثل الأسد والذئب والضبع والنمر والفهد... والفيل ونحوها فلا خلاف في هذه الجملة أنها محرمة إلا الضبع فإنه حلال عند الإمام الشافعي .

(بدائع الصنائع: ۳۹/۵، سعید).

بتایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفیل ذو ناب فیکره فإن قلت: إن لم یکن من السباع فلا یکره قلت: الناس لا یعدونه من السباع ولكن فيه معنى السبعية والحاقه بالسباع یكون بنوع من الاجتهاد فهذا استعمال لفظ الکراهة کذا قال تاج الشریعة قلت: المراد من الکراهة التحريم فأکله حرام وبه قال: أكثر أهل العلم إلا الشعبي فإنه أرخص في أکله لعموم قوله سبحانه وتعالى: ﴿قُلْ لَا أُجِدُ فِيمَا أُوْحِیَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾، الآية: وبه قال أصحاب الظاهر وللعمامة أنه ذو ناب فیدخل في عموم الحديث لأنه مستحب فیدخل في الخبائث. (البنایة شرح الهدایة: ۱۰/۶۹۸، رشیدیہ).

ہاتھی کے دانت کے بارے میں ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے:

انگریزی عبارات کا خلاصہ حسب ذیل درج ہے:

عام طور پر انیاب وہ دانت ہوتے ہیں جسے جانور چیر پھاڑتا ہے مگر ہاتھی ایک ایسا جانور ہے کہ اس کے دانت لمبے تو ہیں مگر جدید معلومات کے مطابق یہ انیاب نہیں رباعی ہیں۔

ہاتھی کے بڑے دانت جو کہ اس کے کاسرہ سر میں سے ہیں یہ اصلاً بڑے انیاب کی بجائے بڑے رباعی ہیں۔

ہاتھی اپنے ان دونوں دانتوں کو زمین کھودنے کے لیے استعمال کرتا ہے تاکہ اس سے کھانا نکلے اور جب وہ آپس میں لڑتے ہیں تب ان دانتوں کو اپنے دفاع کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسی سے وہ ایک ٹن بوجھ اٹھانے پر قادر ہوتے ہیں۔ (ولڈبک انسائیکلو پیڈیا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھی کے دانت چاہے وہ رباعی ہوں یا اضراس ہوں ہاتھی ان کو چیر پھاڑنے کے لیے استعمال کرتا ہے، اس لیے وہ ذناب میں شامل ہوا اور اس کا کھانا ممنوع ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## زرافہ کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: زرافہ کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں جب کہ اس کے دانت ہوتے ہیں لیکن ان دانتوں سے

کسی جانور پر حملہ آور نہیں ہوتا، اونٹ کی طرح ہوتا ہے؟

**الجواب:** زرافہ کی خوراک اکثر درختوں کے پتے اور نرم ٹہنیاں ہیں، اور یہ شکاری جانوروں میں سے نہیں ہے، اور شافعی علماء میں سے امام سبکیؒ کی تحقیق کے مطابق یہ ذوناب میں سے نہیں ہے، بنا بریں حرمت کی کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی، اس کا گوشت کھانا درست ہے۔

ملاحظہ ہوا الاشباہ والنظائر میں ہے:

منها: مسألة الزرافة؛ فمذهب الشافعي القائل بالإباحة والحل في الكل وأما مسألة الزرافة فالمختار عندهم حل أكلها وقال السيوطي ولم يذكرها أحد من المالكية والحنفية وقواعدهم تقتضي حلها والله تعالى أعلم. (الاشباہ والنظائر: ۶۶/۱، تحت القاعدة الثالثة: اليقين لا يزول بالشك).

امام سیوطی الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

ومنها: مسألة الزرافة؛ قال السبكي: المختار حل أكلها: لأن الأصل الإباحة، وليس لها ناب كاسر، فلا تشملها أدلة التحريم وأكثر الأصحاب لم يتعرضوا لها أصلاً ولا بحل ولا بحرمة، وصرح بحلها في فتاوى القاضي الحسين والغزالي، وتمة القول وفروع القطان وهو المنقول عن نص الإمام أحمد... ولم يذكرها أحد من المالكية والحنفية وقواعدهم تقتضي حلها. (الاشباہ والنظائر للإمام السيوطي: ۱۳۳/۱، ط: بيروت).

درمختار میں ہے:

(ولا يحل ذو ناب يصيد بناه) فخرج نحو البعير (أو مخلب يصيد بمخلبه) أي ظفره، فخرج نحو الحمامة (من سيع) بيان لذي ناب. (الدرالمختار: ۳۰۴/۶، كتاب الذبائح، سعيد).

وقال في ”الفقه على المذاهب الأربعة“ ويحرم أكل كل ذي ناب من سباع البهائم يسطو به على غيره... فخرج ما له ناب لا يسطو على غيره كالجمل فإنه حلال. (الفقه على

المذہب الاربعہ: ۵/۲، کتاب الحظرو الاباحہ، مبحث ما یمنع اکہ و ما یباح او ما یحل و ما لا یحل، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (حلال و حرام چوپائے اور ان کے طبی فوائد ص: ۹۰)۔ واللہ اعلم۔

## زیبرے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: حمار الزرد (زیبرا) کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: زیبرا حمار الزرد و حمار الوحش جنگلی گدھوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اور جس طرح جنگلی گدھے کا گوشت کھانا جائز ہے اسی طرح زیبرے اور گورخر کا گوشت کھانا جائز ہے۔  
حدیث شریف میں ہے:

وعن أبي قتادة رضی اللہ عنہ أنه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا كان ببعض طريق مكة تخلف مع أصحاب له محرمين وهو غير محرم فرأى حماراً وحشياً... سأله عن ذلك قال: إنما هي طعمة أطعمكموها الله . (رواه البخاري برقم: ۲۹۱۴، باب ما قيل في الرماح، هو موسم برقم: ۱۱۹۶)۔

ملاحظہ ہوا رحمہم اللہ الوسیط میں ہے:

وحمار الزرد أو الوحش : جنس حیوان من ذوات الحوافر وفصيلة الخيل معروف

بألوانه المخططة . (المعجم الوسيط، ص ۱۹۶، کتب خانہ حسینیہ دیوبند)۔

المنجد میں ہے:

الحمار: گدھا، یہ ابلی (پالتو) بھی ہوتا ہے اور وحشی جنگلی بھی، اسی لیے جنگلی کو حمار وحش اور حمار الوحش

اور الحمار الوحشی کہتے ہیں، ... حمار الزرد۔ جنگلی سفید رنگ سفید دھاریوں والا گدھا۔ (المنجد، ص ۲۳۷، دارالاشاعت، کراچی)۔

المورد (قاموس انکلیزی، عربی) میں ہے:

العنابی ؛ حمار الزرد ؛ حمار وحشی - (ZEBRA)۔ (المورد ص: ۱۳۸۰)۔

عالمگیری میں ہے:

وما له دم سائل نوعان : مستأنس ومتوحش ، أما المستأنس من البهائم فتحو الإبل والبقر والغنم يحل بالإجماع ، وأما المتوحش نحو الظباء وبقر الوحش وحمر الوحش وإبل الوحش فحلال بإجماع المسلمين . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸۹، باب بيان ما يؤكل من الحيوان وما لا يؤكل).

(وكذا في التفت في الفتاوى، ص ۱۴۹، اصناف الحيوان وما يحل أكله وما يحرم).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع: كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات: وذلك كالظباء، وبقر الحش، وحمر الوحش، وإبل الوحش، وهذا النوع حلال بإجماع المسلمين، لأنه من الطيبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵/۱۳۴، ط: وزارة الاوقاف). والله تعالى اعلم۔

**کنگرو کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:**

**سوال:** سائنس دانوں کے بقول کنگرو ہرن کی طرح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شریعت میں بھی ہرن کی طرح ہوگا اور اس کا گوشت کھانا ہرن کے گوشت کی طرح جائز ہوگا؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ہرن کے گوشت کی طرح کنگرو کا گوشت کھانا بھی جائز اور درست ہے۔ بعض ماہرین سے تحقیق کرائی گئی تو معلوم ہوا کہ کنگرو بالکل گوشت نہیں کھاتا بلکہ ہرن وغیرہ کی طرح صرف گھاس چارہ کھاتا ہے اور ذناب بھی نہیں ہے کہ اپنے دانتوں اور داڑھوں سے شکار کرتا ہو اس لیے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وأما المتوحش نحو الظباء وبقر الوحش وحمر الوحش وإبل الوحش فحلال

باجماع المسلمین . (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۸۹)۔

الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع: كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات: وذلك كالطباء، وبقرة الحش، وحمرة الوحش، وإبل الوحش، وهذا النوع حلال باجماع المسلمين، لأنه من الطيبات. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵/۱۳۴، ط: وزارة الاوقاف).

☆ کنگرو (kangaroo) آسٹریلیا کا ایک جانور جس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی اور کچھلی بڑی ہوتی ہیں، اس کے پیٹ میں ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ اپنے بچے کو بٹھالیتا ہے۔ (فیروز اللغات، ص ۱۰۳۶، وقاموس انگریزی، عربی، ص ۱۲۸)۔

انسائیکلو پیڈیا میں یہ بھی مذکور ہے:

اس کی غذا میں عام طور پر درختوں کے پتے، کھاس اور نباتات وغیرہ ہوتے ہیں، اور اس کے دانتوں میں انیاب بھی نہیں ہوتے۔ (الکتاب انسائیکلو پیڈیا)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوئے کا گوشت کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا کو احوال ہے یا حرام؟ اور کوئے کی کتنی قسمیں ہیں؟ احادیث سے کوئے کی حرمت مرشح ہوتی ہے ان کی کیا تاویل ہے؟ بیوقوف تو جروا۔

الجواب: کوئے کی تین قسمیں ہیں:-

(۱) کھیتی کا کوا، جو اناج غلہ وغیرہ کھاتا ہے اور گندگی بالکل نہیں کھاتا یہ بالاتفاق حلال ہے۔

(۲) الابقع، جو ہمیشہ گندگی کھاتا ہے۔ اس کا گوشت کھانا بالاتفاق ناجائز ہے۔

(۳) عقق، قاق، جو اناج غلہ اور گندگی دونوں کھاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے امام صاحبؒ کے

نزدیک اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور فتویٰ امام صاحبؒ کے قول

پر ہے۔



اللباب فی شرح الکتاب میں ہے:

(ولا بأس بغراب الزرع) ، وهو المعروف بـ : الزاغ ؛ لأنه يأكل الحب ، وليس من سباع الطير . وكذا الذي يخلط بين أكل الحب ، والجيف ، كالعقق ، وهو المعروف بـ : القاق ، على الأصح كما في ”العناية“ وغيرها .

وفی الهدایة : لا بأس بأكل العقق ؛ لأنه يخلط ، فأشبهه الدجاجة ، وعن أبي يوسف : أنه يكره ؛ لأن غالب أكله الجيف . ( ولا يؤكل ) الغراب ( الأبقع الذي يأكل الجيف ) ... قال القهستاني : أي لا يأكل إلا الجيفة ، وجثة الميت .

وفیه إشعار بأنه لو أكل من الثلاثة : الجيفة ، والجنة ، والحب جميعاً : حل ، ولم يكره . وقالوا : يكره ، والأول أصح .

وفی ”العناية“ والغراب ثلاثة أنواع :

☆ نوع يلتقط الحب ، ولا يأكل الجيف ، وليس بمكروه .

☆ ونوع لا يأكل إلا الجيف ، وهو الذي سماه المصنف : الأبقع ، وإنه مكروه .

☆ ونوع يخلط : يأكل الحب مرة ، والجيف أخرى ، ولم يذكره في ”الكتاب“ ،

وهو غير مكروه عند أبي حنيفة ، مكروه عند أبي يوسف . (اللباب فی شرح الکتاب: ۵۷۴/۴، باب

ما يحل أكله ، وما لا يحل ط: دار البشائر الإسلامية).

مبسوط میں ہے:

وعن هشام بن عروة عن أبيه أنه سئل عن أكل الغراب فقال : ومن يأكله بعد ما سماه رسول الله صلى الله عليه وسلم فاسقاً يريد به الحديث المعروف خمس فواسق يقتلهم المحرم في الحل والحرم وذكر الغراب من جملة ما يباح به ما يأكل الجيف وأما الغراب الزرع الذي يلتقط الحب فهو طيب مباح لأنه غير مستخبث طبعاً وقد يألّف الآدمي كالحمام فهو والعقق سواء ولا بأس بأكل العقق فإن كان الغراب بحيث يخلط فيأكل

الجيف تارة والحب تارة فقد روى عن أبي يوسف أنه يكره... وعن أبي حنيفة أنه لا بأس بأكله وهو الصحيح على قياس الدجاجة فإنه لا بأس بأكلها وقد أكلها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي قد تخلط أيضاً. (المبسوط للإمام السرخسي: ۲۲۶/۱۱، كتاب الصيد).

وللاستزادة انظر: (الاختيار لتعجيل المختار: ۱۶/۵، كتاب الذبائح، والفقه الحنفی فی ثوبه الحديد: ۲۵۸، ۲۵۶/۵، ما یحل أكله وما یحرم، ۶/۳۰۸، سعید بن شرح تحفة الملوك: ۱۷۳۷/۲، لابن ملک).  
جن احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے ان میں سے چند ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خمس من الدواب ليس على المحرم في قتلهن جناح الغراب والحدأة... الخ. (متفق عليه).

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "خمس من الدواب كلها فاسق يقتلن في الحرم الغراب والحدأة... الخ. (متفق عليه).

لیکن فقہاء اور محدثین نے اس بات کی تصریح فرمادی ہے کہ مذکور فی الحدیث غراب سے مراد وہ ہے جو گندگی کھاتا ہو جیسا کہ بحوالہ مبسوط مذکور ہو اور مزید ملاحظہ ہو:

مرقات میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وخرج الزاغ وهو أسود... ويسمى غراب الزرع لأنه يأكله. (مراقبة المفاتيح: ۳۸۸/۵).

عمدة القاری میں ہے:

الوجه الثاني: في حكم الغراب: فقال صاحب الهداية: المراد بالغراب أكل الجيف وهو الأبقع، روى ذلك عن أبي يوسف، واحتج في ذلك بما رواه مسلم من حديث سعيد بن المسيب عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: "خمس فواسق يقتلن في الحل والحرم: الحية والغراب الأبقع...". وقال القرطبي: "هذا تنقيح لمطلق الروايات التي ليس فيها الأبقع، وبذلك قالت طائفة، فلا يجوزون إلا قتل الأبقع خاصة... قلت: الروايات المطلقة محمولة على هذه الرواية المقيدة التي رواها مسلم، وذلك لأن

الغراب إنما أبيح قتله لكونه يبتدىء بالأذى ، ولا يبتدىء بالأذى إلا الغراب الأبقع ، وأما الغراب الغير الأبقع فلا يبتدىء بالأذى ، فلا يباح قتله : كالعقق وغراب الزرع ، ويقال له الزاغ ، وأفتوا بجواز أكله . (عمدة القاری: ۷/ ۵۰۱، باب ما يقتل المحرم من الدواب، دار الحديث، ملتان)۔  
وفيه أيضاً : الغراب الأبقع هو الذى فى صدره بياض . وفى المحکم : غراب أبقع يخالط سواده بياض ، وهو أخيهما وبه يضرب المثل لكل خبيث ، وقال أبو عمر : هو الذى فى بطنه وظهره بياض . (عمدة القاری، ص ۴۹۹)۔  
بدائع الصنائع میں ہے:

قال أبو يوسف الغراب المذكور فى الحديث هو الغراب الذى يأكل الجيف أو يخلط مع الجيف إذ هذا النوع هو الذى يبتدىء بالأذى والعقق ليس فى معناه لأنه لا يأكل الجيف ولا يبتدىء بالأذى . (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۹۷، سعيد)۔  
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/ ۲۲۵ و ۲۲۷، جامعہ فاروقیہ، کفایت المفتی: ۱۲۱/۹، دار الاشاعت، تذکرۃ الرشید، ص ۱۷۸،  
وامہ ادا الاحکام: ۳۰۹/۳، و فتاویٰ رحمیہ: ۵/ ۵، و فقہی مقالات: ۳۲۰/۲، واحسن الفتاویٰ: ۲۴۱/۷)۔ واللہ اعلم۔

**جدید تحقیق کے اعتبار سے کوئے کی اقسام:**

جدید تحقیق کے مطابق کوئے کی کل چھ قسمیں ہیں:

(۱) nutcracker ، یہ شمالی امریکہ، ایشیا اور یورپ میں پایا جاتا ہے، اس کی اصل غذا غلہ ہے، نیز

چھوٹے چھوٹے جانور بھی کھاتا ہے۔

(۲) magpie ، یہ کیڑے مکوڑے، پرندوں کے انڈے، پتے، پھل وغیرہ مخلوط غذا کھاتا ہے۔

(۳) scrub jay ، یہ صرف پودے اور پتے کھاتا ہے۔

(۴) jackdaw ، یہ یورپ اور مشرقی ایشیا میں پایا جاتا ہے اور مخلوط غذا کھاتا ہے۔

(۵) raven ، یہ کینیڈا اور شمالی افریقہ میں پایا جاتا ہے، اس کی غذا درخت کے پتے، پھل اور چھوٹے پرندے وغیرہ ہیں۔

(۶) rook ، یہ یورپ میں دستیاب ہوتا ہے۔ (مستفاد از انکٹا)۔

مذکورہ بالا اقسام میں سے جن کی غذا پتے، پودے، پھل وغیرہ ہیں تو ان کا کھانا حلال ہوگا، اور جو مخلوط غذا کھاتے ہیں ان کا کھانا مکروہ ہوگا، و حاجۃً بخلاۃ کی طرح، ان میں سے ایک قسم jay میں شامل ہے وہ صرف مردار کھاتا ہے اور شکاری جانوروں کے ساتھ رہ کر شکار کا گوشت کھاتا ہے لہذا اس کا کھانا بالکل حرام ہے۔  
فائدہ: فقہاء جس کو معتق کہتے ہیں وہ magpie ہے۔

الغداف : raven ، و هو المعروف عند أهل اللغة بالأبقع، جس کے پیٹ یا سینہ اور پشت پر سفیدی ہوتی ہے۔

jay : طائر كالغراب أبو زريق -

rook : الغداف، غراب القیظ، rookery موضع تتولد فيه الغدافان أو جماعة من الغدافان۔

jackdaw : الزاغ الزرعی . غراب الزیتون .

راجع : (رد المحتار: ۵۷۰/۲، سعید، و اعلاء السنن: ۱۷/۱۷، وقاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۳/۳۵۷)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## گدھے کا گوشت حرام ہونے کی حکمت:

سوال: گدھا گھاس کھاتا ہے پھر اس کی حرمت کی کیا حکمت ہے؟ حدیث شریف سے اس کی حرمت واضح ہے، لیکن گھاس کھانے کی وجہ سے شہ پیدا ہوتا ہے۔ بیوا تو جروا۔

الجواب: اسلام کا دستور ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو اخلاقی عالیہ اور صفاتِ فاضلہ کی تعلیم دیتا ہے اور ہر قسم کی بد اخلاقی بد تمیزی اور صفاتِ خسیہ و دنیہ سے روکتا ہے، یہ بات مسلم ہے کہ ان صفات کا صدور اندرونی غذا کے اثرات سے ہوتا ہے، بنا بریں شریعتِ مطہرہ نے اچھے جانوروں کے گوشت کو حلال کیا اور بری اور قبیح

صفات والے جانوروں کو حرام قرار دیا، اور گدھے کا شمار بری عادات والے جانوروں میں ہوتا ہے، اس لیے اس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تاکہ اس کی قبیح عادات انسانی جوہر کو فاسد نہ کر دے۔

گدھے کی چند قبیح عادات حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) حمار میں حماقت معروف و مشہور ہے۔ حتیٰ کہ بے وقوفی میں ضرب المثل ہے۔

(۲) حمار گھاس کھاتا ہے لیکن اگر گندگی مل جاتی ہے تو وہ بھی کھاتا ہے۔

(۳) اس کا گوشت انسانی طبیعت کے موافق نہیں اس کے کھانے سے انسان میں حمار جیسی خصلتیں

پیدا ہوں گی، اس لیے شریعت نے اس کو حرام قرار دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

اعلم أنه لما كانت سعادة الإنسان في الأخلاق الأربعة التي ذكرناها وشقاوته في أضدادها أوجب حفظ الصحة النفسانية وطرده المرض النفساني أن يفحص عن أسباب تغير مزاجه إلى إحدى الوجهتين .

فمنها: أفعال تلبس بها النفس وتدخل في جذر جوهرها ، وقد بحثنا عن جملة صالحة من هذا الباب .

ومنها: أمور تولد في النفس هيئات ذنية توجب مشابهة الشياطين والتعبد من الملائكة وتحقق أضداد الأخلاق الصالحة من حيث يشعرون ومن حيث لا يشعرون ، فسلقت النفوس اللاحقة بالماء الأعلى التاركة للالوات البهيمية من حظيرة القدس بشاعة تلك الأمور كما تلقى الطبيعة كراهية المر و البشع ، و أوجب لطف الله ورحمته بالناس أن يكلفهم برؤوس تلك الأمور ، والذي هو منضبط منها وأثرها جلبي غير خاف فيهم .

ولما كان أقوى أسباب تغير البدن والأخلاق المأكول وجب أن يكون رؤوسها من هذا الباب ، فمن أشد ذلك أثر تناول الحيوان الذي مسخ قوم بصورته ...

ومنها : الحمار فإنه يضرب به المثل في الحمق والهوان وكان كثير من أهل الطباع

السليمة من العرب يحرمونه و يشبه الشياطين، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: ”إذا سمعتم نهيق الحمار فتعوذوا بالله من الشيطان فإنه رأى شيطاناً“.

وأيضاً قد اتفق الأطباء أن هذه الحيوانات كلها مخالفة لمزاج نوع الإنسان لا يسوغ تناولها طبعاً. (حجة الله البالغة: ۲/۳۱۶-۳۱۸، ط: قديمي).

مزید کے لیے ملاحظہ ہو: (احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص ۲۱۳، ط: مکتبہ عرفان)۔ واللہ اعلم۔

## گھوڑے کے گوشت کا شرعی حکم:

**سوال:** گھوڑے کا گوشت کھانا مذہب احناف میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ قرآن حدیث کی روشنی میں حکم تحریر فرمائیے؟ بینو بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

**الجواب:** گھوڑے کے گوشت کے بارے میں مذہب احناف میں اختلاف ہے، صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے پھر اس میں اختلاف ہے کہ کراہت سے مراد تحریمی ہے یا تنزیہی، سومتون میں کراہت تحریمی کو اختیار کیا گیا ہے اور علامہ شامیؒ اور دیگر حضرات نے کراہت تنزیہی کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو ”التصحیح والترجیح“ میں مرقوم ہے:

(ویکره أكل لحم الفرس عند أبي حنيفة)، قال القاضي الإمام الأسبجاني: الصحيح أنه كراهة التنزيه. وقال في الهداية، وشرح الزاهدی: ثم قيل: الكراهة عنده كراهة تحريم، وقيل: كراهة تنزيه، والأول أصح.

وقالا: لا بأس بأكله. ورجحوا دليل الإمام، واختار قوله المحبوبي والنسفی والموصلي، وصادر الشريعة. (التصحیح والترجیح، ص ۴۱۶، بیروت، لبنان، وكذا في الباب في شرح

وفي هامش التصحيح: قال المصنف [أى العلامة قاسم بن قطلوبغا] في رسالته في "حكم الإسلام في لحوم الخيل" (٧٧، ٧٦): قال سيف الحق: والرواية الظاهرة عن أبي حنيفة أنه يكره أكلها - أى الخيل - ولا يطلق التحريم، لاختلاف الأحاديث المروية، واختلاف السلف، والاحتياط، قلت: وبهذا أقول، واللّه سبحانه وتعالى أعلم. (حاشية التصحيح والترجيح، ص ٤١٦).

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے وفات سے تین دن پہلے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔  
ملاحظہ ہو علامہ سید احمد طحطاویؒ فرماتے ہیں:

... بل صح رجوعه عن القول بحرمنه قبل موته بثلاثة أيام وعليه الفتوى وذكر شيخ الإسلام وغيره أن أكل لحمه مكروه تنزيهاً في ظاهر الرواية وهو الصحيح كما في مجمع الأنهر. (حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، ص ٢٩، قديمي).

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار: ٣٠٥/٦، سعب، وقاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ٣/٣٥٨).

امام صاحبؒ کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

قرآن کریم اور بعض احادیث کا تقاضا یہ ہے کہ لحوم الخیل ممنوع ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالْأَنْعَامُ خُلِقَتْ لَكُمْ فِيهَا دِفءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ [النحل: ٥]۔  
منہا کا تقاضا یہ ہے کہ صرف انعام کھانے کی چیز ہے اور انعام اونٹ، گائے، بیل، اور بھیڑ بکریوں کو کہتے ہیں گھوڑا ان میں شامل نہیں ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةٌ وَفَرَسٌ كَلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَبْغُوا خَطَوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ [الانعام: ١٤٢]۔

تیسری جگہ ہے: ﴿ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ... وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ...﴾ [الانعام: ١٤٣] ان آٹھ اقسام میں اونٹ، بقر، بھیڑ، بکریوں کا ذکر ہے فرس کا ذکر نہیں۔

چوتھی جگہ ہے: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً﴾ [النحل: ٨] گھوڑوں

کو غیر ماکولات کی فہرست میں رکھا گیا ہے اور کھانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ ان آیات اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ممنوع ہے اور بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ گھوڑا ماکول ہے احناف اکثر تطبیق کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے اس میں تطبیق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں احیاناً بوقت ضرورت بھوک کی وجہ سے کھایا گیا اور ضرورت کی وجہ سے اس کی کراہت رفع ہو گئی تھی، اور عام حالات میں کراہت باقی رہتی ہے لیکن اس زمانہ میں نہ کھایا گیا اور نہ اب کھانا چاہیے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وتمام هذا الاستدلال أن الله تبارك وتعالى ذكر الأنعام فيما تقدم ومنافعها وبالغ في ذلك... وكذا ذكر فيهما بعد هذه الآية الشريفة متصلاً بها منافع الماء المنزل من السماء والمنافع المتعلقة بالليل والنهار والشمس والقمر والنجوم والمنافع المتعلقة بالبحر على سبيل المبالغة بيان شفاء لا بيان كفاية وذكر في هذه الآية أنه سبحانه وتعالى خلق الخيل... ذكر منفعة الركوب والزينة ولم يذكر سبحانه وتعالى منفعة الأكل فدل أنه ليس فيها منفعة أخرى سوى ما ذكرناه. (بدائع الصنائع: ۳۸/۵، سعيد).

بعض احادیث ملاحظہ فرمائیے:

ثنا يوسف عن أبيه عن أبي حنيفة عن الهيثم عن عكرمة عن ابن عباس ؓ أنه كان يكره لحم الخيل وقرأ هذه الآية: ﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا﴾. (كتاب الآثار لابن يوسف، ص ۲۳۷، دار الكتب العلمية بيروت).

ونحوه في مصنف لابن أبي شيبة (۳۴۶/۱۲).

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن خالد بن الوليد ؓ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن لحوم الخيل والبغال والحمير. قال البشار عواد: إسناده ضعيف، بقية بن الوليد ضعيف ومدلس، صالح بن يحيى بن المقدم لين الحديث وأبوه يحيى مجهول. (سنن ابن ماجه مع التعليقات: ۵۹۸/۴، دار النجيل).



ورواه أبو داود فی سننه وقال : وهذا منسوخ . (سنن ابی داود، رقم: ۳۷۹۰)۔

وفي رواية الطبراني بسنده عن خالد بن الوليد رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : لا يحل أكل لحوم الخيل والبغال والحمير . (المعجم الكبير للطبراني: ۳/ ۹۵۸ مؤسسه الريان)۔  
سنن دارقطنی میں ہے:

عن خالد بن الوليد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى يوم خيبر عن أكل لحوم الخيل والبغال والحمير و كل ذي ناب من السبع أو مخلب من الطير .  
وفي رواية له عنه قال : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الحمار الإنسي وعن خيلها وبغالها، وهذا إسناد مضطرب . (سنن الدارقطني: ۵/ ۵۱۷)۔

وكذا رواه أحمد في مسنده (رقم: ۱۶۸۱۷)، والنسائي في الكبرى (۴/ ۴۸۳) وقال : هذا الحديث أصح منه ويشبه أن يكون هذا إن كان صحيحاً أن يكون منسوخاً لأن قوله أذن في أكل لحوم الخيل دليل على ذلك . وكذا رواه البيهقي في الكبرى . (۳۲۸/ ۹) نشر الكتب الإسلامية)۔

ذکر کردہ روایت پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں:

اعتراض (۱): اس کی سند میں اضطراب ہے، بعض میں صالح عن ابیہ اور بعض میں عن جدہ ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس کا جواب اعلیٰ السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے یوں دیا ہے:

والجواب عنه أن لا اضطراب في السند، لأن الصحيح هو ما رواه بقية والواقدي وسليمان بن سليم في رواية علي بن بحر وما رواه محمد بن حمير أنه سمع جده فوهم ومنشأه أن صالحاً أو ثوراً اختصر في الرواية فقال عن جده فتوهم منه ابن حمير أنه سمع جده فرواه على التوهم ومع ذلك فمحمد بن حمير متكلم فيه وما رواه عمر بن هارون البلخي فهو إما اختصار في الرواية أو خطأ منه لأنه ضعيف جداً .

والدلیل علی ما قلناه إن محمد بن حرب یرویہ عنہ أحمد بن عبد الملک فیقول فی روایۃ عن صالح عن جدہ ویرویہ عنہ علی بن بحر فیقول فی روایۃ عن صالح عن أبیہ عن جدہ ویبدل هذا علی أن هذا الاختلاف لیس من قبیل الاضطراب بل من قبیل الإرسال علی وجه الاختصار والإسناد علی وجه الإتمام فاندفع طعن اضطراب السند. (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۴۳، ادارة القرآن).

علامہ ابن الترمذی نے الجوہر النقی میں اس کا جواب یوں دیا ہے:

وعمر بن ہارون لینظر فیہ علی ان عمر بن ہارون متروک ومحمد بن حمیر ذکرہ ابن الجوزی فی کتاب الضعفاء وقال: قال یعقوب بن سفیان لیس بالقوی فکیف تو جب روایۃ مثل ہذین اضطراباً لمارواه اسحاق الحنظلی وغیرہ عن بقیۃ. (الجوہر النقی: ۹/ ۳۲۸، ط: نشر الکتب).

ابن جوزی کا کلام ملاحظہ ہو: (کتاب الضعفاء، ترجمۃ: ۳۶۵ و ۴۷۵ و ۳۵۱۴).

اگرچہ محمد بن حمیر کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: (تہذیب الکمال: ۱۱۹/۲۵، مؤسسة الرسالة).

لہذا بہتر جواب وہ ہے جو بحوالہ اعلاء السنن مذکور ہوا۔

اعترض (۲): اس کی سند میں بقیہ بن الولید راوی ہے جو کہ ضعیف اور مدلس ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ جب بقیہ محدث کی تصریح کر دے تو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے۔ خصوصاً جب کہ اہل شام سے روایت کرے۔

ملاحظہ ہو: (الجوہر النقی: ۹/ ۳۲۸، تہذیب الکمال: ۱۱۹/۴، مؤسسة الرسالة).

اعترض (۳): اس روایت کی سند میں صالح بن یحییٰ ضعیف ہے؟ امام بیہقی فرماتے ہیں:

أخبرنا محمد بن إبراهيم الفارسي... ثنا محمد بن إسماعيل البخاري قال: صالح بن يحيى... فيه نظر. (السنن الكبرى: ۹/ ۳۲۸).

الجواب: اس کا جواب الجوہر النقی میں یوں دیا گیا ہے۔

وصالح ذكره ابن حبان في الثقات . ( الجوهر النقي : ۳۲۸/۹ ) .

( وكذا في تهذيب الكمال ۱۰۹/۱۲ ) .

اعترض (۴): یحییٰ بن المقدام بن معدیکرب مجہول ہے؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی نے اس کی توثیق نقل فرمائی ہے۔

قال : وأبوه يحيى ذكره الذهبي في الكاشف وقال وثق وأبوه مقدم بن المعديكرب

صحابی . ( الكاشف : ۳۷۷/۲ ط : علوم القرآن ) .

وذكره ابن حبان في الثقات ( ۵/۵۲۴ ) .

مزید برآں ابوداؤد شریف میں اس روایت کو منسوخ کہا گیا ہے اگر یہ روایت صحیح نہ ہوتی تو منسوخ کہنے کی

ضرورت نہ پڑتی۔

اعترض (۵): اس کے متن میں اضطراب ہے؟

الجواب: اعلاء السنن میں اس کا جواب مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

فالجواب عنه أن الروايات كلها متفقة على أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهي

عن لحوم الخيل ، وأما الاختلاف في أنهم جعلوا الرمكة أو البرذونة أو أنهم كانوا مضطربين

إلى الأكل أو قارمين إلى اللحم ، فذلك اختلاف في أمر خارج ولا يضرنا فاندفع طعن

اضطراب المتن أيضاً . ( اعلاء السنن : ۱۷/۱۴۳ ) .

اعترض (۶): حضرت خالد بن الولیدؓ کی روایت صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں یہ الفاظ ہیں:

”أمر لي يوم خيبر“ اور حضرت خالد بن الولیدؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے؟

الجواب: حضرت خالد بن الولیدؓ کے اسلام لانے کے بارے میں اختلاف ہے۔

ملاحظہ ہوا الاستيعاب میں ہے:

واختلف في وقت إسلامه وهجرته ففيل هاجر خالد بعد الحديبية وقيل بل كان

إسلامه بين الحديبية وخيبر وقيل : بل كان إسلامه سنة خمس بعد فراغ رسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم من بنی قریظۃ وقیل بل کان اسلامہ سنۃ ثمان مع عمرو بن العاص وعثمان بن طلحۃ . (الاستیعاب لابن عبدالبر: ۲/۴۲۷، دارالخیل).

نیز جن روایات میں خیبر کا ذکر ہے یہ راوی کا وہم ہے اور راوی کا وہم روایت میں اثر انداز نہیں ہوگا اس لیے کہ یہ وہم امر خارج میں ہے۔  
ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

لأنه صرح هذا القائل بنفسه في ترجمة خالد أنه اختلف في شهوده خيبر فكيف يقول ههنا أنه أسلم بعد خيبر بلا خلاف فإذا وقع الاختلاف فكيف يدفع الرواية بهذا العذر ولو سلم فغايبته أن ذكر خيبر وهم من الرواة ولا يقدح هذا الوهم في الرواية لأنه وهم في أمر خارج عن المقصود لأن المقصود هو أنه صلى الله عليه وسلم حرم لحوم الخيل لا أنه متى حرم وكيف حرم ؟ (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۴۴، إدارة القرآن).

علامہ شیخ زاہد الکوثریؒ فرماتے ہیں:

ولم يقع ذكر خيبر إلا في إحدى الروايتين عند أبي داود، وروايات أحمد والنسائي وابن ماجه خلو من ذلك ، فلا مانع من أن يكون مرسلاً ، حيث وهم أحد الثقات في ذكر خيبر ، والثقة قد بهم ، ومخالفة الأكثر من إمارات الوهم ، ومرسل الصحابي حجة عند الجميع . (النكت الطريفة، ص ۶۵، اكل لحم الخيل، إدارة القرآن).

نیز حضرت جابرؓ کی روایت میں رخصت علی الاطلاق ثابت ہے اور مقید جس میں خیبر کا ذکر ہے وہ خطائی الفہم کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

وثانياً أن الذي ثبت عن جابر وصح عنه هو الرخصة على الإطلاق لا المقيدة بيوم خيبر... ثم لما تأملنا في منشأ هذه الزيادة علمنا أن منشأها هو الخطأ في الفهم لأنه لما سمع من جابرؓ أنه صلى الله عليه وسلم نهى يوم خيبر عن لحوم الحمر الأهلية و رخص في لحوم الخيل توهم أن الرخصة أيضاً كانت يوم خيبر . (اعلاء السنن: ۱۷/ ۱۴۵، إدارة القرآن).

اعتراض (۷): حضرت جابرؓ کی روایت ناسخ ہے اس لیے کہ اس میں اُذن اور رخص کے الفاظ

ہیں؟

الجواب: علامہ عینیؒ نے درج ذیل الفاظ میں اس کا جواب دیا ہے:

قلت: لا يصح الاستدلال على النسخ بقوله اُذن أو رخص لأنه يحتمل أن يكون إذنه في حالة المخصصة إذ هي أغلب أحوال الصحابة رضي الله تعالى عنهم وفي الصحيح أنهم ما وصلوا إلى خيبر إلا وهم جيا ع . (السنن الكبرى للنسائي: ۲۲۸/۱۲) فلا يدل على الإطلاق . (عمدة القاري: ۲۲۸/۱۲).

والإذن في خيبر لعله كان لضرورة المجاعة... (النكت الطريفة، ص ۶۵، إدارة القرآن).

وفي المرقاة: ولعل حديث الإباحة محمول على الضرورة . (مرقاة المفاتيح: ۱۳۰/۸).

وفی بذل المجہود: ثنا أبو أسامة عن هشام عن الحسن قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكلون لحوم الخيل في مغازيهم (مصنف ابن أبي شيبة برقم: ۲۴۷۹۵) فهذا يدل على أنهم كانوا يأكلونها حال الضرورة كما قال الزهري . (بذل المجہود: ۵۱۳/۱۱).

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولیدؓ کی روایت حسن ہے اور یہ محرم ہے اور حضرت جابرؓ کی روایت منج ہے اور محرم کو منج پر ترجیح ہوتی ہے البتہ چونکہ اباحت کی روایت اصح ہے اور تعداد میں زیادہ ہے اس لیے امام صاحبؒ نے دونوں پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے کراہت تنزیہی کا قول اختیار فرمایا اور صاحبینؒ نے اباحت کی روایت سے استدلال فرما کر حضرت خالدؓ کی روایت کو نہیں لیا لیکن مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ کی روایت بھی حسن سے کم نہیں ہے بنا بریں دلائل کی روشنی میں امام صاحبؒ کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابراہیم لکھنویؒ فرماتے ہیں:

فيرجح حديث خالدؓ لكونه حاضراً ، لكن لم يبتوا بالمنع ولا بالإباحة لكون

حديث جابر اصح مع وجود أحاديث أخرى تعارضه ، بل راعوا الجانبين وقالوا بالكراهة

بمعنی کراہۃ التنزیہہ۔ (النکت الطریفة، ص ۶۵)۔

اعلاء السنن میں ہے:

وللہ در أبي حنیفة ما أدق نظره فی الجمع بین الأحادیث وتنزیلها منازلها... وکره لحم الفرس ولم یقل إنه حرام لما ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنه رخص فی لحوم الخیل وجاء عنه أنه نهى عنها، وقد عرفت أنه لم ینفرد بذلك بل له سلف فیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ وبه قال الحكم بن عتیبة ومالك بن أنس. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۵۱)۔

وفی ”النکت“ قال: وخالفهم أبو حنیفة ومالك والأوزاعی وأبو عبید وقالوا:

لا یؤکل لحم الخیل. (النکت الطریفة، ص ۶۴)۔

نیز امام صاحبؒ کے مذہب کی تائید دلیل خارجی سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لحم الفرس کھانے سے آلہ جہاد میں کمی واقع ہوگی، لہذا نہ کھانے میں آلہ جہاد کی حفاظت ہے۔ ملاحظہ ہوا نکت میں ہے:

والحاصل أن القول بالكراہة فیہ الاحتفاظ بالخیول التي تشتد الحاجة إليها فی

الجهاد، واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم. (النکت، ص ۶۵)۔

سائد بکد اش شرح لباب کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

والتحريم ليس لنجاستها، بل احتراماً لها، حيث هي آلة الجهاد، وبها يقع إرهاب

العدو، و يضرب لها بسهم. ينظر: الجوهرة: ۲/۲۸۰، وابن عابدین: ۶/۳۰۵. (تعلیقات الشیخ سائد بکد اش

علی شرح الیاب: ۴/۵۷۷)۔

اگر چہ صحیح قول کراہت تنزیہی کا ہے، جیسے ما قبل میں مذکور ہوا، اور مزید ملاحظہ ہو: (عمدة القاری: ۱۳/۵۲۳،

دارالحدیث، ملتان، وفیض الباری: ۳/۳۳۲)۔

گھوڑے کا گوشت مباح ہونے کی چند روایات ملاحظہ ہوں:

عن أسماء قالت: نحرنا فرساً علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکلناه.

(رواہ البخاری ۲/۸۲۹، ومسلم ۲/۱۵۰، وابن ماجہ مرقم: ۳۱۹۰)۔

عن جابر بن عبد اللہ قال: نهى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يوم خيبر عن لحوم

الحمر و رخص في لحوم الخيل. (رواه البخاري ٨٢٩، ٢، ومسلم ١٥٠/٢). والله أعلم.

خرگوش کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** خرگوش کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** خرگوش کا گوشت کھانا جائز اور درست ہے۔ حدیث میں آتا ہے صحابہ کرام ؓ نے خرگوش کو ذبح کیا اور کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور ہدیہ بھیجا آپ نے قبول فرمایا۔ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کا حکم فرمایا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه قال : أنفجنا أرنباً ونحن بمر الظهران فسعى القوم فلغبوا فأخذتها فجئت بها إلى أبي طلحة فذبحها فبعث بوركها أو قال : بفخذها إلى النبي صلى الله عليه و سلم فقبلها . (رواه البخارى برقم: ٥٥٣٥ باب الارنب، ومسلم برقم: ١٩٥٣ باب اباحة الارنب).

ترندی شریف میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن رجلاً من قومه صَادَ أرنباً أو اثنين فذبحهما بمروة فتعلقهما حتى لقي رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأله فأمره بأكلها. قال أبو عيسى: وقد رخص أهل العلم أن يذكي بمروة ولم يرو بأكل الأرنب بأساً وهو قول أكثر أهل العلم. (ترمذي شريف برقم: ١٤٧٢).

ہدایہ میں ہے:

ولا بأس بأكل الأرنب لأن النبي صلى الله عليه وسلم أكل منه حين أهدى إليه مشواً  
وأمر أصحابه بالأكل منه ولأنه ليس من السباع ولا من أكلة الجيف فأشبهه الطيبى.  
(الهداية: ٤/٤٤١).

وللمزيد راجع: (البحر الرائق: ٨، ١٧٢، واللباب في شرح الكتاب: ٤/٥٧٨، دار البشائر والمبسوط للإمام

المسرحی: ۱/۱۶، ۴، والمحیط البرہانی: ۶/، و بدائع الصنائع: ۵/۳۹، سعید بتبین الحقائق: ۵/۲۹۵، امدادیہ ہو حلال و حرام چوپائے اور ان کے طہی نوامد، ص: (۲۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بارہ سنگھا کھانے کا شرعی حکم:

سوال: بارہ سنگھا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بارہ سنگھا جنگلی گائے کے مشابہ جانور ہے، اور جس طرح جنگلی گائے کا کھانا جائز ہے اسی طرح اس کا کھانا بھی شرعاً جائز اور درست ہے۔  
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

وأما المتوحش نحو الظباء و بقرة الوحش و حمر الوحش و إبل الوحش فحلال  
بإجماع المسلمين . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸۹).

(و كذا في التتف في الفتاوى ، ص ۱۴۹ ، اصناف الحيوان و ما يحل أكله و ما يحرم ، و بدائع الصنائع :  
۳۹/۵ ، سعید).

وفى الطحطاوى على الدر: وحل الابل فى المغرب ... الذكر من الأوعال ، وفى  
القاموس ... تيس الجبل . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۴/۱۵۷).  
الموسوعة الفقهية میں ہے:

النوع الرابع: كل وحش ليس له ناب يفترس به وليس من الحشرات : وذلك  
كالظباء ، و بقرة الحش ، و حمر الوحش ، و إبل الوحش ، وهذا النوع حلال بإجماع  
المسلمين ، لأنه من الطيبات . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵/۱۳۴، ط: وزارة الاوقاف).

مزید ملاحظہ ہو: (حلال و حرام چوپائے اور ان کے طہی نوامد، ص: ۱۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## ہد ہد کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** کیا ہد ہد کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ہد ہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب:** فقہاء میں سے بعض حضرات مثلاً علامہ شامیؒ وغیرہ نے مکروہ قرار دیا ہے لیکن علامہ طحاویؒ نے حلال لکھا ہے نیز لسان الحکام، عالمگیری، فتاویٰ ولوالجی وغیرہ میں بھی لا باس بہ مرقوم ہے، لہذا حلت اصل ہے اور کراہت کو تنزیہی پر محمول کر سکتے ہیں اس کی شرافت اور عزت کی وجہ سے۔  
ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال في غرر الأفكار: عندنا يؤكل الخطاف والبوم ويكره الصرد والهدهد.  
(رد المحتار: ۶/۳۰۶، سعيد).

حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار میں ہے:

ويؤكل القمري والسوادين والزرزور والصلصل والهدهد والبوم والطاوس.  
(حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار: ۴/۱۵۷، کوئٹہ).

لسان الحکام میں ہے:

وفي فتاوى الولوالجي: أكل الهدهد لا بأس به لأنه ليس بذی مخلب من الطيور.  
(لسان الحکام، ص ۳۸۱، دار الفکر).

عالمگیری میں ہے:

أكل الخطاف والصلصل والهدهد لا بأس به لأنها ليست من الطيور التي هي ذوات مخلب كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۰).

ملا علی قاریؒ نے درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہوئے حرام قرار دیا ہے۔

نهى عن قتل أربع من الدواب النملة والنحلة والهدهد والصرد. (المروقة: ۸/).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

حافۃ الخطاوی اور عالمگیری کی عبارات حلت ہد میں صریح ہیں اس لیے اسی کو ترجیح ہوگی، ملا علی قاریؒ کا حدیث سے استدلال محل نظر ہے، اس لیے کہ قتل ہد ہد سے نبی کی علت احترام بھی ہو سکتی ہے، اور نصوص فقہیہ کی موجودگی میں یہی قرین قیاس بھی ہے، اس کے احترام کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور یہ ایک قوم کے ایمان لانے کا سبب بنا، اس لیے تمام پرندوں میں اس کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ نے قول حلت بھی ذکر کیا ہے، ونصہ : وقیل یحل أكله لأنه یحکى عن الشافعی وجوب الفدية فيه وعنده لا یفتدی إلا المأكول . (المرقاۃ: ۸/۱۰۶)۔

علامہ ابن عابدینؒ نے غرر الافکار سے جو کراہت نقل کی ہے اس کو بھی اسی احترام کی وجہ سے کراہت تنزیہیہ پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۰۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہد ہد کا کھانا مکروہ ہے البتہ کھانے والے پر تکلیف نہ کی جائے اور نہ کھانا احترام کی وجہ سے ہو اس لیے کہ حدیث میں قتل کا لفظ استعمال کرنا اور غیر ماکولات میں ذکر کرنا اس کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ابابیل کھانے کا شرعی حکم:

سوال: کیا ابابیل کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے ابابیل کے کھانے کی تصریح فرمائی ہے بنا بریں اس کا کھانا حلال ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قال فی غرر الأفكار: عندنا یؤکل الخطاف . (رد المحتار: ۶/۳۰۶، سعید)۔

لسان الحکام میں ہے:

ولا بأس بالخطاف والقمری والسودانية والزرزور والعصافير والفاخته والجراد

وکل مالیس له مخلب یخطف بمخلبه. (لسان الحکام، ص ۳۸۱، نو کذا فی الفتاویٰ الولوالجیہ: ۵/۵۰).  
عالمگیری میں ہے:

أکل الخطاف والصلصل والهدهد لا بأس به لأنها ليست من الطيور التي هی ذوات

مخلب کذا فی الظہیریۃ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۹۰). و کذا فی المحيط البرہانی: ۶/۴۳۲).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**دلدل کھانے کا شرعی حکم:**

**سوال:** دلدل کا گوشت کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اکثر اہل لغت نے اس کو قنفذ کی قسم میں شمار

کیا ہے، ملاحظہ ہو: قال فی الصحاح: الدلدل عظیم القنافذ. (۴/۱۶۹۹)، اور فقہاء نے قنفذ کو حرام جانوروں میں شمار کیا ہے، اب آپ حکم شرعی سے مطلع فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں۔

**الجواب:** بڑی سیبی جس کو ہم پشتو میں شکوئز کہتے ہیں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب نے حرام لکھا

ہے۔ ملاحظہ ہو: (کفایت المفی: ۹/۱۳۱، دارالاشاعت، طبع قدیم)، اور بعض لغت کی کتابوں میں بھی دلدل جو بڑا ہوتا ہے اور اس کو شکوئز کہتے ہیں اور چھوٹا جس کو قنفذ اور ہم پشتو میں شیشکے کہتے ہیں دونوں کو ایک نوع شمار کیا ہے اور صرف چھوٹے اور بڑے کا فرق بتایا ہے دیمیری نے حافظ کا قول نقل کیا ہے کہ قنفذ اور دلدل میں ایسا فرق ہے جیسے بھینس اور گائے میں یا عربی اور خراسانی اونٹ میں چنانچہ علامہ دیمیری لکھتے ہیں:

الفرق بین الدلدل والقنفذ کالفرق بین البقر والجوامیس والبختی والعراب والجرد

والفسار، وهو کثیر ببلاد الشام والعراق وبلاد المغرب فی قدر الثعلب القلطي وقال الإمام

الرافعی: الدلدل علی حد السخلة...

وفی الوسیط: أنه کان یعدہ من الخبائث، وقال ابن الصلاح: هذا غیر مرضی وکانہ

لم یعرف ما الدلدل... (حیوة الحیوان: ۱/۴۸۱).

اور لغت کی عام کتابوں میں بھی دونوں کو ایک نوع شمار کیا ہے مثلاً: المعجم الوسیط، الصحاح، لسان العرب

وغیرہ میں بھی دلدل اور قنفذ کے مابین فرق کے قائل نہیں، لہذا ان حضرات کی تحریر کے مطابق احناف کے نزدیک دونوں حرام ہیں۔

لیکن قدیم افغانی علماء اور آج کل کے جدید اہل تحقیق دونوں کو الگ نوع سمجھتے ہوئے قنفذ کو حشرات الارض میں سے شمار کر کے حرام قرار دیتے ہیں اور دلدل کو گھاس کھانے والا حیوان سمجھ کر حلال کہتے ہیں۔ ہاں مصباح اللغات میں دلدل کا ترجمہ سببی سے کیا ہے اور قنفذ کو چوہے کی قسم قرار دیا ہے۔

افغانی علماء کہتے ہیں کہ قنفذ اور دلدل کے درمیان درج ذیل فروق ہیں:

(۱) قنفذ گندگی اور کیڑے کوڑے کھاتا ہے، اور دلدل گھاس کھاتا ہے۔

(۲) قنفذ ہوام الارض میں سے ہے اور دلدل ایسا نہیں ہے۔

(۳) قنفذ ذوناب شکاری ہے اور دلدل اس سے مختلف ہے۔

(۴) قنفذ کے پانچ انیاب ہیں اور دلدل کے چار دانت ہیں (اہل تجربہ افغانی علماء کے نزدیک اور جدید

اہل تحقیق کے نزدیک دلدل کے دو دانت ہیں [Encarta])۔

(۵) قنفذ کتے کی طرح پانی پیتا ہے اور دلدل بکری کی طرح۔

ان فروق سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ قنفذ میں حرام جانوروں کی صفات پائی جاتی ہیں اس کے برعکس دلدل میں حلال جانوروں والے خصائل موجود ہیں۔

جن حضرات نے دلدل کو قنفذ کی بڑی قسم قرار دیا ہے تو ممکن ہے کہ دلدل دو قسم کے ہوں ایک قنفذ کی بڑی

قسم جس کو عام اہل لغات بیان کرتے ہیں۔ (۲) دوسری قسم وہ ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں۔

حضرت مفتی فرید صاحب بھی دلدل کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے تھے۔

شیخ بن باز کے ایک فتوے میں دلدل کے بارے میں مذکور ہے:

قد اختلف العلماء في حكمه فمنهم من أحله ومنهم من حرمه، وأصح القولين أنه

حلال، ... وهو يتغذى بالنبات كالأرنب والغزال وليس من ذوات الناب المفترسة. (فتاویٰ

جدید اہل تحقیق کی عبارات کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

دلدل خشکی میں رہنے والا جانور، جس کی خوراک نباتات کی جڑیں، گٹھلی، درخت کی چھال اور چھلکا ہے۔  
(جانوروں کا انسائیکلو پیڈیا)۔

انکا ٹائیس مرقوم ہے:

نباتات کھانے والا جانور، اس کا شمار ان جانوروں میں ہوتا ہے جن کے آگے دو بڑے دانت ہوتے ہیں،  
ان دو لمبے دانتوں سے پودوں کو کاٹتا ہے، انیاب نہیں ہوتے۔ (انکا ٹائیس کو پیڈیا)۔  
بریطانیکا میں مرقوم ہے:

اکثر ارات کے وقت نکلتا ہے۔ نباتات کھانے والا جانور ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا بریطانیکا)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قنفذ (سیہ) کھانے کا شرعی حکم:**

**سوال:** کیا قنفذ کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مذہب احناف میں قنفذ (سیہ) کھانا شرعاً جائز ہے۔ پشتو میں ہم اس کو ہیشکے کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: ذكر القنفذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: "هو

خبث من الخبائث"۔ (رواہ ابوداؤد ۳۷۹۹، واحمد فی مسنده، ۸۹۵۴)۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا يحل ذو ناب... ولا الحشرات... كالفارعة والوزغة وسام أبرص والقنفذ والحية  
والضفدع والزنبور والبرغوث والقمل والذباب والقراد. (الدر المختار مع رد  
المحتار: ۶/۳۰۴، سعید)۔

لغف فی الفتاویٰ میں ہے:

وأما حشرات الأرض فإنها محرمة في قول أبي حنيفة وأصحابه... مثل الحية الضب

واليربوع والقنفذ والسلحفاة والفارة وابن عرس وأشباهها. (التنف في الفتاوى، ص ۱۵۰).  
حیوة الحیوان میں ہے:

قال الشافعي: يحل أكل القنفذ لأن العرب تستطيبه وقد أفتى ابن عمر رضي الله عنهما بإباحته  
وقال أبو حنيفة رضي الله عنه والإمام أحمد لا يحل لما روى أبو داود... الخ. (حیوة الحیوان: ۲/۲۳۳).  
والله سبحانه اعلم۔

## جھینگا کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** جھینگے کے بارے میں مختلف علماء سے مختلف باتیں سننے میں آئی ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور بعض فرماتے ہیں بالکل حلال طیب ہے اور اکثر حضرات کا کہنا ہے کہ جھینگا مکروہ ہے۔ اب آپ سے مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ آپ کوئی درمیانی عافیت والا راستہ بتلا کر اجر عظیم کے مستحق ہوں؟

**الجواب:** دورِ حاضر کے مفتیانِ کرام کے مابین اختلاف ہے، اور اصل اختلاف کی بنیاد اس کے سمک ہونے نہ ہونے پر ہے جن حضرات نے اقسامِ سمک میں سے شمار کیا انہوں نے حلت کا فتویٰ دیا اور جن حضرات نے اقسامِ سمک میں سے شمار نہیں کیا ان حضرات نے عدمِ حل کا فتویٰ دیا پھر سمک کی اقسام میں ہونے نہ ہونے کا مدار مختلف ہے: اہل لغت اقسامِ سمک میں شمار کرتے ہیں جب کہ جدید سائنس داں مچھلی کی تعریف سے خارج کرتے ہیں۔ کیونکہ ماہرین حیوانات نے مچھلی کی تعریف میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) ریڑھ کی ہڈی۔ (۲) سانس لینے کے گھمروے۔ (۳) تیرنے کے پٹھے۔

اور جھینگے میں یہ چیزیں موجود نہیں ہیں۔  
ملاحظہ ہو تکرار فتح المسالیم میں ہے:

لكن خبراء علم الحيوان اليوم لا يعتبرونه سمكاً ويذكرونه كنوع مستقل، ويقولون  
أنه من أسرّة السرطان دون السمك، وتعريف السمك عند علماء الحيوان، على ما

ذکر فی دائرۃ المعارف البریطانیۃ (۳۰/۵، ط: ۱۹۵۰ء): ”هو حیوان ذوعمود فقری، یعیش فی الماء ویسبح بعواماته، ویتنفس بغلصمته“، (تکملة فتح المبهمة: ۵۱۳/۳، مسألة الروبیان).

اسی تعریف کے پیش نظر مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب نے عدم حلت پر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۳۹۱-۳۹۹)۔

اور اہل لغات کے اقوال اور عرف عام کو مد نظر رکھتے ہوئے مفتی عبدالسلام چانگانی صاحبؒ نے جھینگے کی حلت اور جواز پر رسالہ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: (جواہر الفتاویٰ: ۳۰۶۲/۳، ط: ۵۰۳، اسلامی کتب خانہ کراچی)۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ ساحلی علاقہ کے مفتی حضرات نے جواز تحریر فرمایا ہے، اور غیر ساحلی علاقہ والے مفتی حضرات نے عدم جواز یا کراہت کا قول تحریر فرمایا ہے۔ ان تمام کی عبارات کو تطویل کے اندیشہ کی وجہ سے حذف کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ”خیر الأمور أوسطها“ و ”ترک شبہات“ و ”دع ما یریبک إلی ما لا یریبک“ اور مفتی حضرات کے اختلاف کے پیش نظر علماء طلبہ کو جھینگا کھانے سے احتراز کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے بے شمار چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ کھالیا کریں۔ اور عوام یا خواص میں سے جو کھاتے ہیں ان پر نکیر نہیں کرنی چاہئے اور ان کو حرام خوردنیوں کو کھانا چاہئے۔

عربی میں اس کو ربیان کے علاوہ سرطان البحر اور جراد البحر کہتے ہیں جس سے شک ہونے کی نفی ہوتی ہے، المورد (۹۰۳) میں برغوث البحر، الاربیان، prawn کہا گیا ہے، نیز جھینگا شروع سے بحر میں موجود تھا اور اس کی شکل مچھلی کی نہیں ہے اگر متفقہ طور پر حلال ہوتا تو جیسے فقہاء نے جریث اور مارماہی کی حلت کی تصریح فرمائی ہے تاکہ حرمت کا شبہ دفع ہو جائے اور کوئی اس کو حرام نہ سمجھے تو ربیان کی تصریح بھی کرتے تاکہ اس کی حرمت کا شبہ دفع ہو جائے، لیکن ایسا نہیں کیا، لہذا اس کے کھانے سے بچنے میں عافیت اور سلامتی ہے۔

جھینگے سے متعلق حضرات اکابر کا معمول:

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو سفر میں کسی اسٹیشن پر کسی نے تلے ہوئے جھینگے پیش کیے، حضرت نے دریافت فرمایا بھائی یہ کیا ہے؟ لانے والے نے کہا یہ جھینگا مچھلی ہے حضرت مدنیؒ نے فرمایا: بھائی مچھلی کے بھی پیر

ہوتے ہیں اس کے تو پیر ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ جھینگا خشکی کے حشرات میں سے ہے اور دریائی غیر مابی ہے، سوائے مابی کے سب دریائی جانور حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۳)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: میرے خیال میں وہ مچھلی کے اقسام میں داخل نہیں ہے، تاہم علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس میں سختی کرنے کو میں پسند نہیں کرتا۔ (کفایت المفتی: ۱۳۸/۹، دارالاشاعت)۔

حضرت تھانویؒ نے دمیری شافعی کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: احقر کو اس وقت تو اس کے سمک ہونے میں بالکل اطمینان ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک أمراً۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۰۳/۳)۔

حضرت مولانا ظلیل احمد سہارنپوریؒ کے بارے میں مولانا عاشق الہی صاحب نے تذکرۃ الخلیل میں تحریر فرمایا ہے کہ: جھینگا مچھلی کے متعلق بھی آپ کی رائے یہ تھی کہ مچھلی نام پڑ گیا حقیقت میں وہ مچھلی نہیں کہ اس کے گمگھڑے نہیں ہوتے لہذا آپ اس کو دریائی جانور سمجھتے اور حلت کا فتویٰ نہ دیتے تھے۔ (تذکرۃ الخلیل، ص ۲۹۳، کتب خانہ اشاعت العلوم)۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ اس کے کھانے سے اجتناب کیا جائے لیکن جو حضرات اس کو کھاتے ہیں ان سختی اور تشدد نہ کیا جائے اور نہ ان پر نیکیری کی جائے کیونکہ شرعی اعتبار سے وہ حرام نہیں ہے اس کے کھانے کی بھی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو مفتی تقی صاحبؒ فرماتے ہیں:

فمن أخذ بحقيقة الإرباب حسب علم الحيوان قال بمنع أكله عند الحنفية ، ومن أخذ بعرف أهل العرب قال بجوازه ، وربما يرجح هذا القول بأن المعهود من الشريعة في أمثال هذه المسائل الرجوع إلى العرف المتفاهم بين الناس ، دون التدقيق في الأبحاث النظرية ، فلا ينبغي التشديد في مسألة الأرباب عند الإفتاء ، وإن اختلاف الفقهاء بورث التخفيف كما تقرر في محله ، غير أن الاجتناب عن أكله أحوط وأولى وأحرى ، والله سبحانه وتعالى أعلم۔ (تكملة فتح الملهم: ۵۱۴/۳، مسألة الروبيان، وفقهي مقالات، جلد: ۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## وہیل مچھلی کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** وہیل جو بہت بڑا سمندری دابہ یا مچھلی ہے اس کا کھانا شرعاً کیسا ہے؟

**الجواب:** وہیل مچھلی کے بارے میں واضح طور پر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کھانا حلال ہے اور عام مچھلیوں کی طرح ہے، صحابہ کرامؓ نے بھی کھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بذاتِ خود تناول فرمائی لہذا اس کے حلال ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عمرو أنه سمع جابرًا رضی اللہ عنہ يقول: غزونا جيش الخبط وأمر أبو عبيدة فجعلنا جوعاً شديداً فألقى البحر حوتاً ميتاً لم نرمثله يقول له العنبر فأكلنا منه نصف شهر... فلما قدمنا المدينة ذكرنا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال: كلوا رزقاً أخرج الله، أطمعونا إن كان معكم فأتاه بعضهم أكله. (رواه البخاري، برقم: ۴۳۶۲، باب غزوة سيف البحر).

حضرت مفتی کفایت اللہ نے ایک استفتاء کے جواب میں مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے، کچھ اقتباس درج ذیل ہے:

جس جانور کو موجودہ زمانے کی انگریزی میں وہیل (whale) کہا جاتا ہے قدیم انگریزی میں اس کو وھال (whal) کہتے تھے اور جرمنی زبان میں اس کا نام وال (wal) ہے۔

البال الحوت العظيم من حيتان البحر وليس بعربي كما في الصحاح يدعى جمل البحر وهو معرب وال كما في الثُّبَاب قال شيخنا وهي سمكة طولها خمسون ذراعاً. (تاج العروس ۲۳۷/۷)۔

یعنی بال سمندر کی مچھلیوں میں سے ایک بڑی مچھلی ہے... اس کو جمل البحر بھی کہا جاتا ہے... ہمارے شیخ نے کہا کہ بال ایک مچھلی ہے جو پچاس ذراع (۵ فٹ) لمبی ہوتی ہے۔...

حیوة الحیوان اور فتح الباری شرح صحیح بخاری اور فرائد الدریہ میں بال کا دوسرا نام عہر بھی بتایا ہے اور لسان العرب اور تاج العروس میں اس کا تیسرا نام جمل البحر بھی ذکر کیا ہے۔...

اس تمام تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ بال اور عنبر اور جمل البحر ایک بڑی مچھلی ہے جس کو انگریزی میں وہیل کہا جاتا ہے پس مچھلی ثابت ہو جانے کے بعد خفی مذہب میں بھی اس کو حلال سمجھنے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حنفیہ کے نزدیک مچھلی (باوجود ہزار ہا صورتوں اور شکلوں پر مشتمل ہونے کے) حلال ہے... اس کے علاوہ بال اور عنبر یعنی وہیل کی حلت کی خصوص اور صریح دلیل بھی موجود ہے اور وہ ایک صریح اور صحیح حدیث ہے جو حدیث کی مستند کتابوں اور خصوصاً صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے۔... الخ۔ (کفایت المفتی: ۱۳۳/۹-۱۳۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہیل، بال، عنبر، وال یہ سب ایک ہی مچھلی کے مختلف نام ہیں، اور یہ مچھلی عام مچھلیوں کی شکل کی طرح ہے اس لیے اس کی تعریف و تحقیق کی چندہ ضرورت نہیں مچھلی کی تعریف کی ضرورت تب پڑتی ہے جب مچھلی ہونے میں اشتباہ ہو جیسے خنثی شکل میں اشتباہ تب ہوگا جب اس کی ڈاڑھی مونچھ نہ نکلے اگر ڈاڑھی مونچھ اور مردوں کا حلیہ ہو تو اشتباہ ختم ہو جاتا ہے، مصر کی تعریف کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اشتباہ ہو لیکن کلکتہ، بمبئی، ڈربن، کیپ ٹاؤن جیسے شہروں کے لیے مصر کی تعریف تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## کیٹ فیش کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** یہاں امریکہ میں ایک قسم کی مچھلی دستیاب ہوتی ہے جسے لوگ (cat fish) کہتے ہیں اور اس کے بارے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ زمین کی تہہ میں سے گندگی وغیرہ کھاتی ہے اور نیچے ہی رہتی ہے تو کیا اس مچھلی کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ خراب اور گندی غذا کھانے والی مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے، خراب غذا کا کھانا موجبِ حرمت نہیں ہے۔ بنا بریں (cat fish) کا کھانا جائز اور درست ہے۔  
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا یحل حیوان مائمی إلا السمک الذی مات بأفہ ولو متولداً فی ماء نجس . وفي رد المحتار : قوله ولو متولداً فی ماء نجس فلا بأس بأکلها للحال لحله بالنص ، وكونه يتغذى

بالنجاسة لا يمنع حله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۰۶، سعید).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفی البزازیة لو أرسلت السمكة فی الماء النجس فکبرت فیہ لا بأس بأکلها للحال .

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۱۵۷).

لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ نجاست کے اثرات اس مچھلی میں ظاہر نہ ہوئے ہوں اگر مچھلی میں نجاست کے اثرات مثلاً بدبو وغیرہ ظاہر ہو چکے ہوں پھر اس کو نہیں کھانا چاہئے۔ اور ویسے بھی طبائع سلیمہ گندے اور بدبو دار کھانوں سے گن اور نفرت محسوس کرتی ہیں۔

ملاحظہ ہو ”الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید“ میں ہے:

وكونه يتغذى بالنجاسة لا يمنع حله ، وهذا إذا لم تنتن ، فإنها حينئذ لا يحل أكلها .

(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۵/۲۶۰، حکم اکل الحيوانات المائية).

کرن فیش کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: (ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا: ۳/۲۲۳، انسائیکلو پیڈیا برطانیکا: ۲/۶۳۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## شارک مچھلی کھانے کا شرعی حکم:

سوال: شارک مچھلی جو کہ انسانوں اور دیگر سمندری جانوروں کو کھاتی ہے اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جب کہ وہ آدم خور ہے۔

الجواب: مذہب احناف میں سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا حلال ہے، مچھلی کے علاوہ

کسی اور سمندری جانور کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے، پھر مچھلی اپنی تمام اقسام کے ساتھ حلال ہے، اب تحقیق اس بات کی درکار ہے کہ کیا شارک مچھلی کے اقسام میں شارک جاتی ہے یا نہیں؟

چنانچہ ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں اس کو مچھلی بتایا ہے عبارت انگریزی میں ہے اس کا خلاصہ بزبان اردو ملاحظہ ہو:

شارک گوشت کھانے والی مچھلی ہے اور پورے سمندر میں سب سے زیادہ خوف ناک جانور ہے،

سمندرانوں نے بتلایا کہ شارک کی تقریباً ۲۵۰ اقسام ہیں، اور یہ عامۃً گرم پانی میں رہتی ہے، شارک کی تمام

اقسام گوشت خور ہیں، ان میں سے اکثر مچھلیوں کو کھاتی ہیں، شارک مچھلی آدم خوری میں مشہور ہے لیکن ایسے واقعات بہت کم رونما ہوئے ہیں، پوری دنیا میں ان ۲۵۰ اقسام میں سے فقط ۲۵ اقسام انسانوں پر حملہ آور ہوئیں، شارک مچھلی دیگر مچھلیوں سے مختلف ہے۔ (مض از ولڈ بک انسائیکلو پیڈیا: ۳۰۰/۱۷)۔

مزید دیکھئے: (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا: ۱۱۶/۹)۔

احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:

سوال: ایک سمندری مچھلی جس کو عربی میں قرش کہتے ہیں اور انجند میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے:

نوع من السمک يعرف بکلب البحر يقطع الحيوان بأسنانه كما يقطع السيف

تخافه جميع ذوات البحر .

اس کے علاوہ سمندری حالات سے واقف لوگوں کا قول ہے کہ اس مچھلی کو حیض آتا ہے اور دوسرا یہ کہ یہ عام مچھلیوں کے برعکس انڈے دینے کے بجائے بچے دیتی ہے، یہ مچھلی حلال ہے یا حرام؟

حضرت مولانا عبدالحی نے اپنے فتاویٰ میں اس کی حرمت کا قول نقل فرمایا ہے امید ہے کہ رہنمائی فرمائیں گے، بیّنات و جروا۔

الجواب: اس قسم کی تحقیقات میں شرعاً و عقلاً ماہرین فن کا قول فیصل ہونا چاہئے، دورِ جدید کے ماہرین حیوانات مچھلی کی چار علامات بیان کرتے ہیں:

(۱) ریڑھ کی ہڈی۔

(۲) سانس لینے کے گھھروے۔

(۳) تیرنے کے سیکھے۔

(۴) ماحول کے مطابق جسم کے درجہ حرارت کا کم و بیش ہونا۔

یہ علامات قرش میں موجود ہیں، اس کی صورت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے اس لیے یہ حلال ہے، معہذا بنا بر

اختلاف احتیاط اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۹۱/۷)۔

المورد (قاموس انگلیزی، عربی) میں مذکور ہے:

(shark) القرش : سمک مفترس۔ (المورد، ص: ۱۰۶۵)۔

فقہاء نے سمک کو اپنی جمع اقسام کے حلال قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولا بأس بسائر أنواع السمك نحو الجريث والمارماهي ولا يؤكل ما في البحر

سوى السمك وطير الماء عندنا. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۳/۳۵۷)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ويستوى في حل الأكل جميع أنواع السمك من الجريث والمارماهي وغيرهما

لأن ما ذكرنا من الدلائل في إباحة السمك لا يفصل بين سمك وسمك إلا ما خص

بدليل وقد روي عن سيدنا عليؓ وابن عباسؓ إباحة الجريث والسمك الذكر ولم

ينقل عن غيرهما خلاف ذلك فيكون إجماعاً. (بدائع الصنائع: ۵/۳۶، سعيد)۔

النتف في الفتاوى میں ہے:

وأما دواب البحر فإنها محرمة سوى السمك بأجناسها في قول الفقهاء. (النتف في

الفتاوى، ص ۱۵۰، حکم دواب البحر، ط: بیروت)۔

وفی ”الفقه الحنفی فی ثوبہ الجدید“ (۵ ۲۶۱): قال ابن حجر: ولا خلاف بين

العلماء في حل السمك على اختلاف أنواعه. والله أعلم۔

چند قسم کی مچھلیوں کے شرعی احکام:

سوال: مندرجہ ذیل مچھلیوں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱) کیڑا۔ (crab)۔

(۲) الدفین۔ (dolphin)۔

(۳) الحوت۔ (whale) [وہیل]۔

(۴) الاخطبوط: (octopus)۔

(۵) القرش: (shark)۔

(۶) جھینگا: (prawns)۔

(۷) کلماری: (calamari)۔

**الجواب:** سب سے پہلے جاننا چاہئے کہ ماہرین حیوانات نے مچھلی کی پہچان کے لیے چار علامتیں لکھی ہیں: (۱) ریڑھ کی ہڈی۔ (۲) سانس لینے کے لیے گھمروے۔ (۳) تیرنے کے سنبھے۔ (۴) ماحول کے مطابق جسم کے درجہ حرارت کا کم و بیش ہونا۔

یہ علامتیں جس میں ہوگی وہ مچھلی کہلائیگی، اور مذہب احناف میں سمندری جانوروں میں سے فقط مچھلی کے کھانے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہوگا کہ سمندری جانوروں میں فقط مچھلی حلال ہے اور مچھلی وہ ہے جس میں مذکور الصدر چار علامتیں پائی جائیں۔

اب ترتیب وار حکم ملاحظہ کیجئے:

(۱) کیکڑا: (crab): احناف کے یہاں اس کا کھانا ناجائز ہے، یہ مچھلی کی تعریف میں داخل نہیں ہے، نیز شکل و صورت میں بھی مچھلی سے بالکل مختلف ہے۔

(۲) الدلفین: (dolphin)۔ اس کا کھانا جائز اور درست ہے اس میں مچھلی تمام علامتیں موجود ہیں۔

(۳) الحوت: (whale) حدیث شریف میں عنبر مچھلی کو حوت کہا گیا ہے اور پہلے مذکور ہوا کہ یہ حلال

اور طیب ہے۔

(۴) الاخطبوط: (octopus) یہ سمندری جانور ہے اس کو مچھلی کی اقسام میں شمار نہیں کیا گیا اور اس میں

مچھلی کی علامات بھی موجود نہیں ہیں۔ لہذا اس کا کھانا ناجائز ہے۔

(۵) القرش: (shark) یہ بھی مچھلی کے اقسام میں سے ہے اس میں تمام علامات بھی موجود ہیں

اور پہلے مذکور ہوا کہ اس کا کھانا بھی جائز اور درست ہے۔

(۶) جھینگا۔ (prawns) یہ کیڑے کے ساتھ مشابہ ہے۔ مختلف فیہ ہے اور احتیاط نہ کھانے میں ہے۔

(۷) کلما ری: (calamari) یہ بھی اخطبوط کی طرح ایک سمندری جانور ہے مچھلی کی علامات اس میں

موجود نہیں اس لیے اس کا کھانا بھی ناجائز ہے۔

انکا نا انسا نکلو پیڈیا میں مذکور ہے:

calamari is not permissible to eat because it is not a fish.

یعنی کلما ری کا کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مچھلی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاص طریقہ پر مچھلی کو مار کر کھانے کا حکم:

سوال: یہاں لوگ تازہ مچھلی کو ایک قسم کے برتن میں ڈال کر بند کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً

اس کو بجلی کے جھٹکے سے مار کر کھاتے ہیں، آیا یہ مچھلی حلال ہے یا نہیں؟

الجواب: مچھلی جب اپنی طبعی موت مر کر لٹی ہو جائے تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس کے سوا چاہے

کسی بھی طریقہ سے ماری جائے یا کسی حادثے کی وجہ سے مرجائے یا کوئی دوائی وغیرہ کھا کر مرجائے اس کا کھانا جائز اور درست ہے، بنا بریں اس طرح مچھلی کو مار کر کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وما مات بحر الماء أو برده بربطه فيه أو إلقاء شيء فيه فموت به بآفة . (رد المحتار)

(۳۰۷/۶، سعید).

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله أو بإلقاء شيء وكان يعلم أنها تموت منه قال في المنح: أو أكلت شيئاً ألقاه في

الماء لتأكله فماتت منه ذلك معلوم ، قوله فموت به بآفة أي جميع ما ذكر وهو الأصل في

الحل كما مر . (رد المحتار: ۳۰۷/۶، سعید).

وإنما قال العلامة عبد البر: الأصل في إباحة السمك أن ما مات بآفة يؤكل وما ت

بغیر آفة لا يؤکل . (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۵۷/۴).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

زندہ مچھلی کے پانی میں لاٹھی مارنے سے اگر وہ مرجائے تو وہ مردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۲/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔

ہاں جو مچھلی پانی ہی میں مرکز الٹی تیرنے لگے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ممانعت وارد

ہوئی ہے، اس کو مسک طانی کہا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لاٹھی سے مار کر مچھلی کھانے کا حکم:

سوال: پانی میں مچھلی کو لاٹھی سے مارا جائے اور وہ پانی ہی میں مرجائے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایسی مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولا يحل حيوان مائي إلا السمك الذي مات بآفة... وما مات بحر الماء أو برده  
وبربطه فيه أو إلقاء شيء فموته بآفة وهبانية . وفي رد المحتار: قوله وبربطه فيه أي في الماء  
لأنه مات بآفة، اتفاقاً، وكذا إذا مات في شبكة لا يقدر على التخلص منها كفاية، قوله أو إلقاء  
شيء وكان يعلم أنها تموت منه ، قال في المنح: أو أكلت شيئاً ألقيه في الماء لتأكله فماتت  
منه وذلك معلوم ، قوله فموته بآفة أي جميع ما ذكر وهو الأصل في الحل . (الدر المختار مع  
رد المحتار: ۳۰۶/۶، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

والأصل أن السمك متى مات بسبب حادث حل أكله وإن مات حتف أنفه لا

بسبب ظاهر لا يحل أكله . (الفتاویٰ الهندية: ۴۲۸/۵).

وفی الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: والأصل فی إباحة السمک أن ما مات بآفة



یؤکل، وما مات بغیر آفة لا یؤکل... ویؤکل ما مات بحر الماء أو برده، وبربطه فی الماء، لأنه مات بآفة، وكذا إذا مات بشبكة لا یقدر علی التخلص منها، أو مات بالقاء شیء فی الماء، وكان یعلم أنه تموت منه، فماتت منه. (الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید: ۵/۲۶۰، بیروت). فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: مچھلی کا شکار پانی میں لاشی سے کیا لاشی لگ کر مچھلی مر گئی، پھر مچھلی پکڑی تو اس کا کیا حکم ہے؟  
الجواب: زندہ مچھلی کے پانی میں لاشی مارنے سے اگر وہ مر جائے تو وہ مردار نہیں ہوگی، اس کا کھانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۲/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

## چھوٹی مچھلی بلا صفائی کے کھانے کا حکم:

سوال: احسن الفتاویٰ میں چھوٹی مچھلی مع آلش حرام قرار دیا گیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔ علامہ شامیؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اس پر بندہ کومت سے اشکال تھا کہ مچھلی کا رزق کیونکر حلال قرار دیا گیا؟ جواہر الاخلاطی کی نص کرابتہ تحریمیہ سے اطمینان ہوا۔ جواہر الاخلاطی کے حوالے عالمگیریہ میں بکثرت موجود ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ معتبر کتاب ہے۔ حرمتِ سمک صغار کی علت یہ ہے کہ آلش صاف کیے بغیر کھائی جاتی ہے اس سے مراد متعین ہوگئی۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۳۹۰)۔ کیا یہ صحیح ہے یا دوسرا قول بھی موجود ہے؟ بینا تو جروا۔

الجواب: احسن الفتاویٰ کے علاوہ کسی اور معتبر کتاب میں مکروہ تحریمی کا قول بندہ کو نہیں ملا، جب کہ متعدد علماء نے سمک صغار کو مع آلش حلال قرار دیا ہے۔ چند عبارات حسب ذیل درج ہیں:

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قلت: وفي معراج الدراية: لو وجدت سمكة في حوصلة الطائر تؤكل وعند الشافعي: لا تؤكل لأنه كالرجيع ورجيع الطائر عنده نجس وقلنا إنما يعتبر رجيعاً إذا تغير

وفی السمک التي تقلى من غير أن يشق جوفه فقال أصحابه: لا يحل أكله لأن وجيعه نجس وعند سائر الأئمة يحل. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۰۹، سعید).

امداد الاحکام میں ہے:

بہت چھوٹی مچھلی کا کھانا بدون چاک کیے اور آلائش صاف کیے بھی حلال ہے کافی الشامی۔ (امداد الاحکام:

۳/۳۱۳)۔

یہ جواب لکھنے کے بعد سائل نے حاشیہ مالا بدمنہ کی عبارت ذیل سے اس پر شبہ کیا، (ص ۱۱۴، حاشیہ مالا بدمنہ) والعبارة هذه: لكن ما في نهایت کو چک مکروہ تحریمی است وهو الأصح هكذا في جواهر الأخلاطي۔ مگر اس کے بعد بھی حلت ہی رائج معلوم ہوتی ہے۔

لما في غايته الحواشي وأنواع السمك سواء كان السمك صغيراً لا يمكن إخراج المرة عنها أو كبيراً كما في السراج الوهاج، حيث قال: كل أنواع السمك الغير الطافي حلال صغيراً كان أو كبيراً وفي مختصر الوقاية والهداية وحل أنواع السمك وكذا في غيرها ولم يستثن في المتون الصغير إلا الطافي ومقرر المتون يفتي عليه كما في جواهر الأخلاطي وفي المحرر إن وقع التعارض بين المتون والفتاوى فالترجيح للمتون فالرواية التي في بعض الفتاوى أن السمك الصغار التي لا يخرج المرة عنها حرام لا عبرة فإنها مرجوحة، كما في إمداد المسائل. (۴۳/۳)۔

پس جس چھوٹی مچھلی میں سے پٹا وغیرہ نکالنا ممکن نہ ہو وہ تو بدون چاک کیے اور آلائش صاف کیے حلال

ہے۔ (امداد الاحکام: ۳/۳۱۳)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سمک متعفن و بدبودار متغیر کے اکل کی ممانعت میں کوئی کلام نہیں بوجہ ضرر کے کلام اس میں ہے کہ جو اجزاء حیوان دمی میں حرام و مکروہ ہیں وہ سمک میں بھی حرام و مکروہ ہیں یا نہیں۔ پس جب تک مدیہ ہونا مچھلی کا سبب حرمت و کراہت نہیں ہے تو یہ مقتضی اس کو ہے کہ اس کے اجزاء مثلاً نہ وغیرہ بھی حرام و نجس نہیں ہیں۔ ولینظر ما

فی رد المحتار عن معراج الدراية - (عزیز الفتاویٰ، جلد اول، ص ۲۰۷، دارالاشاعت)۔  
بہشتی زیور میں ہے:

بہت چھوٹی مچھلی کومع آلائش کھانا جائز ہے بالاتفاق سوائے اصحابِ شافعی کے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص ۱۰۳)۔

شافعیہ کے ہاں بھی ایک قول کے مطابق چھوٹی مچھلیاں آلائش کے ساتھ حلال ہیں، بعض علمائے شافعیہ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

هل يحل أكل السمك الصغار إذا شويت ولم يشق ما في جوفها ويخرج ما فيه ؟ فيه وجهان ، وجه الجواز عسر تبعها ، وعلى المسامحة جرى الأولون فإن الروياني بهذا أفتى ورجعها طاهر عندي انتهى ، وهذه غير المسألة لأنه فرضها في الصغار وعلل الجواز بعسر التبع وهو مفقود في الكبار . (الحاوی للفتاویٰ : ۱ ، ۲۹۰ ، ط: فاروقی کتب خانہ)۔

وقال في الأشباه والنظائر : ويلحق به ما في جوف السمك الصغار على القول بالعمو عنه لعسر تبعها وهو الراجح . (الأشباه والنظائر: ۲ ، ۳۴۰ ، اقسام ما يعفى من النجاسة، دارالکتب العلمیہ)۔  
تحفة المحتاج میں ہے:

ولا يجب تنقية ما في جوف الجراد وصغار السمك لعسره . (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج: ۴۰/۳۹۹، کتاب الصيد)۔

معنی المحتاج میں ہے:

وأنه يحل قلى صغار السمك من غير أن يشق جوفه ويعفى عما فيه . (معنی المحتاج: ۴/۲۹۷، دارالفکر)۔

علمائے شافعیہ کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ سمک صغار کو آلائش کے ساتھ کھانے کی علت عمر ہے یعنی صفائی میں مشقت و حرج ہونے کی وجہ سے معاف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درج ذیل وجوہات کی بنا پر چھوٹی مچھلی مع آلائش کھانے کی اجازت ہے:

(۱) فقہاء کی عبارات سے جواز واضح ہے، اور عدم جواز کا قول صرف احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے۔

(۲) شوافع کے ہاں بھی ایک قول جواز کا ہے بلکہ امام سیوطیؒ نے اس کو ترجیح دی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ائمہ جواز پر متفق ہیں۔

(۳) مچھلی اتنی چھوٹی ہو کہ اس کی صفائی موجب حرج و مشقت ہو۔

(۴) پکانے کے بعد چھوٹی مچھلیوں میں بدبو نہیں رہتی۔

(۵) پکانے سے قبل جب مچھلی کو پانی میں ڈالتے ہیں، پانی اگر گرم ہے تو اس سے مچھلی کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر ٹھنڈا پانی ہے تو بھی صفائی کا امکان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**مذہب اربعہ میں کیکڑا کھانے کا شرعی حکم:**

**سوال:** کیا اسلام میں کیکڑا (crab) کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** احناف کے نزدیک کیکڑا کھانا جائز ہے۔ حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک جائز ہے، اور شافعیہ میں سے امام نوویؒ نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ نیز متاخرین میں بھی اختلاف ہے لہذا کیکڑے کے کھانے سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولا يؤكل من حيوان الماء إلا السمك . (الهداية: ۴/ ۴۴۲).

المغنی میں ہے:

كل ما يعيش في البر من دواب البحر لا يحل بغير ذكاة... إلا ما لا دم فيه كالسرطان فإنه يباح بغير ذكاة قال أحمد: السرطان لا بأس به قيل له يذبح قال: لا. (المغنی: ۱۱/ ۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت).

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

باب المباح حال الاختیار أکلاً أو شرباً طعام طاهر والبحری بأنواعه ولو آدمیة وخنزیرہ وإن میتاً قوله حال الاختیار أى المباح تناوله حال الاختیار من جهة الأکل أو

الشرب. (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الكبير: ۱۸۱/۲، دارالفکر).

شرح المہذب میں ہے:

الثاني ما يعيش في الماء وفي البر أيضاً... وعد الشيخ أبو حامد وإمام الحرمين من هذا الضرب الضفدع والسرطان وهو محرمان على المذهب الصحيح المنصوص وبه قطع الجمهور وفيها قول ضعيف أنهما حلال...

قلت: الصحيح المعتمد أن جميع ما في البحر تحل ميتته إلا الضفدع. (شرح المہذب: ۳۲/۹، دارالفکر).

(و كذا في مغی المحتاج: ۱۵۱/۶، مكتبة توفيقية، وروضة الطالبين وعمدة المتقين: ۲۷۵/۳، ونهاية المحتاج: ۱۵۱/۸، دارالفکر).

الحيوان الذي لا يعيش إلا في البحر يحل منه السمك بلا خلاف، ويحل منه غير السمك على الأصح، أما الحيوان البحري الذي يعيش في البر أيضاً فقد اختلف فيه كلام النووي، فرجح في الروضة والمنهاج التحريم، وتبعه الرملي في النهاية، واعتمد في المجموع إطلاق الحل إلا الضفدع، وزاد شيخ الإسلام (زكريا الأنصاري) استثناء ذوات السموم وهذا ما اعتمده ابن حجر في التحفة والخطيب في المغنى.

الحاصل: أن الضفدع حرام لدليل خاص ورد فيه، وأن الحيوان البحري الذي يعيش في البر أيضاً كالسرطان والسلفحاة البحريين حلال عند ابن حجر والخطيب تبعاً للمجموع، حرام عند الرملي تبعاً للروضة والمنهاج؛ ومحل الخلاف إذا لم يكن من ذوات السموم، وإلا حرم عند الجميع. (ملخص من تحفة المحتاج: ۴۴/۹، دارالفکر، والغرر البهية: ۴۴/۱۰، دارالكتب العلمية، والمجموع شرح المہذب: ۳۲/۹، دارالفکر). واللہ اعلم۔

## عجل البحر کھانے کا شرعی حکم:

**سوال:** سیل (seal ، فقمہ ، عجل البحر) ایک سمندری جانور ہے جو اپنی زندگی پانی میں گزارتا ہے لیکن بچہ جنتے وقت خشکی پر آ جاتا ہے، احناف اور شوافع کے یہاں اس کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** احناف کے نزدیک سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی کا کھانا جائز اور درست ہے مچھلی کے علاوہ کسی اور سمندری جانور کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے، البتہ شافعیہ کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے۔  
التنف فی الفتاویٰ میں ہے:

وأما دواب البحر فإنها محرمة سوى السمك بأجناسها في قول الفقهاء. (التنف فی الفتاویٰ، ص ۱۵۰، حکم دواب البحر، ط: بیروت).

مذہب شافعیہ کے حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

علامہ ماوردی الحاکمی الکبیر میں لکھتے ہیں:

وأما النوع الثالث من الحيوان وهو ما يجمع في عيشه بين البر والبحر من الحيوانات فينقسم ثلاثة أقسام أحدها ما يكون مستقره في البر ومرعاه من البحر مثل طير الماء فهذا من حيوان البر ويجرى عليه حكمه . والقسم الثاني: ما يكون مستقره في البحر ومرعاه في البر كالسلاحفة فهذا من حيوان البحر ويجرى عليه حكمه . والقسم الثالث : ما يستقر في البر والبحر ويرعى في البر والبحر فيراعى أغلب حاله فإن كان أغلبهما البر في مستقره و مرعاه أجرى عليه حكم الحيوان البري وإن كان أغلبهما البحر في مستقره و مرعاه أجرى عليه حكم حيوان البحر وإن استوى فيه الأمران ولم يغلب أحدهما على الآخر ففيه وجهان أحدهما أنه يجري عليه حكم حيوان البر تغليباً للحظر لأنه مستغن عن البحر والوجه الثاني أنه يجري عليه حكم حيوان البحر تغليباً للإباحة لأنه مستغن عن البر . (الحاکمی الکبیر لماوردی: ۶۳/۱۵۰).

اسنی المطالب شرح روض الطالب میں ہے:

وما لا يعيش من الحيوان إلا في الماء حلال كيفما مات أي حتف أنفه أو بضغطة أو صدمه أو انحصار ماء أو ضرب من الصيد أو غيره ولو لم يشبه السمك المشهور ككلب وحمار وخنزير... (اسنی المطالب: ۴۰۶/۳، وكذا في مغنی المحتاج: ۶/۱۴۶). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حلال جانوروں میں اعضائے محرمہ و مکروہہ کی وضاحت:

**سوال:** حلال جانوروں میں کن کن اعضاء کا کھانا جائز ہے؟ نیز ان اعضا میں کونسے مکروہ ہیں اور کونسے حرام ہیں اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے؟ بینوا ولکم الأجر الجزيل۔

**الجواب:** حلال جانوروں میں درج ذیل سات اعضاء کا کھانا جائز ہے۔

(۱) دم مسفوح۔ (۲) شرمگاہ۔ (۳) خصیتین۔ (۴) غدود۔ (۵) مثانہ۔ (۶) پیشاب کی تھلی۔ (۷) مرارہ [پتا] (۷) اکہ تاسل۔ نیز لحم جلالہ بھی مکروہ ہے۔

ان اعضائے سبجہ کو ہمارے فقہاء نے ناجائز بتلایا ہے۔ نیز یاد رکھنے میں سہولت کی خاطر بعض علماء نے اس کو درج ذیل کلمہ میں جمع فرمایا ہے۔

”فخذ مدغم“۔ ف: سے مراد فرج ہے۔ خ: سے مراد خصیتین ہیں۔ ذ: سے مراد ذکر۔ م: سے مراد مرارہ۔ د: سے مراد دم مسفوح۔ خ: سے مراد غدود۔ اور م: سے مراد مثانہ ہے۔

مذکورہ بالا سات اعضاء میں سے دم مسفوح حرام ہے اور اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اس لیے اس کا حرام ہونا قطعی ہے۔

اور باقی چھ چیزوں کی ممانعت خبر واحد سے ثابت ہے اس لیے یہ چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں۔  
ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر...﴾ [المائدة: ۳]۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ﴾ [النحر: ۱۱۵]۔

ایک اور جگہ مذکور ہے:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا

مَسْفُوحًا﴾ [الانعام: ۱۴۵]۔

حدیث شریف میں ہے:

كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة سبعة: المرارة، والمثانة، والغدة،

والحياء، والذكر، والانثيين، والدم. (كتاب الآثار للامام ابى حنيفة، باب ما يكره من الشاة، ص ۱۳۸، ط:

كتب خانة مجديه، ملتان)۔

(و كذا رواه البيهقي في الكبرى: ۷۱۰، عبد الرزاق: ۴/۵۳۵، الطبراني: ۹/۱۸۱، ۹۴۸۰، عن ابن

عمر مرفوعاً)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة :

الدم المسفوح والذكر والانثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة، لقوله عز شأنه : ﴿ويحل

لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث﴾ وهذه الأشياء السبعة مما يستخذه الطبايع السليمة

فكانت محرمة وروى عن مجاهد أنه قال : كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة

الذكر والانثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم فالمراد منه كراهة التحريم بدليل

أنه جمع بين الأشياء الستة وبين الدم في الكراهة والدم المسفوح محرم والمروى عن أبي

حنيفة أنه قال : الدم حرام وأكره الستة أطلق اسم الحرام على الدم المسفوح وسمى ما

سواه مكروهاً لأن الحرام المطلق ما ثبت حرمة بدليل مقطوع به وحرمة الدم المسفوح

قد ثبتت بدليل مقطوع به وهو النص المفسر من الكتاب العزيز قال الله تعالى عز شأنه :

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ إلى قوله عز شأنه ﴿أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنزِيرٍ﴾



وانعقاد الإجماع أيضاً على حرمة فأما حرمة ما سواه من الأشياء الستة فما ثبتت بدليل مقطوع به بل بالاجتهاد أو بظاهر الكتاب العزيز المحتمل للتأويل أو الحديث لذلك فصل بينهما في الاسم فسمى ذلك حراماً وذا مكروهاً والله عز اسمه أعلم. (بدائع الصنائع: ۶۱/۵، سعید).

وفي رد المحتار: قوله من الشاة، ذكر الشاة اتفاقي لأن الحكم لا يختلف في غيرها من المأكولات. قوله الحياء، هو الفرج من ذوات الخف والظلف والسباع. (رد المحتار: ۷۴۹/۶، مسائل شتى، سعید).

تنقيح الفتاوى الحامديه میں ہے:

والمكروه تحريماً من الشاة سبع: الفرج والخصية والغدة والدم المسفوح والمرارة والذكر وقد نظمها بعضهم بقوله:

إذا ما ذكيت شاة فكلها ☆ سوى سبع ففيهن الوبال

ففاء ثم خاء ثم عين ☆ ودال ثم ميمان ودال

أقول: وقد كنت نظمته بقولي:

إن الذي من الشياه يحرم ☆ يجمعه حروف فخذ مدغم

(تنقيح الفتاوى الحامديه: ۲/۲۳۲، كتاب الذبائح).

(ومثله في الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۴۹، ۷۵۰، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۷۴۹، سعید، وحاشیة الطحطاوی علی

الدر المختار: ۴/۳۶۰، والفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۰، فی المتفرقات من الذبائح، والفتاویٰ البزازیة علی هامش

الفتاویٰ الہندیہ: ۶/۳۰۳، والتف فی الفتاویٰ، ص: ۱۵۱ ما یکرہ من الشاة المذبوحة، ط: بیروت).

وفي التنف في الفتاوى: قال: وتكره الجلالة من الأنعام ويستحب إذا أراد ذبحها

أن يحسبها أياماً و يعلقها حتى تنظف أجوافها ثم يذبحها. (التنف في الفتاوى، ص ۱۵۱، ط: بیروت).

اعلاء السنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها، رواه الخمسة إلا النسائي .

أقول: النهي عن أكل لحم الجلالة وشرب لبنها والركوب عليها إنما هو إذا ظهر أثر النجاسة في لحمها ولبنها وعرقها بأن يظهر فيها طعمها أو ريحها أو لونها وإلا فلا، ثم لما كانت هذه الكراهة عارضة يرتفع بارتفاع العارض بأن تحبس أياماً وتعلف حتى يغلب أثر العلف على أثر العذرة وبفني وليس له مدة معينة، قال السرخسي: الأصح عدم التقدير وتحبس حتى تزول الرائحة المنتنة كذا في "رد المحتار". (اعلاء السنن: ۱۷/۱۹۴).

وللمزيد انظر: (اعلاء السنن: ۱۷/۱۹۴-۱۹۷).

خلاصہ یہ ہے ان اشیائے سبعہ کا کھانا ناجائز ہے اور دم مسفوح تو مطلقاً حرام ہے، اگر کوئی شخص کھاتا ہے تو یہ اس کا فعل حلت کی دلیل نہیں ہے، نیز طبائع سلیمہ ان چیزوں سے نفرت کرتی ہیں لہذا اگر کوئی کہے کہ اس کے کھانے میں بڑی لذت ملتی ہے تو اس کا یہ قول خلاف فطرت ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حرام مغز کھانے کا شرعی حکم:

سوال: حرام مغز جو لوگوں میں مشہور ہے اس کا کھانا کیسا ہے حرام یا مکروہ یا مباح یا خلاف اولیٰ ہے، نیز چھوٹے جانوروں یا مرغیوں سے نکالنا بھی باعث کلفت ہے۔ آپ حکم شرعی کی طرف رہنمائی فرمائیے؟

الجواب: حرام مغز کا کھانا مکروہ ہے اور راجح قول یہ ہے کہ اس میں کراہت تہزیبی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

كره من الشاة الحياء والخصبة والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکر و

نخاع الصلب كذا في الكنز. (الفتاوى الهندية: ۶/۴۴۵).

کنز الدقائق میں ہے:

كره من الشاة : الحياء [ الفرج ] والخصية ، والغدة ، المثانة ، والمرارة ، والدم المسفوح ، والذكر .

وفى تعليقات الكنز للشيخ سائد بكداش : قال : لورود الأثر فى النهى عن هذه الأشياء ، ولاستحاث النفوس السليمة لها ، وأما الدم : فقال أبو حنيفة بحرمة لبث النص فى تحريمه .

تنبیه : جاءت فى ص ۲۱۷ من نسخة الكنز المطبوعة فى الهند سنة ۱۲۹۴ھ زيادة جملة على هذه السبع ، وهى : ” ونخاع الصلب ” ، وهو حکم تفردت به هذه النسخة دون غيرها من النسخ الخطية والمطبوعة ، ولم يذكر هذا الفرع أيضاً فى الكنز مع تمتة الطورى ۵۵۳/۸ ، ولا فى تفريعات الطورى ، وكذلك فى بقية الشروح ، ينظر : تبیین الحقائق ۲۲۶/۶ ، فتح المعین لأبى السعود ۵۶۰/۳ ، كشف الحقائق ۳۳۸/۲ ، وكذلك لم يذكر فى الدر المختار ، ولا فى فروع ابن عابدين عليه ۷۴۹/۶ .

فى حين أن علماء الهند فى الفتاوى الهندية ( العالمکیرية ) ۴۴۵/۶ اعتماداً منهم على هذه المطبوعة الهندية من الكنز قرروا حکماً شرعياً وهو : کراهة أكل نخاع الصلب ، حيث كتبوا فى الفتاوى : ” والنخاع الصلب ، وكذا فى الهندية ” . وكتب مصحح الفتاوى الهندية معلقاً فى الحاشية : قوله : والنخاع الصلب ، ولم أجد ذلك فى عبارة الكنز ، ولا فى شرحه التبيين . ( تعليقات الشيخ سائد بكداش على الكنز ، ص ۶۹۴ ، مسائل شتى ط : دار البشائر الاسلامية ) .

کنز مطبوعہ امدادیہ ملتان میں ( ص ۳۹۶ ) پر نخاع الصلب کا ذکر موجود ہے ، لیکن اس کے محشی مولانا حبیب الرحمن صاحب نے بھی اس کا انکار کیا ہے ۔ عبارت ملاحظہ ہو :

قوله ونخاع الصلب المراد به ما يقال فى الهندية ” حرام مغز ” واعلم أن قوله ونخاع الصلب لم يوجد فى جميع الشروح من المتن وإنما هو فى النسخ المطبوعة ولم يذكر صاحب الدر المختار أيضاً فيما عدوه من الأشياء المكروهة ولم يأخذه فى نظم الذى ذكر

نقلته من ملا مسکین أيضاً بل اكتفى فيه على سبعة فافهم . ”حبیب الرحمن“ . (حاشیہ کنز الدقائق، ص ۴۹۶، ط: امدادیہ ملتان، پاکستان).

خلاصہ یہ ہے کہ کنز الدقائق کے ہندوستانی نسخوں میں نخاع الصلب کا ذکر موجود ہے لیکن دیگر مخطوطہ و مطبوعہ کسی بھی نسخہ میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے نیز عالمگیری میں بحوالہ کنز مذکور ہے، لیکن حاشیہ میں وضاحت کر دی ہے کہ یہ لفظ کنز اور اس کی شرح تبیین میں موجود نہیں ہے، لہذا کنز کی عبارت مشکوک ہوگئی اور سائد بدداش کی تحقیق کے مطابق کالعدم ہوئی، لہذا نخاع الصلب کا مکروہ ہونا مشکوک ہو گیا۔ البتہ اگر مذہب کی دیگر کتب میں مکروہ لکھا ہو تو کراہت ثابت ہوگی لیکن تحریری کاثبات پھر بھی مشکل ہے فقط تنزیہی ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ سید احمد طحاویؒ فرماتے ہیں:

( قوله والدم المسفوح ) أى السائل من العروق أما الدم الباقي فى العروق بعد الذبح لا يكره كما فى المفتاح و زيد نخاع الصلب . (حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار: ۴/۳۶۰، ط: مکتبہ). لہذا اگر نخاع الصلب باسانی نکال سکتے ہیں تو نکالنا چاہئے لیکن اگر چھوٹے جانوروں میں اس کا نکالنا مشکل ہو تو پھر اس کا نکالنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عبدالحی لکھنویؒ مجموعۃ الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: حرام مغز مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی اگر مکروہ تحریمی ہے تو ہر چھوٹے بڑے جانور کا حرام مغز نکالنا واجب ہے جیسے بکری مرغ چڑیا کبوتر وغیرہ یا صرف بڑے جانوروں کا؟

جواب: نصاب الاحساب اور مطالب المؤمنین وغیرہ میں اس کو مکروہ لکھا ہے اور ظواہر کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کراہت تنزیہی ہے تحریمی نہیں ہے پس جن جانوروں کے حرام مغز کے نکالنے میں دشواری ہو ان کا حرام مغز نکالنا ضروری نہیں ہے۔ (معلم الفقہ ترجمہ رد مجموعۃ الفتاویٰ، جلد دوم، ص ۳۳۱، ط: آرام باغ کراچی)۔

نصاب الاحساب کی عبارت ملاحظہ ہو:

وأما ما يكره فهو عشرة: الغدة، والقلب، والدبر، والذكر، والخصيان، والمرارة، والمثانة، ونخاع الصلب... الخ. (نصاب الاحساب، الباب الثامن والخمسون فى الاحتساب على الطباخ،

ص ۳۷۵۔

حضرات اکابر کی عبارات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ چند فتاویٰ کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیے:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

کپورے کھانا مکروہ ہے گردے جائز ہیں حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ یونہی بے چارہ بدنام ہو گیا۔ (کفایت الہفتی: ۲۶۲/۸، دارالاشاعت)۔

صاحب بذل الحجو و حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:

نخاع کی حرمت فقہ کی کتب میں میری نظر سے نہیں گزری۔ (فتاویٰ مظاہر علوم، ص ۲۹۹)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

بر حرمت حرام مغزیچ دلیل قائم نہ شد و اجزاء سبعہ از شاة مکروہ داشته اند و دران ہم مغز حرام داخل نیست پس خوردن آن حلال ست۔ (امداد الاحکام: ۳۱۲/۴)۔

ایک اور استفقاء کے جواب میں رقمطراز ہیں:

حرام مغز کی حرمت کا مصرح ہونا ہم کو کتب فقہ میں نہیں ملا اگر آپ نے تصریح دیکھی ہو تو عبارت کتاب مع حوالہ صفحہ و جلد و باب لکھ کر مطلع فرمائیں۔ (امداد الاحکام: ۳۱۲/۴)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نے بحوالہ لفظاوی منع لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال: حرام مغز کھانا کیسا ہے؟

الجواب: منع ہے، طحاوی: ۳۶۰/۳۔

اس کی تعلیقات میں کنز الدقائق کی عبارت بھی دلیل میں پیش کی گئی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۹۸/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں منع لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سات چیزیں حلال جانور کی کھانی منع ہیں ذکر، فرج مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز۔ پشت کے مہرے میں

ہوتا ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۵۸۷، ط: لاہور)۔

امداد المفتین میں ہے:

سوال: حلال جانور کا حرام مغز کھانا درست ہے یا نہیں، فقہ حنفیہ کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں ان میں حرام مغز کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں مگر حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ ندارد اس لیے حضرات علماء سے برائے اطمینان قلب حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب: احقر کو بھی باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں ملا... الخ۔

حاشیہ میں مرقوم ہے: بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپورؒ نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انہوں نے بتلایا وہ یعنہم درج ذیل ہے: صرح به الطحطاوي على الدرر حيث قال: وزيد نخاع الصلب۔ (امداد المفتين مع الحاشية از مؤلف ۸۰۵/۲، ط: دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہے کہ صرف طحاوی کی عبارت اس بارے میں صریح ہے لیکن اس کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ حرام مغز بعد میں مکروہات میں شامل کیا گیا ہے، کیونکہ عام کتب فقہ میں اس کے بارے میں کوئی تصریح مذکور نہیں ہے صرف سات چیزوں کو مکروہات میں شمار کیا گیا ہے۔ بہر حال طحاوی کی عبارت کی وجہ سے کراہت تنزیہی کا قول درست ہے کراہت تحریمی کا قول محل نظر ہے۔

چونکہ حرام مغز کے معنی پوشیدہ ہیں لہذا الفت کی کتابوں سے اس کی تعریف نقل کی جاتی ہے۔

نخع: بالفتح والكسر والضم عرق أبيض في داخل العنق، ينقاد في فغار الصلب حتى يبلغ عجب الذنب وهو يسقى العظام. (لسان العرب: ۳۴۸/۸، بوناج العروس: ۵/۵۲۰).

وفي المغرب: نخع: النخاع؛ خيط أبيض في جوف عظم الرقبة يمتد إلى الصلب. (المغرب: ۲/۲۹۳).

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ نخاع سفید رنگ ہے جو گردن کے اندر سے ہو کر پشت میں سے گزر کر دم کی جڑ تک پہنچتی ہے۔ واللہ اعلم۔

غذود کا شرعی حکم:

سوال: غذود جس کو عربی میں ”الغدة“ کہتے ہیں اور حرام مغز جس کو ”نخاع الصلب“ کہتے ہیں ان

دونوں کا کیا حکم ہے؟ اگر سالن میں پکا دے تو اس سالن کا کھانا جائز ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** غدد ”الغدة“ کے متعلق فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اس کا کھانا اصح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے اور ایک قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال جانور میں سے: آلہ تناسل، خصیتیں، شرمگاہ، [فرج]، غدد، پتا (تختی کڑواہٹ، جگر سے ملی ہوئی صفرا کی تیلی جو پچناہٹ کے ہضم میں مددگار ہوتی ہے۔)، مثانہ، اور خون کو ناپسند فرمایا۔ امام ابوحنیفہؒ مانتے ہیں کہ خون تو حرام ہے کیونکہ اس میں آیت کریمہ وارد ہوئی ہے اور باقی چیزیں مکروہ ہیں، کیونکہ طبعیت سلیمہ ان سے نفرت کرتی ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

كره تحريماً وقيل تنزيهاً والأول أوجه من الشاة سبع... للأثر الوارد في كراهة ذلك. وفي رد المحتار: قوله كره تحريماً لما روى الأوزاعي عن واصل بن أبي جميلة عن مجاهد قال: كره رسول الله صلى الله عليه وسلم من الشاة: الذكر والأنثيين والقلب والغدة والمرارة والمثانة والدم، قال أبو حنيفة: الدم حرام وأكره الستة... لأنه مما تستخبه الأنفوس، وتكرهه وهذا المعنى سبب الكراهية لقوله تعالى: ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۷/۶، مسائل شتى - سعيد).

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۸/۸، ط: کوئٹہ، ویدائع الصنائع: ۶۱/۵، سعید، و الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۰).

غدد سے مراد ہڈیوں کا گودا نہیں جس کو عام لوگ کھاتے ہیں اور احادیث میں بھی اس کے کھانے کی تصریح موجود ہے بلکہ اس سے مراد پٹھے ہیں جس کو انگریزی میں gland کہتے ہیں۔ اور گودا جو کھایا جاتا ہے اس کو انگریزی میں marrow کہتے ہیں۔

غدد، الغدة، اور الغدة، یہ اشیائے سبعہ میں سے ہے اور مکروہ تحریمی ہے، اس کے بارے میں اہل لغت لکھتے: جسم میں پیدا ہونے والی گرہ جس کے گرد چربی ہو۔ نیز گوشت کی گرہ جو کسی بیماری کی وجہ سے ابھر آتی

ہے۔

اور ہڈیوں کے اندر کا مغز جو کھایا جاتا ہے اس کو عربی میں ”مخ“، ”لب“، کہتے ہیں اور اردو میں گودا، مغز

استخوان سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (فیروز اللغات، القاموس الوحید وغیرہ)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: ... آپ واضح فرمائیں کہ غدود کیا ہے؟ عام طور پر غدود نلی میں سے یا پاؤں میں سے نکلتا ہے،

اسے کہتے ہیں، عام طور پر لوگ اس کو بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے؟

الجواب: خون جم کر گھٹلی کی صورت ہو جاتی ہے، اس کو ”غده“ کہتے ہیں، وہی اردو میں ”غدد“ کہلاتا

ہے۔ پائے اور دوسری ہڈی سے جو چیز نکلتی ہے اس کو ”گلی“ اور ”گودہ“ اور ”گوڈ“ کہتے ہیں، اس کا کھانا درست

ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۲۹۷، جامعہ فاروقیہ)۔

حرام مغز کے بارے میں پیچھے تفصیل سے مذکور ہوا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ علامہ سید احمد طحاویؒ کی عبارت

کی وجہ سے کراہتِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ کا قول درست ہے۔

جن اشیاء کا کھانا مکروہ تحریمی ہے یا حرام ہے ان کو سالن میں پکانے سے سالن حرام نہیں ہوگا بلکہ سالن کا

کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں مرقوم ہے:

ذكر [أى صاحب القنية] أن الذكر أو الغدة لو طبخ في المرققة لا تكره المرققة .

(فتاویٰ الشامی: ۶/۷۴۹، سعید)۔

علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:

قوله إنه لا يكره أكل المرققة واللحم ، أى المطبوخ مع الذكر أو الغدة وعبارة القنية

على ما ذكره فى شرح الوهبانية: ذكر الشاة وغُدُّها طبخا فى اللحم لا تكره المرققة .

(التحرير المختار: ۶/۳۵۷، سعید)۔

نفع الحُمَيّ والسائل میں ہے: الاستفسار: ذكر الشاة إذا طبخ فى المرققة ، هل يكره أكلها ؟

الاستبشار: نعم ؛ ولا كراهة فى المرققة . كذا فى السراج المنير . (فتاویٰ السکنوی،

ص ۳۷۳، کتاب الحظر والاباحة، ما يتعلق بالاكل والشرب) .

(و كذا فى شرح منظومة ابن وهبان : ۲/۱۵۵، ط: دیوبند)۔ واللہ اعلم



## اوجھڑی اور آنتوں کا حکم:

**سوال:** اگر کسی جگہ قربانی کی اوجھڑی اور آنتیں نہیں کھائی جاتیں تو ان کو دفن کیا جائے یا بلیوں کو اور کتوں اور پرندوں کے کھانے کی جگہ رکھ لیں تاکہ وہ کھا لیں؟

**الجواب:** اوجھڑی اور آنتوں کو صاف کر کے کھانا جائز اور درست ہے، لیکن اگر کسی جگہ ان کو نہیں کھاتے تو مذکورہ بالا جانوروں کے سامنے ڈالنا بہتر ہے، حدیث میں آتا ہے: ”وفی کل ذات کبد رطبة أحر“۔ ہر زندہ جانور کو کھلانے میں اجر ایک عورت کی مغفرت اس لیے ہوئی کہ اس نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا، (بخاری) اور ایک عورت اس وجہ سے معذب ہوئی کہ اس نے بلی کو مجبوس رکھا تھا اس کو نہ کھلاتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ از خود کھا لے، البتہ اگر کسی جگہ جانور نہ آتے ہوں اور تعفن کا اندیشہ ہو تو پھر دفن کر دینا بہتر ہے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول فالذي يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح، والذكر، والأنثيان، والقبل، والغدة، والمثانة، والمرارة، لقوله عز شأنه: ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث وهذه الأشياء السبعة تستخبثه الطباع السليمة فكانت محرمة. (بدائع الصنائع: ۶۱/۵، سعيد).

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

والمكروه تحريماً من الشاة سبع: الفرج والخصية والغدة والدم المسفوح والمرارة والذكر وقد نظمها بعضهم بقوله:

إذا ما ذكيت شاة فكلها ☆ سوى سبع ففیهن الوبال

ففاء ثم خاء ثم عين ☆ و ذال ثم میمان و ذال

أقول: وقد كنت نظمتها بقوله:

☆ إن الذی من الشیاء یحرم یجمعه حروف فخذ مدغم

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۲/۲۳۲، کتاب الذبائح).

(ومثله فی الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۹، ۵۰، سعید).

مزید ملاحظہ ہو: (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۹، سعید، وحاشیۃ الطحطاوی علی

الدر المختار: ۳/۳۶۰).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: انتری اور اوجھڑی کھانا شرعاً درست ہے، خوب پاک صاف کر کے کھائیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/

۲۹۳، جامعہ فاروقیہ)۔ مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۵۱۱، و فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۳۷۸).

أخرج البخاري بسنده عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:

”بينما رجل بطريق فاشتد عليه العطش فوجد بئراً فنزل فيها فشرب ثم خرج فإذا كلب

يلهث يأكل الثرى من العطش فقال: الرجل لقد بلغ هذا الكلب من العطش مثل الذي كان

بلغ مني فنزل البئر فملأ خفه ماء، فسقى الكلب فشكر الله له فغفر له قالوا: يا رسول الله!

وإن لنا في البهائم لأجراً فقال: في كل ذات كبد رطبة أجر“۔ (رواه البخاري برقم: ۲۴۶۶، موسم:

۲۲۴۴، وابوداود: ۲۵۵۰).

وأخرج أيضاً عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: غفر لامرأة

مومسة مرت بكلب على رأس ركي يلهث، قال: كاد يقتله العطش فنزعت خفها فأوثقته

بخصمارها فنزعت له من الماء فغفر لها بذلك. (صحيح البخاري برقم: ۳۳۲۱، وأخرج مسلم في باب

فضل سقى البهائم).

مذکورہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ جانور کو کھلانے میں اجر ہے، لہذا یہ دفن کرنے سے بہتر ہے۔ البتہ

جانور موجود نہ ہو یا تعفن کا اندیشہ ہو تو دفن کر دینا بہتر ہوگا۔

ملاحظہ ہو باقیات فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: ... اور جو کوئی (گوشت) کھانے، لینے والا نہیں تو دفن کرنا ضروری ہے

تا کہ تعفن سے خلق کو اذیت نہ ہووے۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص ۲۸)۔ واللہ اعلم۔

## کرے فیش (Cray fish) کھانے کا حکم:

**سوال:** کرے فیش (Cray fish) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ کرے فیش (Cray fish) کے مچھلی نہ ہونے کی وجہ سے اس کھانا مذہب

احناف کے مطابق جائز اور درست نہیں۔ اس جانور سے متعلق کچھ وضاحت ملاحظہ کیجئے:

اس جانور کو عربی میں جرادلہ بحر و جرادلہ بحر کہتے ہیں۔ (المورد: ۲۸۸)۔

ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں مرقومہ عبارت کا خلاصہ درج ذیل ملاحظہ کیجئے:

یہ سرطان کیڑے (lobster) کی طرح ہوتا ہے اس کو (spiny lobster) بھی کہتے ہیں۔ اردو میں اس کو دریائی ٹڈی کہتے ہیں۔ یہ تازہ پانی میں رہنے والا ایک خول دار جانور ہے۔ افریقہ اور انٹریکا کے علاوہ ہر براعظم میں دستیاب ہے۔ اس کے بدن کا اگلا حصہ بے حس و حرکت ہوتا ہے اور پچھلا حصہ متحرک ہوتا ہے۔ اس کے چھ پیر ہوتے ہیں، آگے کے دو پیر سے پکڑنے کا کام کرتا ہے اور باقی چار پیر کو چلنے کیے استعمال کرتا ہے، رات کے شروع میں یہ جانور جب اپنے سوراخ سے سمندر کے ساحل پر نکلتا ہے تو اس وقت بہت چست ہوتا ہے، اس جانور کو سوراخ کرنے کی عادت ہوتی ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی دریایانہ میں سیلاب روک پشتہ ختم ہوتا ہے۔ یورپ میں اس کو اچھے کھانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ (مض از ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا: ۹۰۱/۳)۔

مذہبِ احناف میں بحری جانوروں میں سے فقط مچھلی حلال ہے۔ قرآن کریم کی آیت: ﴿وَأَحِلَّ لَكُ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ﴾ کے تحت امام ابو بکر حصاص زاریؒ فرماتے ہیں: **أنه أَرَادَ السَّمَكَ خَاصَّةً دُونَ مَا سِوَاهُ**۔ (احکام القرآن ۴/۱۳۷، احیاء التراث)۔

تحفة الملوک میں مذکور ہے:

ولا يحل من حيوان الماء ، إلا أنواع السمک کلها . (تحفة الملوک ، ص ۲۱۴ ، فصل

ما يحرم أكله من الحيوانات ط: دار البشائر الإسلامية) . واللہ اعلم۔

## ”حلال جانوروں کی فہرست“

(بری اور بحری چوپائے اور پرندے، جن کا کھانا جائز اور درست ہے)

اردو نام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
ایمانیل	الخطاف	Swallow	حلال	حرام	حلال	خلاف
اونٹ	الابل	Camel	حلال	حلال	حلال	حلال
بکری، بکرا	المعز	Goat	حلال	حلال	حلال	حلال
بھیڑ، مینڈھا	الضان	Sheep	حلال	حلال	حلال	حلال
بھینس، بھینسا	الجاموس	Buffalo	حلال	حلال	حلال	حلال
بارہ سنگھا	الایل، مثل الوعل	Deer	حلال	حلال	حلال	حلال
بٹیر	السمانی	Quail	حلال	حلال	حلال	حلال
بلبل	بلبل العندلیب	Nightingale	حلال	حلال	حلال	حلال
بگلا	طیر الماء البلشون	Heron	حلال	حلال	حلال	حلال
بطخ	بط، الإوزة	duck, Goose	حلال	حلال	حلال	حلال
پانی مرغ	دیک الماء		حلال	حلال	حلال	حلال
پانی مرغی	دجاج الماء		حلال	حلال	حلال	حلال
تیترا	الدراج	Francolin, Black Partridge	حلال	حلال	حلال	حلال

تلیں	التلیں		حلال	حلال	حلال
ٹڈی	الجراد	Locust	حلال	حلال	حلال
چڑیا	العصفور	Sparrow	حلال	حلال	حلال
چکاوک	القبرة	Lark	حلال	حلال	حلال
چکور	الحجل	Partridge, Bobwhite	حلال	حلال	حلال
خرگوش	الارنب	Rabbit	حلال	حلال	حلال
دنبہ	الکبش	Sheep	حلال	حلال	حلال
دھنیر	دھنیر		حلال	حلال	حلال
زرافہ	الزرافة	Giraffe	حلال	حلال	حلال
سراگائے	البقر الجبلی		حلال	حلال	حلال
سرخاب	الحباری	Bustard	حلال	حلال	حلال
شتر مرغ	النعامہ	Ostrich	حلال	حلال	حلال
طوطا	الدرة، البیغاء	Parrot	حلال	حرام	حلال
فاختہ	الفاختة الیمامة	Dove	حلال	حلال	حلال
قمری	القمری	Turtle dove	حلال	حلال	حلال
کبوتر	الحمامة	Pigeon	حلال	حلال	حلال
کبوتر کے مشابہ	الحویل		حلال	حلال	حلال
کھیت کا کوا	الزراغ	Crow	حلال	حلال	حلال

کنٹھ پھوڑ	الهدهد	Hoopoe	حلال	حرام	حلال	خلاف
کٹنگ	الکرکی الغرنوق	Crane	حلال	حلال	حلال	حلال
گورخر	الحمار الوحشی	zebra, Wildass	حلال	حلال	حلال	حلال
گائے، بیل	البقر	Cow, Ox	حلال	حلال	حلال	حلال
گھوڑا	الخیل	Horse	خلاف	حلال	مکروہ	حلال
نکلتک	اللقلق	Stork	حلال	حرام	حلال	حرام
مرغ	الديک	Rooster	حلال	حلال	حلال	حلال
مرغی	الدجاجة	Chicken	حلال	حلال	حلال	حلال
مرغابی	الطائر السابح	Waterfowl	حلال	حلال	حلال	حلال
مینا	الزرزور	Starling	حلال	حلال	حلال	حلال
مور	الطاووس	Peacock	حلال	حرام	حلال	خلاف
مموں	الصعو	Wren	حلال	حلال	حلال	حلال
مچھلی	السمک	Fish	حلال	حلال	حلال	حلال
ٹیل گائے	بقرة الوحش عین	Antelope, wild cow	حلال	حلال	حلال	حلال
ہرن	الظبی، غزال	Deer, Gazelle, buck, Antelope	حلال	حلال	حلال	حلال
ہنس	من اقسام البط	Goose	حلال	حلال	حلال	حلال

## ”حرام جانوروں کی فہرست“

(بری اور بحری چوپائے اور پرندے، جن کا کھانا ناجائز اور حرام ہے)

اردو نام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
اودبلاؤ (بلی کے مشابہ جانور)	کلب الماء ثعلب الماء	Otter	حرام	حلال	حلال	حلال
بن مانس	النسناس	Guenon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بھیڑیا	ذئب	Wolf	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بھڑ	الزنبور	Homet/Wasp	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بجو	الضبع	Hyena	حرام	حلال	حلال و مکروہ	حلال
بلی	السنور، الهرة	Cat/wild cat	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بندر	القرود	Monkey	حرام	حرام	مکروہ	حرام
باز	البازی	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
باشہ	الباشق	Sparrow hawk	حرام	حرام	مکروہ	حرام
بچھو	العقرب	Scorpion	حرام	حرام	حرام	حرام
تیندوا	الفهد	Cheetah	حرام	حرام	مکروہ	حرام

جوں	القمل	Louse	حرام	حرام	مکروہ	حرام
جرہ	الصقر	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چیتا	النمر	Leopard/ Panther/ Tiger	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چکا دڑ	الخفافش	Bat	حرام	حرام	حرام	حرام
چوہا	الفأر	Mouse/rat	حرام	حرام	مکروہ	حرام
چوہا جنگلی	اليربوع	Jerboa	حرام	حلال	حلال	خلاف
چیل	الحدأة	Kite	حرام	حرام	مکروہ	حرام
نختر	البغل	Mule	حرام	حرام	مکروہ	حرام
دیمک	الارضضة	Termite	حرام	حرام	مکروہ	حرام
ریچھ	الدب	Bear	حرام	حرام	مکروہ	حرام
سور	الخنزیر	pig/swine/hog	حرام	حرام	حرام	حرام
سانپ	الحیة	Snake	حرام	حرام	حلال	حرام
سیہ	القنفذ	Hedgehog	حرام	حلال	حلال	حرام
شاہین	الشاهین	Peregrine Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شہد کی مکھی	النحل	Bee	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شیر	الاسد	Lion	حرام	حرام	مکروہ	حرام
شکرا	الصقر	Falcon	حرام	حرام	مکروہ	حرام
کچھوا	السلحفاة	Turtle	حرام	حرام	حلال	حرام
کیکڑا	السرطان	Crab/Lobster	حرام	حلال	حلال	حلال



حرام	حلال	حرام	حرام	Dog	الکلب	کتا
حرام	حلال	حرام	حرام	Spotted crow	الابقع	کوا
خلاف	خلاف	حلال	حرام	Squirrel	السنجاب	گھری
حرام	حلال	حرام	حرام	Jackal	ابن آوی	گیدڑ
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Vulture	النسر	گڈھ
حرام	حرام	حرام	حرام	Donkey	الحمار	گدھا
حلال	حلال	حلال	حرام	Spiny-tailed lizard	الضب	گوہ
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Chameleon	الحرباء	گرگٹ
حلال	مکروہ	حلال	حرام	Rhino	الکرکدن	گیڈا
خلاف	حلال	حلال	حرام	Fox	الثعلب	لومڑی
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Crocodile	التمساح	مگرچھ
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Mosquito	البعوض	مچھر
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Fly	الذباب	کھسی
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Frog/Toad	الضفدع	مینڈک
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Spider	العنكبوت	کڑی
حرام	حلال	حلال	حرام	Weasel	ابن عرس	نیولا
حرام	مکروہ	حرام	حرام	Elephant	الفیل	ہاتھی

حلال و حرام جانوروں کے نقشہ کے لیے درج ذیل کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے:-

- |  |   |
|--|---|
| (۱) رسالہ مفتی دمشق شیخ محمود جزاوی۔   | (۶) مخ الجلیل شرح مختصر التلیل، جلد ۲۔      |
| (۲) اعلاء السنن جلد: ۱۷۔               | (۷) المغنی لابن قدامہ الحنبلی، جلد: ۱۱۔     |
| (۳) الموسوعة الفقہیة الكويتیة، جلد: ۵۔ | (۸) الفقہ المنجی، جلد: ۱۔                   |
| (۴) فتاویٰ الشامی، جلد: ۶۔             | (۹) الفقہ المیسر۔                           |
| (۵) التفت فی الفتاویٰ۔                 | (۱۰) شرح المہذب، جلد ۹۔ اور بعض جدید رسائل۔ |

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## اقسام السمک

### (مچھلیوں کی چند اقسام نقشہ میں ملاحظہ ہو)

اردو نام	عربی نام	انگریزی نام	احناف	شافعیہ	مالکیہ	حنابلہ
چکنی مچھلی	شبوط	Carp	حلال	حلال	حلال	حلال
چھوٹی مچھلی	زامور	Pilot fish	حلال	حلال	حلال	حلال
ڈوبے کو بچانے والی مچھلی	دلفین / دھس	Dolphin	حلال	حلال	حلال	حلال
جیسے نفرت کرنے والی مچھلی	حوت الحیض (۱)		حلال	حلال	حلال	حلال
اونٹ کے مشابہ مچھلی	جمل البحر		حلال	حلال	حلال	حلال
عنبر	عنبر	Sperm whale	حلال	حلال	حلال	حلال
	الشابل	Shad	حلال	حلال	حلال	حلال
مضبوط ہڈیوں والی مچھلی	قطا		حلال	حلال	حلال	حلال
	قوقی		حلال	حلال	حلال	حلال
	کوسج	Sail fish	حلال	حلال	حلال	حلال
منہ کے مشابہ مچھلی	مینارہ		حلال	حلال	حلال	حلال

آرے والی مچھلی	منشار	Saw fish	حلال	حلال	حلال	حلال
حوتِ یونس	نون	Whale	حلال	حلال	حلال	حلال
انسان کے مشابہ مچھلی	ابو مزینہ		حلال	حلال	حلال	حلال
شارک فیش	القرش	Shark	حلال	حلال	حلال	حلال
کٹ فیش	جری	cat fish	حلال	حلال	حلال	حلال
	الاسقمری	Mackerel	حلال	حلال	حلال	حلال
	الاسقلبین	Sculpin	حلال	حلال	حلال	حلال
	السلمون	Salmon	حلال	حلال	حلال	حلال
	المنوة	Minnow	حلال	حلال	حلال	حلال
	البالیس	Plaice	حلال	حلال	حلال	حلال
	الہلبوت	Halibut	حلال	حلال	حلال	حلال
	التیمالوس	Grayling	حلال	حلال	حلال	حلال
	الرنکة	Herring	حلال	حلال	حلال	حلال
	البرکودة	Barracuda	حلال	حلال	حلال	حلال
	الحفش	Sturgeon	حلال	حلال	حلال	حلال
	القلقباس	Calico bass	حلال	حلال	حلال	حلال
	الفرخ المخطط	Striped bass	حلال	حلال	حلال	حلال
	الغرمبس	Grampus	حلال	حلال	حلال	حلال
	الرض	Rudd	حلال	حلال	حلال	حلال

حلال	حلال	حلال	حلال	Remora	اللمشک	
حلال	حلال	حلال	حلال	Bonito	البینیت	
حلال	حلال	حلال	حلال	Tuna	تن	چھوٹی مچھلی
حلال	حلال	حلال	حلال	Pike	کراکی	
حلال	حلال	حلال	حلال		زجر	
حلال	حلال	حلال	حلال	Mullet	بورى	
حلال	حلال	حلال	حلال	Cutlass fish	سیف	
حلال	حلال	حلال	حلال	sardine	سردين	
حلال	حلال	حلال	حلال	Loach	اللتش	
حلال	حلال	حلال	حلال	Angler fish	ابو الشخص	
حلال	حلال	حلال	حلال	Gar /Halfbeak	ابومنقار	
حلال	حلال	حلال	حلال	Moon fish	القیصان	
حلال	حلال	حلال	حلال	Anchovy	سنمورة	
حلال	حلال	حلال	حلال			گوچ مچھلی
				Gudgeon	القوبیون	
				Gold fish	السمک الذهبی	
حلال	حلال	حلال	حلال	Rainbow trout	التروته	

(۱) یہ مچھلی بڑی بڑی کشتیوں کو سمندر میں چلنے سے روک دیتی ہے، اس وجہ سے کشتی والے حیض کے خون میں آلودہ کپڑے اس کی طرف پھینکتے ہیں تو یہ مچھلی بھاگ جاتی ہے اور کشتی کے قریب نہیں آتی، گویا حیض اس سے بچنے کا سامان ہے، اسی وجہ سے اس کو حوت انہیں کہتے ہیں)۔

اقسام سمک کے نقشہ میں درج ذیل کتب اللغات سے استفادہ کیا گیا ہے:-

- |                                   |                               |
|-----------------------------------|-------------------------------|
| (۱) المور و قاموس انگریزی و عربی۔ | (۵) القاموس الجدید اردو عربی۔ |
| (۲) المور و قاموس عربی و انگریزی۔ | (۶) انسائیکلو پیڈیا برطانیکا۔ |
| (۳) فیروز اللغات۔                 | (۷) ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا۔  |
| (۴) المنجد فی اللغة۔              |                               |

واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿وَالْبَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَأْنِ اللّٰهِ  
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ، فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا صَوَافٍ،  
فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ،  
كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ،  
لَنْ يَنَالَ اللّٰهُ لِحَوْمِهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّنَوُّلُ مِنْكُمْ.  
(سورة الحج: ۳۶، ۳۷).

## باب..... ﴿۳﴾

# أَحْكَامُ الْأُضْحِيَّةِ

عن زيد بن أرقم أنهم قالوا: لرسول الله صلى الله عليه  
وسلم: ما هذه الأضاحي؟ قال: "سنة أبيكم إبراهيم عليه  
السلام"، قالوا: مالنا فيهما من الأجر؟ قال: "بكل قطرة حسنة".

(بيهقي، احمد، حاكم).

## فصل اول

### وجوب اور ادائیگی وجوب سے متعلق احکام

آیت کریمہ: ﴿وانحر﴾ سے قربانی کے فرض ہونے کا شبہ:

سوال: قربانی فرض ہے یا واجب؟ آیت کریمہ: ﴿فصل لربک وانحر﴾ کا تقاضہ یہ ہے کہ قربانی فرض ہو، کیونکہ ﴿وانحر﴾ صیغہ امر ہے جو فرضیت کا تقاضہ کرتا ہے، پھر کیوں واجب ہے؟

الجواب: آیت کریمہ اگر قطعی الثبوت قطعی الدلالة ہو تو اس سے فرض ثابت ہوتا ہے، جیسے ﴿اقیموا الصلاة﴾، لیکن اگر آیت کریمہ مؤولہ ہو یعنی قطعی الثبوت ظنی الدلالة ہو تو اس سے وجوب ثابت ہوتا ہے، اور آیت کریمہ: ﴿فصل لربک وانحر﴾ مؤولہ ہے، بعض حضرات نے ﴿وانحر﴾ سے نماز میں سینہ پر ہاتھ رکھنا مراد لیا ہے، اگرچہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، یہ اثر حضرت علیؓ سے مروی ہے لیکن علامہ ماردینی نے الجواب النہی میں اس روایت کی تضعیف فرمائی ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے لیکن اس کی سند میں روح بن المسیب ہے، ابن حبان کہتے ہیں: یسروی الموضوعات اور ساعاتی نے مسند احمد کی ترویج میں لکھا ہے: نسبة هذا التفسیر إلى علیؓ وابن عباسؓ لا تصح . (الفتح الربانی).

لہذا اس آیت کریمہ کی دلالت قربانی پر ظنی ہوگی، اس وجہ سے فرضیت ثابت نہ ہوگی۔ مذہب احناف کے مشہور اور مفتی بقول کے اعتبار سے قربانی واجب ہے۔



ملاحظہ ہو نور الانوار میں ہے:

والثاني واجب وهو ما ثبت بدليل فيه شبهة كالعام المخصوص البعض والمجمل  
وخبر الواحد كصدقة الفطر والأضحية فإنهما ثبتا بخبر الواحد الذي فيه شبهة فيكونان  
واجبين . (نور الانوار، ص ۱۶۶، ط: سعيد).

وفي هامش نور الأنوار: فإن قلت: إن الأضحية ثابتة بالنص القرآني كما قال الله  
تعالى: ﴿فصل لربك وانحر﴾ فيكون فرضاً؟ قلت: إن الآية مؤولة ولذا قال الشافعي: إن  
معنى النحر: وضع اليد في الصلاة على المنحر، فيكون الآية ظني الدلالة وإن كانت قطعية  
الثبوت . (حاشية نور الانوار، ص: ۱۶۶، رقم الحاشية ۱۹).

اصول الشافعی میں ہے:

والجواب: وفي الشرع هو ما ثبت بدليل فيه شبهة كالأية المؤولة والصحيح من  
الآحاد . (أصول الشافعي، ص: ۳۷۹، ط: دار الكتب العلمية، بيروت).

فتاویٰ بینات میں ہے:

قرآن پاک میں بعض آیات قربانی کے سلسلہ میں قطعی الدلالة تو نہیں ہیں، البتہ قطعی الثبوت ہیں، اس  
سے وجوب ثابت ہے۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص: ۵۵۷)۔

امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں چند آثار نقل کیے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

عن علي رضي الله عنه ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال: هو وضع يمينك على شمالك في  
الصلاة، كذا قال شيخنا عاصم الجحدري عن عقبة بن صهبان، عن ابن عباس رضي الله عنه في قول  
الله عز وجل ﴿فصل لربك وانحر﴾ قال: وضع اليمين على الشمال في الصلاة عند  
النحر . (السنن الكبرى: ۲/۳۹، ۳۱، كتاب الصلاة، بيروت).

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر "الدر المنثور فی التفسیر المائور" (۸/۶۵۰-۶۵۱) پر مختلف آثار نقل  
فرمائے ہیں، ان کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

شرح نقایہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

واعلم أن الأضحية واجبة عندنا على كل حر مسلم، مقيم، موسر، فحجر يوم النحر وتلويحه، وقالوا: سنة في رواية، كمالك والشافعي،... ولنا إطلاق قوله تعالى: ﴿وانحر﴾ [الكوثر: ۲] أي: الأضحية، والأمر للوجوب، وقول رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا". | رواه احمد، وابن أبي شيبة، والحاكم وقال: صحيح الإسناد ولم يخرجاه | - (شرح النقاية: ۴/۹۵، ط: بيروت).  
بدائع الصنائع میں ہے:

ولنا قوله عز وجل: ﴿فصل لربك وانحر﴾ قيل في التفسير: صل صلاة العيد وانحر البدن بعدها، وقيل: صل الصبح بجمع وانحر بمنى، ومطلق الأمر للوجوب في حق العمل ومتى وجب على النبي صلى الله عليه وسلم يجب على الأمة لأنه قدوة للأمة، فإن قيل: قد قيل في بعض وجوه التأويل لقوله عز شأنه وانحر أي: ضع يديك على نحرک في الصلاة، وقيل: استقبل القبلة بنحرک في الصلاة، فالجواب: أن الحمل على الأول أولى لأنه حمل اللفظ على فائدة جديدة والحمل على الثاني حمل على التكرار. (بدائع الصنائع: ۶۲/۵، سعيد، وكذا في احکام القرآن للحصاص: ۳/۴۷۵، ط: سهيل اکیڈمی). واللہ اعلم۔

## وجوب قربانی کا نصاب:

سوال: قربانی کس شخص پر واجب ہے؟ یعنی وجوب قربانی کا نصاب کیا ہے؟

الجواب: وجوب قربانی کا نصاب وہی ہے جو صدقہ فطر کے لیے ہے، یعنی جس کے پاس رہائش کا مکان، کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، دیگر ضروری استعمال کی اشیاء، سواری وغیرہ کے علاوہ ساڑھے سات تولہ (۸۷ گرام ۸۸ ملی گرام) سونایا ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) چاندی یا اس کے برابر نقد

رقم اور دوسرا سامان، مکان، گاڑی موجود ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ پھر نصابِ قربانی کے لیے ایک سال کا گزرنا بھی ضروری نہیں، نیز تجارت کا مال ہونا بھی ضروری نہیں ہے، بلکہ حوائجِ اصلیہ سے جو بھی زائد مال ہو اس کا اعتبار ہوگا۔

بنائیں رہائش کے ایک مکان سے زائد مکان، یا مکان کے لیے زائد پلاٹ، یا ضروری سواری کے علاوہ زائد سواریاں، خواہ یہ سب تجارت کے لیے ہوں یا نہ ہوں، سب نصاب میں شامل ہوں گے، اور نصابِ مکمل ہونے پر قربانی واجب ہوگی۔

واضح ہو کہ ٹیلیویشن (T.V)، ڈی وی ڈی (D.V.D)، جیسی خرافات پیش بہا ہوتی ہیں، تو یہ بھی حوائجِ اصلیہ میں شامل نہیں ہیں، ان کی قیمت بھی نصابِ قربانی میں شمار کی جائے گی، نیز پیش بہا شوقیہ زائد از ضرورت موبائل کی قیمت بھی نصاب میں شمار ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا".

(رواہ احمد، رقم: ۸۲۵۶، وابن ماجہ، رقم ۳۱۲۳، وابن ابی شیبہ، والحاکم وقال: صحیح الإسناد ولم یخرجاه، ۲۳۱/۴، ۲۳۲، قلت: اسنادہ حسن)۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

(واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر) قوله واليسار الخ، بأن ملك مائتي درهم أو عرضاً يساويها غير مسكنه و ثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ... وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصاباً غني وثلاثة فلا، لأن أحدها للبذلة والآخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والأعياد ... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۲/۶، ط: سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وأما شرائط الوجوب منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به

وجوب الزكاة. (الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵، کتاب الاضحية)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الوجوب ... منها الغنى لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من وجد سعة فليضح شرط عليه الصلاة والسلام السعة وهي الغنى... وهو أن يكون في ملكه مائتا درهم أو عشرون ديناراً أو شيء تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأث به وكسوته وخادمه وفروسه وسلاحه وما لا يستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر وقد ذكرناه وما يتصل به من المسائل في صدقة الفطر. (بدائع الصنائع: ۶۴/۵، ط: سعيد).

جدید معاملات کے شرعی احکام میں ہے:

سونے، چاندی، مالی تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے، ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۸۷۹ گرام سونے یا ۶۱۲ گرام چاندی کے برابر ہوئے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے تین جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت بھی حساب میں لگائی جائے گی۔ (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۱۱۰/۳، دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۳۱۰/۱، ط: جامعہ فاروقیہ، فتاویٰ بینات: ۵۶۷/۴، مکتبہ بینات)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**عورت پر زیورات کی وجہ سے قربانی کا حکم:**

**سوال:** ایک لڑکی کے پاس کان کی بالیاں ہیں جو ایک تولہ سونے کے برابر ہیں، اس کے پاس ۳ سو ریہ بھی ہیں ان بالیوں کو اگر چاندی میں منتقل کر دیں اور ان کے ساتھ تین سو ریہ ملا دیں تو نصاب مکمل ہو جائے گا، اور قربانی واجب ہو جائے گی، لیکن قربانی کے لیے بالیوں کو فروخت کرنا پڑے گا، لہذا اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟ اور اگر چاندی کو معیار نہ بنائیں بلکہ ضم بالا جزء کریں تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اور ضم بالا جزء کا کیا مطلب ہے؟ اس پر کسی فقیہ نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟ بینو اتوجروا۔

**الجواب:** عام طور پر فقہاء یہ تحریر فرماتے ہیں کہ انفع للفقراء ہونے کی وجہ سے چاندی کو معیار بنایا جائے گا، اس اعتبار سے مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب ہوگی، جب کہ سونے کو ریند کے ساتھ ملانے سے چاندی کا نصاب بنتا ہو، احناف کا مشہور مذہب یہی ہے، البتہ بعض مفتیان کرام کا رجحان اس طرف ہے کہ ضم بالاجزاء ہونا چاہئے جو صاحبین کا مذہب ہے، جس کی وجہ سے مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب نہیں ہوگی، مفتی خالد سیف اللہ رحمانی اور مفتی غلام قادر کامیلان اسی طرف ہے۔

نیز بعض مفتی حضرات نے سونے کو معیار بنایا ہے لیکن آج کل سونے کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کو معیار بنانے سے بہت سے متمول لوگ زکوٰۃ سے بچ جائیں گے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها (أى من شرائط وجوب الأضحية) الغنى... وهو أن يكون في ملكه متنا درهم أو عشرون ديناراً أو شيء تبليغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا يستغنى عنه وهو نصاب صدقة الفطر... وجميع ما ذكرنا من الشروط يستوى فيها الرجل والمرأة لأن الدلائل لا تفصل بينهما. (بدائع الصنائع: ۶۴/۵، سعيد).  
سونے کو معیار بنانے کے دلائل ملاحظہ ہو:

والذي يظهر لي أن تقدير النصاب بالذهب أولى من تقديره بالفضة مع ارتفاع تكاليف المعيشة ونزول قيمة الفضة نزولاً ملحوظاً. (الفقه الحنفى وادلته: ۳۰۲/۱).  
فقہ الزکاة میں ہے:

فالمقارنة بين الأنصبة المذكورة في أموال الزكاة كخمس من الإبل وأربعين من الغنم أو خمسة أوسق من الزبيب أو التمر نجد أن الذي يقاربها في عصرنا هو نصاب الذهب لا نصاب الفضة. (فقہ الزکاة: ۲۶۴/۱).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد سوم، ص ۱۰۶-۱۱۱، ط: زمزم)۔

صاحبین کا مذہب ضم بالاجزاء کا مطلب:

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر ان کے اجزاء نصاب تک پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ قیمت کے اعتبار سے ملانا معتبر نہیں۔ مثلاً اگر کسی کے پاس سو درہم چاندی اور دس مثقال سونا ہو تو دونوں اجزاء کے اعتبار سے مکمل نصاب تک پہنچ جاتے ہیں اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر سو درہم چاندی اور پانچ مثقال سونا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، نصاب مکمل نہ ہونے کی وجہ سے۔

ملاحظہ ہو قدوری میں ہے:

وتضمن قيمة العروض إلى الذهب والفضة، وكذلك يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند أبي حنيفةؒ وقال أبو يوسفؒ ومحمدؒ: لا يضم الذهب إلى الفضة بالقيمة ويضم بالأجزاء. (مختصر القدوری، ص ۱۲۴، باب زكاة العروض، مؤسسة الريان).

المحيط البرهانی میں ہے:

قال أبو حنيفةؒ آخرًا: يضم باعتبار القيمة، وقال أبو يوسفؒ ومحمدؒ: يضم باعتبار الأجزاء يعني به الوزن... وصورة الكتاب بالأجزاء والوزن أن يكون النصف من هذا وزناً والنصف من آخر وزناً، بأن كانت الدراهم مائة والدنانير عشرة أو كان الربع من أحدهما وزناً، وثلاثة الأرباع من آخر وزناً بأن كانت الدراهم خمسين والدنانير خمسة عشر... (المحيط البرهانی: ۳۸۴/۲، الفصل الثالث في بيان مال الزكاة، مكتبة رشيدية).

ضم بالا جزاء پر غالباً کسی نے فتویٰ نہیں دیا، البتہ حالات کی وجہ سے مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مولانا مفتی غلام قادر صاحب نے اپنا رجحان اور میلان صاحبینؒ کے قول کی طرف ظاہر فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

اگر سونے اور چاندی کی قدر میں وہی تناسب ہوتا جو صدر اول میں تھا تو ضم نصاب کا مسئلہ عین قرین انصاف ہوتا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے کہ اس میں فقراء کا فائدہ بھی ہے مگر موجودہ حالات میں جب کہ ان دونوں کی قدر میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس جزئیہ پر نظر ثانی کی جائے اور جمہور کی رائے اختیار کی جائے یا کم از کم صاحبینؒ کی رائے اختیار کی جائے کہ سونے اور چاندی کے نصاب کا انضمام اجزاء

کے لحاظ سے ہونہ کہ قیمت کے اعتبار سے۔ (جدید فقہی مسائل: ۲/۳۶)۔  
القول الرائج میں مذکور ہے:

قال أستاذنا المفتي غلام قادر النعماني: أفتى الفقهاء على قول أبي حنيفة لأن قوله أحوط والفتوى على قوله موافق لأصول الإفتاء لأن الأصل في العبادات الفتوى على قول أبي حنيفة لكن قولهما أوفق للقياس لأن على قول أبي حنيفة يصير نصاب الذهب تابعاً لقيمة الفضة مع أن القيمة تابع للذهب والفضة في تعيين النصاب وأيضاً في صورة الذهب والعروض يكون النصاب تابعاً للمعدوم وهو الفضة وأما على قولهما فيكون القيمة تابعاً للذهب والفضة ولا يكون الموجود تابعاً للمعدوم وأن قولهما أوفق بالناس فينبغي أن يفتى بقولهما في هذا الزمان وخصوصاً في مسألة الأضحية ترفقاً بالنساء لأن أكثر النساء يوجد معهن شيء من الذهب وهو يساوي نصاب الفضة باعتبار القيمة وهن لا يستعدن لبيع الذهب ولشراء الأضحية وإذا كان الانضمام بالأجزاء فحينئذ يكون الحكم أسهل عليهن. (القول الراجح: ۱/۱۷۴).

الایضاح فی شرح الاصلاح میں ہے:

ويضم الذهب إلى الفضة، والعروض إليهما بالقيمة، هذا عنده، وأما عندهما فيضم الذهب إلى الفضة بالأجزاء، وهو رواية عنه (عن أبي حنيفة). (الایضاح فی شرح الاصلاح فی الفقہ الحنفی: ۱/۱۹۵، ط: بیروت).

ابن کمال باشا کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی ایک روایت بھی صاحبین کی طرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے مشہور مذہب کے موافق مذکورہ لڑکی پر قربانی واجب ہوگی جب رید کو سونے کی قیمت سے ملا کر چاندی کا نصاب بنتا ہو۔ لیکن اگر ضم بالا جزاء والے قول کو اختیار کیا جائے تو قربانی واجب نہیں ہوگی۔ لہذا موجودہ دور کے مفتیان کرام کو اس مسئلہ پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

## نابالغ بچے پر وجوب قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کوئی نابالغ بچہ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ نیز اس کی طرف سے اس کے والد پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** راجح و مفتی بہ قول کے موافق نابالغ بچہ پر قربانی واجب نہیں، اسی طرح اس کی طرف سے اس کے والد یا وصی وغیرہ پر بھی واجب نہیں ہے۔ البتہ علامہ شامیؒ نے قاضیانؒ سے استحباب کا قول نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہوا لدر المختار میں ہے:

فتجب التضحية عن نفسه، لا عن طفله على الظاهر. وفي الشامية: قوله على الظاهر، قال في الخانية: في ظاهر الرواية أنه يستحب ولا يجب، بخلاف صدقة الفطر، ... والفتوى على ظاهر الرواية. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۵، ۳۱۶، كتاب الاضحية، ط: سعيد).

وفى الهداية: وروي عن أبي حنيفة<sup>ؒ</sup> أنه لا يجب عن ولده، وقيل: لا يجوز التضحية من مال الصغير في قولهم. (الهداية: ۴/۳۷۸).

وفى شرح النقاية للملا على القارى: ولا يذبح عن طفله الفقير في ظاهر الرواية، ولا يجب عن طفله الغني من ماله في أصح ما يفتى به كما في شرح الوافي. (فتح باب العناية: ۴/۹۶، ط: بيروت).

وفى الفقه الحنفى وأدلته: قال: ولو كان للصبي مال، فالأصح أنها لا تجب في ماله بالإجماع. (الفقه الحنفى وأدلته: ۳/۲۱۴، ط: بيروت). (وكذا فى الفتاوى الولولوية: ۳/۸۲، ط: بيروت، وفتاوى قاضيهان على هامش الهندية: ۳/۳۴۵، مجمع الانهر: ۴/۱۶۷).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بچے کی طرف سے قربانی مفتی بہ قول ہے کہ واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۱۱، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۹۸، وفتاویٰ بینات: ۴/۵۶۶، ط: مکتبہ بینات)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## زوج کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک عورت نے اپنے شوہر کی طرف سے واجب قربانی شوہر کی اجازت کے بغیر کر دی تو واجب قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ نیز باقی شرکاء کی قربانی ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** کسی کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے افضل اور بہتر یہی ہے کہ اجازت صریحہ سے قربانی کی جائے، البتہ اجازت سابقہ یا عرفیہ بھی کافی ہے، لہذا بصورتِ مسئلہ اجازت عرفیہ ہونے کی وجہ سے زوج کی طرف سے کی گئی قربانی ادا ہوگئی۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ الشامی میں ہے:

ولو ضحی عن أولاده الكبار و زوجته لا يجوز إلا بإذنهم. وعن الثاني أنه يجوز استحساناً بلا إذنهم بزانية. قال في الذخيرة: ولعله ذهب إلى أن العادة إذا جرت من الأب في كل سنة صار كالإذن منهم، فإن كان على هذا الوجه فما استحسنة أبو يوسف مستحسن. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۵، سعید).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار وامرأته إلا بإذنهم وعن أبي يوسف أنه يجوز بغير أمرهم استحساناً. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۴۵، کتاب الاضحیہ).  
(وکذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۶/۲۹۵).

وفی المحيط البرہانی: والإذن دلالة كالأذن صريحاً. (المحیط البرہانی: ۶/۴۸۳، فی التنضیحة عن الغیر، ط: مکتبہ رشیدیہ).

امداد الاحکام میں ہے:

امام ابو یوسفؒ سے استحساناً مروی ہے کہ اہل قرابت کی طرف سے بدون امر کے بھی قربانی درست ہے چونکہ صورتِ مذکورہ میں اکثر ائمہ کے قول پر فتویٰ دیئے میں حرج شدید ہے کہ چچا کے ساتھ دوسروں کی بھی قربانی

بھی باطل ہو جاتی ہے اس لیے امام ابو یوسفؒ کی روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ گزشتہ قربانی تو سب کی طرف سے ادا ہو گئی مگر آئندہ ایسا نہ کرنا چاہئے، بلکہ چچا کو وقتِ اضحیٰ سے پہلے ان کو اجازت دینا یا ان کو اجازت حاصل کر لینا چاہئے۔ (امداد الاحکام: ۲۳۲/۴)۔ واللہ اعلم۔

## گھر کے ہر فرد پر وجوبِ قربانی کا حکم:

**سوال:** قربانی گھر کے ہر مالکِ نصاب پر واجب ہے یا ایک بڑے شخص پر، اگر تمام پر واجب ہے تو ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

**الجواب:** ہر مسلمان آزادِ مقیم صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے، چاہے ایک گھر میں کئی افراد ہوں اگر سب صاحبِ نصاب ہیں تو صدقہ فطر کی طرح سب پر قربانی واجب ہوگی، ایک شخص کے قربانی کرنے سے تمام کی طرف سے واجب ادا نہیں ہوگا، البتہ اگر سب بیٹے اپنی آمدنی لا کر والد کو دیتے ہیں اور انفرادی طور پر سب صاحبِ نصاب نہیں ہیں، فقط والد صاحبِ نصاب ہیں تو صرف والد پر قربانی لازم ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا. (رواه ابن ماجه، ص: ۲۲۶)۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

الأضحية واجبة على حرم مسلم مقيم موسر في يوم الأضحية عن نفسه. (الهداية:

۴/۴۴۳)۔ (وكذا في البحر الرائق: ۱۷۳/۸ ط: كوته، والدر المختار مع الشامى: ۳۱۵/۶ ط: سعيد)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

گھر میں ہر صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے، ایک کی قربانی سب کے لیے کافی نہیں ہو سکتی، اگر بکرے کی قربانی گراں گزرتی ہے تو بڑے جانور کی قربانی کی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۱۵/۵، مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔

”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں ہے:

اگر باپ، بیٹے اور بیٹیاں سب برسر روزگار اور صاحبِ نصاب ہیں تو ہر ایک کے ذمہ الگ الگ قربانی واجب ہے کیونکہ ہر عاقل بالغ مرد عورت پر مالکِ نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہے چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۷۷/۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۱۲، ط: جامعہ فاروقیہ، اسلامی فقہ: ۱/۵۲۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**شرکاء میں سے ایک نے قضا کی نیت کی تو قربانی کا حکم:**

**سوال:** قربانی کے جانور میں ایک شخص نے امسال کی قربانی کی نیت کی اور دوسرے نے سالِ گزشتہ کی قربانی کی نیت کی تو قربانی ہوئی یا نہیں؟ دونوں کی ہوئی یا کسی بھی نہیں ہوئی یا ایک کی ہوئی دوسرے کی نہیں ہوئی؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ امسال کی قربانی کی نیت کرنے والے کی قربانی ادا ہو گئی اور سالِ گزشتہ کی نیت کرنے والے کی نفل قربانی ادا ہو گئی، قضا ادا نہیں ہوئی، لہذا اس کے لیے بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ اور قربانی کا پورا گوشت بھی واجب الصدق ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

سبعة اشتروا بقرۃ للأضحیۃ فنوی أحدهم الأضحیۃ عن نفسه لهذه السنۃ و نوى أصحابه الأضحیۃ عن السنۃ الماضیۃ قالوا: تجوز الأضحیۃ عن هذا الواحد و نية أصحابه للسنۃ الماضیۃ باطلۃ و صاروا متطوعین و وجبت الصدقة علیهم بلحمها و علی الواحد أيضاً لأن نصیبہ شائع. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیۃ: ۳/۳۴۹، فصل فیما یجوز من الضحایا و مالاتحوز).

ونقل العلامة الشامی عن الخانیۃ فی رد المحتار و زاد علیہ بقوله: و ظاہرہ عدم

جواز الأکل منها تأمل. (رد المحتار: ۶/۳۲۶، ط: سعید).

عالمگیری میں ہے:

وإن نوى بعض الشركاء التطوع وبعضهم يريد الأضحية للعام الذي صار ديناً عليه وبعضهم الأضحية الواجبة عن عامه ذلك جاز الكل وتكون عن الواجب عمن نوى الواجب عن عامه ذلك وتكون تطوعاً عمن نوى القضاء عن العام الماضي ولا تكون عن قضائه بل يتصدق بقيمة شاة وسط لما مضى كذا في فتاوى قاضیخان . (الفتاوى الهندية: ۳۰۵/۵، كتاب الاضحية، الباب الثامن).

امداد الاحکام میں ہے:

بعد فوت ایام اضحیہ کے تصدق قیمت شاة ہی واجب ہے، سال موجودہ میں حصہ لینے یا بکری ذبح کرنے سے سال گزشتہ کی قضا نہیں ہو سکتی۔ قال قاضیخان: ولو لم يفعل شيئاً من ذلك حتى جاء أيام النحر من السنة المقابلة وضحي بها عن العام الأول لا يجوز لأن إراقة الدم عرف قرينة أداء لقضاء۔ (امداد الاحکام: ۲۱۴/۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

شریکوں کی قربانی ادا ہو جائے گی، اور تمہاری امسال کی قربانی بھی ادا ہو جائے گی، گزشتہ برس کی قضا قربانی ادا نہ ہوگی نفل ہو جائے گی اس کے عوض میں ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۱۴/۵، ط: دہلوی، دہلی)۔ واللہ اعلم۔

## مالکان کی طرف سے بلا تعین قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کوئی ادارہ یا بینک سوا دمیوں کی طرف سے سو جانوروں کی قربانی کرتا ہے، لیکن یہ تعین نہیں

کرتا کہ یہ جانور زید کا ہے اور یہ عمرو کا، تو قربانیاں ہو جائیں گی یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ادارہ یا بینک وکیل کی حیثیت سے جانوروں کو خریدتے ہیں اور پھر مالکان کی

طرف سے قربانی کرتے ہیں، اور وکیل کا خریدتے وقت موکل کی طرف سے تعین کرنا ضروری نہیں، نیز قربانی

کرتے وقت بھی ہر شخص کا علیحدہ نام پکارنا یا ہر ایک کے لیے جانور متعین کرنا ضروری نہیں ہے، سب کی طرف سے قربانیاں ادا ہو جائیں گی۔

وکیل کا موکل کی طرف سے خریدتے وقت تعین کرنا ضروری نہیں۔ اس مسئلہ کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال فی الهدایة: العقد الذي يعقده الوكلاء علی ضربین كل عقد یضیفه الوکیل إلى نفسه كالبيع والإجارة... (الهدایة: ۱۷۹/۳).

قال العلامة العینی فی "البنایة": لأن الوکیل یستغنی عن إضافة العقد إلى الموکل. (البنایة شرح الهدایة: ۲۷۷/۷، ط: رشیدیہ).

وفي المجلة: لا یشرط إضافة العقد إلى الموکل فی البیع والشراء والإجارة. (المجلة، المادة: ۱۴۶۱).

امراثانی کے دلائل ملاحظہ ہو:

رجل ضحی عن نفسه وعن أربعة من عیاله خمس شیاه ولم یعین كل واحد عن صاحبها عن أبي یوسف أنه یجوز عن الكل استحساناً. (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۳۵۱/۳).

عالمگیری میں ہے:

وفي الأضاحی للزعفرانی اشترى سبعة نفر سبع شیاه بینهم ولم یسم لكل واحد منهم شاة بعینها فضحوا بها كذلك فالقیاس أن لا یجوز وفي الاستحسان یجوز.

فقوله اشترى سبعة نفر سبع شیاه بینهم؛ یحتمل شراء كل شاة بینهم، ویحتمل شراء شیاه علی أن یكون لكل واحد شاة، ولكن لا بعینها، فإن كان المراد هو الثاني، فما ذکر من الجواب باتفاق الروایات؛ لأن كل واحد منهم یصیر مضحياً شاة كاملة، وإن كان المراد هو الأول فما ذکر من الجواب علی إحدى الروایتین. (الفتاوی الهندیة: ۳۰۶/۵، والمحیط البرهانی: ۴۸۷/۶، ط: مکتبہ رشیدیہ).

امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانویؒ عالمگیری کی عبارت ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ حصہ مقرر نہیں کرتے اس صورت میں قربانی درست ہو جائیگی باقی بہتر یہ ہے کہ ہر جانور پر خاص شخص کا نام لگا دیا جاوے کہ یہ فلا نے کی طرف سے ہے اور وہ فلا نے کی طرف سے ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۶۲/۳)۔

کفایت المفتی میں ہے:

شرکاء کے نام قربانی کو ذبح کرتے وقت پکارنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں ذبح کرنے والا نیت میں ان سب کی جانب سے ذبح کرنے کا خیال رکھے۔ (کفایت المفتی: ۸/۱۸، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

جو شخص اپنی اموات کی طرف سے قربانی کرتا ہو اور اپنی ذات کی طرف سے بھی اور وہ شخص ایک گائے اور دو مینڈھوں کی قربانی بلا تعین کر دے تو قربانی درست ہوگی۔ (فتاویٰ خلیلیہ، ص ۲۹۶، مکتبۃ الشیخ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بلا تعین شرکاء تین گایوں کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اکیس آدمیوں نے مل کر تین گایوں کی قربانی کر دی، لیکن یہ متعین نہیں کیا کہ کوئی گائے میں کونسے سات افراد شریک ہیں، تو قربانیاں ادا ہوئیں یا نہیں؟

**الجواب:** قربانی کرنے کی نیت کافی ہے ہر ایک کے لیے حصے متعین کرنا ضروری نہیں، بنا بریں بصورتِ مسئلہ تمام کی طرف سے قربانیاں ادا ہو گئیں، البتہ افضل اور بہتر یہ ہے آئندہ ہر بڑے جانور میں جو سات افراد شریک ہیں ان کی تعین کر لی جائے۔

ملاحظہ ہوا ادا لا حکام میں ہے:

**سوال:** اگر چودہ آدمی دو گایوں میں شریک ہو کر قربانی کریں کہ ہر ایک کا حصہ کسی خاص گائے میں متعین نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ یہ گائے سات شخصوں کی ہے اور دوسری گائے دوسرے سات شخصوں کی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ دونوں گائیں مشترک طور پر چودہ شخصوں کی طرف سے ہیں تو اس طرح قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

امر حضرت الشیخ دام مجده و علاہ بتحقیقہ۔

الجواب: یہ صورت قیاساً تو جائز نہیں ہے، ہاں استحساناً جائز ہے۔ ولو اشترک سبعة في سبعة شياه لا يجزيهم قياساً لأن كل شاة بينهم على سبعة أسهم وفي الاستحسان يجزيهم وكذا الثان في شاتين. (رد المحتار: ۵/۳۰۸). (امداد الاحکام: ۳/۲۷۳)۔

مزید دلائل او پروا کے مسئلہ کے تحت مذکور ہوئے۔ ان کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## غلطی سے ایک دوسرے کے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: موسیٰ اور عیسیٰ دونوں نے دو بکریاں خریدیں اور دونوں نے اپنے لیے متعین کر لیا، پھر غلطی سے موسیٰ نے عیسیٰ کی متعین کردہ بکری کو ذبح کر دیا اور عیسیٰ نے موسیٰ کی بکری کو ذبح کر دیا، تو اب دونوں کی قربانیاں ہوئیں یا نہیں؟ یا دوبارہ کرنا لازم ہے؟

الجواب: جب دونوں نے اپنے لیے دو بکریاں خرید کر قربانی کے لیے متعین کر دیں تو دونوں کی طرف سے قربانیاں ادا ہو گئیں، اور دونوں ایک دوسرے کے لیے معاون کہلائیں گے۔  
ملاحظہ ہوا لحیط البرہانی میں ہے:

رجل ذبح أضحية غيره بغير أمره صريحاً، ففي القياس هو ضامن لها، ولا يجزئ الأمر عن أضحيته. وفي الاستحسان لا ضمان، ويجزئ عن أضحية الأمر، ووجه ذلك: أن المالك لما عينها بجهة الذبح صار مستعيناً بكل أحد في التضحية بها في أيام الأضحية دلالة؛ لأن ذلك قد يفوته بمضي الوقت، اعتراض عارض يمنعه عن إقامتها، والإذن دلالة كالإذن صريحاً. (المحيط البرهاني: ۶/۴۸۳، فصل في التضحية عن الغير، مكتبة رشديه).

الموسوعة الفقهية الكويتية میں مرقوم ہے:

إذا غلط رجلان فذبح كل واحد منهما أضحية الآخر أجزأ عنهما ولا ضمان عليهما عند الحنفية والحنابلة، قال الحنفية: وهذا استحسان، وأصل هذا أن من ذبح أضحية

غیرہ بغیر اذنه لا یحل له ذلک وهو ضامن لقیمتها ولا یجزئہ عن الأضحیۃ فی القیاس وهو قول زفرؒ . وفي الاستحسان یجوز ولا ضمان علی الذابح ، ووجهہ أنها تعینت للذبح لتعینها للأضحیۃ ، حتی وجب علیہ أن یضحی بها بعینها فی أيام النحر ، ویکره أن یدل بها غیرها ، فصار المالك مستعیناً بكل من یشاء أهلاً للذبح آذناً له دلالة ... (الموسوعة الفقہیة الکویتیة : ۱۹/۱۵۵، ۱۵۶).

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۵/۶۷، والخلاصة: ۴/۳۱۶، ورد المحتار: ۶/۳۲۹، سعید، والہدایة: ۴/۴۵۱، وتبین الحقائق: ۶/۹، ملتان).

وفي المحيط: إذا ذبح أضحية غیرہ بغیر اذنه، إن ذبح فی غیر أيام الأضحیۃ لا یجوز ویضمن الذابح ، وإن ذبح فی أيام الأضحیۃ یجوز ، ولا یضمن ، لأن الإذن ثابت دلالة فی هذه المسائل ، والدلائل یشیء باعتبارها ما لم یوجد الصریح بخلافه . (المحیط البرہانی: ۶/۲۴۷، کتاب الغصب، الفصل الثالث، مکتبہ رشیدیہ).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الولولویة: ۳/۷۴، ومجمع الانہرفی شرح ملتقى الابرار: ۲/۵۲۲، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۹۹، جامعہ فاروقیہ).

الاستحسان: هو ترک القیاس والأخذ بما هو أوفق للناس . (التعریفات الفقہیة، ص ۱۷۱).  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ایک شریک کے گوشت کی نیت کرنے سے قربانی کا حکم:

سوال: اگر شرکاء میں سے ایک شریک گوشت کی نیت کرتا ہے، تو اس کے ساتھیوں کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ حالانکہ قربانی کا گوشت کھانا شرعاً مندوب و مرغوب ہے، اسی وجہ سے قربانی کا قربہ ہونا مطلوب ہے، تو پھر گوشت کی نیت کیوں قبیح ہے، اور عام طور پر لوگ گوشت کی نیت بھی کرتے ہیں۔ بیوقوفوں کا جواب۔

الجواب: عام طور پر کتب فقہیہ میں یہ عبارت ملتی ہے کہ شرکاء میں سے اگر کوئی شریک گوشت کی نیت کرتا ہے تو قربانی ادا نہیں ہوتی۔ لیکن اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص صرف گوشت کے حصول کے لیے



قربانی کرتا ہے اس کو واجب یا عبادت نہیں سمجھتا ہے، اگر وہ شخص اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہوئے گوشت کی اچھائی اور بہتری چاہتا ہے تو یہ درست ہے اور شرعاً مطلوب ہے، ورنہ پھر احادیث اور فقہ کی کتابوں میں فربہ اور موٹے جانور کا مطلوب و مامور ہونا بے کار ہو جائیگا۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضحى بكبشن أقرن فحبل ينظر في سواد و يأكل في سواد و يمشي في سواد. (رواه الترمذی رقم: ۱۴۹۶، و ابوداؤد رقم: ۲۷۹۸، والنسائی رقم: ۴۳۹۰، ابویں مساجہ رقم: ۳۱۲۸، وصحیح ابن حبان رقم: ۵۹۰۲، قال الشيخ شعيب: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم).

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سینگ دار فربہ و دنبہ کی قربانی فرماتے تھے جو سیاہی میں دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔

حدیث بالا کی شرح میں علماء تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی کرنا افضل اور مستحب ہے جو بہت زیادہ فربہ اور موٹا تازہ ہو۔ چنانچہ ایک فربہ بکری کی قربانی دو دلی بکریوں کی قربانی سے افضل ہے، ایسے ہی زیادہ گوشت والی بکری کی قربانی کم گوشت والی بکری سے افضل ہے بشرطیکہ گوشت خراب نہ ہو۔

ملاحظہ فرمائیں ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

قال العلماء يستحب للتضحية الأسمن الأكحل حتى أن التضحية بشاة سمينه أفضل من شاتين وكثرة اللحم أفضل من كثرة الشحم إلا أن يكون اللحم ديبناً. (مرقاۃ المفاتیح: ۳/۳۱۱، ط: ملتان).

وفي بدائع الصنائع: وأما الذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون اسمها وأحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة. (بدائع الصنائع: ۵/۸۰، سعید).

وفي رد المحتار: قد علم أن الشرط قصد القرية من الكل، وشمل ما لو كانت القرية

واجبة على الكل أو البعض اتفقت جهاتها أولاً... لأن المقصود من الكل القرية، وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد ذكره محمد ولم يذكر الوليمة. وينبغي أن تجوز لأنها تقام شكراً لله تعالى على نعمة النكاح ووردت بها السنة، فإذا قصد بها الشكر أو إقامة السنة فقد أراد القرية... وقد ذكر في غرر الأذكار: أن العقيقة مباحة على ما في جامع المحبوبي أو تطوع على ما في شرح الطحاوي، وما مر يؤيد أنها تطوع، على أنه وإن قلنا مباحة لكن بقصد الشكر تصير قرية، فإن النية تصير العادات عبادات والمباحات طاعات. (رد المحتار: ۶/۳۲۶، سعيد).

تنبیہ: واضح ہو کہ مذہب احناف میں مشہور قول کے مطابق عقیقہ مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے قربانی کے لیے ایک جانور خریدا اس میں پانچ افراد شریک تھے، پھر اس کو فروخت کر کے دوسری قربانی کم قیمت میں خریدی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو تفاوت دونوں کے درمیان میں ہے وہ واجب التصدق ہے یا نہیں؟ نیز قربانی کا جانور تبدیل کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بلا عذر شرعی قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا جس کو ایام حرم میں خریدا ہے، فقیر کے لیے مطلقاً ناجائز ہے، اس پر لازم ہے کہ اسی اضحیٰ مشترکہ کو ذبح کرے، البتہ استبدال غنی کے بارے میں اقوال فقہاء مختلف ہیں۔ اصح و مفہم یہ قول یہ ہے کہ غنی کے لیے بھی قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے، بایں ہمہ غنی نے جانور تبدیل کر دیا تو اگر دوسرا جانور پہلے کے ساتھ قیمت میں مساوی ہے یا زیادہ قیمت کا ہے تو دونوں صورتوں میں کچھ لازم نہیں ہے، ہاں اگر دوسرا جانور پہلے سے کم قیمت کا ہے تو جو تفاوت مابین ہو وہ واجب التصدق ہے۔ اور صدقہ میں ادا کردہ رقم کا اعتبار نہیں ہے بلکہ بازاری نرخ کا اعتبار ہوگا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح الہدایہ میں ہے:

قوله حتى وجب عليه أن يضحي بها بعينها في أيام النحر، أي هذا في نذر الغنى وشراء الفقير. قوله: ويكره أن يبدل بها غيرها، أي إذا كان غنياً. (الكفاية على هامش فتح القدیر: ۴۳۸/۸، مکتبہ رشیدیہ).

رد المحتار میں ہے:

أنها تعينت للذبح لتعينها للأضحية، حتى وجب عليه أن يضحي بها في أيام النحر أي لو كان المضحي فقيراً، ويكره أن يبدل بها غيرها أي إذا كان غنياً، (نهاية)... أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل له (أي للفقير) الانتفاع بها ما دامت متعينة، ولهذا لا يحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها... ويكره أن يبدل بها غيرها فيفيد التعيين أيضاً. (فتاوى الشامى: ۳۲۹/۶، سعيد).

اعلاء السنن میں ہے:

قلت: ولنا حديث عروة البارقي: أرسله النبي صلى الله عليه وسلم ليشتري له شاة للأضحية بدينار فاشتري به شاتين، والحديث مشهور... ووقع مثله لحكيم بن حزام<sup>ؓ</sup>، وفيه أنه صلى الله عليه وسلم ضحى بالشاة،... وأنها تتعين بالشراء، وإلا لم يأمر بالتصدق بالدينار إلا أنها تتعين في حق المعسر حتى لا يجوز له إبدالها، ولو هلك سقط عنه الوجوب وتتعين في حق الموسر حيث يكره له إبدالها، والانتفاع بصوفها ولبنها، ولو أبدلها بخير منها أو مثلها جاز، ولو هلك لم يسقط عنه الوجوب. (اعلاء السنن: ۲۸۱/۱۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية).

بدائع الصنائع میں ہے:

والصحيح أنها تتعين من الموسر أيضاً بخلاف بين أصحابنا... أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها... وإن اشترى دونها فعليه أن يتصدق بفضل ما بين القيمتين، ولا ينظر إلى الثمن وإنما ينظر إلى القيمة. (بدائع الصنائع: ۷۸، ۶۸/۵، سعيد). (وكذا في خلاصة الفتاوى: ۴/۳۱۹، ۳۲۰، وفتاوى الهندية: ۴/۲۹۵).

فتاویٰ بینات میں ہے:

اگر ایک جانور قربانی کی نیت سے خریدا گیا اور اس کے بدلہ دوسرا جانور دینا چاہیں تو دوسرا جانور اس سے کم قیمت پر نہ دیں۔ اگر اس سے کم قیمت پر خریدا ہے تو پہلے اور دوسرے جانور کی قیمت میں جتنا فرق ہے اس کو صدقہ کر دے۔ (فتاویٰ بینات: ۵۶۹/۳، مکتبہ بینات)۔

مزید ملاحظہ ہو: (المبسوط للامام السرخسی: ۱۳/۱۲، إدارة القرآن، والبحر الرائق: ۱۷۹/۸، کوئٹہ، وخلاصة الفتاویٰ: ۳۱۹/۴، والفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۴، والفتاویٰ الحنابلة: ۳/۳۴۶، وتبيين الحقائق: ۹/۶، ط: ملتان، والهداية: ۴/۴۵۲، والموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۹/۱۵۶، واحسن الفتاویٰ: ۷/۴۸۸، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۱۶، ط: دیوبند)، واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فقیر کا قربانی کے جانور کو تبدیل کرنے کا حکم:

**سوال:** کسی فقیر نے یکم ذی الحجہ کو قربانی کا جانور خریدا، اس کے بعد کسی ضرورت سے اس کو فروخت کرنا چاہتا ہے، کیا اس جانور کو فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور خریدنے کی وجہ سے اس پر قربانی لازم ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فقیر نے قربانی کا جانور اگر ایامِ نحر سے قبل خریدا تو اس کے تبدیل کرنے کی اجازت ہے، لیکن اگر ایامِ نحر میں خریدا تو اب تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہے اور نہ کسی دوسرے کام میں استعمال کرنے کی اجازت ہے، ہاں واقعی کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو ایامِ نحر میں خریدی ہوئی قربانی تبدیل کر سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو شرح عنایہ میں ہے:

قوله حتى وجب عليه أن يضحي بها بعينها في أيام النحر، أي فيما إذا كان المضحي فقيراً . (شرح العناية على هامش فتح القدیر: ۸/۴۳۸، مکتبہ رشیدیہ)۔

وفى الكفاية فى شرح الهداية: قوله حتى وجب عليه أن يضحي بها بعينها في أيام النحر، هذا فى نذر الغنى وشراء الفقير . (الكفاية عسى هامش فتح القدیر: ۸/۴۳۸، مکتبہ رشیدیہ)۔

الدر المختار میں ہے:

...وفقیشر شراھا لھا لوجوبھا علیہ بذلک حتی یمتنع علیہ بیعھا۔ وفی ردالمحتار:

قوله لوجوبھا علیہ بذلک، اى بالشراء وهذا ظاهر الرواية لأن شراءه لھا یجرى مجرى الإيجاب وهو النذر بالتضحية عرفاً كما فی البدائع. ووقع فی التاترخانية التعبير بقوله شراھا لھا أيام النحر، وظاهره أنه لو شراھا لھا قبلھا لاتجب ولم أره صریحاً فلیراجع. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۲۱/۶، سعید).

وفی تقریرات الرافعی: قوله وهذا ظاهر الرواية، وفی خزنة الأکمل: أنه المختار، و عند الجمهور لا بد مع النية أن یقول بلسانه وأضحی بها. (التحریر المختار علی رد المحتار: ۳۰۴/۶، سعید).

فتاویٰ تاترخانیہ میں ہے:

وفی العنایة: المختار أن الفقیر لو اشتراها بنية التضحية فی أيام النحر تصیر التضحية واجبة فی حقه وإن لم یقل بلسانه شیئاً فی جواب ظاهر الرواية هذا اختیار الصدر الشهيد وعلیه الفتوى. (الفتاوی التاترخانية: ۱۷، ۴۱۱).

(وکذا فی المحيط البرهانی: ۶/۴۷۲، مکتبہ رشیدیہ).

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اور اگر فقیر ایام نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قربانی کے لیے لیکن اگر ایام نحر میں نہ خریدے تو بدلنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند "عزیز الفتاویٰ" ۱/۶۸۵، دارالاشاعت، کراچی).

فتاویٰ رحمیہ میں ہے:

..البتہ غریب (کہ جس پر قربانی واجب نہیں) بہ نیت قربانی ایام نحر میں قربانی کا جانور خریدے تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے، اس کو نہ بیچ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔... شامی کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایام نحر سے قبل جانور قربانی کی نیت سے خریدا ہو تو اس جانور کی قربانی لازم نہ ہوگی، بدل سکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ رحمیہ: ۵/۳۹۹، دیوبند)۔ مزید ملاحظہ ہو: (حسن الفتاویٰ: ۷/۵۳۰)۔

البتہ شمس الائمه حلوائی اور شمس الائمه سرخسیؒ کے نزدیک فقیر پر شراء سے قربانی واجب نہیں ہوتی، نیز اگر فقیر کے گھر کا بکرا ہے یعنی پالتو ہے یا خریدتے وقت قربانی کی نیت سے نہیں خریدا تو اس صورت میں بھی فقیر پر قربانی واجب نہیں۔

قال العلامة الطوريؒ في تكملة البحر الرائق : فلو قال كلاماً نفسياً لله علي أن أضحى بهذه الشاة ولم يذكر بلسانه شيئاً فاشترى شاة بنية الأضحية إن كان المشتري ... فقيراً ذكر شيخ الإسلام خواهر زاده في ظاهر الرواية تصوير واجبة بنفس الشراء وروى الزعفراني عن أصحابنا لا تصوير واجبة وأشار إليه شمس الائمة السرخسي في شرحه وإليه مال شمس الائمة الحلواني في شرحه وقال : إنه ظاهر الرواية ولو صرح بلسانه والمسئلة بحالها تصوير واجبة بشراء نية الأضحية إن كان المشتري فقيراً (البحر الرائق: ۱۷۵/۸ ط: کوئٹہ). (و کذا فی خلاصة الفتاوى: ۳۱۸/۴، و مدائع الصنائع: ۶۶/۵، سعید، و الفتاوى الهندية: ۲۹۱/۵).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها أو اشتراها ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا يجب لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (فتاوى الشامی: ۳۲۱/۶، سعید). (و کذا فی الفتاوى الهندية: ۲۹۱/۵، و البحر الرائق: ۱۷۵/۸، کوئٹہ). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی زائد قیمت پر فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی نے سات ہزار روپے میں قربانی خریدی اور یہ نیت کر لی کہ اس بڑے جانور میں دوسرے ساتھی مل جائیں تو شریک کر لوں گا اور ساتواں حصہ اپنے لیے رکھوں گا، اتفاق سے چھ آدمی مل گئے، اب اگر یہ آدمی بقیہ چھ حصے بجائے چھ ہزار کے ساتھیوں کو اس کی خرید قیمت سے زائد رقم میں فروخت کرے تو کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ مثلاً چھ حصے سات یا آٹھ ہزار میں فروخت کرے؟ بیوقوف ہو جاوے۔

الجواب: مسئلہ مذکورہ بالا سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرتا ہم ایک فقہی نظیر سے اس کا

حکم مستفاد ہوتا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے اور اگر کسی نے کر لیا تو زائد رقم صدقہ کر دے۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

و لو اشترى شاة للأضحیة ثم باعها واشترى أخرى في أيام النحر فهذه على وجوه ثلاثة ؛ الأول: إذا اشترى شاة يسرى بها الأضحیة... ففي الوجه الأول في ظاهر الرواية لا تصير أضحیة مالم يوجبها بلسانه وعن أبي يوسف عن أبي حنيفة أنها تصير أضحیة بمجرد النية كما لو أوجبها بلسانه وبه أخذ أبو يوسف وبعض المتأخرين . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۴۶)۔

وفیه أيضاً: وإن اشترى شاة أخرى بعد ما باع الأولى إن اشترى الثانية بجميع ثمن الأولى جاز ولا شيء عليه وإن اشترى الأخرى بأقل مما باع الأولى يتصدق بما بقى عنده من ثمن الأولى . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیہ: ۳/۳۴۷)۔

حضرت عروہ باری رحمہ اللہ اور حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ زائد رقم صدقہ کر دینی چاہئے۔  
ملاحظہ ہو سنن دارقطنی میں ہے:

عن حکیم بن حزام رحمہ اللہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أعطاه دیناراً یشتري به أضحیة فاشترى أضحیة بدینار فباعها بدینارین ثم اشترى أضحیة بدینار وجاءه بدینار و أضحیة فتصدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالبدینار ودعا له بالبرکة . (سنن الدارقطنی، رقم: ۲۸)۔  
وعن عروہ البارقی رحمہ اللہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أعطاه دیناراً یشتري به أضحیة ، أو شاة فاشترى شاتین ، فباع إحداهما بدینار ، فأتاه بشاة ودینار ، فدعا له بالبرکة فی بیعه ، فكان لو اشترى تراباً لربح فیہ . رواه الخمسة إلا النسائی . (بلوغ المرام، رقم: ۸۱۹)۔

دونوں احادیث سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ قربانی کی نیت کے بعد نفع حاصل کیا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فرمادیا۔ اگرچہ حضرت عروہ باری رحمہ اللہ کی روایت میں صدقہ کرنے کی تصریح نہیں ہے لیکن

حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ کی روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔  
کفایت المفتی میں ہے:

قربانی کے جانور کو فروخت نہ کرنا چاہئے تھا اگر فروخت کر کے دوسرا کم قیمت کا خریدنا تو جو نفع حاصل ہوا ہے اسے بھی خیرات کر دے۔ (کفایت المفتی: ۱۹۹/۸، دارالاشاعت)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ صورتِ مسئلہ میں خریدتے وقت چونکہ چھ کو شریک کرنے کی نیت تھی اس وجہ سے قربت کی نیت سے شریک تو کر سکتا ہے لیکن ان چھ حصوں کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔ جب نفع کمال یا تو صدقہ کر دے۔  
فتاویٰ شامی میں ہے:

وإن نوى أن يشرك فيها ستة أجزاء لأنه ما أوجب الكل على نفسه بالشراء ...  
(فتاویٰ الشامی: ۳۱۷/۶، ۶۱۵/۲، ط: سعید)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

و البقرة و البعير یجزئ عن سبعة إذا كانوا یريدون به وجه الله تعالى ... کذا فی  
الخلاصة لا یشارک المضحی فیما یحتمل الشریکة من لا یرید القربة رأساً فإن شارک لم  
یجز عن الأضحیة و کذا هذا فی سائر القرب إذا شارک المتقرب من لا یرید القربة لم تجز  
عن القربة ولو أرادوا القربة الأضحیة أو غيرها من القرب أجزاءهم سواء كانت القربة واجبة  
أو تطوعاً ... (الفتاویٰ الہندیة: ۳۰۴/۵)۔ واللہ اعلم۔

**قربانی کا جانور خریدنے کے بعد شرکت کا حکم:**

**سوال:** چھ آدمیوں نے قربانی کی نیت سے گائے خریدی پھر ایک بڑھیا نے مت ساجت کی کہ مجھے بھی شریک کرلو، کیا گائے خریدنے کے بعد اس کو شریک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** اگر خریدنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ایک اور کو شریک کریں گے تو بغیر کراہت کے جائز ہے اور پہلے سے نیت نہ ہو تو جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔



ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

رجل اشتری بدنة وأوجبها أضحية بلسانه ثم اشترك فيها ستمة جملة أو واحداً بعد واحد حتى صاروا سبعة في القياس لا يجوز الاشتراك ولو فعل ذلك وضحوا بها يكون لحماً وهو قول زفر وفي الاستحسان يجوز وهو قول علمائنا رحمهم الله تعالى وإذا جاز عندنا لا يجب التصديق بشيء من الثمن . (فتاویٰ قاضیخان عی ہامش الفتاوی الہندیۃ: ۳/۳۵۰).

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو اشتری رجل بقرة یرید أن یضحی بها ثم اشرك فیها بعد ذلك قال هشام : سألت أبا یوسف فأخبرني أن أبا حنیفة قال : أكره ذلك ویجزیهم أن یذبحوها عنهم قال : كذلك قول أبي یوسف... وقال فی الأصل أرأیت فی رجل اشتری بقرة یرید أن یضحی بها عن نفسه فأشرك فیها بعد ذلك ولم یشرکهم حتی اشترها فأتاه إنسان بعد ذلك فأشركه حتی استكمل یعنی أنه صار سابعهم هل یجزئ عنهم قال : نعم ، استحسن وإن فعل ذلك قبل أن یشتريها كان أحسن وهذا محمول علی الغنی . (بدائع الصنائع: ۷۲/۵، سعید).

وللاستزادة انظر: (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۷/۶، سعید، والهدایة: ۴، کتاب الاضحية، وجمع

الانهر: ۱۶۹/۴).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ایسا کرنے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی، لیکن بہتر یہ ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے چھ شریک اور تلاش کر لے، جب ساتواں شریک ہو جائیں تب جانور خریدے، مجمع الانہر۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷۰/۴، جامعہ قاریہ)۔

واللہ اعلم۔

ساتواں حصہ نبی کریم ﷺ کے لیے رکھنے کا حکم:

سوال: چھ آدمیوں نے مل کر بڑے جانور کی قربانی میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا، اور ساتویں حصے میں

سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یا پوری امت کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی، اس طرح سب کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ اور اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** ایصالِ ثواب کے لیے کئی حضرات ایک حصہ میں شریک ہو سکتے ہیں، جیسے ایک حصہ بطور ایصالِ ثواب متعدد اموات کے لیے کافی ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ اپنی امت کے ان افراد کی طرف سے ذبح فرمایا جنہوں نے قربانی نہیں کی تھی۔ بدائع الصنائع میں ہے:

فإن قيل: أليس أنه روي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخر ممن لا يذبح من أمته فكيف ضحى شاة واحدة عن أمته؟  
فالجواب: أنه عليه الصلاة والسلام إنما فعل ذلك لأجل الثواب وهو أنه جعل ثواب توضيحته بشاة واحدة لأمته. (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، سعيد).

نیز فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے قربانی میں حصہ رکھا ہو، مگر عید سے قبل اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثاء اس کی طرف سے بطور ایصالِ ثواب قربانی کر سکتے ہیں، جب کہ اس صورت میں متعدد وارث اس کے حصہ کے مالک بن گئے اس کے باوجود مرحوم کے لیے قربانی کر سکتے ہیں۔ بدائع الصنائع میں علامہ ابو بکر کسائی نے تحریر فرماتے ہیں:

وجه الاستحسان أن الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه... الخ. (بدائع الصنائع: ۷۲/۵، سعيد).

شرح النقایہ کے حاشیہ میں ہے:

وجه الاستحسان أن الورثة يقومون مقام المورث بعد موته والتبرع من الوارث عن مورثه بالقرب المالية صحيح كالتصدق. (حاشیة شرح النقایة لمولوی إلیاس: ۲۷۱/۲، ط: سعید).

جب فقہاء نے اس کو تصدق کی طرح فرمایا تو ظاہر ہے کہ مختلف حضرات مل کر ایک یا کئی مرحومین کے لیے تصدق کر سکتے ہیں تو اسی طرح قربانی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

مفتی عبدالرحیم لاچپوری صاحبؒ نے فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرمایا ہے:

سوال: چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا اور ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ درست ہے یا نہیں؟ واجب قربانی پر تو بڑا اثر نہیں پڑتا؟ یاد رہے کہ ساتواں حصہ ایک شخص کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ایک حصہ میں چھ شریک ہیں، لہذا کتاب کے حوالہ سے جواب دیا جائے۔

الجواب: إن مات أحد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة: اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحساناً لقصد القرابة من الكل ولو ذبحوها بلا إذن الورثة لم يجزهم. (الدوا المختار مع الشامی: ۶/۳۲۶، سعید).

روایت مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دارفوت ہو گیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو گیا اور اس حصہ کے ورثاء مالک بن گئے اور انھوں نے اس ساتویں حصہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دیدی تو سب کی قربانی درست ہو گئی اسی طرح صورت مسئلہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کر دیا تو درست ہونا چاہئے۔ دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۳۹۲، دیوبند)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۰۵-۳۰۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# إِضَاءَةُ الضَّوْاحِي فِي اعتبار مكان الأضاحي

## ”إضاءة الضواحي في اعتبار مكان الأضاحي“

قربانی میں مکانِ وکیل و اضحیہ کا اعتبار ہے

**سوال:** اگر کسی نے دوسرے شخص کو قربانی کے لیے وکیل بنایا موکل پاکستان میں رہتا ہے اور وکیل مدینہ منورہ میں، موکل نے وکیل کو قربانی کے لیے کہا، عام طور پر سعودی عرب میں ایک یا دو دن پہلے اور پاکستان میں ایک یا دو دن بعد میں عید ہوتی ہے، اگر وکیل نے عید کے دن جانور ذبح کیا تو موکل کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ جب کہ ابھی تک موکل کے ہاں عید الاضحیٰ کا دن ہی نہیں آیا۔ بالفاظ دیگر قربانی کے وقت میں موکل کا اعتبار ہے یا قربانی کے وکیل کا؟

**الجواب:** اس مسئلہ میں اہل علم و علماء کے دو گروہ ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ موکل کے ایام النحر کا اعتبار ہے، بنا بریں بصورتِ مسئلہ موکل کی طرف سے کی گئی قربانی ادا نہیں ہوگی، اسی کے مطابق دارالافتاء جامعہ علوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، دارالافتاء دارالعلوم کراچی، دارالافتاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور شاہی مراد آباد وغیرہ سے فتویٰ شائع ہوا ہے۔

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ وکیل اور اضحیہ کی جگہ اور وہاں کے ایام النحر کا اعتبار ہے، لہذا بصورتِ مسئلہ موکل کی طرف سے قربانی ادا ہوگئی، اسی کے مطابق حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاچپوری ثم رائدریؒ نے کافی عرصہ پہلے فتویٰ دیا تھا، اور ماضی قریب میں مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت، گجرات کے مفتی حضرت مولانا مفتی رشید فریدی صاحب نے ۶ تحقیقی مقالات تحریر فرما کر مسئلہ مذکورہ بالا پر مفصل روشنی ڈالی ہے، مقالات کے اسماء حسب ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۲) دفع الارتباب من سببہ الوقت للموقوفات .

(۳) تمييز الطرقات لتحقيق الشرائط للقربات .

(۴) نور السنن لمن يجب عليه الأضحية بالغنى .

(۵) تعقب الفريد على تخصيص الوجوب بصبح العيد .

(۶) كشف الغطاء عن اعتبار الوقت لمحل الأداء .

یہ مجموعہ رسائل ماہنامہ ”دارالعلوم“ میں وقتوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان رسائل کی روشنی میں چند محرومات حسب ذیل درج ہیں:

(۱) قربانی کا اصل وجوب فی الذمہ غنا سے آجاتا ہے۔ اور یہی وجوب فی الذمہ من جانب

اللہ ہے جو وقت پر موقوف نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ملتقى الانحر میں ہے:

هي واجبة ، وإنما تجب على حر مسلم مقيم موسر . (ملتقى البحر: ۱۶۶/۴) .

في مجمع الأنهر: قوله موسر “لأن العادة لا تجب إلا على القادر وهو الغني دون

الفقير . (مجمع الأنهر: ۱۶۶/۴) .

وفي بدائع الصنائع: أما شرائط الوجوب... منها: الإسلام... ومنها الحرية... ومنها

الإقامة... ومنها الغناء والغناء شرط الوجوب في هذا النوع، لأنه حق مالي متعلق بملك

المال . (بدائع الصنائع: ۶۳/۵، سعيد) .

لأن الموسر تجب الأضحية في ذمته . (البدائع: ۷۶/۵، سعيد) .

وجوب فی الذمہ کا حکم موسر پر لگانا یہ دلیل ہے کہ یہاں حکم کی علت ہے۔

لأن ترتيب الحكم على المشتق نص على علية مبدأ الاشتقاق . (فتح الغفار، ص ۶۰) .

فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ: قربانی کا وجوب غنا سے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں۔

ملاحظہ ہو البدایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وشرط اليسار لقوله صلى الله عليه وسلم: ”من وجد سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا“، يدل على أن الوجوب بالسعة ولا سعة للفقير. (البنية: ۱۱/۴).

تکملہ فتح القدیر میں ہے:

إذ لا نزاع لأحد أن علة وجوب الأضحية على الموسر هي القدرة على النصاب. (تكملة فتح القدیر: ۵۰۷/۹).

وجوب فی الذمہ قبل یوم النحر کی عقلی دلیل ملاحظہ ہو:

وقت (ایام النحر) شرط ادا ہے اور ادا کا وجوب ادا سے بالکل متصل رہتا ہے پس اگر کسی غنی مقیم نے دیہات میں یوم النحر کی صبح طلوع ہوتے ہی بلا تاخیر قربانی کر لی تو یہ قربانی بالاتفاق صحیح ہے، تو لامحالہ یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ یوم النحر سے پہلے قربانی اس کے ذمہ واجب تھی، کیونکہ وجوب ادا (جو وقت میں خطاب باری تعالیٰ سے ہوتا ہے) سے پہلے نفس وجوب کا ہونا لازم ہے، اور اصل وجوب، وجوب ادا سے مقدم ہوتا ہے۔

”فثبت أن أصل الوجوب قد وجد بالغنا قبل صبح يوم النحر“ فافهم وتدبر.

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قربانی کا وجوب فی الذمہ غنا سے ہے وقت پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ ہاں وقت صرف شرط ادا ہے۔

پھر امام اعظمؒ کے نزدیک اصل وقت جمیع مکلفین کے حق میں یوم النحر کی صبح طلوع ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے، البتہ ذبح فی المصر کے لیے فراغ من صلاة العيد مزید شرط ہے۔

انظر: (المبسوط: ۱۰/۱۲، مبدائع الصنائع: ۵/۷۳، سعید، شرح الوفاة: ۴/۳۹).

نیز نماز، روزہ کے وقت کی طرح، قربانی کے وقت کو بیعہ شرط ادا کے ساتھ وجوب ادا کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔ لہذا وقت دونوں حیثیتوں کا جامع ہوا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

لاتجوز قبل دخول الوقت لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة

الواجب. (بدائع الصنائع: ۵/۷۳، سعید، وكذا في البنية: ۱۱/۳، والعناية على هامش فتح القدیر: ۱/۲۱۶).

اور جس طرح عبادات موقتہ کی ادائیگی قبل از وقت صحیح نہیں ہے اسی طرح بعد از وقت بھی درست نہیں ہے بلکہ قضا لازم ہوتی ہے۔ تو اب غنی ایام الآخر سے قبل قربانی اس وجہ سے نہیں کر سکتا ہے کہ وقت شرط ادا ہے اور ”تقدم المشروط علی شرط الصحة لایجوز“۔ عدم جواز کی یہ وجہ نہیں ہے غنی کا ذمہ ابھی مشغول بالواجب ہی نہیں ہوا۔ فافہم۔

ہاں غنا (وجوب فی الذمہ) کے بعد اگر جانور کی جگہ میں عید ہے تو قربانی جائز ہوگی، کیونکہ سبب یعنی مالک کے بارے میں غنا موجود ہے، اور قربانی کے جانور کی جگہ میں یا وکیل کی جگہ میں عید (شرط ادا) موجود ہے، لہذا بصورتِ مسئلہ قربانی صحیح اور درست ہے۔ کیونکہ قربانی مالی عبادت ہے اور اس کے نفس وجوب کی علت بالاتفاق غنا ہے جس کا تعلق مکلف کے ساتھ ہے، اور قربانی کے وجوب ادا کا تعلق اضیہ (جانور) کے ساتھ ہے نہ کہ مکلف سے۔ پس ثابت ہوا کہ وقت (ایام الآخر) کا اعتبار محل ادا کے لحاظ سے ہے۔ نہ کہ مکلف کے لحاظ سے۔

ملاحظہ ہوا البحر الرائق میں ہے:

ولأنها (الأضحیة) تشبه الزکاة فیعتبر فی الأداء مکان المحل وهو المال لا مکان الفاعل . (البحر الرائق: ۸/۱۷۵، کوئٹہ)۔

## (۲) جدید موقف کے ساتھ مناقشہ:

دورِ حاضر کے بعض مفتیان کرام مثلاً مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مفتی شبیر احمد مراد آبادی صاحب، مفتی احمد خانپوری صاحب، مفتی عمر فاروق دیہاتی صاحب لندن مدظلہم العالیہ اور بعض دیگر حضرات کا موقف یہ ہے کہ ”جس شخص پر قربانی واجب ہے، اس کا وجوب ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ہاں یوم الآخر کی صبح طلوع ہو چکی ہو، ورنہ قربانی درست نہیں ہوگی۔

دلیل: وہ حضرات فرماتے ہیں کہ غنا فقط شرط وجوب ہے اور اصل نفس وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یوم الآخر کی صبح طلوع ہونے سے شروع ہو کر بارہویں کے غروب تک رہتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یوم الآخر کی صبح طلوع ہونے سے قبل قربانی کا وجوب ہی نہیں آیا، لہذا غنی شخص جس طرح اپنے مقام پر قبل طلوع یوم الآخر قربانی نہیں کر سکتا اسی طرح بذریعہ وکیل کسی دوسرے مقام پر (جہاں یوم الآخر کی صبح طلوع ہو چکی ہو) بھی قربانی نہیں



کر سکتا۔

الجواب: (۱) غنا کو شرط وجوب کہا گیا ہے کمائی کتب الفقہ دہو الصبح۔ مگر حضرات مفتیان کرام اسے اہلیت وجوب یعنی اصل وجوب کی شرط کے بجائے فقط شرط وجوب ادا سمجھ رہے ہیں، اور وقت کو وجوب اضحیٰ کی علت قرار دے رہے ہیں، حالانکہ جمیع فقہاء کے نزدیک وجوب اضحیٰ کی علت قدرت علیٰ العصاب ہے۔

(۳) جدید موقف کا مفسدہ عظیم۔ اس جدید موقف پر عمل درآمد ہونے میں امت کے حرج و تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ فقط مغربی ممالک کی قربانیاں مشرقی ممالک میں انجام دینے کا نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام شہروں اور دیہاتوں میں ایک جگہ کی قربانی دوسری جگہ کرنے سے متعلق ہے، اور دوسری طرف شمسی اوقات کے اعتبار سے ملک کے مختلف صوبوں اور صوبہ کے مختلف ضلعوں میں صبح صادق اور غروب آفتاب وغیرہ کے اوقات میں تفاوت ہونا بالکل مسلم اور قطعی ہے۔

اب جب من علیہ الاضحیٰ کے یہاں صبح صادق سے پہلے اس کی طرف سے دوسری جگہ میں کی گئی قربانی بھی کالعدم قرار دی جائے اور یہ کہا جائے کہ شہری آدمی کی قربانی دیہات میں تب ہی ہو سکتی ہے جب کہ شہر میں فجر طلوع ہو چکی ہو تو اس کا مفسدہ اور حرج کسی مخفی نہیں رہے گا۔

نیز افریقہ، امریکہ، برطانیہ وغیرہ اور ممالک عربیہ کے مالداروں کی قربانیوں کا سلسلہ ہندو پاک اور بنگال وغیرہ ایشیائی و غیر ایشیائی ملکوں میں زمانہ قدیم سے جاری اور لوگوں میں رائج ہے پس اہل مغرب کی طرف سے مشرقی ملک کے کسی شہر یا دیہات میں رہنے والا مالدار یا غریب جو قربانی کا وکیل ہوتا ہے اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ موکل کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ اگر اجمالاً معلوم ہو تو اسے اپنے موکل کے ملک میں اوقات کا تفاوت معلوم نہیں ہوتا، اگر ملکی پیمانہ پر اوقات کا فرق معلوم بھی ہو تب بھی صبح صادق وغیرہ اوقات کا واقعی علم نہیں ہوتا، اور ان اوقات کا معلوم کرنا ہر ایک کے لیے یقیناً دشوار اور مشکل ہے۔

(۴) جدید موقف میں متواتر عمل کا بطلان:۔ اس جدید موقف کا دوسرا مفسدہ یہ ہے کہ اطراف

عالم سے ہدی یا رقم بھیج کر حرم میں کی جانے والی قربانیوں کا ایک سلسلہ جو خیر القرون سے عملاً چلا آ رہا ہے جب ان کے اور حرم میں ذبح کے وقت میں کثیر تفاوت پایا جاتا ہے، بلکہ عموماً تاریخ کا بھی فرق ہوتا ہے تو اس سے امت

کے اس قدر مشترک متواتر عمل کا باطل ہونا لازم آئیگا، حالانکہ اصول شرعی کی روشنی میں امت کا یہ عمل بالکل باطل برحق ہے۔

ہمارے دارالافتاء کا موقف:

ہمارے دارالافتاء سے یہ مسئلہ چند بار لکھا گیا، آخری مرتبہ میں جو لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وکالت میں وکیل کے زمان و مکان کا اعتبار ہوتا ہے، موکل کے زمان و مکان سے قطع نظر کرتے ہوئے جب وکیل کے ہاں وقت ہو جائے تو وہ موکل کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے، جس طرح کسی معذور یا مریض کی طرف سے حج بدل میں وکیل سعودیہ کی تاریخ کے مطابق عرفہ، مزدلفہ اور دیگر افعال حج انجام دیا گیا اگرچہ ہندوستان یا پاکستان میں یہ ایام ایک یا دو دن بعد میں آجائیں، اس کے باوجود یہ تمام افعال درست ہوں گے۔

اسی طرح اگر کسی دوسرے کو نکاح کا وکیل بنایا اور اس نے نکاح منعقد کر لیا تو نکاح کے منعقد ہونے کے لیے ایجاب و قبول کی مجلس کا استحاضہ ضروری ہے، لیکن وکیل کی مجلس کا اعتبار ہے موکل کی مجلس کا اعتبار نہیں۔  
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وکل وکیلاً بأن یدبح شاة له وخرج إلى السواد فأخرج الوکیل الأضحیة إلى موضع لا یجد من المصّر وذبّحها هناك فإن کان الموکل فی السواد جازت الأضحیة وإن کان عاد إلى المصّر وعلم الوکیل بقدمه لم تجز الأضحیة عن الموکل بلا خلاف وإن لم یعلم بعود الموکل إلى المصّر فکذا عن محمد وعند أبي یوسف یجوز و هو المختار. (البحر الرائق: ۱۷۶/۸، کوثہ). (وکذا فی الفتاویٰ الهندیة: ۲۹۷/۵، و الفتاویٰ التاتاریخانیة: ۱۷/۲۳، و خلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۱۳).

اس مسئلہ سے متعلق فقہاء کی عبارت سے واضح اور بے غبار استدلال:-

فقہاء نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر شہری جدی قربانی کرنا چاہتا ہو تو کسی گاؤں میں بھیج دے، دیہاتی شخص صبح ہوتے ہی فوراً جانور ذبح کر لے تو قربانی درست ہے، اس میں یہ مذکور نہیں کہ شہری آدمی کی قربانی دیہات میں تب ہو سکتی ہے جب شہر میں فجر طلوع ہو چکی ہو۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں مذکور ہے:

وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر، فيضحي بها كما طلع الفجر. (الهداية: ۴/۴۶۶).

مثلاً اگر کوئی شخص جو ہانسبرغ سے ۲۴ گھنٹہ کے فاصلہ پر جانب مشرق میں واقع کسی دیہات میں اپنی قربانی بھیج دے تو وہاں تقریباً ۱۰، ۱۵ منٹ پہلے ہی صبح صادق ہوتی ہے اور دیہات والا صبح ہوتے ہی جانور ذبح کر دے تو فقہاء کے کلام کی روشنی میں یہ قربانی درست ہے، جب کہ جدید موقف کی روشنی میں ابھی جو ہانسبرغ میں مقیم شخص پر قربانی کا وجوب ہی نہیں آیا تو اس کی طرف سے قربانی کیسے درست ہوگی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات سے استشہاد لطیف:

حضرت تھانویؒ نے ”الطرائف والنظرائف“ (ص ۱۲۸) میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات والے سال مکہ مکرمہ کی تاریخ مدینہ منورہ سے ایک دن آگے تھی۔ ملاحظہ ہو:

فائدة تاريخية تتعلق بتاريخ وفاة النبي صلى الله عليه وسلم. [عن جمع الوسائل في شرح الشرائع للقاري الحنفی] باب ما جاء في وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم... إلى قوله: وحله أن يقال يحتمل اختلاف أهل مكة والمدينة في رؤية هلال ذي الحجة، عند أهل مكة يوم الخميس وعند أهل مدينة يوم الجمعة وكان وقوف عرفة واقعاً برؤية أهل مكة ولما رجع إلى المدينة اعتبروا التاريخ برؤية أهل المدينة وكان الشهور الثلاثة كواامل فيكون أول ربيع الأول يوم الخميس ويوم الاثنين الثاني عشر منه، هذا، انتهى.

مذکورہ بالا اختلاف تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیاں بھیجی تھیں، اس وقت بھی اہل مکہ کے ایک دن آگے ہونے کا امکان ہو سکتا تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دن تاخیر سے قربانی کرنے کی ہدایت دینا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے وکیل اور اضحیٰ کی جگہ کا اعتبار فرمایا ہوگا۔

الغرض اس پوری تحقیق کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ ذبح اضحیٰ کے سلسلہ میں متواتر عمل عین شرع کے

مطابق ہے۔ ”وہو أن المعتبر في الأضحية مكان الأضحية، لا من عليه الأضحية“۔

پس افریقہ، برطانیہ، امریکہ وغیرہ ممالک مغربیہ کے باشندوں کی قربانی مشرقی ملکوں میں یہاں کے وقت کے اعتبار سے بالکل صحیح اور تصریحات فقہیہ کے بالکل مطابق ہے۔  
حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب کافوتی ملاحظہ فرمائیں:

سوال: بھائی عبدالرشید نے مدراس سے یہاں (حیدرآباد میں) قربانی کرنے کو لکھا ہے وہاں عید پیر کو ہے اور یہاں اتوار کو، ان کی قربانی ہم یہاں اتوار کو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا پیر کو کرنا ہوگی؟ بینوا توجروا۔  
الجواب: قربانی کا جانور جس جگہ ہو اس جگہ کا اعتبار ہوتا ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار نہیں ہوتا، چنانچہ اگر قربانی والا شہر میں ہو اور وہ اپنا قربانی کا جانور ایسے گاؤں میں بھیج دے جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی اور وہاں صبح صادق کے بعد اس کی قربانی کا جانور ذبح کر دیا جائے تو اس شہر والے کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔

ہدایہ آخرین میں ہے: والمعتبر في ذلك مكان الأضحية حتى لو كانت في السواد والمضحى في المصر يجوز كما انشق الفجر، ولو كان على العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحى بها كما طلع الفجر. (الهداية: ۴/۴۳۰)۔

در مختار میں ہے:

والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه فحيلة مصري... (الدر المختار مع الشامي:

۳۱۸/۶، كتاب الأضحية، سعيد)۔

صورتِ مسئلہ میں عبدالرشید بھائی نے مدراس سے آپ کو حیدرآباد میں اپنی قربانی کرنے کے لیے لکھا ہے اور مدراس میں پیر کو عید الاضحیٰ ہے اور آپ کے یہاں اتوار کو تو آپ بلا تکلف ان کی قربانی اتوار کو کر سکتے ہیں، ان کی قربانی صحیح ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۱۸)۔

(نوٹ: فتاویٰ رحیمیہ مطبعہ مکتبۃ الاحسان دیوبند سے مفتی سعید پالپوری صاحب کی تعلیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں حضرت مفتی سعید صاحب نے مسئلہ مذکورہ بالا ذکر کرنے کے بعد متن ہی میں بنام اضافہ دارالعلوم دیوبند کا تفصیلی فتویٰ جدید

موقف کی تائید میں حضرت مفتی صاحب کے فتوے کے خلاف مزید چند مفتیان کرام کے دستخط کے ساتھ شائع کر دیا ہے، جب کہ تطبیق حاشیہ میں ہوتی ہے متن میں حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب کے فتوے کے ساتھ دیوبند کا تفصیلی فتویٰ ذکر کرنے کے کیا معنی؟

مفتی ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

الجواب: ہوا لموفق۔ قربانی جہاں کی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے لہذا ہندوستان میں قربانی ہوگی تو اسی ملک کی تاریخ ۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ کا اعتبار ہوگا اور انہی تاریخوں میں قربانی کی جائے گی۔ افریقہ، لندن وغیرہ ملکوں کا اعتبار نہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ وکیل کا اپنے مقام کے اعتبار سے قربانی کرنا جائز اور درست ہے، اگرچہ عبادات میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے موکل کے ہاں ایام النحر شروع ہونے کا انتظار افضل اور اولیٰ ہے، تاکہ موکل کی طرف سے قربانی کا وجوب باتفاق علماء ادا ہو جائے، کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے، نیز فقہاء کے ہاں قاعدہ ہے: ”الخروج من الخلاف مستحب“۔ بنا بریں آئندہ احتیاط کی باگ تھامنا چاہئے، ہاں گزشتہ کی ہوئی قربانیوں کا اعادہ لازم نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تیرہ ذی الحجہ کو قربانی کرنے کا حکم:

**سوال:** قربانی کے ایام کتنے ہوتے ہیں؟ ہمارے ہاں بعض غیر مقلد عید کے چوتھے دن قربانی کرتے ہیں کیا چوتھے دن قربانی کرنا جائز اور درست ہے؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ قربانی کے تین ایام ہیں یوم النحر اور اس کے بعد دو دن یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ، ۱۳ ذی الحجہ کے دن قربانی جائز نہیں ہے، البتہ شافعیہ کے ہاں تیرہویں ذی الحجہ کو بھی قربانی جائز ہے یعنی قربانی کے ایام چار ہیں، اور غیر مقلد کا تو کوئی مذہب نہیں ہے۔ البتہ علامہ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کا مذہب بھی امام شافعیؒ کی طرح ہے، لہذا ممکن ہے کہ غیر مقلدین علامہ ابن تیمیہ کے قول پر عمل کرتے ہوں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

وهي جائزة في ثلاثة أيام يوم النحر ويومان بعده وقال الشافعي "ثلاثة أيام بعده لقوله عليه السلام: التشريق كلها أيام ذبح ولنا ما روى عن عمر رضي الله عنه وعلي رضي الله عنه وابن عباس رضي الله عنه قالوا: أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها وقد قالوه سماعاً . (الهداية: ۴/۴۶۷)۔

شرح المہذب میں ہے:

أيام نحر الأضحية يوم النحر وأيام التشريق الثلاثة هذا مذهبنا وبه قال علي بن أبي طالب وجبير بن مطعم وابن عباس وعطاء والحسن البصري وعمر بن عبد العزيز وسليمان بن موسى الأسدي فقيه أهل الشام ومكحول وداود الظاهري؛ وقال مالك وأبو حنيفة وأحمد يختص بيوم النحر ويومين بعده وروى هذا عن عمر بن الخطاب وعلي وابن عمر وأنس رضي الله عنه . (شرح المہذب: ۸/۳۹۰ ط: دار الفکر)۔

الشرح الكبير میں ابن قدامہ المقدسی فرماتے ہیں:

فصل الثانی فی آخر وقت الذبح وآخره آخر اليوم الثانی من أيام التشريق فتكون أيام

النحر ثلاثة : يوم النحر ويومان بعده وهذا قول عمر وعلي وابن عمر وابن عباس وأبي هريرة وأنس رضي الله عنهم، قال أحمد: أيام النحر ثلاثة من غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وفي رواية قال : خمسة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم يذكر أنساً وإليه ذهب مالك والثوري وأبو حنيفة وروى عن علي آخره آخر أيام التشريق ، وبه قال عطاء والحسن والشافعي لأنه روى جبير بن مطعم أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيام منى كلها منحر... ولنا أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ادخار لحوم الأضاحي فوق ثلاث ولا يجوز الذبح في وقت لا يجوز ادخار الأضحية ، ولأن اليوم الرابع لا يجب الرمي فيه فلم تجز التضحية فيه كالיום الذي بعده ، ولأنه قول من سمي من الصحابة ولا مخالف لهم إلا رواية علي ، وقد روى عنه مثل مذهبه وحديثهم إنما هو " منى كلها منحر " وليس فيه ذكر الأيام والتكبير أعم من الذبح ، وكذلك الإفطار بدليل أول يوم النحر . (الشرح الكبير: ۳/ ۵۵۵، بيروت). (وكذا في المغنى: ۱/ ۱۱، ۱۱۴، ط: بيروت).

وفي " البحوث العلمية لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية " (۲/ ۴۳۵): القول الثاني: أن وقت الذبح ينتهي بغروب الشمس من اليوم الثالث من أيام التشريق . وبهذا قال الشافعي ، واختاره ابن تيمية وابن القيم ومن وافقهم من أهل العلم .

بظاہر کبار علماء کا رجحان قول اول کی طرف ہے یعنی ایام النحر تین ہیں ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ، اسی وجہ سے اس قول کو کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقال في " الإنصاف " : هذا هو الصحيح من المذهب ، وعليه جماهير الأصحاب وقطع به كثر منهم . واستدل لهذا القول بالكتاب والسنة والإجماع والأثر والمعنى : أما الكتاب... الخ . راجع " البحوث العلمية لهيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية " :

(۲/ ۴۳۴-۴۳۵، ط: رئاسة إدارة البحوث العلمية والافتاء). والله سبحانه أعلم۔

## حدیث ”الأضحی یومان بعد یوم النحر“ کی تحقیق:

مالک عن نافع أن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: الأضحی یومان بعد یوم الأضحی وقال مالک إنه بلغه عن علی بن أبی طالب مثل ذلك . (موط الإمام مالک، ص ۱۸۸) .  
وبلاغات الإمام مالک مقبولة بالاتفاق .

قال الشوكاني: هذا في حكم المرفوع لأن مثل هذا لا يقال بالرأي . (نیل الاوطار: ۴/۳۵۹) .  
قلت: هذا الحديث وإن كان منقطعاً لكنه في حكم المرفوع وسنده يسمى بالسلسلة الذهبية .

قال الألبانی فی تعلیقاته علی المشكاة (رقم ۱۴۷۳) : صحیح .  
وللحديث شواهد أخرى ؛

منها: ذكر الطحاوی فی أحكام القرآن بسند جيد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: الأضحی یومان بعد یوم النحر . (الجوهر النقی علی هامش السنن الكبرى: ۲۹۶/۹، دارالمعرفة) .

ومنها: من طریق ابن أبی شیبة نا زید بن الحباب عن معاوية بن صالح ثنی أبو مریم سمعت أبا هريرة يقول : الأضحی ثلاثة أيام .

معاوية بن صالح من رجال مسلم ، وأبو مریم ثقة ، وزید بن الحباب من رجال مسلم .  
ومنها : من طریق وكيع عن شعبة عن قتادة عن أنس رضی اللہ عنہ قال: الأضحی یوم النحر ویومان بعده . صححه ابن حزم . (المحلی ابن حزم: ۳۷۷/۷) .

ومنها: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد نهى عن ادخار لحوم الأضاحی فوق ثلاث . متفق عليه .

فهذا الحديث يشير بل یوضح لنا أن الأيام الثلاثة أيام ذبح لا ادخار وبعد الثلاثة أيام ادخار لا أيام ذبح وهذا هو المقصود .

شافعیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کے بارے میں ابن الترمذی فرماتے ہیں:



قلت: سليمان هذا متكلم فيه وحديثه هذا اضطرب اضطراباً كثيراً بينه صاحب الاستذكار وبين البيهقي بعضه في هذا الباب... وفي نوادر الفقهاء لابن بنت نعيم: أجمع الفقهاء أن التضحية في اليوم الثالث عشر غير جائزة إلا الشافعي فإنه أجازها فيه. (الجوهر النقي: ۲۹۶/۹، ۲۹۷).

وفى نصب الرأية (۲۱۳/۶، كتاب الاضحية) قال: أخرجه ابن عدی فی ”الکامل“... عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أيام التشريق كلها ذبح... وقال ابن أبي حاتم في ”كتاب العلل“ قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد. والله سبحانہ أعلم۔

## بلا تعین اپنی اور موکل کی طرف سے قربانی کا حکم:

سوال: زید کے تین بیٹے باہر ممالک میں رہتے ہیں، تینوں صاحب حیثیت اور متمول ہیں، عید الاضحیٰ سے پہلے تینوں نے مجھے قربانی کے لیے کہا، میں نے چار دنبے خریدے، ایک دنبہ اپنے لیے اور تین دنبے ان کے لیے، لیکن متعین نہیں کیے کہ یہ میرا ہے اور یہ تین متعین ہر ایک کے لیے ہیں، کیا یہ قربانیاں ہوئیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شرعاً سب کی طرف سے قربانیاں صحیح ہو گئیں۔

ملاحظہ ہو المحیط البرہانی میں ہے:

روی بشر بن الوليد عن أبي يوسف: في رجل له تسعة من العيال، وهو العاشر، فضحى بعشر من الغنم عن نفسه، وعن عياله، ولا ينوي شاة بعينها، لكن ينوي العشرة عنهم وعنه، جاز في الاستحسان، وهو قول أبي حنيفة. (المحيط البرهاني: ۶/۴۸۰، الفصل الخامس في بيان ما يجوز في الضحايا... مكتبة رشيدية). (وكذا في الفتاوى الهندية ناقلاً عن المحيط: ۳۰۰/۵).

مزید حوالہ جات ماقبل میں گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

## غصب کردہ بکری کی قربانی کا حکم:

**سوال:** ایک آدمی نے کسی کی بکری غصب کی پھر اس کی قربانی کر لی، اب اگر مالک اس کو اجازت دے تو کیا غاصب کی طرف سے قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟ واجب ذمہ سے ساقط ہو یا نہیں؟ اگر ادا ہوئی تو کیسے جب کہ یہاں اجازت معدوم پر واقع ہوئی؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اگر مالک نے اس کو زندہ بکری کی قیمت کا ضامن بنایا تو یہ قربانی غاصب کی طرف سے ادا ہوگئی، اگرچہ غصب یا چوری کا گناہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ بکری تو ذبح کر دی گئی تو یہ اجازت معدوم پر ہوئی جو کہ باطل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غاصب ضمان ادا کر کے اس بکری کا مالک بن گیا اور جو ضمان کا سبب غصب ہے، پس ادائے ضمان منسوب ہوگا غصب کے وقت کی طرف، مطلب یہ ہوگا کہ غاصب غصب کے وقت مالک بنا، اور ذبح بعد الغصب واقع ہوا، لہذا قربانی صحیح ہوگئی، لیکن ناجائز فعل سے ابتدا کی وجہ سے وہ عاصی اور گنہگار ہوا، بنا بریں اس پر توبہ اور استغفار لازم اور ضروری ہے۔

قال في رد المحتار: قال في البدائع: غصب شاة فضحى بها عن نفسه لاتجزئه لعدم الملك ولا عن صاحبها لعدم الإذن، ثم إن أخذها مذبوحة وضمنه النقصان فكذلك لاتجوز عنهما وعلى كل أن يضحي بأخرى، وإن ضمنه قيمتها حية تجزئ عن الذابح لأنه ملكها بالضمنان من وقت الغصب بطريق الاستناد فصار ذابحاً شاة هي ملكه فتجزئه ولكنه يأنم لأن ابتداء فعله وقع محذوراً فيلزمه التوبة والاستغفار. (رد المحتار: ۳۳۱/۶، سعيد). (وكذا في بدائع الصنائع: ۷۶/۵، سعيد).

وفى البدائع: ووجه الفرق [أى إذا ضحى بالشاة المودعة عن نفسه ثم رضى المالك لايجوز، وبالشاة المغصوبة يجوز] بخلاف الغصب، فإنه كان ضمناً قبل الذبح لوجود سبب وجوب الضمان وهو الغصب السابق، فعند اختيار الضمان أو أداءه يثبت الملك له من وقت السبب وهو الغصب فالذبح صادف ملك نفسه فجاز. (بدائع الصنائع:

۷۷/۵، سعید۔ (و کذا فی رد المحتار: ۳۳۱/۶، سعید، و تكممة البحر الرائق: ۱۷۹/۸، کوئٹہ)۔

تبیین الحقائق میں ہے:

لأن المضمونات تملك عند أداء الضمان مستنداً إلى وقت وجود سبب الضمان [وهو الغصب فيستند إلى وقت الغصب فكأنه صار مالکاً حين الغصب] . (تبیین الحقائق: ۱۸۶/۳، باب الوطء الذي يوجب الحد: ملتان)۔

وفی البدائع قال: لأن المضمونات تملك عند أداء الضمان من وقت الغصب . (بدائع الصنائع: ۱۶۷/۶، سعید)۔

وفی الهدایة: وكذلك الملك فی المضمون لأن المضمونات تملك بأداء الضمان مستنداً إلى وقت الغصب عندنا . (الهدایة: ۳۷۵/۳، کتاب الغصب)۔

وفی المحيط البرهانی: فی ”المنقی“ رجل غصب أضحیه غیره، وذبحها عن نفسه وضمن القيمة لصاحبها أجزأه ماصنع، والذبح يخالف الإعتاق ... والفرق: أن عند أداء الضمان یثبت للغاصب الملك مستنداً إلى وقت الغصب السابق، والمستند فائت للحال من وجه، ومن ذلك الوقت من وجه، وكان الملك فيما بین الغصب وأداء الضمان ثابتاً من وجه، ومثل هذا الملك لا یكفی لنفاذ العین، ویکفی لنفاذ القرب . (المحیط البرهانی: ۴۸۳/۶، الفصل السابع فی التضحية عن الغير، وفی التضحية بشاة الغير عن نفسه، مکتبه ورشیدیہ)۔

خلاصہ یہ ہے کہ غاصب ذابح کی قربانی ادا ہوگی لیکن عاصی اور گنہگار ہونے کی وجہ سے اس پر توبہ ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

شاذ مسروقہ کی قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی نے جانور چوری کر کے اس کی قربانی کر لی، بعد میں پشیمان ہوا اور اس کی قیمت مالک کو پہنچادی، تو اب اس کی قربانی ہوئی یا نہیں؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں غصب کا مسئلہ ملتا ہے کہ

مغضوب جانور کی قربانی کے بعد تاوان ادا کر دے تو قربانی ہو جاتی ہے، لیکن چوری کا مسئلہ نہیں ملتا، آپ چوری کے مسئلہ کا حوالہ پیش فرمادے؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ذابح سارق نے شاة مسروقة کی قیمت ادا کر دی اس وجہ سے اس کی قربانی ادا ہو گئی، ہاں نیک عمل کی ابتدا معصیت سے کرنے کی وجہ سے اس پر توبہ واستغفار لازم ہے۔ اور چوری کا صریح حوالہ درج ذیل ملاحظہ فرمائیں۔  
علامہ ابن النجیم الحنفی نے قربانی کا جواز تحریر فرمایا ہے:

وفي نظم الزندوستی: خمسة أشياء إذا أخذها من ملك الغير تجوز بها الأضحية وضمن قيمتها، أولها: غصب شاة وضحي بها، والثاني: لو سرق شاة وضحي بها... الخ.  
(لسان الحکام فی معرفة الاحکام، ص ۳۸۷، نوع فیما يجوز من الاضحية وما لا يجوز).  
(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۴/۳۱۷، الفصل الرابع، المكتبة الرشيدية).

بدائع الصنائع میں:

لكنه يائثم لأن ابتداء فعله وقع محظوراً فيلزمه التوبة والاستغفار. (بدائع الصنائع: ۵/۷۶، سعيد، ورد المحتار: ۶/۳۳۱، سعيد).

تنبیہ: احسن الفتاویٰ (۵۰۵/۷) میں عدم جواز مرقوم ہے اور حوالہ غصب کا ہے لیکن ہم نے باحوالہ جواز لکھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**ایک اشکال اور جواب:**

**اشکال:** ماشاء اللہ اس مسئلہ کا حوالہ تو مل گیا کہ چوری کے جانور کے قربانی کرنے کے بعد اگر اس کی قیمت مالک کو ادا کر دی تو قربانی ہو گئی۔

لو سرق شاة وضحي بها... الخ. (لسان الاحکام، ص: ۳۸۷، وغیرہ من الكتب الفقه).

لیکن ایک بات ذہن میں کھلتی ہے امید ہے کہ اس کا حل بتلائیں گے۔ وہ یہ ہے کہ فقہا تحریر فرماتے ہیں کہ اجازت معدوم میں جاری نہیں ہوتی، مثلاً اگر فضولی کسی کی بکری فروخت کرے اور وہ مشتری کے پاس مرگئی

اور پھر مالک نے اجازت دی تو اجازت نافذ نہیں ہوگی، اس لئے کہ معدوم میں اجازت نہیں چلتی، کذا فی  
 عامة كتب الفقه.

نیز ہدایہ میں مذکور ہے:

ولا نفاذ بدون المحل یعنی اجازت ہا لک میں نہیں چلتی، حاشیہ میں مذکور ہے: یعنی أن المعقود  
 عليه بالهلاك صار إلى حالة لا يجوز ابتداء العقد عليه فلا يلحقها الإجازة. (الهداية: ۳/۳۰، رقم  
 الحاشية: ص ۱۲). اب قربانی ذبح کرنے اور کھانے کے بعد اجازت کیسے نافذ ہوگی؟

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سارق ضمان ادا کرنے سے اس بکری کا مالک بن گیا اور وجوب  
 ضمان کا سبب سرقت ہے، پس ادائے ضمان منسوب ہوگا سرقت اور چوری کے وقت کی طرف یعنی سارق دراصل  
 بوقت سرقت مالک بنا اور ذبح سرقت کے بعد واقع ہوا، لہذا قربانی صحیح ہوگئی۔  
 ملاحظہ ہو فقہا شافعیہ کی قربانی کے تحت فرماتے ہیں:

... وإن ضمن قيمتها حية تجزى عن الذابح لأنه ملكها بالضمان من وقت الغصب  
 بطريق الاستناد فصار ذابحاً شاة هي ملكه فتجزيه. (فتاوی الشامی: ۶/۳۳۱).  
 تبیین الحقائق میں ہے:

لأن المضمونات تملك عند أداء الضمان مستنداً إلى وقت وجود سبب الضمان.  
 (وهو السرقة في مسئلتنا فتستند إلى وقت السرقة فكانه صار مالكاً حين السرقة). (تبیین  
 الحقائق: ۳/۱۸۶، امدادیہ مملتان).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ۵/۷۷، سعید، ورد المحتار: ۶/۳۳۱، سعید، وتملكة البحر  
 الرائق: ۸/۱۷۹، کوئٹہ).

نیز ہدایہ میں بھی یہ عبارت موجود ہے:

وكذلك الملك في المضمون لأن المضمونات تملك بأداء الضمان مستنداً  
 إلى وقت الغصب عندنا. (الهداية: ۳/۳۷۵).

البتہ یہ ملک مستند چونکہ قوی نہیں ہے، من وجہ ملک ہے اور من وجہ ملک نہیں ہے اس لئے نفاذ عین کے لئے کافی نہیں ہے، اسی لئے فضولی کی بیع میں مشتری کے پاس چیز ہلاک ہوگئی تو اب نفاذ عین کے لئے یہ غیر کافی ہوگی اور بائع کی اجازت کام نہیں کرے گی۔ ہاں یہ ملک ضعیف یا من وجہ ملک نفاذ قرب میں مؤثر ہوگی، اور یہ قربانی ہے، لہذا قربانی ادا ہو جائیگی اور یہ تسلیم کیا جائے گا کہ قیمت ادا کرنے سے مالک بنا، اور ملک قبل الذبح ثابت ہوگئی اور قربانی درست ہوگئی۔

لیکن بیع فضولی میں یہ بات غیر مسلم ہے ورنہ تصبیح اموال کا باب مشروح ہو جائے گا۔ اس کی تفصیل محیط قربانی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

والفرق: أن عند أداء الضمان يثبت للغاصب الملك مستنداً إلى وقت الغصب السابق والمستند فانت للحال من وجه، ومن ذلك الوقت من وجه، وكان الملك فيما بين الغصب وأداء الضمان ثابتاً من وجه، ومثل هذا الملك لا يكفى لنفاذ العين، ويكفى لنفاذ القرب. (المحيط البرهانی: ۶/۴۸۳). واللہ تعالیٰ اعلم۔

**بیع فاسد سے خریدی ہوئی بکری کی قربانی کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص قربانی کا جانور خریدتا ہے بائع غیر مسلم کہتا ہے کہ ٹھیک ہے مگر قیمت اس وقت لگاؤں گا جب جانور کا ناجائے اور پھر گوشت کا وزن کیا جائے، اس وزن کے اعتبار سے قیمت لوں گا، مشتری بھی تیار ہو گیا، اور جانور خرید کر قربانی کر لی تو کیا قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ جب کہ یہ بیع بظاہر صحیح نہیں ہوئی۔ بیذا تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ چونکہ بیع میں شرن متعین نہیں کیا اس وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگئی، اور بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب تک بیع موجود ہو اس کو واپس کیا جائے، لیکن بیع ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری کے قبضہ کی وجہ سے مشتری مالک بن گیا اور قربانی بھی درست ہوگئی، البتہ قیمتِ مثل واجب ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وأما الثالث : وهو شرائط الصحة... (منها) معلومة المبيع ومعلومة الثمن بما يرفع المنازعة فلا يصح بيع شاة من هذا القطيع وبيع الشبي بقيمته . (فتاوى الشامى: ۴/ ۵۰۵، سعيد).  
شرح مجملہ میں ہے:

تسمية الثمن حين البيع لازمة ، فلو باع بدون تسمية الثمن كان البيع فاسداً وذلك لأن مطلق البيع يقتضى المعاوضة فإذا سكت عن بيان الثمن كان غرضه القيمة فكأنه باع بقيمته فيفسد . (شرح المحلة، ص ۱۲۲، لسليم رستم باز).

وفيه أيضاً : البيع الفاسد يصير نافلاً عند القبض الواقع بإذن البائع صراحة أو دلالة ولم ينهه البائع عنه . يعنى أن تصرف المشتري فى المبيع يصير جائزاً حينئذٍ . (شرح المحلة ، ص ۲۰۴، لسليم رستم باز).

وفيه أيضاً : البيع الفاسد يفيد الحكم عند القبض يعنى أن المشتري إذا قبض المبيع بإذن البائع صار مالكا له . (شرح المحلة ، ص ۲۰۷).

فتاویٰ تارخانہ میں ہے:

وفى الظهيرية : رجل اشترى شاة شراء فاسداً ، فذبحها عن الأضحية جاز ، فإن ضمنه قيمتها حية فلا شيء على المضحى . (الفتاوى التاتارخانية: ۱۷، ۴۴، ط: ديو بند). واللہ اعلم۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عن جابر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

ضحي بكبشين أملحين أقرنين

موجودين عظيمين سميين.

# الفصل الثانى فيما يجوز به التضحية وما لا يجوز به

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

”لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم

فتذبحوا جذعة من الضأن“.

(رواه مسلم: ١٥٥/٢).

عن علي قال: ”أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم

أن نشتري الحيين والأذن“.



## فصل دوم

### قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام

ہرن کی قربانی کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص ہرن کی قربانی اور عقیقہ کرنا چاہتا ہے، کیا ہرن کی قربانی یا اس کا عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** قربانی اور عقیقہ کے جانور متعین ہیں ان کے علاوہ کسی دوسرے جنگلی جانور کی قربانی و عقیقہ درست نہیں۔ قربانی کے جانور درج ذیل ہیں:

اونٹ، اونٹنی، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، بکرا، بکری، بھیڑ، دنبہ۔ صرف انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے، پس ہرن کی قربانی و عقیقہ درست نہیں۔ اور اگر کوئی جانور مخلوط النسل ہو تو ماں کا اعتبار ہوگا اگر ماں پالتو ہے، مثلاً بکری، گائے وغیرہ تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما محل إقامة الواجب... أما جنسه فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة: الغنم أو الإبل أو البقر ويدخل في كل جنس نوعه والذكر والأنثى منه والخصى والفحل لا انطلاق

اسم الجنس على ذلك والمعز نوع من الغنم والجاموس نوع من البقر بدليل أنه يضم ذلك إلى الغنم والبقر في باب الزكاة ولا يجوز في الأصاحي شيء من الوحش لأن وجوبها عرف بالشرع والشرع لم يرد بالإيجاب إلا في المستأنس فإن كان متولداً من الوحش والأنسى فالعبرة بالألم فإن كانت أهلية يجوز وإلا فلا، حتى أن البقرة الأهلية إذا نزا عليها ثور وحشي فولدت ولداً فإنه يجوز أن يضحي به. (بدائع الصنائع: ۶۹/۵، سعيد). (وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۲/۶، سعيد).

وفى الفتاوى السراجية: ولا يجوز بالطبي، والوعل، الخيل، والحمار والوحش.

(الفتاوى السراجية، ص ۳۸۵، والمبسوط للامام السرخسی ۲۹/۱۲ ط: بيروت).

فتاویٰ بیانات میں ہے:

قربانی کے جانوروں قسم کے ہیں۔ چھوٹے مثلاً بکرا، بکری، بھینٹ، دنبہ اور بڑے مثلاً گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی۔ انہیں جانوروں کی قربانی درست ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ بیانات، جلد چہارم، ص ۵۷۰، بحوالہ الفتاویٰ الہندیہ: ۲۹۹/۵)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحمیہ: ۳۸۸/۵، بعنوان ہرن کی قربانی)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی کے لیے افضل و بہتر جانور:

**سوال:** قربانی کے لیے کونسا جانور بہتر ہے مذکر یا مؤنث؟ نیز بڑے جانور میں شرکت بہتر ہے یا بلا شرکت چھوٹا جانور افضل ہے۔

**الجواب:** قربانی کے جانوروں کے لیے بہتر اور مستحب یہ ہے کہ موٹے تازے ہوں، خوبصورت ہوں، اطمینان اللحم ہوں، اور کوئی ایسا عیب نہ ہو کہ جس سے جانور دیکھنے میں برے معلوم ہوں۔ تاہم بڑے جانور میں علی الاطلاق مؤنث افضل ہے، اور چھوٹے جانوروں میں خسی افضل ہے، اگر خسی نہ ہو تو مؤنث ہی افضل ہے۔ نیز چھوٹے جانور کی قربانی بڑے جانور کے ساتویں حصے سے افضل ہے جب کہ چھوٹا جانور موٹا تازہ ہو اور اچھا ہو۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة... ومهما كانت المطية أعظم وأسمن كانت على الجواز على الصراط أقدر وفضل الشاة أن يكون كبشاً أملح أقرن موجوءً لما روى جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين أقرنين موجوئين عظيمين سمينين. والأقرن: العظيم القرن، والأملح: الأبيض... والموجوء: قيل: هو مدقوق الحصىتين وقيل: هو الخصى كذا روي عن أبي حنيفة فإنه روي عنه أنه سئل عن التضحية بالحصى فقال: ما زاد في لحمه أنفع مما ذهب من خصيته. (بدائع الصنائع: ۵/۸۰، سعيد).

وفى الدرالمختار: قال: الشاة أفضل من سبع البقرة إذا استويا فى القيمة واللحم، والكبش أفضل من النعجة إذا استويا فيهما، والأنثى من المعز أفضل من التيس إذا استويا قيمة، والأنثى من الإبل والبقر أفضل، حاوى، وفى الوهبانية: أن الأنثى أفضل من الذكر إذا استويا قيمة.

وفى الشامية: قال فى التاتارخانية: وفى العتابية: وكان الإستاذ يقول: بأن الشاة العظيمة السمينة تساوى البقرة قيمة ولحماً أفضل من البقرة لأن جميع الشاة تقع فرضاً بلاخلاف... قوله إذا استويا قيمة، فإن كان سبع البقرة أكثر لحماً فهو أفضل، والأصل فى هذا إذا استويا فى اللحم والقيمة فاطيبهما لحماً أفضل، وإذا اختلفا فيهما فالفاضل أولى، ... قوله: والأنثى من المعز أفضل،... وقال الطحطاوى: مشى ابن وهبان على أن الذكرفى الضأن والمعز أفضل لكنه مفيد بما إذا لم يكن موجوءً ألا يكون أفضل. (الدرالمختار مع فتاوى الشامى: ۶/۳۲۲، سعيد، و الفتاوى السراجية، ص ۳۹۹، باب المتفرقات).

مزید ملاحظہ ہو: (اعلاء السنن: ۱۷/۲۸۳، و فتاویٰ مبینات، جلد چہارم، ص ۵۷۰، و فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۱، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## دو سال سے کم عمر گائے کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر گائے کی قربانی کی جائے تو دو سال مکمل ہونا ضروری ہے لیکن اگر دو سال سے کم عمر گائے موٹی تازی ہے جو دو سالہ کے برابر معلوم ہوتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** شرعاً دو سال سے کم عمر گائے کی درست نہیں، ہاں وجہ میں یہ تخفیف ہے کہ چھ ماہ کا دنبہ سال کے برابر معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔  
ملاحظہ ہو مسلم شریف میں روایت ہے:

عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن". (رواه مسلم: ۱۵۵/۲).

وقال في معجم لغة الفقهاء: المسن: من البقر ما جاوز السنين .  
(معجم لغة الفقهاء، ص ۴۲۹).

وفي شرح مسلم للإمام النووي: قال العلماء: المسنة هي الثنية من كل شيء من البقر والغنم فما فوقها وهذا تصريح بأنه لا يجوز الجذع من غير الضأن في حال من الأحوال وهذا مجمع عليه. (الشرح الكامل: ۱۵۵/۲). (وكذا في بدل المجهول: ۵۴۲/۹، دلائل البشائر الإسلامية).

وفي تكملة فتح الملهم: أجمع الفقهاء على أن الجذع إنما يجزئ من الضأن ولا يجزئ في المعز ولا في البقر والإبل وإنما تجب فيها الثني. (تكملة فتح الملهم: ۵۵۷/۳).  
إعلاء السنن میں ہے:

اختلفوا في تقدير الجذع والثني على أقوال، والمعتمد عندنا - معشر الحنفية - أن الجذع من الضأن ابن ستة أشهر، والثني منها ومن المعز ما تم له سنة ودخل في الثانية، ومن البقر ما تم له سنتان ودخل في الثالثة، ومن الإبل ما تم له خمس سنين ودخل في السادسة.  
(إعلاء السنن: ۲۴۲/۱۷، باب ما يجوز في الضحايا من السن، إدارة القرآن).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، سعید).

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پٹی فرماتے ہیں

وشرط است کہ گاو و جاموس کم از دو سال نباشد و شتر کم از پنج سال نباشد۔ (مالا بدینہ ص ۱۲۴)۔

فتاویٰ رحمیہ میں ہے:

قربانی کے جانور کا ”مسنہ“ ہونا ضروری ہے یعنی اونٹ پانچ برس کا، گائے وغیرہ دو برس کی، اور بھیڑ، بکری وغیرہ ایک برس کی ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم عمر والے جانور کی قربانی درست نہیں ہے کہ اس سے کم سن والے جانور ”مسنہ“ نہیں۔ البتہ دنبہ چھ ماہ کا اس قدر فریبہ ہو کہ سال کا دنبہ معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔۔۔ (فتاویٰ رحمیہ: ۳۸۷/۵)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۳۷۴/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی کے جانور کے دانت کا حکم:

سوال: گائے کی قربانی کرنی ہو تو دو دانت والی کافی ہے یا نہیں؟ کتنے دانت کا ہونا ضروری ہے؟

الجواب: قربانی کے جانور کی عمریں متعین ہیں، گائے مکمل دو سالہ ہونا ضروری ہے، اور دانت کا اعتبار نہیں۔ جب کہ اچھی طرح اپنا گھاس چارہ کھا سکتی ہو، ہاں اگر گھاس چارہ اچھی طرح نہیں کھا سکتی تو پھر اس کی قربانی جائز نہیں۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

قال ويجزى من ذلك كله الثني فصاعداً إلا الضأن، والثني منها ومن المعز ابن سنة ومن البقر ابن سنتين ومن الإبل ابن خمس سنين ويدخل في البقر الجاموس لأنه من جنسه. (الهداية: ۴/۴۴۹، وكذا في الدر المختار: ۶/۳۲۲، سعید).

بدائع الصنائع میں ہے:

وتخصيص هذه القرية بسن دون سن أمر لا يعرف إلا بالتوقيف فيتبع ذلك ...

وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنّاً لا يجوز. (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، سعيد).

وفيه أيضاً: وأما الهتمام وهي التي لا أسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا وذكر في المنتقى عن أبي حنيفة أنه أن كان لا يمنعها عن الاعتلاف تجزیه وإن كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب في جوفها صبا لم تجزه. (بدائع الصنائع: ۷۵/۵، سعيد).

وفى الموسوعة الفقهية الكويتية: حكم التضحية بالهتمام... ذهب الحنفية فى الصحيح إلى أن الهتمام إن كانت ترعى وتعتلف جازت التضحية بها. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۵۶/۴).

وللاستزادة انظر: (اعلاء السنن: ۱۷-۲۵۲-۲۵۳، باب حوز التضحية بالثولاء والهتمام والثرماء، و الفتاوى الهندية: ۲۹۸/۵، الفتاوى السراجية، ص، هو تكملة فتح القدير، هو العناية، هو الجوهره النيرة، باب الهدى).

کفایت المفتی میں ہے:

قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں بکری بکر ایک سال کا ہو اور گائے دو سال کی، چونکہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/۲۳۷).

فتاویٰ بینات میں ہے:

دانت نکلتا ضروری نہیں، بلکہ مدت پوری ہونا شرط ہے۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۵۷۱)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

دانت میں اصل معیار یہ ہے کہ جانور گھاس کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ دانتوں سے مقصود یہی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۵۱۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۶۸-۳۷۲، جامعہ فاروقیہ، و فتاویٰ رحمیہ: ۵/۳۸۸، و امداد الفتاویٰ: ۳/۶۱۲)۔

تنبیہ: واضح ہو کہ اکثر کتب فقہ و فتاویٰ میں یہ قید مذکور ہے کہ اکثر دانت باقی ہوں تو قربانی جائز ہے

ورنہ نہیں، یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے، یہ مذہب نہیں ہے۔ اصل مذہب یہ ہے کہ دانت کا اعتبار نہیں ہے، اصل مدارگھاس، چارہ کھانے پر ہے، جو کہ مذکور ہوا، یہی امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے، اور اعلاء السنن میں تحقیق فرمائی ہے کہ یہی ظاہر الروایہ ہے۔ واللہ اعلم۔

## مکسورة القرن جانور کی قربانی کرنے جا حکم:

**سوال:** آج کل کسانوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ جانوروں کے سینگ جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے یہاں بڑی تعداد میں جانور رکھے جاتے ہیں، اور ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے، خصوصاً مذبح کی طرف لے جانے میں بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو کیا ایسے بے سینگ جانوروں کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جن جانوروں کے سینگ بالکل نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں ان کی قربانی درست ہے ہاں اگر سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا جڑ سے اکھاڑ دئے گئے ہوں اور اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز اور درست نہیں۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وتجزئ الجماء وهي التي لا قرن لها خلقلة وكذا مكسورة القرن تجزئ لما روى أن سيدنا علياًؑ سئل عن القرن فقال: لا يضرك، أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن وروى أن رجلاً من همدان جاء إلى سيدنا عليؑ فقال: يا أمير المؤمنين البقرة عن كم قال: عن سبعة ثم قال: مكسورة القرن قال: لا ضير... إلى قوله: فإن بلغ الكسر المشاش لا تجزيه والمشاش رؤوس العظام مثل الركبتين والمرفقين. (بدائع

الصنائع: ۷۶/۵، سعيد). (و كذا في رد المحتار: ۳۲۳/۶، سعيد و الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵).

فتاویٰ بینات میں ہے:

اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متاثر نہ ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے یا سرے سے سینگ ہی نہیں ہیں، جیسے اونٹ کے تو بلا کراہت جائز ہے۔ (فتاویٰ بینات، جلد چہارم، ص ۵۶۲، از قلم حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ)۔  
دوسری جگہ مذکور ہے:

...سینگ ٹوٹ چکا ہے لیکن بنیادی جڑ باقی ہے، ابھری ہوئی ہڈی نظر آتی ہے تو اس کی قربانی درست ہے ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۵۷۱، از قلم مفتی عبدالسلام صاحب)۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ہدایہ اور حجتہ اللہ البالیہ کی عبارات میں تطبیق دینے کے بعد رقمطراز ہیں:  
الحاصل: تین چیزیں الگ الگ ہیں: (۱) جماء: جس کے پیدائشی سینگ نہیں۔ (۲) مکسورہ: جس کا سینگ ٹوٹ گیا ہو۔ (۳) اعضب: جس کا سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو۔ پہلی دو کی قربانی درست ہے، اخیر کی درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۷۸، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۰۹-۴۱۰، مکتبۃ الاحسان دیوبند)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بوقت ذبح سینگ کے جڑ سے ٹوٹ جانے کا حکم:

**سوال:** قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت بھاگ گیا اور اس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا۔ تو کیا ایسے جانور کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** بوقت ذبح کوئی مانع عیب جانور میں آجائے تو اس کی قربانی جائز ہے۔ لہذا بصورت مسئلہ بوقت ذبح جڑ سے ٹوٹے ہوئے سینگ والے جانور کی قربانی جائز اور درست ہوگی۔ کیونکہ اس سے بچنا ناگزیر ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو أضحجها فاضطربت فانكسرت رجلها فذببحها أجزأه استحساناً. (الهداية: ۴/۴۸۷)۔



وفی العناية: قوله فانكسرت رجلها، من باب ذكر الخاص وإرادة العام فإنه إذا أصابها مانع غير الانكسار بالاضطراب حالة الاضجاع للذبح كان الحكم كذلك . (العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير: ۵۱۶/۹).

مجمع الأنهر میں ہے:

ولا يضر تعييبها من اضطرابها عند الذبح ، وفي الهداية ولو أضجعها... لأن حالة الذبح ومقدماته ملحق بالذبح فكانه حصل به اعتباراً وحكماً وكذا لو تعيبت في هذه الحالة فانفلتت ثم أخذت من فوره وكذا بعد فوره عند محمد خلافاً لأبي يوسف . (مجمع الأنهر: ۵۲۰/۲).

وفی البدر المنتقى: ومفاده ترجيح قول محمد وبه جزم في المضمرات فقال: ولو تركها في ذلك اليوم وذبحها في الغد أجزأته . (بدر المنتقى في شرح الملتقى: ۵۲۰/۲).

وكذا في الفتاوى التاتارخانية، وزاد عليه بقوله: وفي العتابة: وعليه الفتوى. [أى على قول محمد]. (الفتاوى التاتارخانية: ۴۳۳/۱۷، ط: ديوبند).

وللاستزادة انظر: (المرامح المختار مع رد المحتار: ۳۲۵/۶، سعيد، والبحر الرائق: ۱۷۷/۸، كوثنه، والفتاوى الولولجية: ۸۱/۳، بيروت).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اس کی قربانی کر دی جائے، قربانی کے لیے گرانے سے اگر ایسا عیب پیدا ہو جائے تو اس سے قربانی میں خرابی نہیں آتی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷۷/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

پیدائشی کان نہ ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہو یا پیدائشی دم نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ نیز کان کٹا ہوا ہو تو قربانی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** مشہور اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ جس جانور کے پیدائشی کان یا دم نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اگر کان یا دم پیدائشی طور پر نہ ہو تو اس جانور کی قربانی جائز اور درست ہے، لہذا اگر کسی نے قربانی کر لی تو اس روایت کی روشنی میں اعادہ کا حکم نہیں دیا جائیگا۔ اور اگر کان ایک ٹلٹ سے زائد کٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اس سے کم میں گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: ولا النى لا إلیة لها خلقة، الشاة إذا لم یکن لها أذن ولا ذنب خلقة. قال محمد: لا یكون هذا ولو كان لا یجوز، وذكر فی الأصل عن أبي حنیفةؒ أنه یجوز، خانیة، ثم قال: وإن كان لها إلیة صغيرة مثل الذنب خلقة جاز أما علی قول أبي حنیفةؒ فظاهر لأن عنده لو لم یکن لها أذن أصلاً ولا إلیة جاز، وأما علی قول محمدؒ صغيرة الأذنين جائزة، وإن لم یکن لها إلیة ولا أذن خلقة لا یجوز. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۵، سعید).

(و کذا فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیة: ۳/۳۵۳).

وفی لسان الحکام: قال: فإن لم یکن لها أذن خلقة لا تجوز، وكذا إذا لم یکن لها إحدى الأذنین. وروی الحسن عن أبي حنیفةؒ: إن لم یخلق لها أذن تجوز، وهكذا روي عن محمدؒ. (لسان الحکام، ص ۳۸۷، کتاب الاضحیة، دار الفکر، وخلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۲۰).

محیط بہانی میں ہے:

وروی أسد بن عمرو عن محمد ما لم یخلق لها أذان ینجوز، وفی الضحایا للحسن بن زباد، قال ابو حنیفةؒ: جاز إذا خلقت بلا أذنین. (المحیط البرہانی: ۶/۴۷۸، مکتبہ رشیدیہ، و کذا فی الفتاویٰ التاتاریخانیة: ۱۷/۴۲۷، دیوبند).

وفی الفتاویٰ الولوالجیة: ولا یجوز أن یضحی بشاة لیس لها أذان، خلقت كذلك؛ لأنها لو كانت فائتة إحدى الأذنین بعارض، فلا یجوز، فإذا كانت فائتة الأذنین من الأصل أولى أن لا تجوز. (الفتاویٰ الولوالجیة: ۳/۸۱، بیروت). (و کذا فی الہدایة: ۴/۴۸۸).

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وقال الفقيه أبو الليث: إن كانت الأضحية مقطوعة الأذن الواحدة أكثر من الثلث لا يجوز في قول أبي حنيفة. (فتاویٰ قاضیخان عنی هامش الفتاویٰ الهندیة: ۳/۳۵۲).

وفیه أيضاً: والصحيح أن الثلث ومادونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى. (فتاویٰ قاضیخان: ۳/۳۵۴).

فتاویٰ بینات میں ہے:

جس جانور کا پیدائشی طور پر کان یا دم نہیں یا کان اور دم میں سے ایک تہائی سے زیادہ حصہ نہیں ہے تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کان اور دم دو تہائی باقی ہیں تو اس کی قربانی درست ہوگی۔ (فتاویٰ بینات: ۴/۵۷۱)۔  
مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رسمیہ: ۵/۴۱۰، دیوبند، وجوہ الفقہ: ۶/۳۲۶، کراچی)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## پیدائشی چھوٹے کان والے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کسی جانور کے پیدائشی طور پر کان بہت چھوٹے ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جس جانور کے کان پیدائشی طور پر چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہوا الدر المختار میں ہے:

فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت. (الدر المختار: ۶/۳۲۴، سعید).

عالمگیری میں ہے:

وتجزئ السكاء وهي صغيرة الأذن. (الفتاویٰ الهندیة: ۵/۲۹۷، بدائع الصنائع: ۵/۷۵، سعید).

وفی المبسوط: فأما صغيرة الأذن تجزئ لأن الأذن منها صحيحة وإن كانت

صغيرة. (المبسوط للإمام السرخسی: ۱۲/۱۷، ط: بیروت).

وفی المحيط البرہانی: وفي "زيادات نوادر هشام" قال أبو حنيفة: إذا كان لها

أذنان صغیران یجوز . (المحیط البرہانی: ۶/۴۷۸، مکتبہ رشیدیہ).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

جس جانور کے کان پیدا کئی چھوٹے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۱۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## شرقاء اور خرقاء جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** حدیث شریف میں شرقاء اور خرقاء جانور کی قربانی کی ممانعت آئی ہے، حالانکہ فقہاء کے نزدیک اگر نصف یا ثلث سے کم کٹا ہو تو اس جانور کی قربانی کی گنجائش ہے۔ کیا فقہاء کا یہ قول حدیث کے خلاف تو نہیں؟

**الجواب:** حدیث شریف ملاحظہ ہو:

عن علي رضی اللہ عنہ قال: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن ولا نصحي بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء.... (رواه أبو داود: ۲/۳۸۸، ط: فیصل، والترمذی: ۱/۲۷۵).

وعن علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يصحى بعضباء الأذن والقرن. (أبو داود: ۲/۳۸۸).

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خرقاء شرقاء جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، لیکن یہ روایات مجمل ہیں اور حضرت قتادہؓ کی حدیث مفسر ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ جس جانور کا کان نصف یا نصف سے زیادہ کٹا ہو اس کی قربانی درست نہیں، اور اگر نصف سے کم کٹا ہوا ہے تو اس جانور کی قربانی درست ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ نصوص میں جب مجمل اور مفسر جمع ہو جائیں تو مفسر کو مجمل کی وضاحت مان کر اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ کی حدیث مفسر ملاحظہ فرمائیں:

أخرج أبو داود عن قتادة قال: قلت لسعيد بن المسيب: ما الأعضب؟ قال النصف

قال العلامة ظفر أحمد العنماني: أقول: ما ورد في حديث علي<sup>عليه السلام</sup> أنه صلى الله عليه وسلم نهى أن يضحي بعضاء الأذن والقرن فتفصيله أن العضب في الأذن أن يكون النصف فما فوقه مقطوعاً، كما رواه شعبة عن قتادة عن سعيد بن المسيب ويرجع إليه ما روى هشام عن قتادة أنه قال: قلت: لسعيد بن المسيب: ما الأعضب؟ قال: النصف فما فوقه، بأن يقال معنى قوله: ما الأعضب أي ما أعضب الأذن؟ جمعاً بين الروايات إرجاعاً للمجمل إلى المفسر،... فتحصل من ذلك جواز التضحية بما قطع أقل من نصف أذنها،... وعدم جواز ما قطع النصف من أذنها أو أكثر من ذلك... هذا هو وجه المسألة. (إعلاء السنن: ۲۳۶/۱۷-۲۳۷، باب ما يجوز التضحية بها وما يكره، إدارة القرآن).

وفى بذل المجهود: ولا خرقاء أي مشقوبة الأذن ثقباً مستديراً، ولا شرقاء: أي مشقوقة الأذن طولاً من الشق، وهو الشق، وقيل: الشرقاء: ما قطع أذنها طولاً والخرقاء ما قطع أذنها عرضاً. قال المظهر: لا تجوز التضحية بشاة قطع بعض أذنها عند الشافعي، وعند أبي حنيفة يجوز إذا قطع أقل من النصف، ولا بأس بمكسورة القرن. قال الطحاوي: أخذ الشافعي بالحديث المذكور، وما قاله أبو حنيفة هو الوجه، لأنه يحصل به الجمع بين هذا وحديث قتادة،... وأما قول ابن حجر: وعند أبي حنيفة يجرى ما قطع دون نصف أذنه وهو تحديد يحتاج لدليل، فهو إنما نشأ من قلة الإطلاع على أدلة المجتهدين، وإلا فالمجتهد أسير الدليل. (بذل المجهود: ۵۵۵/۹، ط: دار البشائر الإسلامية).

وأخرج أبو داود عن عبيد بن فيروز أنه قال سألت البراء بن عازب<sup>رضي الله عنه</sup>: ما لا يجوز في الأضاحي؟ فقال: قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم... فقال: أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بين عورها، والمریضة بين مرضها، والعرجاء بين ظلعها، والكبير التي لا تنقى... (أبو داود: ۳۸۷/۲، فيصل).

قال العلامة في إعلاء السنن: قال العبد الضعيف: قال الخطابي في حديث البراء: إن

فيه دليلاً على أن العيب الخفيف في الضحايا معفو عنه ، ألا تراه يقول : بين عورها ...  
فالقليل منه غير بين ، فكان معفواً عنه ، انتهى . (اعلاء السنن: ۱۷/۲۳۸، إدارة القرآن ، كراتشي) .  
آخر میں فقہاء کی عبارات ملاحظہ فرمائیں :

قال في "رد المحتار": (قوله ومقطوع أكثر الأذن) في البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية ... وذكر في الجامع الصغير إن كان كثيراً يمنع ، وإن كان يسيراً لا يمنع . واختلف أصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير؟ فعن أبي حنيفة أربع روايات: روى محمد عنه في الأصل والجامع الصغير أن المانع ذهب أكثر من الثلث وعنه أنه الثلث ، وعنه أنه الربع ، وعنه أن يكون الذاهب أكثر من الباقي أو مثله ، بالمعنى والأولى هي ظاهر الرواية ، وصححها في الخانية حيث قال : والصحيح أنه الثلث ، وما دونه قليل ، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى ، ومشى عليها في مختصر الوقاية والإصلاح . (رد المحتار: ۶/۳۲۳، ۳۲۴، سعيد) .  
(و كذا في فتاوى قاضی خان: ۳/۳۵۴) .

قال في القدوري: فإن كان بقي الأكثر من الذنب والأذن جاز . وقال الشيخ قاسم بن قطلوبغا: قوله بقي الأكثر ، الخ . قال الزاهدي: واختار أبي الليث أنه إذا بقي الأكثر من الأذن والذنب والعين ونحوها جاز وعليه الفتوى ، وهذا ظاهر الرواية على ما في الذخيرة ، قال: ذكر في ظاهر الرواية أن الثلث وما دونه قليل ، والله أعلم . (التصحيح والترحيح على مختصر القدوري، ص ۱۹، ط: بيروت) .

قال العلامة العيني في شرح الكنز: ولا يضحى بما هو مقطوع أكثر الأذن ... لنقول علي رضي الله تعالى عنه: "أمرنا النبي صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن، وأن لا نضحى بمقابلة ولا مدبرة ولا شرقاء ولا خرقاء"، رواه أبو داود والترمذي وصححه ... وقيد بقوله: أكثر الأذن؛ لأنه إذا بقي أكثرها جاز . (رمز الحقائق في شرح كنز الدقائق: ۲/۳۶۹، ط: بيروت) .

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب "جواہر الفقہ" میں فرماتے ہیں :

جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا ذم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (جوامع الفقہ: ۶/۲۷۷، دارالعلوم کراچی)۔

فقہاء کی درج کردہ عبارات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فقہاء نے یہ قول ”نصف یا ثلث سے زائد باقی ہو تو قربانی جائز ہے“ احادیث کے درمیان تطبیق دیکر مستحب فرمایا ہے، جیسا کہ علامہ عینیؒ نے حدیث ”شرقاء و خرقاء“ کو اکثر مقطوع الاذن کی علت کے تحت بیان فرمایا۔

صاحب بدائع نے فرمایا کہ یہ نہی تنزیہی ہے لہذا اس پر عمل مستحب ہوگا، اور اس کے خلاف کراہت تنزیہی ہوگی۔

قال: فالنہی فی الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول علی النذب . (بدائع الصنائع:

۷۶/۵، سعید). واللہ اعلم۔

بسم الله الرحمن الرحيم

عبارات الكتب  
فى  
التوضیة بمقطوع  
الذنب



## ”عبارات الكتب فی التضحیۃ بمقطوع الذنب“

### دُم بریدہ جانور کی قربانی کا حکم

**سوال:** یہاں جنوبی افریقہ میں اکثر دنبوں کی دم پیدائش کے بعد کاٹ دیتے ہیں، اور ماہرین کہتے ہیں کہ اس کے باقی رکھنے میں ایک خاص بیماری یا پیلاہین اور کمزوری وغیرہ کے ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ اب دریافت طلب امور حسب ذیل درج ہیں:

(۱) اگر دُم بریدہ دنبہ کی عمر پوری ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟  
(۲) فقہاء نے ناجائز لکھا ہے تو یہ مسئلہ نص پر مبنی ہے یا اس کو عیب شمار کر کے ناجائز فرمایا ہے جب کہ یہاں جنوبی افریقہ میں عیب نہیں؟

(۳) دنبہ بڑا ہونے کے بعد دُم بریدہ نظر نہیں آتا بلکہ عام مشاہدہ میں چھوٹی دُم والا معلوم ہوتا ہے؟

(۴) اگر قدرتی طور پر خلقت دُم نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۵) دُم بریدہ جانور کی قربانی کا عدم جواز متفق علیہ ہے یا صرف احناف کا مذہب ہے؟

(۶) دُم کتنی کٹی ہو تو معاف ہے اس کا معیار کیا ہے؟ بینوا بالتفصیل تو حروا بأجر جزیل۔

**الجواب:** (۱) اس مسئلہ میں عصر حاضر کے مفتیان کرام کی آراء مختلف ہیں، اکثر حضرات فقہاء کی

عبارات کے پیش نظر ناجائز فرماتے ہیں۔ اور بعض حضرات فرماتے ہیں اس عمل کو یہاں کے مقامی حالات اور آب و ہوا کے اعتبار سے عیب شمار نہیں کیا جاتا بلکہ زیادتی صحت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ لہذا عرف عام اور مستند اطباء کی رائے کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کو عیب شمار نہیں کرنا چاہئے۔ اور دُم بریدہ جانور کی قربانی کی گنجائش ہونی چاہئے۔ بلکہ دُم بریدہ جانور کی قربانی کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور کتنی کٹی ہو اس کی تحدید بھی مذکور نہیں ہے۔

ہاں احتیاط یہ ہے کہ اگر دم والا جانور کسانے میسر ہو تو وہ بہتر ہے۔

ناجائز کہنے والوں کے دلائل ملاحظہ ہو:

قال فی الهدایة: ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب أما الأذن فلقلوله عليه السلام:

استشرفوا العين والأذن أى اطلبوا سلامتهما، وأما الذنب فلائنه عضو كامل مقصود فصار

كالأذن . (الهداية: ۴/۴۳۱).

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذى يرجع إلى محل التضحية فنوعان أحدهما سلامة المحل عن العيوب

الفاحشة فلا تجوز... مقطوعة الأذن والألية بالكلية . (بدائع الصنائع: ۵/۷۵، سعید).

(و كذا فى الفقه الحنفى فى توبه الجديد: ۵/۲۱۲، وفتاوى رحيمه: ۵/۵، وفتاوى بينات: ۴/،

وجواهر الفقه: ۶/۵۷۱، وعمدة الفقه: ۴/۲۴۳).

جواز والوں کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی<sup>رحمۃ اللہ علیہ</sup> احسن الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

سوال: دُبے کی چکتی کے نیچے چھوٹی سی دُم لگی رہتی ہے، یہ دُم اگر ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی جائز ہے

یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب:

دُبے کی دُم کا اعتبار نہیں، لہذا پوری دُم کٹی ہوئی ہو تو بھی قربانی جائز ہے۔ قال العلامة الحصكفي

رحمه الله تعالى: ولا التي لا إلية لها خلقه، مجتبی. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله

تعالى:

قوله: ولا التي لا إلية لها خلقه، الشاة إذا لم يكن لها أذن ولا ذنب خلقه. قال محمد:

لا يكون هذا ولو كان لا يجوز، وذكر في الأصل عن أبي حنيفة أنه يجوز، خانية، ثم قال: وإن

كان لها إلية صغيرة مثل الذنب خلقه جاز أما على قول أبي حنيفة فظاهر لأن عنده لو لم يكن

لہا اذن أصلاً ولا إلیہ جاز، وأما علی قول محمدؐ صغیرۃ الأذنین جائزۃ، وإن لم یکن لہا إلیہ ولا اذن خلقۃ لا یجوز۔ (فتاوی الشامی: ۳۲۵/۶، سعید)۔ (احسن الفتاوی: ۵۱۷/۷)۔

(وکذا فی فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الہندیۃ: ۳/۳۵۳)۔

درج ذیل وجوہات کی بنا پر مفتی رشید احمد صاحب کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

نصوص میں جن عیوب کا تذکرہ ملتا ہے وہاں دم بریدہ ہونے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ لہذا دم بریدہ ہونے کا عیب قیاسی ہے منصوص نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد میں روایت موجود ہے:

عن عبید بن فیروز قال سألت البراء بن عازب: ما لا یجوز فی الأضاحی؟ فقال: قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... فقال: ”أربع لا تجوز فی الأضاحی: العوراء بین عورہا، والمریضة بین مرضہا، والعرجاء بین ظلعہا، والكبیر التی لاتنقی“۔ قال: قلت: فإنی أكره أن یكون فی السن نقص، فقال: ”ما كرهت فدعه ولا تحرمه علی أحد۔ (ابو داؤد: ۳۸۷/۲)۔

وفي رواية ابن ماجه قال: فإنی أكره أن یكون نقص فی الأذن... (رواہ ابن ماجہ، ص ۲۲۷)۔

عن عليؑ قال: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن نستشرف العین والأذن ولا ننضحی بعوراء ولا مقابلة ولا مدابرة ولا خرقاء ولا شرقاء... (رواہ ابو داؤد: ۳۸۸/۲، الترمذی: ۱/۲۷۵، وابن ماجہ، ص ۲۲۷)۔

وعن یزید ذو مضر قال: أتیت عتبۃ بن عبد السلمی فقلت: یا أبا الولید إني خرجت التمس الضحایا... إنما نهی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشیعة والكسراء۔

فالمصفرة: التی یستأصل أذنها حتی یبدو سماخها، والمستأصلة: قرنھا من أصلہ، والبخقاء: التی تبخق (تذهب) عینھا، والمشیعة: التی لاتتبع الغنم عجفاً وضعفاً،

والکسراء: الکسيرة (مکسورة الرجل). (أبو داود شریف: ۲/۳۸۷).

وعن علي رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يضحي بعضاء الأذن والقرن.  
(أبو داود: ۲/۳۸۸، وابن ماجه، ص ۲۲۷).

أخرج أبو داود عن قتادة قال: قلت لسعيد بن المسيب: ما الأعضب؟ قال النصف  
فما فوقه. (أبو داود، رقم: ۲۸۰۶).

مذکورہ بالا نصوص میں جو عیوب بیان ہوئے ہیں ان میں کہیں دم پریدہ ہونا مذکور نہیں ہے، اس کے بر  
خلاف ابن ماجہ شریف اور دیگر کتب حدیث کی روایت سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: ابتعنا كبشاً نضحى به فأصاب الذئب من الألية أو  
أذنه وسألنا النبي صلى الله عليه وسلم فأمرنا أن نضحى به. (سنن ابن ماجه، ص ۲۲۷).

قال ابن الملقن في "البدر المنير" (۳۲۱/۹، كتاب الضحايا، الحديث السادس بعد الثلاثين): ورواه  
أبو حاتم بن حبان في "ثقافته" بالسند المذكور ولفظه: "اشتريت كبشاً أضحي به فقطع  
الذئب إيته — أو من الألية... الخ. ورواه ابن حزم في "محلاه" بالسند المذكور ولفظه:  
فعدا الذئب على ذنبه فقطعه... الخ؛... قال البيهقي (السنن الكبرى: ۹/۲۸۹، بيروت، ومعرفة السنن  
والآثار: ۱۴/۵۰): وروى الحجاج ابن أرطاة، عن شيخ من أهل المدينة، عن أبي سعيد الخدري  
قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا بأس بالأضحية المقطوعة الذئب". قال:  
وهذا مختصر من الحديث الأول؛ فقد رواه حماد بن سلمة، عن حجاج، عن عطية، عن  
أبي سعيد رضی اللہ عنہ "أن رجلاً سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن شاة قطع [الذئب] ذنبها يضحي  
بها؟ فقال: ضح بها.

(وكنذا في التلخيص الحبير: ۴/۱۹۷۶/۳۵۵، بيروت).

روایات بالا میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ دم ایک تہائی سے کم کئی تھی، اس لیے یہ قید لگانا کہ دم تھوڑی سی کٹی تھی  
بظاہر بے دلیل ہے۔

ملاحظہ ہو شرح وقایہ کے حاشیہ میں مولانا فتح محمد صاحب فرماتے ہیں:

وما روی ابن ماجہ من أبي سعيد الخدري ... محمول علی أن مطلق الذهاب من الألیة أو الأذن ليس بشيء، ولا دلالة للحديث علی ذهاب الأکثر فلا تقوم حجة. (تکملة عمدة الرعاية: ۱/۴۱۷، مسعید).

مطلب یہ ہے کہ حدیث بالالا میں مطلق دُم بریدہ ہونا مراد ہے، اس حدیث سے دُم کا ٹکٹ سے کم حصہ کٹا ہوا مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

اگرچہ مذکورہ بالا روایات پر کلام ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

بعض مشائخ نے عیوب کی معرفت کے لیے ایک اصول بیان کیا ہے کہ ہر وہ چیز جو کسی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری جمال کو بالکل ختم کر دے تو وہ عیب ہے، اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں۔  
ملاحظہ ہو علامہ زبیلیؒ اس اصول پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

و من المشائخ من یذکر فی هذا الفصل أصلاً ویقول: کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال علی الکمال یمنع وما لا یكون بهذه الصفة لا یمنع. (تبيين الحقائق: ۶/۶، مستان، و کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۹۹، والمحیط البرہانی: ۶/۴۷۹، مکتبہ رشیدیہ).

قاموس الفقہ میں ہے:

عیوب کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اگر اس سے کوئی خاص قسم کی منفعت یا ظاہری جمال بالکل ختم ہو جائے تو اس جانور کی قربانی درست نہ ہوگی اور اگر ایسا نہ ہو تو قربانی جائز ہوگی۔ (قاموس الفقہ: ۲/۱۵۷)۔

لیکن مسئلہ بھوٹ عنہا میں پیدائش کے بعد فوراً دم کاٹ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے ہونے کے بعد دُم بریدہ معلوم نہیں ہوتے۔ بنا بریں اس کو عیب شمار کرنا مشکل ہے۔

بعض فقہاء نے یہ فرمایا کہ دم عضو کامل ہے اور دم بریدہ ہونے کی صورت میں کامل عضو ختم ہو جاتا ہے، اس لیے یہ عیب ہے اور قربانی جائز نہیں ہوگی؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ دم اگرچہ عضو کامل ہے لیکن اس کے کاٹنے کی وجہ سے عیب پیدا نہیں ہوتا،

بلکہ ماہرین کے نزدیک اس کی صحت دو بالا ہو جاتی ہے، کیونکہ دنبہ کی دم تقریباً ۱۸ انچ لمبی ہوتی ہے، جب غلاظت ڈالتا ہے تو دم ملوث ہوتی ہے اور مکھیوں کے بیٹھنے کی وجہ سے رفتہ رفتہ جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے دنبہ مسلسل نکالیف کا شکار ہو کر دبلا پتلا ہونا شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور قربانی میں افضل و بہتر یہ ہے کہ صحت مند موٹا تازہ جانور ذبح کیا جائے، خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خوبصورت موٹے تازے دنبہ کی قربانی فرمائی تھی۔ ملاحظہ ہوسن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين أقرنين أملحين موجوئين فذبح أحدهما عن أمته... الخ. (رواه ابن ماجه، رقم: ۳۱۲۲، واحد، رقم: ۲۵۸۸۵، والحاكم، رقم: ۷۵۴۷)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها أحسنها وأعظمها لأنها مطية الآخرة. (بدائع الصنائع: ۵/۸۰، سعيد)۔

مزید براں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے جیسا کہ روایت بالا میں مذکور ہوا، اگرچہ خصی جانور کا ایک عضو مغل ہو گیا لیکن اس کی وجہ سے گوشت میں لذت اور اضافہ ہوا اس وجہ سے عیب شمار نہیں کیا۔ اسی طرح دم بریدہ جانور کا ایک عضو فوت ہوا لیکن اس کی وجہ سے صحت طاقت اور گوشت میں اضافہ ہوا بنا بریں عیب شمار نہیں کرنا چاہیے۔

قال في البدائع: روى عن أبي حنيفة أنه سئل عن التضحية بالخصي فقال: ما زاد في لحمه أنفع مما ذهب من خصيته. (بدائع الصنائع: ۵/۸۰، سعيد)۔

وقال في "اللفق الحنفی فی ثوبہ الجدید" (۲۱۰/۵): وأخرج أبو داود... عن جابر رضی اللہ عنہ ذبح النبي صلى الله عليه وسلم كبشين أقرنين أملحين موجوئين... وفيه جواز الخصي في الأضحية، وقد كرهه بعض أهل العلم لنقص العضو لكن ليس هذا عيباً، لأن الخصاء يفيد اللحم طيباً، وينفي عنه الزهومة وسوء الرائحة. (وكذا في تكملة فتح الملهم: ۳/۵۶۲)۔

امداد الفتاویٰ میں حضرت حکیم الامت ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہے:

سوال: خسی تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک کے خسیے مل دیتے ہیں، اور دوسرے کے چڑھا دیتے ہیں، اور تیسرے کے نکال دیتے ہیں، ان تینوں میں کون درست یا ہر سہ درست ہیں، اور جب کہ خسیہ نکل گیا، تو تہائی سے زیادہ عضو بلکہ ثابت عضو جاتا رہا۔

الجواب: تینوں درست ہیں، اور یہ عضو چونکہ مقصود نہیں، بلکہ اخفاء سے گوشت اور بھی عمدہ ہو جاتا ہے، لہذا اس کا ذہاب مضر نہیں، جیسا کہ عالمگیری میں محبوب کی قربانی کا جواز مصرح ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۴۹/۳)۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اگر فوت عضو کا شبہ ہو تو فوت وہ مانع ہے جو منقص قیمت ہو، اور اس سے قیمت اور بڑھ جاتی ہے، لہذا مضر نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۵۰/۳)۔

نیز ذنب بڑا ہونے کے بعد دم بریدہ معلوم نہیں ہوتا، بلکہ خلقۃ چھوٹی دم والا محسوس ہوتا ہے، اور فقہاء کی تصریح کے مطابق جس جانور کی دم خلقۃ چھوٹی ہو اس کی قربانی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وإن كان لها إلیة صغيرة خلقة مثل الذنب خلقة جاز. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیة: ۳۵۳/۳)۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

والتي لها إلیة صغيرة تشبه الذنب يجوز. (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الہندیة: ۹۳/۲، والفتاویٰ الہندیة: ۲۹۷/۵، والمحیط البرہانی: ۶/۴۷۸، مکتبہ رشیدیہ، بولسان الحکام، ص ۳۸۸، نوع فی العیوب)۔ نیز جس جانور کی دم قدرتی طور پر نہ ہو اس کی قربانی بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور اکثر حضرات نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله: ولا التي لا إلیة لها خلقة، الشاة إذا لم یکن لها أذن ولا ذنب خلقة. قال محمد:

لا يكون هذا ولو كان لا يجوز، وذكر في الأصل عن أبي حنيفة أنه يجوز، خانية، ثم قال: وإن كان لها إلية صغيرة مثل الذنب خلقة جاز أما على قول أبي حنيفة فظاهر لأن عنده لو لم يكن لها أذن أصلاً ولا إلية جاز، وأما على قول محمد صغير الأذنين جائزة، وإن لم يكن لها إلية ولا أذن خلقة لا يجوز. (فتاوى الشامى: ۶/۳۲۵، سعيد).

(و كذا في فتاوى قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة: ۳/۳۵۳).

وفي لسان الحکام: وإن لم يكن لها إلية، خُلِقَتْ كذلك، قال محمد: لا تجوز. (لسان الحکام، ص ۳۸۸، دار الفکر).

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ بیات: ۴/۵۷۱، وجواب الفقہ: ۶/۳۲۶، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۱۰، عمدۃ الفقہ: ۴/۶۳۳)۔

البتہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اختیار فرمایا ہے۔ جیسا کہ بحوالہ احسن الفتاویٰ مذکور ہوا۔

✽ نیز دم کے مسئلہ کو فقہاء نے کان اور سینگ پر قیاس کیا ہے، لہذا یہ منصوص نہیں ہے بلکہ قیاسی ہے۔

ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولا تجزئ مقطوعة الأذن والذنب أما الأذن فلقلوله عليه السلام: استشرفوا العين والأذن أى اطلبوا سلامتهما، وأما الذنب فلأنه عضو كامل مقصود فصار كالأذن. (الهداية: ۴/۴۳۱).

عموم بلوئی و عرف عام کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جاسکتا ہے، جب کہ مذکورہ نصوص بھی اسی کی مؤید ہیں، اگرچہ احادیث ضعیف ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

ثم اعلم أن العرف قسمان عام وخاص فالعام يثبت به الحكم العام ويصلح مخصصاً للقياس والأثر بخلاف الخاص... قال في الذخيرة في الفصل الثامن من الإجازات في مسألة ما لو دفع إلى حائك غزلاً لينسجه بالثلث ومشايخ بلخ كنصير بن يحيى ومحمد بن سلمة



وغیرہما کانوا یجیزون هذه الإجارة فی الثیاب لتعامل أهل بلدهم فی الثیاب والتعامل حجة یتربک به القیاس ویخص به الأثر وتجوز هذه الإجارة فی الثیاب للتعامل بمعنی تخصیص النص الذی ورد فی قفیز الطحان لأن النص ورد فی قفیز الطحان لا فی الحائک إلا أن الحائک نظیره فیکون وارداً فیہ دلالة فمتی ترکنا العمل بدلالة هذا النص فی الحائک وعملنا بالنص فی قفیز الطحان کان تخصیصاً لا ترکاً أصلاً وتخصیص النص بالتعامل جائز ألا تری أنا جوزنا الاستصناع للتعامل والاستصناع بیع مالیس عنده وإنه منہی عنه وتجوز الاستصناع بالتعامل تخصیص منا للنص الذی ورد فی النهی عن بیع مالیس عند الإنسان لا ترک للنص أصلاً لأننا عملنا بالنص فی غیر الاستصناع . (شرح عقود رسم المفتی، ص ۴۱ و کذا فی رسالة " نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف " المندرجة فی رسائل ابن عابدین، ۲/ ۱۱۴، سہیل).

لہذا نص اذن اور قرن کے بارے میں موجود ہے، لیکن دُم کے بارے میں نص موجود نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے دُم کو ان دونوں پر قیاس کیا ہے، بایں طور کہ جس طرح مقطوع الاذن جانور عیب دار معلوم ہوتا ہے اسی طرح دُم بریدہ بھی عیب دار معلوم ہوتا ہے، اور عضو کا مل ہے، لیکن مقطوع الاذن کو عیب دار کہنا مسلم ہے، مگر دُم بریدہ جانور بڑا ہو جائے تو عیب دار معلوم نہیں ہوتا اور جمال میں کوئی خاص فرق نہیں آتا، بلکہ عرف عام اور اطباء کی تحقیق سے دُم بریدہ صحت مند اور پر گوشت ہوتا ہے، اس لیے یہاں قیاس متروک ہوگا اور عرف و عموم بلوئی پر عمل ہوگا، جب کہ مذکورہ بالا ضعیف احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں۔

✽ مزید برآں مذہب حنابلہ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو: علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (۵۴۱-۶۲۰ھ)

المغنی میں فرماتے ہیں:

وتجزئ البتراء وهی المقطوعة الذنب كذلك . (المغنی لابن قدامة

الحنبلی، ۵۸۵/۳، بیروت).

"العدة شرح العدة" میں علامہ بہاء الدین المقدسی الحنبلیؒ (۵۵۱-۶۲۳ھ) فرماتے ہیں کہ دُم عضو مقصود نہیں ہے، لہذا دُم بریدہ جانور کی قربانی جائز اور درست ہے۔

والأبتر المقطوع الذنب لأن ذلك ليس مقصود . (العدة شرح العمدۃ، ص ۲۰۸ بیروت).

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی نہیں ہے بلکہ حنابلہ کے ہاں دُوم بریدہ جانور کی قربانی جائز ہے۔

﴿مقطوع الاذن اور مقطوع الذنب کا معیار:﴾

مذہب احناف میں کان اور دُوم ایک تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ یہ ظاہر الروایہ اور مفتی بہ قول ہے۔ تاہم احناف کے ہاں اس بارے میں چار اقوال ہیں، جن کو اکثر فقہاء نے ذکر فرمایا ہے، اور دو اقوال کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

(۱) ثلث یا ثلث سے کم کٹی ہو تو جائز ہے، لیکن ثلث سے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے۔ یہ ظاہر الروایہ اور مفتی بہ ہے اور اکثر مشائخ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور یہ قول مبنی بر احتیاط بھی ہے۔ والاحتیاط ألیق بالعبادات۔  
(۲) نصف یا نصف سے کم کٹی ہو تو جائز ہے لیکن نصف سے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے۔ یہ صاحبین کا قول ہے اور بعض نے اس قول کو اختیار فرمایا ہے، یہ قول اوسح والیر للناس ہے۔ بوقت ضرورت عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ومقطوع أكثر الأذن) فی البدائع: لو ذهب بعض الأذن أو الألية ... وذكر فی الجامع الصغير إن كان كثيراً يمنع ، وإن كان يسيراً لا يمنع . واختلف أصحابنا فی الفاصل بین القلیل والكثیر؟ فعن أبي حنیفة أربع روايات: روى محمد عنه فی الأصل والجامع الصغير أن المانع ذهب أكثر من الثلث وعنه أنه الثلث ، وعنه أنه الربع ، وعنه أن يكون الذاهب أكثر من الباقي أو مثله، بالمعنى والأولى هي ظاهر الرواية ، وصححها فی الخانية حيث قال: والصحيح أنه الثلث، وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى، ومشى عليها في مختصر الوقاية والإصلاح، والرابعة هي قولهما... وهو اختيار الفقيه إبي الليث... الخ. (رد المحتار: ۶/۳۲۳، ۳۲۴، سعيد). (وكذا فی فتاویٰ قاضیخان: ۳/۳۵۳، وكذا فی

التصحيح والترييح للعلامة قاسم بن قطلوبغا، وحاشية الدرر، والهداية).

حاشیہ الطحاوی علی الدر میں ہے:

ومقطوع أكثر الأذن هو اختيار أبي الليث وعليه الفتوى صح عن المجتبی، وفي الشرنبلالية عن قاضي خان: الصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى، فقد اختلف الإفتاء. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۶۵/۴، کوئٹہ).

وينظر: (بدائع الصنائع: ۵/۵، سعید، والمحیط البرهانی: ۳۷۹/۶، مکتبہ رشیدیہ).

احسن الفتاویٰ میں نصف والے قول کو ترجیح دی ہے۔ ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۵۱۵/۷)۔

حضرت مولانا سید زوار حسین صاحب نے عمدۃ الفقہ میں عمدہ تطبیق فرمائی ہے:

پہلے قول (ثلث) میں جو کہ ظاہر الروایہ ہے زیادہ احتیاط ہے اور ہمارے علماء نے فتویٰ کے لیے اسی کو اختیار کیا ہے اور چوتھے قول (نصف) میں توسع ہے اور ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ یہ قول بھی مفتی بہ ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۶۳۳/۳)۔

مذکورہ بالا تفصیل میں تمام سوالات کے جوابات آ گئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تھن کئے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر جانور کے تھنوں میں سے ایک یا دو خراب ہوں تو قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر چار تھن والا جانور ہے، مثلاً گائے، بھینس، اونٹنی اور اس کا ایک تھن خراب ہے تو قربانی جائز ہے، لیکن اگر دو تھن خراب ہوں تو قربانی جائز نہیں ہے، اور اگر دو تھن والا جانور ہے، مثلاً بکری، بھیڑ وغیرہ اور اس کا ایک تھن خراب ہے تو قربانی جائز نہیں ہے۔ یا ایک تھن ایک ٹلٹ سے زیادہ خراب ہے تب بھی جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وفی الخلاصة: مقطوعة رؤوس ضروعها لاتجوز، فإن ذهب من واحدة أقل من النصف فعلى ما ذكرنا من الخلاف فى العين والأذن. وفى الشاة والمعز إذا لم يكن لهما إحدى حلمتيها حلقة أو ذهبت بأفة وبقيت واحدة لم يجز، وفى الإبل والبقر إن ذهبت واحدة يجوز أو اثنان لا، وذكر فيها جواز التى لا ينزل لها لبن من غير علة، وفى التاتارخانية والسطور لاتجزى، وهى من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعيها، ومن الإبل والبقر ما قطع من ضرعيها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع. (الدر المختار رد المحتار: ۶/۳۲۵، سعيد).

(وہکذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۹۸، ولسان الحکام، ص ۳۸۸، بخلاصة الفتاویٰ: ۴/۳۲۱).

وفی الفتاویٰ الہندیۃ: ومن المشائخ من یدکر لهذا الفصل أصلاً ویقول: کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال علی الکمال یمنع الأضحیة وما لا یكون بهذه الصفة لا یمنع. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۲۹۹، وکذا فی المحيط البرہانی: ۶/۴۷۹، الفصل الخامس من کتاب الاضحیۃ).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

گائے کے دو تھن اور بکری کا ایک تھن خراب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۳۸۷)۔

کفایت المفتی میں ہے:

اونٹنی، گائے، بھینس کے اندر ایک تھن خشک ہو جانے پر قربانی جائز ہوتی ہے۔ لیکن دو تھن خشک ہو جائیں یا کٹ جائیں تو قربانی جائز نہیں۔ (کفایت المفتی: ۲۰۴/۸، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ بینات میں ہے:

جس جانور کا تھن نہیں ہے، یا ہے لیکن خشک ہو چکا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۵۷۲/۴، مکتبہ بینات)۔ واللہ اعلم۔

گائے کا ایک تھن نہ ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: گائے کا ایک تھن گر گیا ہے اور تین باقی ہیں، اس صورت میں قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جس گائے کا ایک تھن نہ ہو یا خراب ہو اس کی قربانی جائز اور درست ہے البتہ دو تھن نہ ہوں یا خراب ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو لسان الحکام فی معرفۃ الاحکام میں علامہ ابن الشنہ الحکمی رقمطراز ہے:

وفی الإبل والبقر إن ذہبت واحدة یجوز، وإن ذہبت اثنتان لا یجوز، واللہ أعلم.  
(لسان الحکام، ص ۳۸۸، نوع فی العیوب)۔

وفی الخلاصة: وفي الإبل والبقر إن ذہبت واحدة تجوز وإن ذہبت اثنتان لا تجوز.  
(خلاصة الفتاوی: ۳۲۱/۴)۔ وکذا فی فتاوی الشامی: ۳۲۵/۶، و الفتاوی الہندیة: ۲۹۹/۵)۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اگر گائے کا ایک تھن نہ ہو تو قربانی اس کی درست ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶۸۰/۱، دارالاشاعت)۔

واللہ اعلم۔

گائے کے تین تھنوں میں دودھ نہ ہو تو قربانی کا حکم:

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے دودھ دینے والی ایک گائے خریدی اس گائے کے تین تھنوں میں

دودھ نہیں ہے اور ایک تھن میں دودھ ہے کیا اس گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر گائے کے تھن میں دودھ نہ آئے اور یہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو بلکہ ویسے ہی بلا علت دودھ منقطع ہو گیا ہو تو ایسی گائے کی قربانی جائز ہے، لیکن اگر کسی بیماری کے سبب گائے کے دو یا زیادہ تھنوں میں دودھ منقطع ہو گیا ہو تو ایسی گائے کی قربانی ناجائز ہے۔ بنابر یہ صورت مسئلہ میں اگر گائے کے تین تھنوں میں بلا کسی علت و بیماری دودھ نہیں آتا تو قربانی درست ہے، اور اگر کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو تو اس گائے کی قربانی کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وفي نظم الزندويستي خمسة عشر من الآفات لا يمنع جواز الأضحية... والتي لا ينزل لها لبن من غير علة. (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۲۱، مکتبہ رشیدیہ). (و کذا فی لسان الحکام، ص ۳۸۸).

وفي الشامي: وذكر فيها (ای الخلاصة) جواز التي لا ينزل لها لبن من غير علة. (فتاوی الشامي: ۶/۳۲۵، سعید). (و کذا فی الفتاوی الهندیة: ۵/۲۹۹).

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وفي العتابة: والسطور لا یجزئ وهي من الشاة ما قطع اللبن عن إحدى ضرعها ومن الإبل والبقر إذا انقطع اللبن من ضرعها لأن لكل واحد منهما أربع أضرع. (الفتاوی التاتارخانیة: ۱۷/۴۰۳، مکتبہ زکریا). (و کذا فی فتاوی الشامي: ۶/۳۲۵، سعید، و الفتاوی الهندیة: ۵/۲۹۹).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

گائے کے دو تھن اور بکری کا ایک تھن خراب ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۸۷)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**بغیر مرض کے دودھ خشک ہو جائے تو قربانی کا حکم:**

**سوال:** ایک بکری کے تھنوں میں دودھ خشک ہو گیا، اس کو بیماری وغیرہ کوئی چیز لاحق نہیں ہوئی تھی، کیا

ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر بغیر بیماری و مرض کے دودھ خشک ہو گیا تو اس جانور کی قربانی جائز ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں مذکور ہے:

وذكر فيها (الخلاصة) جواز التي لا ينزل لها لبن من غير علة. (فتاوى الشامى: ۳۲۵/۶،

سعيد).

عالمگیری میں ہے:

ويجوز... والتي لا ينزل لها لبن من غير علة. (الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵).

وفي لسان المحكم: والتي لا ينزل لها لبن من غير علة، والتي لها ولد تجوز. (لسان

المحكم، ص ۳۸۸، نوع فى العيوب، و كذا فى خلاصة الفتاوى: ۳۲۱/۴، المكتبة الرشيدية). والله تعالى اعلم۔

**حاملہ جانور کی قربانی کا حکم:**

**سوال:** ایک شخص نے قربانی کے لیے جانور خریدا، بعد میں پتہ چلا کہ یہ حاملہ (گاہجن) ہے، کیا اس کو

ذبح کرنا چاہئے یا نہیں؟ یعنی حاملہ جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اگر حاملہ کی ولادت کا زمانہ بالکل قریب نہ ہو تو قربانی درست ہے، ہاں قریب الولادت

جانور کا ذبح کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

فى الكفاية: إن تقارب الولادة يكره ذبحها. (رد المحتار: ۳۰۴/۶، سعيد).

وفي تقارير الرافعى: قوله فى الكفاية... الخ، نقل فى الكفاية هذا الفرع عن النوازل

ثم قال: لأن فيه تضييعاً للولد من غير فائدة. (التحرير المختار على الشامى: ۳۰۳/۶، سعيد).

خلاصة الفتاوى میں ہے:

رجل له شاة حامل أراد ذبحها إن تقاربت الولادة يكره الذبح وهذا عند أبي حنيفة بناء على أن الجنين لا يتذكى بذكاة الأم عنده. (خلاصة الفتاوى: ۴/۳۰۷، كتاب الذبائح، المكتبة الرشيدية).

وفى الفتاوى الهندية: شاة أو بقرة أشرفت على الولادة يكره ذبحها لأن فيه تضييع الولد وهذا قول أبي حنيفة لأن عنده الجنين لا يتذكى بذكاة الأم. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸۷، والفتاوى السراجية، ص ۳۹۱).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

گا بھن جانور کی قربانی جائز ہے لیکن اگر ولادت کا زمانہ بالکل قریب ہو تو مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۵۳، جامعہ فاروقیہ، واعداد الفتاویٰ: ۳/۵۵۹، واعداد الاحکام: ۳/۲۷۸)۔ واللہ اعلم۔

## خراب گوشت والے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کسی شخص نے عیوب مانعہ سے صحیح سالم گائے کی قربانی کر دی، لیکن قطع برید کے بعد پتہ چلا کہ اس کا گوشت کسی بیماری کی وجہ سے قابل استعمال نہیں ہے۔ تو اب قربانی ہوئی یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء کے بیان کردہ تمام عیوب ظاہرہ سے صحیح سالم جانور کی قربانی کر دینے کے بعد گوشت میں کوئی خرابی نظر آئی اور نہیں کھایا گیا تب بھی قربانی ادا ہوگئی، قربانی ادا ہونے کے لیے گوشت کا کھانا لازم نہیں ہے، ہاں پہلے سے کوئی بیماری لاحق ہوئی تھی جس کی وجہ سے گوشت خراب ہو گیا تھا تو ایسے معیوب جانور کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ فقہاء نے قربانی کے جانوروں کے عیوب شمار کرتے وقت ظاہری عیوب پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ جانور میں کچھ ہلکا سا عیب ہو تو وہ معاف ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قال القهستاني: واعلم أن الكل لا يخلو عن عيب، والمستحب أن يكون سليماً عن



وفی الفتاویٰ الہندیۃ: ومن المشائخ من یدکر لهذا الفصل أصلاً ویقول: کل عیب یزیل المنفعة علی الکمال أو الجمال علی الکمال یمنع الأضحیة وما لا یکون بهذه الصفة لا یمنع . (الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۹۹/۵، وکذا فی المحيط البرہانی: ۶/۷۹، مکتبہ رشیدیہ).

وأخرج أبوداود عن عبید بن فیروز أنه قال سألت البراء بن عازب: ما لا یجوز فی الأضحی؟ فقال: قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... فقال: أربع لا تجوز فی الأضحی: العوراء بین عورها، والمریضة بین مرضها، والعرجاء بین ظلعتها، والکبیر التی لا تنقی... (أبوداود: ۲/۳۸۷).

قال العلامة فی إعلاء السنن: قال العبد الضعیف: قال الخطابی فی حدیث البراء: إن فیہ دلیلاً علی أن العیب الخفیف فی الضحایا معفو عنه، ألا تراہ یقول: بین عورها... فالقلیل منه غیر بین، فكان معفواً عنه، انتهى.. (إعلاء السنن: ۱۷/۲۳۸، إدارة القرآن، کراتشی).

واللہ اعلم۔

## قربانی میں گھوڑ اذبح کرنے کا حکم:

سوال: کیا قربانی میں گھوڑ اذبح کرنا احادیث سے ثابت ہے سنا ہے کہ بعض غیر مقلد گھوڑ اذبح کرتے

ہیں؟

الجواب: گھوڑے کی قربانی کرنا احادیث سے ثابت نہیں ہے، ہاں نفس ذبح بخاری شریف کی

روایت سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو سلفیوں کے مقتدا شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں:

والشریعة جاءت بشروط معينة للأضحی، انتبهوا لها: الشرط الأول: أن تكون

بهیمة الأنعام... هی الإبل والبقر والغنم، لو أن الإنسان ضحی بفرس عن شاة هل تجزئ؟

لا، لا تجزئ الأضحیة لماذا؟ لأنه لیس من بهیمة الأنعام وإن کان ثمن الفرس یساوی

أضعاف أضعاف قيمة الشاة فإنه لا يجزئ لأنه غير الجنس الذي جاءت به السنة . (جسات المح لشيخ محمد بن صالح العثيمين: ۱/۱۰۱، وكذا في مجموع فتاوى ورسائل العثيمين: ۳۳۵/۷).

بعض حضرات پر بخاری شریف کی روایت مشتبہ ہوگئی کہ لفظ ”نحرنا“ کو ”ضحینا“ کے لفظ سے بیان کر دیا۔

ملاحظہ ہو علامہ سہیلی ”الروض الانف“ میں فرماتے ہیں:

عن أسماء رضي الله تعالى قالت: ضحينا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بالخيال . (الروض الانف: ۶/۵۵۳).

وكذا نقل عنه في سبل السلام شرح بلوغ المرام: (۱۸۵/۴) شروط الاضحية بترقم (۷) وفي التلخيص الحبير: (۲۳۶۷/۴).

أقول: لم أقف عليه . فقد أخرجه البخاري في كتاب الذبائح والصيد: باب النحر و الذبح وفي باب لحوم الخيل ، وأخرجه مسلم في كتاب الصيد والذبائح: باب في أكل لحوم الخيل ، بلفظ ”نحرنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فرساً فأكلناه . فلفظة ”ضحينا“ هو مما لا أصل له ، ولعلها من أوهام السهيلي فقد ذكرها في الروض الأنف .

ولما ذكره الحافظ في التلخيص قال: ما ذكره السهيلي عن أسماء قالت: ... الخ . ولو كان في الكتب المشهورة لم يلجأ إلى عزوه للسهيلي فتنبه .  
فالحاصل أن لفظة ”ضحينا“ لا أصل لها .

والأضحية لا تجوز بغير بهيمة الأنعام على الصحيح المشهور من أقوال أهل العلم .  
مذاہب اربعہ میں گھوڑے کی قربانی درست نہیں:  
الحرم الرائق میں ہے:

والأضحية من الإبل والبقر والغنم لأن جواز التضحية بهذه الأشياء عرفت شرعاً

بالنص على خلاف القياس . (البحر الرائق: ۸/۱۷۷، ماجدیه).

الدرا المختار میں ہے:

وركها ذبح ما يجوز ذبحه من النعم لا غير . (الدرا المختار: ۶/۳۱۲، سعید).

روضة الطالبین میں ہے:

للتضحية شروط وأحكام أما الشروط فأربعة أحدها أن يكون المذبوح من النعم

وهي الإبل والبقر والغنم وكل هذا مجمع عليه . (روضة الطالبین: ۳/۱۹۳، المكتب الاسلامی).

نهاية المحتاج میں ہے:

(ولا تصح) التضحية (إلا من إبل وبقر) عراب أو جواميس (وغنم) ضأن أو معز

لقوله تعالى: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى رِزْقِهِمْ مِنْ بِهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ ولأنها عبادة متعلقة

بالحيوان فاختصت بالأنعام . (نهاية المحتاج: ۸/۱۳۲، دار الكتب العلمية).

بداية المجتهد میں ہے:

وكلهم مجمعون على أنه لا تجوز التضحية بغير بهيمة الأنعام . (بداية المجتهد: ۴/۷۶).

مزید ملاحظہ ہو: (الذخيرة: ۴/۱۴۲، ومختصر سيدی خیل مع منح الحلیل: ۲/۴۶۵، دار الفکر، والمغنی: ۱۱/

۹۹، دار الكتب العلمية). واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن علی بن ابی طالبؓ قال:

أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم،

أن أقوم على بدنه وأن أتصدق بلحمها

وجلودها وأجلتها، وأن لا أعطي الجزار منها شيئاً،

وقال: نحن نصطيه من عندنا.

(متفق عليه).

## الفصل الثالث

### فی التصدق بلحوم

### الأضاحی و غیرها

عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم

أنه نهي عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث

ثم قال بعد: "كلوا وتزودوا وادخروا".

(رواه مسلم).

## فصل سوم

### قربانی کے گوشت اور کھال کے احکام کا بیان

کھانا مشترک ہو تو تقسیم لحم کا حکم:

سوال: اگر قربانی کے گوشت میں پانچ بھائی شریک ہیں اور سب کا کھانا مشترک ہے، تو گوشت کی تقسیم میں برابری ضروری ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ جب شرکاء کا کھانا پینا مشترک ہو تو تقسیم لحم ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

(قوله ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أولا، حتى لو اشترى لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أولا، والظاهر أنها لا تشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت. (فتاویٰ الشامی: ۳۱۷/۶، کوئٹہ).

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۶۲/۴، کوئٹہ).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: والدین اور بہن بھائیوں نے مل کر گائے کی قربانی کی، کچھ گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا اور بقیہ پکا کر ایک ساتھ کھانا چاہتے ہیں تو اس صورت میں گوشت تقسیم کر کے ہر ایک کو اپنا اپنا حصہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟

بیّنوا تو جروا۔

الجواب: اس صورت میں تقسیم ضروری نہیں کیونکہ یہ اباحت ہے تملیک و تملک کے معنی اس میں نہیں۔  
(احسن الفتاویٰ: ۵۰۰/۷، بحوالہ شامی)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سب حصہ دار ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور ایک ساتھ ہی سب کا کھانا پینا ہے، تو تقسیم ضروری ہے یا نہیں؟

جواب میں فرمایا: تقسیم کرنا لازم نہیں، اکٹھا ہی پکا کر کھائیں تب بھی درست ہے، شامی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۲۴، جامعہ فاروقیہ)۔

عزیز الفتاویٰ میں ہے:

گائے کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اپنے ہوں یا بیگانے، اگر اپنے بھائی وغیرہ رشتہ دار ایک گھر کے رہنے والے ہیں تو تقسیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سب اکٹھا گوشت رکھیں اور کھائیں، شامی نے اس کی تصریح کی ہے کہ تقسیم کرنا لازم نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۶۸۳، دارالاشاعت)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تخمینہ سے تقسیم لحم کا حکم:

سوال: گوشت کو اگر تخمینہ سے تقسیم کیا جائے اور ایک دوسرے سے ناراضگی نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ کیونکہ فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ جزا فاق تقسیم جائز نہیں ہے، وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ اگر کسی شخص نے دو کیلو ہڈیوں کے عوض ایک کیلو گوشت لیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا۔

الجواب: عام طور پر فقہاء نے گوشت اور ہڈیوں کو ایک نوع اور سری پائے، اور کھال کو الگ نوع شمار کیا ہے، لیکن لوگوں کے تعامل سے پتہ چلتا ہے کہ گوشت اور ہڈیاں الگ الگ چیزیں ہیں، کیونکہ لوگ عادتاً بوقت تقسیم گوشت اور ہڈیوں کو الگ کر کے تقسیم کرتے ہیں، ہڈیوں کو ادنیٰ اور گوشت کو اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ نیز ہڈی

میں حیات نہیں ہے اور گوشت میں حیات ہوتی ہے، بایں وجہ تقسیم کے وقت برابری ضروری نہیں ہونی چاہئے، لیکن فقہاء نے دونوں کو ایک جنس شمار کیا ہے اس لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کو الگ کر کے دزنا برابر تقسیم کر لی جائے، تاکہ کسی شریک کے دل میں نارنگی نہ پیدا ہو کہ مجھے کم گوشت ملا۔ نیز دو کیلو ہڈیوں کے عوض ایک کیلو گوشت لینا بھی عام فقہاء کے قول کے مطابق درست نہیں ہے۔

ملاحظہ عالمگیری میں ہے:

ولو اشتری شاتین مذبوحتین غیر مسلوختین بشاة مذبوحة مسلوخة لم یجز لأن زیادة اللحم مع السقط ربا، ولو اشتری شاتین مسلوختین بشاة مذبوحة مسلوخة لم یجز لأن کلّیہما لحم والزیادة ربا، إلا إذا كانا مستویین فی الوزن یجوز حینئذ۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۱۲۰/۳)۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قوله لا جزافاً، لأن القسمة فیہا معنی المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضاً قال فی البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفةً فلأن فیہا معنی التملیک واللحم من أموال الربا فلا یجوز تملیکہ مجازفةً، وأما عدم جواز التحلیل فلأن الربا لا یحتمل الحل بالتحلیل. قوله إلا إذا ضم معہ الخ، بأن یكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكراع ومع الآخر البعض مع الجلد۔ (فتاویٰ الشامی: ۳۱۸، ۳۱۷/۶، سعید)۔

عالمگیری میں ہے:

ویقسم اللحم بینہم بالوزن وإن اقتسموا مجازفةً یجوز إذا کان أخذ کل واحد شیئاً من الأكراع أو الرأس أو الجلد۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۰۶/۵)۔

وللاستزادة انظر: (فتاویٰ قاضیخان علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳۵۱/۳، وبراہ المنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر فی شرح منقی الابحر: ۵۱۷/۲، والبحر الرائق: ۱۷۴/۸، وبدایع الصنائع: ۶۷/۵، سعید، والفتاویٰ البرازیة علی ہامش الفتاویٰ الہندیہ: ۲۹۰/۶)۔

درج کردہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ گوشت اور ہڈیاں ایک جنس ہیں۔

گوشت اور ہڈی مختلف ہونے کے کچھ شواہد ملاحظہ فرمائیں:

قال فی الهدایة: وشعر المیتة وعظمها طاهر... ولنا أنه لا حیوة فیہما ولہذا لا یتألم بقطعہما فلا یحلہما الموت إذ الموت زوال الحیوة. (الهدایة: ۴۱/۱).  
فتح القدیر میں ہے:

وکل ما لا تحل الحیوة من أجزاء الهویة محکوم بطہارته بعد موت ما ہی جزءہ  
کالشعر والریش والمنقار والعظم... (فتح القدیر: ۹۶/۱، دار الفکر).  
البحر الرائق میں ہے:

إن أجزاء المیتة لا تخلو إما أن یكون فیہا دم أو لا والأولی کاللحم نجسة والثانیة  
ففی غیر الخنزیر والآدمی لیست بنجسة. (البحر الرائق: ۱۰۷/۱، کوئٹہ).  
لیکن قربانی کے باب میں فقہاء نے گوشت اور ہڈیوں کو ایک جنس اور سری پائے اور کھال کو الگ جنس  
شمار فرمایا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مجازتہ تقسیم کی اجازت دی ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ من باب المعاوضات نہیں ہے  
بلکہ من باب المسامحات ہے۔  
ملاحظہ ہو فیض الباری میں فرماتے ہیں:

واعلم أن ما فی فقه الحنفیة من أن رجلاً إذا اشتَرَکوا فی أضحية ینبغي أن یحذروا  
من المجازفة فی القسمة وعلیہم أن یقسموا اللحم وزناً أقول من عند نفسی وذلك عند  
مخافة النزاع وإلا جازت المجازفة أيضاً فإنی قد جربت أن المجازفة قد سرت فی غیر  
واحد من المواضع عند المسامحة وإنما القواعد عند ظهور النزاع. (فیض الباری: ۳/۳۴۳).  
دوسری جگہ فرماتے ہیں:

باب الشركة فی الطعام... ذهب البخاری إلى جواز قسمة المکیلات والموزونات  
فی النہد مجازفة والنہد أن ینثر الرفقة زادهم علی سفرة واحدة لیاکلوا جمیعاً بدون تقسیم



ففيه شركة أولاً وتقسيم آخراً، ولا ريب أنه تقسيم على المجازفة لا غير مع التفاوت في الأكل وهذه الترجمة إحدى الترجمتين اللتين حكم عليهما ابن بطل أنهما خلاف الإجماع فإن المكيلات والموزونات من الأموال الربوية والمجازفة فيها تودى إلى الربا وقد مر مني الجواب أنها ليست من باب المعاوضات التي تجري فيها المماكسة أو تدخل تحت الحكم وإنما هي من باب التسامح والتعامل وكيف يكون الإجماع مع أنه قد جرى به التعامل من لدن عهد النبوة إلى يومنا هذا. (فيض الباری: ۳/۳۴۲).

بخاری شریف میں ایک حدیث سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن سلمة بن الأكوع قال: خَفْتُ أزواد القوم وأملقوا فأتوا النبي صلى الله عليه وسلم في نحر إبليهم فأذن لهم... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ناد في الناس يأتون بفضل أزوادهم فبسط لذلك نطع وجعلوه على النطع فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فدعا وبرك عليه ثم دعاهم بأوعيتهم فاحتشى الناس حتى فرغوا ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أشهد أن لا إله إلا الله وإني رسول الله. (رواه البحاری: ۱/۳۳۷، كتاب الشركة).

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ مجازفہ تقسیم کرنے کی گنجائش ہے تاہم فقہاء کی عبارات کے پیش نظر برابر وزن تقسیم کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم:

سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں، ہاں مسلمان کو دینا افضل اور اولیٰ

ہے۔ البتہ اخیریہ مندرجہ میں سے دینا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

و يهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية: ۳۰۰/۵).  
اعلاء السنن میں ہے:

وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر.  
(اعلاء السنن: ۲۵۸/۱۷، ادارة القرآن). (وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱۶۶/۴، كوثه).  
وانظر للمزيد: (اعلاء السنن: ۲۸۳/۱۷، ادارة القرآن).

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

قربانی گوشت واجب ہو مگر گوشت تقسیم کرنا واجب نہیں، پس وہ ہدیہ ہوگا یا صدقہ نافلہ اور حربی مصالح حکم مستامن ہے، لہذا اس کو دینا جائز ہے، البتہ جس قربانی کا گوشت تقسیم کرنا واجب ہو اس میں سے دینا جائز نہیں۔  
(امداد الفتاویٰ: ۵۵۰/۳)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

سوال: کیا قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے؟

جواب: دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ نذر کی قربانی نہ ہو۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲۰۹/۴)۔

فتاویٰ رجیہ میں ہے:

کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں مگر بہتر نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔ (فتاویٰ رجیہ: ۴۱۵/۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۵/۱۷، جامعہ فاروقیہ، واحسن الفتاویٰ: ۴۹۶/۷، وفتاویٰ بینات: ۵۶۳/۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لحم اضحیہ بنیت زکوٰۃ دینے کا حکم:

سوال: زید نے کئی قربانیاں کیں بعض واجب اور بعض نفلی قربانیاں، اس کے بعد کافی سارے گوشت

کی قیمت لگا کر زکوٰۃ کی نیت سے فقراء کو دیا۔ کیا قربانی کے گوشت میں زکوٰۃ کی نیت ہو سکتی ہے؟ زید کہتا ہے کہ گوشت میری ملکیت ہے اس کو صدقہ اور زکوٰۃ کی نیت سے میں دے سکتا ہوں۔ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب:** قربانی کا گوشت زکوٰۃ کی نیت سے دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر دیدیا ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں

ہوئی۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

وإذا دفع اللحم إلى فقير بنية الزكاة لا يحسب عنها في ظاهر الرواية. (فتاویٰ الشامی:

۳۲۸/۶، سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

تصدق بلحم الأصحية على الفقير بنية الزكاة لا يجزئه في ظاهر الرواية. (الفتاویٰ

الہندیہ: ۳۰۸/۵). واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قربانی کا سارا گوشت خود کھالینے کا حکم:**

**سوال:** ہمارے یہاں محمد لہد ہر سال قربانی ہوتی ہے، لیکن کچھ تھوڑا بہت گوشت رشتہ داروں میں دیکر

دوسرا گھر میں رکھ لیتے ہیں، اور خود کھاتے ہیں، اور رشتہ دار اور مہمان کی آمد پر پکایا جاتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس طرح کرنے سے قربانی ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جردا۔

**الجواب:** قربانی کے گوشت کے بارے میں مستحب یہ ہے کہ ایک تہائی فقراء، مساکین پر تقسیم کیا

جائے، اور ایک تہائی اعزہ و اقارب کو دیا جائے، اور ایک تہائی اپنے گھر کے بال بچوں کے لیے رکھا جائے، یہ تقسیم فقط مستحب ہے لازم اور ضروری نہیں ہے، بایں وجہ اگر کوئی شخص سارا گوشت خود کھالے تب بھی قربانی بلا کراہت ادا ہو جاتی ہے، قربانی کا مقصد اصلی اراقہ ہے جو حاصل ہو گیا۔ لہذا سوال میں مذکورہ طریقہ بھی بلا کراہت درست ہے، قربانی ادا ہو گئی۔ ہاں ابتداءً نیت قربانی ہی کی ہو فقط گوشت کھانا مقصود نہ ہو۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه ويدخر الثلث

لقوله تعالى: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعَمُوا الْقَانِعَ وَالْمَعْتَرِ﴾ وقوله عز شأنه: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعَمُوا

البائس الفقیر ﴿وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کنت نہیتکم عن لحوم الأضاحی فکلوا منها وادخروا﴾، فثبت مجموع الكتاب العزیز والسنة أن المستحب ما قلنا ولأنه يوم ضیافة اللہ عز وجل بلحوم القرابین فیندب اشراک کل فیها ویطعم الفقیر والغنی جمیعاً لکون کل أضياف اللہ تعالیٰ عز شأنه فی هذه الأيام وله أن یهبه منهما جمیعاً ولو تصدق بالکل جاز ولو حبس کل لنفسه جاز لأن القرية فی الإراقة وأما التصدق باللحم فتطوع وله أن یدخر کل لنفسه فوق ثلاثة أيام لأن النهی عن ذلك کان فی ابتداء الإسلام ثم نسخ. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، سعید).

وللمزید انظر: (ردالمحتار: ۳۲۸/۶، سعید، و الفتاویٰ الہدیة: ۳۰۰/۵، و اعلاء السنن: ۲۶۲/۱۷، إدارة القرآن، و فتاویٰ بینات: ۵۷۴/۴، و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۶۱/۵، جدید ایڈیشن). فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قربانی کا گوشت پکا کر کھلانا اور دعوت کرنا بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۲/۷، جامعہ فاروقیہ)۔ البتہ جو شخص ذوی عیال ہو اور معاشی تنگی کا شکار ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے وہ سارا گوشت اپنے اہل عیال رکھے۔ اس کے حق میں صدقہ مستحب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

والتصدق أفضل إلا أن یکون الرجل ذا عیال و غیر موسع الحال فإن الأفضل له حينئذ أن یدعه لعیاله ویوسع علیهم لأن حاجته وحاجة عیاله مقدمة علی حاجة غیره، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”ابدأ بنفسک ثم بغيرک“۔ (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، سعید)۔ واللہ اعلم۔

چرم قربانی کی رقم تبدیل کرنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کے پاس قربانی کی کھال فروخت کرنے کے بعد یعنی اس کی قیمت یا شمن موجود نہیں ہے

ثمن گھر پر رکھا ہوا ہے، اور کوئی فقیر سامنے آگیا تو اس نے جیب سے اپنی رقم صدقہ کر دی تو کیا صدقہ ہو گیا یا دوبارہ اسی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا؟ پوچھنا یہ ہے کہ واجب التصدق رقم کو تبدیل کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ تبدیل کرنے کی گنجائش ہے بعینہ ثمن کا تصدق لازم اور ضروری نہیں ہے، بنا بریں اب دوبارہ صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوا مدام الاحکام میں ہے:

**السوال:** اگر کوئی شخص چرم جانور قربانی یا چرم جانور عقیقہ کو بارادہ تصدق بیع کر دے اور ثمن کو اپنے پاس رکھے کہ کسی موقع پر تصدق کر دوں گا پھر اس کو موقع تصدق دستیاب ہو گیا لیکن اس وقت ثمن بعینہ اس کے پاس موجود نہیں بلکہ مکان پر ہے جو بوجہ سفر ہونے کے بعید ہے تو کیا یہ شخص بجائے اس ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کر سکتا ہے یا بعینہ اسی ثمن کا تصدق واجب ہے کہ بدون اس کے بری عن وجوب التصدق نہ ہوگا۔

**الجواب:** قال في غنية الناسك في بيع لحوم الهدايا وجلودها مانصه : ولو باع اللحم جاز بيعه لأن ملكه قائم إلا أنه فيما لا يجوز أكله يتصدق بثمنه لأنه ثمن بيع واجب التصدق كذا في الفتح عن البدائع وإن كان مما يجوز له الأكل منه فإن باع شيئاً أو أعطى الجزار أجره منه فعليه أن يتصدق بقيمته ، أي بقيمته إن كان أكثر وبالثمن إن كان أكثر على ما في البدائع . (ص ۱۹۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تصدق ثمن اس صورت میں واجب ہے جب کہ بیع جائز الاکل نہ ہو اور جائز الاکل میں تصدق قیمت واجب ہے نہ تصدق ثمن، پس یہ واجب فی الذمہ ہوا واجب فی العین نہ ہوا، لہذا صورتِ مسئلہ میں بجائے ثمن کے دوسری رقم کو تصدق کر سکتا ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ثمن اگر قیمت سے کم ہو تو قیمت کاملہ تصدق کی جائے۔ واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۲۷۱/۲)۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال:  
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:  
”من باع جلد الأضحية فلا أضحية له“  
(اندرجہ الحاکم).

# ”تنویر الزواہا فی مصارف ثمن الضحایا“

عن قتادة أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:  
”ولا تبیعوا الحوم الهدی والأضاحی فکلوا و تصدقوا  
واستمتعوا بجلودها“  
(رواہ احمد).

”تَنْوِيرُ الزَّوَايَا فِي مَصَارِفِ ثَمَنِ الضَّحَايَا“

## چرم قربانی کی رقم کے مصرف کا بیان

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

سوال: اگر کسی شخص نے قربانی کی کھال بیت تصدق فروخت کر لی تو اب رقم واجب التصدق ہے یا نہیں؟ کیا اس میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی طرح فقیر کی تملیک ضروری ہے؟ یعنی چرم قربانی کی رقم کو مساجد، مدارس، شفا خانہ، رفاہ عام، خیراتی ادارے، میت کی تکفین و تجہیز اور اس کے قرض کی ادائیگی میں خرچ کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

برائے مہربانی مدلل و مفصل جواب عنایت فرما کر اجر عظیم کے مستحق ہوں، کیونکہ ہمارے علاقے میں اس مسئلہ میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ بینوا بالدلیل مع التفصیل، توجروا بالأجر الجزیل۔

## الجواب بحون الوهاب

### حامداً و مصلياً و مسلماً:

شریعت مطہرہ میں قربانی کا اصل مقصد ذبح اضحیہ اور اراقہ ہے، جو کہ حاصل ہو چکا اب گوشت اور کھال وغیرہ میں قربانی کرنے والے کو شرعاً تین قسم کے اختیارات حاصل ہیں:-

(۱) یعنی گوشت اور کھال کو خود استعمال کر سکتا ہے، مثلاً کھال سے مصلیٰ، ڈول، چھللی، مسند وغیرہ بنا کر استعمال کر سکتا ہے، یعنی کھال کا صدقہ کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

(۲) دیگر احباب و اقارب اور اعزہ کو استعمال کے لئے دے سکتا ہے، ان میں غنی، فقیر کی کوئی قید ملحوظ نظر

شریعت نے نہیں رکھی، ہاں اجرت میں دینا جائز نہیں ہے۔

(۳) فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دینا جائز اور درست ہے۔

علاوہ ازیں کھال کو فروخت کر دینا اور قیمت کو اپنے استعمال میں لانا جائز اور درست نہیں، اگر کسی نے حرم قربانی کو فروخت کر دیا، تو اب قیمت واجب التصدق بن جاتی ہے، یعنی صدقہ کر دینا واجب ہو جاتا ہے، خود کھانا یا اغنیا کو کھانا جائز نہیں رہتا، اگرچہ صدقہ ہی کی نیت سے فروخت کیا ہو، البتہ اگر بیت تصدق فروخت کیا تو بیع بلا کر بہت صحیح ہوگی اور گنہگار بھی نہیں ہوا، لیکن اگر بیت تمول فروخت کیا تو بیع مکروہ ہوگی اور گنہگار ہوا، بایں ہمہ قیمت کا تصدق بہر صورت واجب ہے۔

دلائل درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

☆ أخرج الحاكم بسنده عن عبد الله بن عياش القتباني عن الأعرج عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من باع جلد الأضحية فلا أضحية له". وقال: صحيح. (المستدرک للحاکم: ۲/۳۹۰).

قال الذهبي: ابن عياش ضعفه أبو داود.

قال العلامة ظفر أحمد العثماني: فالحديث إن لم يكن صحيحاً فلا ينزل عن مرتبة

الحسن. (اعلاء السنن: ۱۷/۲۵۶).

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو اپنے لئے فروخت کر دے۔

☆ عن قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "... ولا تبعوا الحوم الهدى و

الأضاحي فكلوا و تصدقوا و استمتعوا بجلودها..." (رواه أحمد في مسنده برقم: ۱۶۲۱۰، وقال

الهيثمى: وهو مرسل صحيح الإسناد. وضعفه شعيب الارنؤوط، رقم ۱۶۲۵۵).

☆ بدائع الصنائع میں علامہ ابوبکر کاسانی فرماتے ہیں:

ولا يحل بيع جلد ها و شحمها ولحمها... من الدراهم والدنانير والمأكولات



والمشروبات ولا يعطى أجر الجزار والذابح... فإن باع شيئاً من ذلك نفذ عند أبي حنيفة ومحمد وعند أبي يوسف لا ينفذ... ويتصدق بثمنه لأن القرية ذهبت عنه فيتصدق به ولأنه استفادته بسبب محظور وهو البيع فلا يخلو عن خبث فكان سبيله التصديق، وله أن ينتفع بجلده أضحيت في بيته بأن يجعله سقاء أو فرواً أو غير ذلك لما روي عن سيدتنا عائشة أنها اتخذت من جلد أضحيتها سقاء. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، سعيد).

☆ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك تصدق بثمنه لأن القرية انتقلت إلى بدله. (الهداية: ۴/۴۵۰).

☆ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدقها وليس له أن يبيعه بالدراهم لينفقها على نفسه ولو فعل ذلك يتصدق بثمنه. (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۲۲، الفصل السادس في الانتفاع بالاضحية).

وللاستزاده انظر: (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۸/۶، سعيد، والفتاویٰ الهندية: ۳۰۱/۵، والبحر الرائق: ۸/۱۷۸، ط: کوئٹہ).

مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ چم قربانی کو خود استعمال کر سکتے ہیں لیکن دراہم و دنانیر ریندر پے پیسے اور مالکولات و مشروبات وغیرہ کے عوض فروخت کرنا درست نہیں، ہاں اگر بیت تصدق فروخت کی جائے تو درست ہے اور دونوں صورتوں میں قیمت واجب التصدق ہے۔

اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ تصدق کی علت نفس بیع ہے یا خبث، یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ نفس لحم اور کھال کا صدقہ قیمت لحم اور قیمت چرم کی طرح نہیں ہے، کیونکہ لحم اور کھال سے انتفاع درست ہے، جبکہ ان دونوں کی قیمت سے انتفاع جائز نہیں ہے، بلکہ دونوں کی قیمت واجب التصدق ہے۔

☆ ملاحظہ فرمائیں امداد الاحکام میں ہے:

وحنفی نیست کہ صدقہ دراہم جلد اضحیہ در حکم صدقہ جلد اضحیہ ہرگز نیست زیرا کہ جلد اضحیہ مثل لحم اضحیہ است

انتفاع بنفسہ ازال جائز است و در اہم جلد اضحیہ غیر جائز الانتفاع در حق بالغ است پس در اہم جلد اضحیہ مثل در اہم لحم اضحیہ است و در وجوب تصدق بالتملیک ۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۲۵۸)۔

ہاں یہاں پر عوض فی حکم المعوض نہیں ہے معوض واجب التصدق نہیں اور عوض واجب التصدق ہے۔

☆ ملاحظہ فرمائیں اعلاء السنن میں ہے: (عوض معوض کے حکم میں کہاں ہوتا ہے اور کہاں نہیں ہوتا)

وأما استبدال الجلد بما ينتفع به باقياً كالقربة والسفرة والغريال والجرباب والدلو ونحوها فلا بأس به لأن له أن يتخذ منه ما شاء منها ابتداءً فكان الاستبدال بها كاتخاذها انتهاءً، ولأن البدل الذي يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه يقوم مقام المبدل فكان المبدل قائماً معنئاً فكان الانتفاع به كالانتفاع بعين الجلد بخلاف البيع بالدرهم والدنانير والخل واللحم ونحوه، لأن ذلك مما لا يمكن الانتفاع به مع بقاء عينه، فلا يقوم مقام الجلد، فلا يكون الجلد قائماً معنئاً فلا يكون إلا تجارة محضه، وقد نهى الشارع صلى الله عليه وسلم عن الاتجار بشيء من الهدى والأضاحي، هذا هو الفرق بين الغريال والخل. (اعلاء السنن ۱۷/ ۲۵۸، إدارة القرآن، كراتشي)۔

فقہاء کے کلام سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ چرم قربانی فروخت کرنے سے قیمت واجب التصدق ہو جاتی ہے، چاہے صدقہ کی نیت سے فروخت کرے یا تمول اور استعمال کی نیت سے، ہاں فرق صرف اتنا ہے کہ صدقہ کی نیت سے فروخت کرنے پر گنہگار نہیں ہوگا اور بیع میں خبث بھی نہیں ہوگا، لیکن بیعت تمول فروخت کرنے کی وجہ سے قیمت میں خبث ہوگا، بیع مکروہ ہوگی اور گنہگار بھی ہوگا، تاہم بہر صورت قیمت واجب التصدق ہے۔

لیکن اصل قابل اشکال بات یہ ہے کہ واجب التصدق کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ قیمت صدقات واجبہ زکوٰۃ صدقۃ الفطر وغیرہ کی طرح ہے کہ جس میں فقیر کی تملیک لازم اور ضروری ہے؟ یا فقط قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے اور تملیک فقیر ضروری نہیں ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ملاحظہ ہو:

پہلی جماعت کا موقف:

اکثر ہندوستانی علماء، اکابر دیوبند وغیرہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے کہ یہ قیمت صدقات واجبہ: زکوٰۃ، صدقۃ الفطر کی طرح ہے اس لئے اس میں تملیک فقیر ضروری ہے، اس کے برعکس مسجد، مدرسہ، شفا خانہ، رفاہ عام اور دیگر خیراتی اداروں میں صرف کرنا جائز نہیں ہے، الا یہ کہ تملیک فقیر کے بعد صرف کی جائے۔ یا کھال متولی کو دیدے اور وہ مالک بن جانے کے بعد فروخت کر کے خیراتی اداروں میں دیدے۔

اس مسلک کے تفصیلی دلائل کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(جواہر الفقہ، رسالہ: ”رفع التلاحی عن جسد الاضاحی“ ۶/۳۳۳-۳۳۹، وکفایت المفتی: ۸/۲۲۶، ط: دارالاشاعت، وامداد الفتاویٰ: ۳/۵۶۶، وامداد الاحکام: ۴/۲۵۷، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۵۸-۴۲۰، ط: جامعہ فاروقیہ، وفتاویٰ حقانیہ: ۶/۲۲۶، و احسن الفتاویٰ: ۲/۴۹۵، وفتاویٰ رحیمیہ: ۵/۴۰۱-۴۰۵، مکتبہ دیوبند، و عزیز الفتاویٰ: ۱/۶۷۷-۶۷۹)۔

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ فقہائے کرامؒ نے لفظ ”تصدق“ استعمال فرمایا ہے اور ”تصدق“ کی حقیقت تملیک ہے، مانند زکوٰۃ و صدقۃ الفطر، لہذا بلا تملیک فقیر صرف کرنا جائز اور درست نہیں ہوگا۔

دوسری جماعت کا موقف:

بعض پاکستانی اور افغانی علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تملیک فقیر ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائیں، افغانی مشائخ کی ترجمانی کرتے ہوئے فقیہ العصر حضرت مفتی فرید صاحبؒ فرماتے ہیں:

سوال: قربانی کے چمڑوں کی قیمت مساجد پر صرف کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہندی مشائخ کے نزدیک ناجائز ہے:

كما في الهندية (۳۰۱/۵): ولا يبيعه بالدرهم لينفق الدرهم على نفسه و عياله، لو باعها بالدرهم يتصدق بها لأنه قرية كالصدق كذا في التبيين، قالوا: والتصدق هو التملك. اور افغانی مشائخ کے نزدیک یہ صرف جائز ہے۔ وهو المختار بدليل تعليل الزيلعي لأنه قرية أى التصديق بالدرهم كالصدق بالجلود. یعنی مقصود قربت ہے وہ دراہم دینے میں موجود ہے، جیسا کہ چمڑوں کے دینے میں موجود ہے، قربت تملیک اور اباحت سب میں موجود ہے۔ ونظيره جلود الهدايا والضحايا فيها الإباحة العامة دون التملك سلفاً وخلفاً. (فتاویٰ فریدیہ: ۵۸۴/۱، مسائل شتی)۔

افغانی علماء کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ قیمت اس وقت واجب التصدق ہے جب کہ چم قربانی کو تمول کی نیت سے فروخت کیا جائے، اس لئے کہ اس میں خبث و خرابی آگئی، لیکن اگر بیعت تصدق فروخت کیا جائے تو اس میں خبث و خرابی نہیں ہے۔ بایں وجہ اس کا حکم یعنی جلود اور گوشت کے حکم کی طرح ہوگا کہ وہ اصلاً صدقاتِ نافلہ ہیں، صدقاتِ واجبہ میں سے نہیں ہیں، نیز یہ زکوٰۃ و فطرانہ کی طرح بھی نہیں ہے بلکہ گوشت کا بدلہ ہے اس لئے بلا تملیک فقیر، مساجد، خیراتی ادارے، رفاہ عام وغیرہ میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔ اگر اس میں خبث ہوتا تو پھر مسجد پر خرچ کرنا درست نہ ہوتا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۱/۶۲۰، احکام المساجد، طبع ہند، و زکوٰۃ اور مسئلہ تملیک، از مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی)۔

### دوسرے مسلک کے نظائر:

جو حضرات اس رقم کو واجب التصدق سمجھتے ہیں لیکن تملیک فقیر ضروری نہیں سمجھتے وہ یہ فرماتے ہیں کہ: بہت سی مرتبہ رقم واجب التصدق ہوتی ہے لیکن واجب التملیک للفقیر نہیں ہوتی، اس کے چند نظائر حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

پہلی نظیر لقطہ ہے:

اس کی واضح اور بے غبار مثال لقطہ ہے۔ فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ لقطہ واجب التصدق ہے، یعنی فقیر محتاج پر صدقہ کر دیا جائے لیکن زکوٰۃ اور صدقہ فطر کی طرح نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ شامیؒ، صاحب محیط برہائی وغیرہ حضرات نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ لقطہ کو تمام مصالحِ مسلمین میں صرف کرنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منظومہ ابن وہبان میں مذکور ہے:

بیوت المال أربعة لكل ☆ مصارف بیئتها العالمون

فأولها الغنائم و الكنوز ☆ الركاز و بعدها متصدقون

وثلثها خراج مع عشور ☆ وجالية يليها العاملون  
ورابعها الضوائع مثل مالا ☆ يكون له أناس وارثون  
فمصرف الأولين اتى بنص ☆ وثلثها حواء مقاتلون  
ورابعها فمصرفها جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمون

(شرح منظومة ابن وهبان ۱/۸۸، کتاب الزکوٰۃ، ط: دیوبند)۔

علامہ شامیؒ لفظ کے مصرف کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوله الضوائع جمع ضائعة أى اللقطات ... قوله: ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لما نقله ابن الضياء فى شرح الغزنويه عن البزدوى من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والثغور والمساجد وما أشبه ذلك ولكنه مخالف لما فى الهداية والزيلعى أفاده الشرنبلالى، أى فإن الذى فى الهداية وعامة الكتب أن الذى يصرف فى مصالح المسلمين هو الثالث، كما مر، وأما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم فيعطى منه نفقتهم وأدويتهم وكفنهم وعقل جنائيتهم كما فى الزيلعى وغيره. (فتاوى الشامى: ۲/۳۳۸، سعيد).

علامہ زیلعیؒ تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

والرابع اللقطات والتركات التي لا وارث لها وديات مقتول لا ولي له ومصرفها اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم يعطون منه نفقتهم وأدويتهم وتكفن بها موتاهم .  
(تبیین الحقائق: ۳/۲۸۳، ملتان).

الحیط البرہانی میں ہے:

اللقطات و التركات تصرف إلى ما فيه صلاح المسلمين كمال الخراج والجزية إلا أنه يجعل لها بيت على حده ، لما أنه ربما يظهر لها مستحق بعينها ... (المحیط البرہانی: ۵۳۹/۲، کتاب المعادن، مکتبۃ رشیدیہ).

صاحب محیط برہانیؒ نے فرمایا کہ لقطات اور ترکات کا مصرف مال خراج اور جزیہ کے مصرف کی طرح ہے

اور خراج اور جزیہ کا مصرف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وقال: [الإمام محمد] الخراج والجزية تصرف إلى المقاتلة، وإلى سد ثغور المسلمين، وبناء الحصون في الثغور، وإلى مراصد الطريق في دار الإسلام ليقع الأمن عن قطع الطريق من جهة اللصوص، وإلى كرى الأنهار العظام الذي فيه صلاح المسلمين، وإلى من فرغ نفسه لعمل المسلمين نحو القضاة والمحتسب والمفتين والمؤذنين والمعلمين، وإلى عمارة المساجد والقناطر، وإلى معالجة المرضى إذا كانوا فقراء، وإلى تكفين الموتى الذين لا مال لهم... والحاصل: أن هذا النوع يصرف إلى ما فيه صلاح الدين وصلاح دار الإسلام والمسلمين. (المحيط البرهاني: ۵۳۹/۲، كتاب المعادن، مكتبة رشيدية).

وللاستزادة انظر: (الفتاوى الهندية: ۱۹۱/۱، باب في صدقة الفطر، والبحر الرائق: ۱۲۸/۵، فصل في الجزية، ومجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۴۸۶/۲، في كيفية القسمة، بيروت).  
مذکورہ بالا عبارات سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

- (۱) لقطات اور ترکات واجب التصدق ہیں اور ان کا مصرف فقراء مساکین ہیں۔
- (۲) لقطات اور ترکات فقیر اموات کی تجہیز و تکفین میں صرف کیے جاسکتے ہیں۔ (جبکہ میت کی تکفین میں تملیک متحقق نہیں ہوتی، یہ واضح دلیل ہے کہ لقطہ واجب التصدق ہے واجب التملیک من الفقیر نہیں ہے)۔
- (۳) علامہ شامیؒ نے علامہ بزدویؒ سے نقل کیا ہے کہ لقطات اور ترکات کا درج ذیل امور میں خرچ کرنا جائز اور درست ہے:

(الف) عمارة القناطر، پل بنانا۔

(باء) عمارة الرباطات، سرائے، مسافر خانہ وغیرہ بنانا۔

(ج) عمارة الثغور، اسلامی حکومتوں کی سرحدوں پر بورڈرو وغیرہ بنانا۔

(د) عمارة المساجد، مساجد کی تعمیرات۔

ان چار مصارف میں سے کسی میں بھی تملیک متحقق نہیں ہوتی، اسی کو ابن الخنہ، صاحب محیط برہانی، صاحب در

مختار وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

صاحب محیط برہائی نے مزید مصارف بیان فرمائے ہیں:

(ھ) مافی صلاح المسلمین ، مسلمانوں کے عام فائدہ کے لئے استعمال کرنا۔

(و) وبناء الحصون فی الثغور ، سرحدوں پر حفاظت کی خاطر قلعوں کی تعمیر۔

(ز) والی مراصد الطريق ... اسلامی ممالک میں امن وامان کی خاطر رصدگاہوں پر خرچ کرنا۔

(ک) والی کسری الأنهار العظام ... بڑی نہروں کی کھدائی میں صرف کرنا جن میں مسلمانوں کا

فائدہ ہو۔

مفتی تقی صاحب مدظلہ فتاویٰ عثمانی میں تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقطہ کا حکم یہ ہے کہ وہ واجب التصدق ہے... اگرچہ فقہاء نے فقراء کو لقطہ کا مصرف قرار دیا ہے لیکن اس کے لئے تملیک ضروری قرار نہیں دی۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱۳۶/۳)۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ لقطہ کا رخیہ میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو، اشرف الاحکام میں ہے:

لقطہ کا حکم یہ ہے کہ جب مالک کا پتہ چلنا معذور ہو تو کسی کا رخیہ میں دے دیا جائے چنانچہ میں مدرسہ میں

دیتا ہوں۔ (اشرف الاحکام، ص: ۱۹۷، بحوالہ حسن العزیز: ۶/۳)۔

دوسری نظیر وقف ہے:

جب واقف شیء موقوف کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیتا ہے تو شیء موقوف واقف کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے اور اس کا حکم واجب التصدق ہے۔ اب وہ خود استعمال نہیں کر سکتا ہے، لیکن شیء موقوف پر کسی کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، نہ وہ واجب التملیک ہوتی ہے مساجد، مدارس، رفاہ عام، مصالح مسلمین، ہر قسم کے خیراتی ادارے وغیرہ میں صرف کر دینا واقف کی تصریح کے مطابق جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ فرمائیں بخاری شریف میں روایت ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أصاب

أرضاً بخير، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم يستأمره فيها، فقال: يا رسول الله إني أصبت أرضاً بخير لم أصب مالا قط أنفس عندي منه فما تأمرني به؟ قال: إن شئت حبست أصلها وتصدق بها، قال: فتصدق بها عمر رضي الله عنه أنه لا تبع ولا توهب، ولا تورث، وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضيف. (رواه البخاري: ۱/ ۳۸۲، ومسلم: ۴۱/۲).

الدر المختار میں مذکور ہے:

هو حبسها على حكم ملك الله تعالى وصرف منفعتها على من أحب ولو غنياً، قوله على حكم الله تعالى قدر لفظ حكم ليفيد أن المراد أنه لم يبق على ملك الواقف ولا انتقل إلى ملك غيره بل صار على حكم ملك الله تعالى الذي لا ملك فيه لأحد سواه وإلا فالكل ملك لله تعالى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴/ ۳۹۹، سعيد).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ديباح الكعبة إذا صار خلقاً لا يجوز أخذه لكن يبيعه السلطان ويستعين به على أمر الكعبة، كذا في السراجية، ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين... ولو أراد أن يقف أرضه على المسجد وعمارة المسجد وما يحتاج إليه من الدهن والحصير وغير ذلك على وجه لا يرد عليه الإبطال يقول: وقفت أرضي هذه وبين حدودها بحقوقها ومرافقها وقفاً مؤبداً... للقيم أن يتصرف في ذلك على ما يرى وإذا استغنى هذا المسجد يصرف إلى فقراء المسلمين فيجوز ذلك كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۶۰).

عالمگیری کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ زمین دیباح چراغ وغیرہ اشیاء موقوفہ کی نسبت کعبہ اور مسجد کی طرف ہے، یعنی مذکورہ اشیاء مالک کی ملکیت سے خارج ہیں اور مسجد پر وقف ہیں لیکن کسی کی ملک میں نہیں ہیں اور واجب الصدق بھی ہیں۔



بعینہ اسی طرح چرم قربانی کی رقم واجب التصدق ہے لیکن واجب التملیک نہیں ہے۔

تیسری نظیر وصیت ہے:

چرم قربانی کی رقم واجب التملیک نہ ہونے کی تیسری نظیر وصیت ہے کہ مساجد، رفاہ عام اور خیراتی اداروں کے لئے جو وصیت کی جاتی ہے وہ واجب التصدق تو ہے، لیکن واجب التملیک نہیں ہے، کیونکہ ان مصارف مذکورہ میں تملیک کی صلاحیت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود وصیت صحیح اور نافذ ہے، اگرچہ اس میں کچھ اختلاف بھی ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور زمین کی وصیت للمسجد تو بالاتفاق جائز ہے، اسی طرح علامہ شامیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ”انفاق“ کہا ہو تب بھی بالاتفاق جائز ہے۔

ملاحظہ فرمائیں عالمگیری میں ہے:

وفتاویٰ ابی الیث رحمہ اللہ تعالیٰ إذا قال: أوصیت بمائة درهم لمسجد کذا أو لقنطرة کذا نص محمدؐ أنه جائز و هو لم رمتها و إصلاحها... ولو أوصی أن یجعل أرضه مسجداً یجوز بلا خلاف وإذا أوصی بثلث ماله للہ تعالیٰ فالوصیة باطله عند أبي حنيفةؒ وقال محمدؐ: الوصیة جائزة ویصرف إلى وجوه البر، وبقول محمدؐ یفتی... ولو أوصی بثلث ماله لأعمال البر ذکر فی فتاویٰ ابی الیثؒ أن کل ما لیس فیہ تملیک فهو من أعمال البر حتی یجوز صرفه إلى عمارة المسجد و سراجہ دون تزینہ... ولو أوصی بالثلث فی وجوه الخیر یصرف إلى القنطرة أو بناء المسجد، وفيه: ولو أوصی بثلث ماله لبیت المقدس جاز ذلك وینفق علی عمارة بیت المقدس وفي سراجہ و نحو ذلك... ولو أوصی بأن ینفق ثلثه علی المسجد جاز ویصرف علی عمارته و سراجہ. (الفتاویٰ الہندیہ: ۶/ ۹۶، ۹۷، الباب الثانی من کتاب الوصیة).

بدائع الصنائع میں ہے:

وکذا کونه من أهل الملك لیس بشرط حتی لو أوصی مسلم بثلث ماله للمسجد أن ینفق علیه فی إصلاحه و عمارته وتخصیصه یجوز لأن قصد المسلم من هذه الوصیة

التقرب إلى الله سبحانه وتعالى بإخراج ماله إلى الله سبحانه وتعالى لا التملك إلى أحد .  
(بدائع الصنائع: ۳۴۱/۷، سعید).

وفی الدر المختار: وفي المجتبى: أوصى بثلث ماله للكعبة جاز وتصرف للفقراء الكعبة لا غير وكذا للمسجد وللقدس ... وفي رد المحتار: قوله وكذا للمسجد وللقدس أقول: الذي في المنح عن المجتبى: وبيت المقدس، والحاصل: أن في الإيضاء للمسجد قولين: قول بعدم الصحة وقول بالصحة... ثم على الصحة هل تصرف على منفعه أو على فقراء، قال محمد بالأول على ما هو كالصريح في كلامهم... وأما الثاني فصرح به في المجتبى على ما ترى والقائل بعدم الصحة هو الشيخان إلا أن يقول: ينفق على المسجد فيجوز اتفاقاً، وأجازه محمد مطلقاً حملة على إرادة مصلحته تصحيحاً للكلام... (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۶۶۵، سعید).

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (المحیط البرہانی: ۲۶۳/۲۲، نوع آخر فی الوصیۃ للہ تعالیٰ وفی سبلہ والأماكن والحيوانات وأعمال البر، ولسان الحکام، ص: ۴۱۷، والفتاویٰ الولولہ الجبۃ: ۳۳۹/۵).

اگرچہ وصیت کرنا ابتداء واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔ لیکن وصیت کرنے کے بعد واجب التصدق ہے، یعنی اسی طرح چرم قربانی ابتداء اس کا صدقہ کرنا مستحب ہے، لیکن بیعت تصدق کے بعد واجب التصدق ہے۔

چوتھی نظیر لا وارث کی میراث ہے:

واجب التصدق غیر واجب التملیک کی ایک اور نظیر لا وارث کی میراث ہے، فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال میں جمع کر دیا جائے گا، اور فقراء کی ضروریات پر خرچ کیا جائے گا، نیز لا وارث فقراء اموات کی تکفین و تجہیز میں بھی خرچ کیا جائے گا۔ یعنی واجب التصدق ہے لیکن واجب التملیک من الفقیر نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو سراجی اور اس کے حواشی میں مذکور ہے:

(... ثم بیت المال ) یعنی إذا لم يوجد موسى له بجميع المال يوضع المال في بيت المال... ونوعوه إلى أربعة... والرابع: بيت مال الضائع والتركاة التي لا وارث لها،... فمصرف الرابع: هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم، فيعطون منه نفقتهم، وأدويتهم، وكفنتهم، وعقل جنائيتهم. (السراجي مع الحواشي، ص ۱۱).

وفى المبسوط للإمام السرخسي: "وإذا ثبت أنه لا وارث للملئق منه كان ميراثه لبيت المال لأنه مسلم ليس له وارث معين فيرثه جماعة المسلمين يوضع ماله في بيت المال". (المبسوط: ۳۶۹/۱۰، باب اللقيط).

وفى الدر المختار: ثم يوضع في بيت المال لا إرثاً بل فيئاً للمسلمين. (الدر المختار: ۷۶۶/۶، سعيد).

شرح منظومہ ابن وہبان میں ہے:

ورابعها الضوائع مثل ☆ يكون له أناس وارثون

ورابعها فمصرفها جهات ☆ تساوى النفع فيها المسلمون

قال ابن عابدين: قوله: ورابعها فمصرفه جهات الخ موافق لما نقله ابن الضياء في شرح الغزنويه عن البزدوى من أنه يصرف إلى المرضى والزمنى واللقيط وعمارة القناطر والرباطات والشغور والمساجد وما أشبهه ذلك ولكنه مخالف لما في الهداية والزيلعي أفاده الشرنبلالي، أي فإن الذي في الهداية وعامة الكتب أن الذي يصرف في مصالح المسلمين هو الثالث، كما مر، وأما الرابع فمصرفه المشهور هو اللقيط الفقير والفقراء الذين لا أولياء لهم فيعطون منه نفقتهم وأدويتهم وكفنتهم وعقل جنائيتهم كما في الزيلعي وغيره. (فتاوى الشامى: ۳۳۸/۲، سعيد).

الحیظ البرہانی کی عبارت لفظ کے بیان میں مذکور ہوئی، یہاں ترکہ کی مناسبت سے دوبارہ ملاحظہ ہو:

اللقطات و التركات تصرف إلى ما فيه صلاح المسلمين كمال الخراج والجزية إلا

أنه يجعل لها بيت على حده ، لما أنه ربما يظهر لها مستحق بعينها ... (المحيط البرهاني: ۵۳۹/۲ ، كتاب المعادن، مكتبة رشيدية).

صاحب محیط برہائی نے فرمایا کہ ترکات کا مصرف مال خراج اور جزیہ کے مصرف کی طرح ہے اور خراج اور جزیہ کا مصرف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

وقال: [الإمام محمد] الخراج والجزية تصرف إلى المقاتلة ، وإلى سد ثغور المسلمين ، وبناء الحصون في الثغور ، وإلى مرأصد الطريق في دار الإسلام ليقع الأمن عن قطع الطريق من جهة اللصوص ، وإلى كرى الأنهار العظام الذي فيه صلاح المسلمين ، وإلى من فرغ نفسه لعمل المسلمين نحو القضاة والمحاسب والمفتين والمؤذنين والمعلمين ، وإلى عمارة المساجد والقناطر ، وإلى معالجة المرضى إذا كانوا فقراء ، وإلى تكفين الموتى الذين لا مال لهم ... والحاصل : أن هذا النوع يصرف إلى ما فيه صلاح الدين وصلاح دار الإسلام والمسلمين . (المحيط البرهاني: ۵۳۹، ۲، كتاب المعادن، مكتبة رشيدية).

وللاستزادة انظر : ( الفتاوى الهندية : ۱ / ۱۹۱ ، باب في صدقة الفطر ، والبحر الرائق : ۱۲۸ / ۵ ، فصل في الجزية ، ومجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر : ۲ / ۴۸۶ ، في كيفية القسمة ، بيروت ).  
مذکورہ بالا عبارات سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

(۱) لقطات اور ترکات واجب التصدق ہیں اور ان کا مصرف فقراء مساکین ہیں۔

(۲) لقطات اور ترکات فقیر اموات کی تجہیز و تکفین میں صرف کیے جاسکتے ہیں۔ (جبکہ میت کی تکفین میں تملیک حتمی نہیں ہوتی، یہ واضح دلیل ہے کہ لا وارث کا مال واجب التصدق ہے واجب التملک من الفقیر نہیں ہے)۔

(۳) علامہ شامیؒ نے علامہ یزدویؒ سے نقل کیا ہے کہ لقطات اور ترکات کا درج ذیل امور میں خرچ کرنا

جائز اور درست ہے:

(الف) عمارة القناطر ، پل بنانا۔

(باء) عمارة الرباطات ، سرائے، مسافر خانہ وغیرہ بنانا۔

(ج) عمارة الثغور ، اسلامی حکومتوں کی سرحدوں پر بورڈرو وغیرہ بنانا۔

(د) عمارة المساجد ، مساجد کی تعمیرات۔

ان چار مصارف میں سے کسی میں بھی تملیک متحقق نہیں ہوتی، اسی کو ابن الشحہ، صاحب محیط برہانی، صاحب در مختار وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

صاحب محیط برہانی نے مزید مصارف بیان فرمائے ہیں:

(ھ) ما فی صلاح المسلمین ، مسلمانوں کے عام فائدہ کے لئے استعمال کرنا۔

(و) وبناء الحصون فی الثغور ، سرحدوں پر حفاظت کی خاطر قلعوں کی تعمیر۔

(ز) وإلی مرأصد الطريق ... اسلامی ممالک میں امن وامان کی خاطر رصد گاہوں پر خرچ کرنا۔

(ک) وإلی کري الأنهار العظام ... بڑی نہروں کی کھدائی میں صرف کرنا جن میں مسلمانوں کا

فائدہ ہو۔

الموسوعة الفقہیہ میں ہے:

البيت الرابع : وهو بيت مال الفی : أهم موارد هذا البيت ما يلي :

أ- أنواع الفی . ب- سهم اللہ ورسوله من الأ خمس . ج- الأراضی التي غنمها

المسلمون . د- خراج الأراض التي غنمها المسلمون . ز- مال من مات بلا وارث من

المسلمین ، و من ذلك دیتہ ....

مصارف بیت مال الفی :

مصرف أموال هذا البيت (البيت الرابع) المصالح العامة للمسلمین ، فيكون تحت

ید الإمام ، و يصرف منه بحسب نظره واجتهاده فی المصلحة العامة ...

ز - المصالح العامة لبلدان المسلمین ، من انشاء المساجد والطرق والجسور

والقناطر والأنهار والمدارس ونحو ذلك ، وإصلاح ما تلف منها . (الموسوعة الفقہیة

الکویتية: ۸/ ۲۰۰۔

تنبیہ: الموسوعہ میں لفظ کے مصرف کو نوع ثالث میں ذکر کیا ہے اور لا وارث کے ترکہ کے مصرف کو نوع رابع کے تحت ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات فقہیہ کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ لفظ اور ترکہ کے مصرف کے بارے میں فقہاء کے ہاں دو قول دستیاب ہوتے ہیں:

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ فقراء پر خرچ کرے خواہ ان کو مالک بنادے یا ان کی ضروریات پر بغیر تملیک کے خرچ کرے جیسے عکفین و تنجیز کہ اس میں تملیک فقیر نہیں پائی جاتی۔

(۲) رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اس قول کو علامہ شامیؒ نے غیر مشہور قرار دیا ہے، لیکن الحیظ البرہانی میں یہ قول امام محمدؒ سے منقول ہے، جیسا کہ مذکور ہوا، نیز اس قول کو علامہ عبدالبر ابن الشنہ حلبیؒ، علامہ ہسکفیؒ، صاحب محیط برہانیؒ، علامہ بزدویؒ اور ابن الضیاء المقدسیؒ وغیرہ فقہاء کی ایک جماعت نے اختیار فرمایا ہے۔

مزید برآں ”الموسوعة الفقهية الكويتية“ میں بھی اس قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

الغرض دوسرے قول کی روشنی میں فقیر درمیان سے نکل جائے گا، اور عام خیراتی اداروں میں خرچ کرنا جائز اور درست ہوگا۔ (ظاہر ہے کہ اس قول کو بڑے بڑے محققین نے اختیار کیا ہے۔)

پانچویں نظیر اموال ربا اور اموال حرام ہیں:

ہر وہ مال جو بلا کسی شرعی وجہ سے حاصل ہو جائے، یا بینک وغیرہ سے قرض میں مشروط عوض لیا جائے جسکا مالک معلوم نہ ہو، ان اموال کا حکم یہ ہے کہ یہ واجب التصدق ہیں لیکن واجب التملیک ہیں یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں:

(۱) اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ اموال واجب التملیک ہیں۔ یعنی کسی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔

(۲) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ اموال واجب التملیک نہیں ہیں۔ لہذا رفاہ عام میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے۔ اسی کے مطابق حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور مولانا مجیب اللہ صاحبؒ، (صاحب اسلامی فقہ) وغیرہ

حضرات نے فتویٰ دیا ہے۔

چھٹی چیز غیر منصوص ہونا ہے:

مزید براں چرم قربانی کی رقم کے واجب التملیک ہونے میں کوئی صریح نص موجود نہیں ہے، بلکہ یہ مسئلہ قیاسی ہے، لہذا اس میں زیادہ تشدد مناسب نہیں ہے، جبکہ زکوٰۃ صدقہ فطر وغیرہ کی تملیک خود منصوص میں صراحتہً دلالت و اشارہ موجود ہے۔

اور قربانی کا مقصد اصلی اراقہ ہے۔ ملاحظہ ہو: ”والقربة إنما تعلقت بنفس الاضحية لا بلحمها وجلدها فلو اشترى لحماً وتصدق به لم يكن من الاضحية في شيء، وقد روى الترمذی عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وحسنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: ”ما عمل ابن آدم يوم النحر عملاً أحب إلى الله من إراقة الدم“... فالقربة إنما هو الذبيح والنحر على اسم الله، وإنما أمر يأكل اللحم والتصدق به وبالجلد ونحوه... لكونه ملابساً لمحل القربة“۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۲۵۸، باب بیع جلد الاضحية)۔

اور یہ مقصود حاصل ہو گیا، اسی وجہ سے گوشت کھانے اور کھال استعمال کرنے کی شارع علیہ السلام نے خود اجازت دی ہے، ہاں فروخت کر کے قیمت استعمال کرنے کی اجازت اس وجہ سے نہیں دی تاکہ تجارت کا باب مفتوح نہ ہو جائے، لہذا قیمت کو صدقہ کر دینے کا حکم احادیث میں ہے اور فقہاء نے بھی لگایا ہے جس کی اصل کو دیکھتے ہوئے تملیک مستفاد نہیں ہوتی۔

تاہم اکابر دیوبند کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے، لیکن تشدد برتا صحیح نہیں ہے، اگر کسی نے قیمت مسجد میں صرف کر دی تو دوبارہ صدقہ کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ چرم قربانی مسجد کے متولی کو دیدیں اور وہ فروخت کر کے مسجد میں خرچ کرے۔

## ”چند اشکالات اور ان کے جوابات“

اشکال (۱): اگر کوئی اشکال کرے کہ چرم قربانی بنیت تصدق فروخت کرے تو عدم خبث کی وجہ سے واجب التملیک نہیں ہے تو یہ ٹھیک ہے، لیکن بنیت تمول فروخت کرے تو خبث کی وجہ سے واجب التملیک ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض اکابرؒ کی رائے کے مطابق اموال ربا، اسی طرح غیر شرعی طریقہ پر حاصل کیے ہوئے اموال میں خبث ہے، اس وجہ سے واجب التصدق ہیں، لیکن ان حضرات کے نزدیک ان اموال میں بھی تملیک ضروری نہیں ہے، رفاہ عام، خیراتی ادارے وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اکثر ارباب افتاء کے ہاں جس مال میں خبث ہو اس میں تملیک فقیر ضروری ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ تملیک فقیر ضروری نہیں ہے، ان حضرات کے مسلک کی دلیل یہ حدیث شریف بن سکتی ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم ثمود کی جگہ پہنچ گئے اور صحابہ کرامؓ نے ان کے کنویں کے پانی سے آٹا گوندھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم فرمایا:

ملاحظہ فرمائیے بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمرؓ أن الناس نزلوا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم أرض ثمود الحجر فاستقوا من بشرها واعتجنوا به فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يهرقوا ما استقوا من بشرها وأن يعلفوا الإبل العجین وأمرهم أن يستقوا من البشر التي كانت تردھا الناقة. (رواه البخاری: ۱/ ۴۷۸).

ایک روایت میں آئے کے پھینکنے کا حکم ہے اس آئے میں کراہت تحریمی آئی تھی یا تنزیہی دونوں صورتوں میں



اونٹوں کو کھلانے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز میں خبث آجائے اور خود استعمال نہ کر سکے اسکو کسی کار خیر میں استعمال کرنے کی گنجائش ہوتی ہے، ہاں ضرر کو گرانے کا حکم ہے اسکی تملیک کی اجازت نہیں ہے، البتہ تقطیل کر سکتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (عمدة القاری: ۱۱/۹۹)۔

روایت مذکورہ بالا میں گوندھے ہوئے آٹے کی تملیک نہیں پائی گئی۔

تو جس مال میں واجب الصدق ہونے کے ساتھ خبث بھی نہیں (جیسے چرم قربانی کی رقم جبکہ بنیت صدق فروخت کی گئی ہو) اس میں بطریق اولیٰ فقیر کی تملیک ضروری نہیں ہونی چاہئے۔

اشکال (۲): حضرات اکابر دیوبند نے چرم قربانی کی قیمت کو واجب التملیک کس وجہ سے فرمایا اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب (۲): حضرات اکابر کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ جہاں لفظ صدقہ بولا جاتا ہے وہاں صدقہ سے صدقہ واجب مراد ہوتا ہے اور صدقہ واجب میں مثل زکوٰۃ، صدقہ فطر وغیرہ تملیک ضروری ہے۔ ملاحظہ فرمائیں مفتی اعظم پاک و ہند حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً فرماتے ہیں:

لما فی الخلاصة وفي مجمع النوازل قوله عليه الصلاة والسلام: لا تحل الصدقة لغني ولا لفقير بني هاشم محمول على الصدقة الواجبة... أما إذا أطلق لفظ الصدقة فهي صدقة واجبة. (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵)۔

وفي رد المحتار: وهو (يعني مصرف الزكاة) مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (فتاوى الشامى: ۳/۳۳۹، سعيد)۔ (جواهر الفقہ: ۶/۳۳۲)۔

امداد لمقتنین میں فرماتے ہیں:

لفظ صدقہ اور صدق جب مطلق بولا جاتا ہے تو عرف فقہاء میں واجب التملیک ہوتا ہے اور مصرف اس کا فقراء ہیں بناءً مدارس وغیرہ اس میں داخل نہیں ہوتی۔ (امداد لمقتنین، جلد دوم، ۲۸۴، کتاب الزکوٰۃ، رسالہ: اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام)۔

لیکن خود حضرت تھانویؒ نے لفظ کو کسی بھی کارِ خیر میں خرچ کرنے کو جائز فرمایا۔ (اشرف الاحکام ص ۱۹۷)۔ کما مر۔  
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

(سوال میں حضرت سے کمال کی قیمت کو مسجد کی مرمت میں صرف نہ کرنے کی دلیل کا مطالبہ کیا گیا تو فرمایا):

یہ احکام مختلف ابواب سے لئے ہیں، فی الدر المختار: فإن بیع اللحم و الجلد ای بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمانه وفيه كتاب الهبة والصدقة كالهبة لا تصح غیر مقبوضة وفيه هو ای الهبة تملك العين مجاناً وفيه باب المصروف للزكاة و جازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم. الخ. ان روایات سے ثمن جلد کے تصدق کا وجوب اور تصدق میں اشتراط تملیک اور صدقات واجبہ کا مصرف مثل زکوٰۃ کے ہونا ثابت ہوا۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۵۶۶)۔

نیز دیگر چند مقامات پر بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: (امداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۵ و ۵۶۱)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی امداد الاحکام میں مسئلہ مذکورہ بالا کو دلائل سے یا تفصیل واضح فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ چم قربانی کی قیمت کا حکم صدقہ نافلہ کی طرح نہیں ہے بلکہ صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ و صدقۃ الفطر ہے، الا یہ کہ ان دونوں کے علاوہ میں اباحت بھی کافی ہے اور زکوٰۃ اور صدقۃ فطر میں اباحت کافی نہیں ہے۔ راجع: (امداد الاحکام: ۳/۲۵۷-۲۵۹)۔

مذکورہ بالا تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ تصدق میں تملیک ضروری ہے مثل الزکوٰۃ و صدقۃ الفطر۔

☆ لیکن اگر احادیث اور فقہاء کی عبارات کو بنظر غائر دیکھا جائے تو ہر جگہ علی الاطلاق لفظ تصدق سے تملیک مستفاد نہیں ہوتی۔ بلکہ تصدق غیر واجب التملیک میں بھی مستعمل ہے۔

لفظ ”تصدق“ غیر واجب التملیک میں مستعمل ہوا ہے اس کے نظائر احادیث میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن علي رضي الله تعالى عنه قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن

أقوم على بدنه وأن أتصدق بلحموها وجلودها ... الخ. (متفق عليه).

قال العلامة ظفر أحمد العثماني: أما الأمر بالتصدق بالأشياء المذكورة فمحمول

امت میں سلفاً و خلفاً غالباً کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ قربانی کا گوشت اور اس کی کھال واجب التملیک ہے بلکہ واجب التصدق بھی نہیں ہے۔ ”لأن الشارع أباح انتفاع المالك باللحوم والجلود“۔

(۲) أخرج الشيخان عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أصاب أرضاً بخير... إلى قوله... قال: فتصدق بها عمر رضی اللہ عنہ أنه لا تباع ولا توهب ولا تورث وتصدق بها في الفقراء وفي القربى وفي الرقاب وفي سبيل الله وابن السبيل والضعيف... الخ. (رواه البخاري: ۳۸۲/۱، ومسلم: ۴۱/۲)۔

حدیث بالا میں تصدق کے لفظ میں اگر تملیک فقیر ضروری ہو تو پھر یہ فی سبیل اللہ اور فاء عام وغیرہ میں کیسے تحقق ہوگی اور وقف واجب التملیک الی الفقیر نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

(۳) أخرج الدار قطني: (۱۸۲/۴)، والطبراني في الأوسط: (۳۵۳/۵)، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسئل عن اللقطة، فقال: لا تحل اللقطة من التقط شيئاً فليعرفه سنة، فإن جاء صاحبها فليردها إليه، وإن لم يات صاحبها فليصدق بها... الخ. وهذا اللفظ للدار قطني، وإسناده ضعيف.

وروى ابن أبي شيبة في المصنف عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال في اللقطة يعرفها سنة فإن جاء صاحبها وإلا تصدق بها... الخ. (رواه ابن أبي شيبة في المصنف: ۱۰/۱۳۹، ۱۸۶۳۰)۔

حدیث مذکور میں لقطہ کے بارے میں لفظ تصدق موجود ہے اور فقہاء کی عبارات پہلے گزر چکی ہے کہ لقطہ فقیر اموات کے کفن و دفن میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جبکہ اس میں تملیک متحقق نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ اس حدیث میں لفظ تصدق واجب التصدق کیلئے ہے، نہ کہ واجب التملیک کے لئے۔

(۴) أخرج أبو داود والنسائي عن سعد بن عبادَةَ قال: يا رسول الله إن أم سعد ماتت فأى الصدقة أفضل قال: الماء فحفر بئراً، وقال: هذه لأُم سعد. (أبو داود، رقم: ۱۶۸۳)۔

حدیث بالا میں لفظ صدقہ کا اطلاق رفاہ عام (کنواں) پر ہوا ہے جس میں تملیک نہیں ہے۔

(۵) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا مات الإنسان

انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة، إلا من صدقة جارية... الخ. (رواه مسلم: ۲/۴۱، والترمذی: ۱/۲۵۶)۔  
 ”صدقہ جاریہ“ میں مدارس، مساجد، مصالح المسلمین، خیراتی ادارے، رفاہ عام وغیرہ سب داخل ہیں، جن میں تملیک متحقق نہیں ہوتی۔

(۶) عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من مسلم يغرس غرساً أو يزرع زرعاً فبأكل منه إنسان أو طير أو بهيمة إلا كانت له صدقة. (متفق عليه)۔

روایت بالا میں لفظ صدقہ کو تملیک اور غیر تملیک دونوں کے لیے لایا گیا، اس لئے کہ انسان حاصل کرے گا تو تملیک متحقق ہو جائیگی، لیکن جانور، پرندے وغیرہ میں تملیک کا متحقق ہونا غیر معقول ہے۔  
 ہاں قرآن اور احادیث میں جہاں صدقہ واجبہ ہو تو اس سے واجب التملیک مراد ہے، جیسے: صدقۃ الفطر، زکوٰۃ وغیرہ، وہاں سیاق و سباق تملیک کو متعین کرتا ہے ورنہ نفس صدقہ میں واجب التملیک کا پہلو غالباً نہیں ہے۔  
 (اگرچہ بعض مفسرین نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ مطلق لفظ تصدق صدقات واجبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔  
 صدقات واجبہ میں واجب التملیک مراد ہے اس کے چند نظائر ملاحظہ فرمائیں:

(الف) مثلاً قرآن کریم میں آیت کریمہ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ﴾۔ میں زکوٰۃ مراد ہے جو واجب التملیک ہے اور اس کا قرینہ ”فريضة من الله“ ہے۔

(باء) ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ﴾۔ میں مفسرین فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مراد ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک جماعت نے زکوٰۃ ادا کرنے سے منع کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال و جہاد فرمایا۔

(ج) حدیث شریف میں ہے: ”لا تحل الصدقة لبني هاشم“ میں بنی ہاشم قرینہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ مراد ہے، ورنہ صدقات نافلہ غیر واجب التملیک بنی ہاشم کو دے سکتے ہیں۔

(د) فقہاء کی اصطلاح میں بھی صدقہ سے صدقہ نافلہ غیر واجب التملیک مراد ہوتا ہے۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے: ولذا صححوا النذر بالوقف لأن من جنسه واجباً وهو بناء مسجد

للمسلمین. (فتاویٰ الشامی: ۷۳۵/۳، سعید).

معلوم ہوا کہ وقف کی نذر صحیح ہے اور ظاہر ہے کہ یہ واجب التصدق ہے، لیکن اس میں فقیر کی تملیک نہیں ہے کیونکہ وقف ہے اسی طرح کفارہ میں جو فقراء کا اطعام ہے وہ واجب التصدق ہے لیکن اس میں اباحت بھی چلتی ہے تملیک ہی ضروری نہیں ہے۔

”الموسوعة الفقهية الكويتة“ میں مذکور ہے:

والغالب عند الفقهاء استعمال لفظ الصدقة في صدقة التطوع. (الموسوعة: ۱۰۹/۴۴).

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

والغالب عند الفقهاء: استعمال هذه الكلمة في صدقة التطوع خاصة، يقول الشربيني: صدقة التطوع هي المرادة عند الإطلاق غالباً، ويفهم من كلام سائر الفقهاء أيضاً، يقول الحطاب: الهبة أن تمحضت لثواب الآخرة فهي الصدقة ومثله ما قاله البعلبي الحنبلي في المطلع على أبواب المقنع: وفي وجه تسميتها صدقة يقول القليوبي: سميت بذلك لإشعارها بصدق نية باذلها وهذا المعنى الأخير أي صدقة التطوع هو المقصود في هذا البحث عند الإطلاق، وقد تطلق الصدقة على الوقف... وقد تطلق الصدقة على كل نوع من المعروف... (الموسوعة: ۲۶/۳۲۳).

مذکورہ بالا تمام شواہد اور نظائر سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ تصدق یا صدقہ مطلق ہو تو صدقات واجبہ پر نہیں بولا جاتا بلکہ احادیث اور فقہاء کی اصطلاح میں صدقہ ناقلہ اور واجب التصدق پر بھی بولا جاتا ہے الا یہ کہ سیاق و سباق صدقات واجبہ پر دلالت کرے تو پھر واجب التملیک مراد ہوگا۔

اشکال (۳): بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے صدقہ میں تملیک فقیر ضروری ہے، چاہے ناقلہ

ہو یا واجب حتی کہ یہ بھی بلا تملیک تام نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہوا لحر الرائق میں ہے:

والصدقة كالهبة لا تصح إلا بالقبض لأنها تبرع كالهبة. (البحر الرائق: ۲۹۷/۷، کویتہ).

وفی الدر المختار: والصدقة كالهبة بجامع التبرع وحينئذ لا تصح غير مقبوضة .

(الدر المختار: ۳۴۹/۲، سعید).

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ تملیک فقیر ضروری ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: یہ بات تو مسلم ہے کہ تمام صدقات، ہبہ، عطیہ وغیرہ میں قبضہ ضروری ہے بغیر قبضہ کے تام نہیں ہوتے لیکن یہ بات مسلم نہیں ہے کہ ہر صدقہ و عطیہ کے لئے تملیک فقیر ضروری ہے، ہاں متولی اور ناظم حضرات کا قبضہ ضروری ہے اور مسجد مدرسہ کے لئے صدقہ نافلہ کسی فقیر کی ملک نہیں ہوتا بلکہ مسجد کی ملک میں ہوتا ہے۔

اقسام صدقات اور ان کے مابین فرق:-

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صدقات کی اقسام مع احکام کے واضح کر دیا جائے تاکہ ہر ایک کے مابین فرق بھی واضح ہو جائے، اگرچہ ان اقسام میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ چنانچہ شریعت مطہرہ میں صدقات کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے:

(۱) صدقہ کا اطلاق زکوٰۃ پر ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست بندوں پر فرض کی گئی

ہے۔

(۲) صدقہ کا اطلاق صدقۃ الفطر پر ہوتا ہے۔ اور یہ واجب ہے، اس کا وجوب بھی براہ راست من

جانب الشارع ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

(۳) مذکورہ کفار پر بھی صدقہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ بندوں کے اپنے فعل کی وجہ سے واجب ہوتے

ہیں۔ مذکورہ بالا تینوں قسموں کو صدقات واجبہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال فی رد المحتار: قوله أى مصرف الزكاة والعشر... وهو مصرف أيضاً لصدقۃ

الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة . (رد المحتار: ۳۳۹/۲، باب المصرف).

(۴) صدقہ کا اطلاق واجب التصدق اموال پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی جو ملک غیر یا خبث کی وجہ سے قابل

استعمال نہ رہے تو شریعت نے اس کو واجب التصدق قرار دیا ہے۔ یا کسی فعل کے ارتکاب کی وجہ سے لازم ہو جائے جیسے لفظ اٹھانے کی وجہ سے وہ واجب التصدق ہے یا قربانی کی کھال فروخت کرنے سے قیمت واجب التصدق ہے۔ اسی طرح چوری، غصب، ربا، انشورنس وغیرہ دیگر حرام اور ناجائز طریقہ پر کسب کئے ہوئے اموال جن کے مالکین معلوم نہ ہوں، تو یہ تمام واجب التصدق ہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ ایسے اموال کے بارے میں فرماتے ہیں:

وقال فی النہایة : قال بعض مشائخنا : کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل أخذه ، وعلى هذا قالوا : لو مات الرجل وکسبه من بیع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة ... ویردونها علی أربابها إن عرفوهم ، وإلا تصدقوا بها لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه . (رد المحتار: ۶/۳۸۵ ، فصل فی البیع ، سعید).

(۵) صدقہ کا اطلاق وقف، ہبہ، ہدیہ، عطیہ پر بھی ہوتا ہے تو اس سے مراد صدقاتِ نافلہ ہوتے ہیں، اگرچہ فقہاء نے ان کے مابین کچھ فرق کیا ہے۔

(الف) وقف: اپنی ملکیت سے جدا کر کے اللہ تعالیٰ کی ملک میں دینے کے ساتھ عین کو باقی رکھتے ہوئے انتفاع کی اجازت دینا، مساجد، مدارس، خیراتی ادارے یا فقراء، سب پر وقف ہو سکتا ہے۔

(باء) ہبہ: رشتہ داروں میں مواصلت اور محبت کے لئے ہو تو ہبہ ہے۔

(ج) ہدیہ: تعظیم و اکرام مقصود ہو تو ہدیہ ہے۔

(د) عطیہ: اخروی ثواب مقصود ہو تو صدقہ محض ہے۔ پھر عطیہ ان تمام کو شامل ہے۔

ملاحظہ ہو ”الموسوعة الفقهية الكويتية“ میں ہے:

وقد تطلق الصدقة علی الوقف ... وقد تطلق الصدقة علی کل نوع من المصروف

... إذا کان لثواب الآخرة فصدقة ، وإذا کان للمواصلة والوداد فہبة ، وإن قصد به الإکرام

فہدية ... والعطية شاملة للجميع . (الموسوعة: ۲۶/۳۲۳).

بدائع الصنائع میں ہے: وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغنی لأنها تجري مجرى

الہبة. (بدائع الصنائع: ۲/۲۶۲، سعید).

### ﴿احکام صدقات میں فرق﴾

ان مذکورہ بالا اقسام میں سے پہلی اور دوسری قسم کا مصرف فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں یعنی ان میں تملیک واجب اور ضروری ہے، بلا تملیک جائز اور درست نہیں ہوں گے۔

نذور اور کفارات یعنی تیسری قسم بھی صدقات واجبہ کے قبیل سے ہے لیکن بعض علماء کے ہاں ان میں تملیک فقیر ضروری نہیں ہے، بلکہ اباحت بھی کافی ہے۔ کما فی غنیۃ الناسک و امداد الاحکام۔  
ہاں عام فقہاء ان تینوں کو صدقات واجبہ کہتے ہیں۔

چوتھی قسم واجب التصدق ہے۔ اور اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب التملیک ہے یا فقط واجب التصدق ہے۔ جس کی تفصیل نظیر نمبر ۴ کے تحت گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔  
پانچویں قسم صدقات نافلہ میں قبضہ ضروری ہے، بلا قبضہ تام نہیں ہوتے ہیں۔  
ملاحظہ فرمائیں غنیۃ الناسک فی بغیۃ الناسک میں ہے:

لا فرق بین الزکاة وبقیۃ الهدایا بل بین کل صدقة واجبة کالفطر والنذور والكفارات فی المصارف وأموال الصرف إلا أن الزکاة لا يجوز صرفه إلی الذمی بالاتفاق... وإلا أن الزکاة و الفطرة يشترط فی صرفها التملیک و فی ما سواهما یکفی الإباحة أيضاً. (غنیۃ الناسک، ص: ۱۹۲، فصل فی احکام الهدایا...).

اسی طرح امداد الاحکام میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۴/۳۵۹)۔

اگرچہ علامہ شامیؒ نے تمام صدقات واجبہ ۱، ۲، ۳ سب کا مصرف ایک ہی بیان کیا ہے یعنی تملیک فقیر شرط قرار دی ہے، البتہ ۴ میں تملیک شرط نہیں، جیسا کہ لفظ کے بارے میں فقہاء کی عبارت مذکور ہوئیں۔  
بایں وجہ رقم چہم قربانی میں بعض افغانی علماء کے نزدیک بھی تملیک شرط نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صدقہ واجبہ اور واجب التصدق کا فرق یوں سمجھ میں آتا ہے کہ جو صدقہ براہ راست آدمی پر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لازم ہو یا خود آدمی اپنے اوپر بطور نذر لازم کرے وہ صدقہ



واجب ہے، جیسے زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر اور جو صدقہ آدمی پر براہ راست لازم نہ ہو بلکہ کسی فعل کے ارتکاب کے نتیجے میں لازم ہو جائے وہ واجب التصدق ہوتا ہے، جیسے قربانیوں کی کھالوں کی بیچ کی وجہ سے ان کی قیمت واجب التصدق ہے یا لقطہ اٹھانے کے نتیجے میں لقطہ یا اس کی قیمت واجب التصدق ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک اشکال اور جواب:

**اشکال:** آپ نے جو صدقات واجبہ اور واجب التصدق کے مابین جو فرق بیان کیا ہے، کیا فقہاء نے بھی ایسا کوئی فرق بیان کیا ہے یا نہیں؟ اگر بیان کیا ہے تو اس کا حوالہ بتلا دیجئے؟

**الجواب:** علامہ سرخسیؒ نے مبسوط میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کے تحت فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لقطہ استعمال فرمایا جب کہ صدقات واجبہ بنی ہاشم کے لیے حلال نہیں ہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لقطہ صدقات واجبہ کی طرح نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم علیحدہ ہے یعنی فقط واجب التصدق ہے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے استعمال فرمایا۔

مبسوط کی عبارت ملاحظہ ہو:

ولما روي عن علي عليه السلام أنه وجد ديناراً فاشتري به طعاماً بعد التعريف فأكل من ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلي وفاطمة والحسن والحسين رضي الله تعالى عنهم أجمعين... فللهذا تناولوا منه على أن الصدقة الواجبة كانت لا تحل لهم وهذا لم يكن من تلك الجملة فللهذا استجاز علي رضي الله تعالى عنه الشراء بها لحاجته. (المبسوط للامام السرخسي: ۸۰۷/۱۱).

چرم قربانی بھی اصل کے اعتبار سے واجب التصدق نہیں ہے لہذا اس کی قیمت بھی واجب التصدق نہیں ہونی چاہئے تھی، لیکن فقہاء نے واجب التصدق اس وجہ سے قرار دیا کہ تجارت کا باب مفتوح نہ ہو جائے، لہذا یہ واجب التصدق غیرہ ہے، اس لیے اس کو مسجد میں صرف کرنا جائز ہونا چاہئے۔

اس کی نظیر قربانی کا گوشت ہے کہ خود کھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی دے سکتے ہیں، اس میں تملیک ضروری نہیں ہے، پرانے زمانہ میں منی میں تھوڑا بہت گوشت استعمال کر کے دوسرا چھوڑ دیتے تھے اور سب ضائع ہو جاتا تھا، چرند پرند وغیرہ کھاتے تھے، لہذا اس کو کیوں خواہ مخواہ زکوٰۃ کی طرح بنایا جائے۔

فتیہ العصر حضرت مفتی فرید صاحبؒ فرماتے ہیں:

حجاج ہمیشہ لاکھوں ہدایا ذبح کرتے ہیں اور گوشت اور چمڑوں میں اباحت کرتے ہیں نہ کہ تملیک و علیہ التعامل۔ (فتاویٰ فریدیہ ۶۶۰/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فصل چہارم

### قربانی سے متعلق متفرق احکام کا بیان

بیرونی ملک میں قربانی کرانے کا حکم:

سوال: جنوبی افریقہ کے کچھ لوگ اپنے ملک سے باہر قربانیاں کراتے ہیں جو حضرات اس کام کی نگرانی یا تجارت کرتے ہیں وہ دو قسم کا معاملہ کرتے ہیں:

(۱) بعض حضرات لوگوں سے ۵۰۰ رینڈی قربانی رقم وصول کرتے ہیں اور جانور وہاں انڈیا میں رکھتے ہیں، ایک جانور کو ۵۰۰ میں ایک آدمی کو فروخت کرتے ہیں اور اپنے وکیل کو اطلاع دیتے ہیں کہ ایک جانور پر فلاں کے لیے علامت لگا دو۔ اس کا کیا حکم ہے؟ اس صورت میں مشتری کا قبضہ نہیں ہوا تو ہلاک ہونے کی صورت میں بائع پر تاوان ہونا چاہئے، نیز مشتری یا اس کے وکیل نے دیکھا بھی نہیں تو یہ بیع مجہول بھی ہے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خریداروں سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے چار سو رینڈ میں قربانی خریدیں گے اور ایک سو رینڈ ہمارا حق محنت ہے اس میں بظاہر یہ خرابی ہے کہ اگر جانور چار سو سے کم میں خریدنا تو بقیہ رقم واپس کرنی چاہئے اور ایسا نہیں ہوتا۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ پہلی صورت میں اگر قربانی والے مشتری نے ایجنٹ کو مکمل اختیار دیا ہو کہ آپ جس کو چاہے میرا جانور حوالہ کر دے اور بظاہر ایسا ہوتا ہے، تو جو شخص ہندوستان میں جانوروں کی نگرانی

کرتا ہے وہ قربانی والے کی طرف سے مشتری کا وکیل بالقبض بن گیا، اس لیے ہلاکت کی صورت میں تاوان مشتری پر آئیگا بائع پر نہیں آئیگا، اور وکیل کی رویت موکل کی رویت بن گئی، اور یہ معاملہ جائز ٹھہرا۔

(۲) دوسری صورت میں خریداری کے وکیل کے لیے سوریند حق محنت وصول کرنا جائز ہے، اور اگر چار سو سے کم میں خرید اتو بقیہ رقم کے بارے میں دو صورتیں ہیں: (الف) ایک یہ ہے کہ موکل نے کہا ہو کہ زائد رقم بھی آپ رکھ لیں، تو پھر اپنے لیے رکھ سکتا ہے، (ب) اور اگر یہ نہ کہا ہو تو اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔

حضرت تھانویؒ سے اس قسم کا ایک سوال کیا گیا، سوال و جواب کا خلاصہ حسب ذیل ملاحظہ ہو:

سوال: اگر کوئی طبیب کسی کے لیے دو ابنادیں اور زیادہ دام مریض سے وصول کرے تو زائد دام

لینا جائز ہے یا نہیں؟

حضرت تھانویؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا: اگر مریض کی اجازت سے اپنے صرف میں لایا تو جائز ہے، ورنہ واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ لوگ معلوم نہ ہوں تو ان کی طرف سے صدقہ کرے۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۱۵/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عورت کا اپنی قربانی خود کرنے کا حکم:

سوال: کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ عید الاضحیٰ میں اپنا جانور خود ذبح کرے؟

الجواب: اگر عورت اچھی طرح ذبح کرنا جانتی ہے تو وہ خود اپنا جانور ذبح کر سکتی ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن نافع سمع ابن کعب بن مالک یخبر ابن عمر رضی اللہ عنہما أن أباه أخبره أن جاریة لهم كانت ترعى غنماً بسلع فأبصرت بشاة من غنمها موتاً فکسرت حجراً فذبحتها فقال لأهلہ لاتأکلوا حتی آتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأسأله أو حتی أرسل إلیه من یسأله فأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم أو بعث إلیه فأمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بأکلها. (رواه البیہاقی:

سنن کبریٰ یہی ہے:

عن الشعبي عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم رخص في ذبيحة المرأة والصبي أو الغلام إذا ذكروا اسم الله . هذا إسناده فيه ضعف . (السنن الكبرى لبيهقي: ۱۹۶۳۲/۲۸۳/۹).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

المرأة المسلمة والكتيبة في الذبح كالرجل . (الفتاوى الهندية: ۵/۲۸۶).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بلا کراہت حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۰۸)۔

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

ذبح اور ذبیحہ کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ ذبح کرنے والا مرد ہو، اس مسئلہ میں مرد و عورت کا حکم یکساں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۹۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی کی گائے کے دودھ کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے قربانی کے لیے گائے خریدی وہ دودھ دیتی ہے تو کیا دودھ استعمال کر سکتا ہے یا اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؟

**الجواب:** قربانی کے جانور کا گزر بسر اکثر مالک کے گھر پر ہو تو اس صورت میں دودھ استعمال کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر قربانی کے جانور کا گزر بسر اکثر باہر ہو تو اس کے دودھ کے استعمال کرنے سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے غنی کے لیے استعمال کی اجازت دی ہے، اور فقیر کے لیے اس کے استعمال کو مکروہ قرار دیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک دونوں کے لیے استعمال مکروہ ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

لہذا اب اگر قربانی کا زمانہ قریب ہو تو دودھ نہ نکالا جائے بلکہ ٹھنڈے پانی سے چھڑکا دیا جائے تاکہ دودھ خشک ہو جائے، اور اگر قربانی کا زمانہ بعید ہے تو دودھ دودھ کر فقراء کو صدقہ کر دیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله "يكره الانتفاع بلبنها" فإن كانت التضحية قريبة ينضح ضرعها بالماء البارد وإلا حلبه وتصدق به .

وفى الدر المختار: ومنهم من أجازهما للغني لجوبهما فى الذمة فلا تتعين . وفى الشامية: والجواب أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل له الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها، بدائع . (رد المحتار مع الدر المختار: ۳۲۹/۶، سعيد).

قال الإمام الطحطاوى: والذى فى الهندية عن الغياثية لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزاءها قبل إقامة القربة فيها والصحيح أن الموسر والمعسر فى جزئ صوفها وحلبها سواء، وهو أولى ولا يراد عليه . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱۶۷/۴، كم تته).

وفى الهندية: فإن كان يعلفها فما اكتسب من لبنها أو انتفع من روثها فهو له ولا يتصدق بشيء، كذا فى محيط السرخسى . (الفتاوى الهندية: ۳۰۱/۵، كتاب الاضحية، الباب السادس).

وفى خلاصة الفتاوى: ... وما أصاب من لبنها تصدق بمثله أو قيمته ... إلا أن يعلفها بقدرها . (خلاصة الفتاوى: ۳۲۱/۴، كتاب الاضحية، الفصل السادس).

وللاستزادة انظر: (الكفاية على هامش فتح القدير: ۴۳۷/۸، رشيدية، وبدائع الصنائع: ۷۸/۵، سعيد، والفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۶، وفتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهندية: ۳۰۴/۳، وتكملة البحر الرائق: ۱۷۹/۸، وتبيين الحقائق: ۹/۶، ملتان).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قربانی کے جانور کا دودھ اپنے استعمال میں لانا مکروہ ہے، اس لیے اگر قربانی کے وقت میں دیر ہو تو دودھ دوہ کر صدقہ کر دیا جائے، شامی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۷۹/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

... اگر قربانی کی نیت سے خریدا ہو اور باہر چرگز کرتا ہو تو اس کے دودھ کے بارے میں اختلاف ہے، جواز و عدم جواز دونوں ظاہر الروایہ ہیں، والأول أوسع وأيسر والشأنی أحوط وأشهر، وفي قول يجوز للغبی لا للفقیر۔

قول عدم جواز کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا تو اس کا صدقہ کرنا واجب، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینے مار کر خشک کر دینا چاہئے، اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے۔ (حسن الفتاویٰ: ۷/۴۷۸)۔ واللہ اعلم۔

### گائے قربانی کے لیے نہ خریدی ہو تو دودھ کا حکم:

**سوال:** ایک شخص نے اپنے استعمال کے لیے گائے خریدی، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی نیت کی کہ ایام اضحیہ میں قربانی کر لیں گے، تو اس صورت میں دودھ اور بچے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ چونکہ قربانی کی نیت سے جانور نہیں خریدا بلکہ اپنے استعمال کے لیے خریدا اس لیے دودھ اور ولدِ اضحیہ کو استعمال میں لانا بلا کراہت جائز اور درست ہوگا۔

قربانی کی نیت کے بغیر خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوتا، بنا بریں اس کے دودھ اور بچہ سے انتفاع جائز ہوتا ہے، ہاں قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور قربانی کے لیے یا قربت کے لیے متعین ہوتا ہے، لہذا اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں رہتا۔

ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

و أما إذا اشترى شاة بغير نية الأضحية ثم نوى (بالقلب لا بلسانه) بعد الشراء لم يذكر هذا في ظاهر الرواية وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه لا يصير أضحية لو باعها يجوز

بيعها وبه نأخذ. (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۳/۳۴۶)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو كان في ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا يجب عليه سواء كان غنياً أو فقيراً لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر. (بدائع الصنائع: ۵/۶۲، سعيد).

نیز مذکور ہے:

أن المشتراة للأضحية متعينة للقربة إلى أن يقام غيرها مقامها فلا يحل الانتفاع بها ما دامت متعينة ولهذا لا يحل له لحمها إذا ذبحها قبل وقتها... فإن ولدت الأضحية ولدأ يذبح ولدها مع الأم كذا في الأصل وقال أيضاً وإن باعه يتصدق بثمنه لأن الأم تعينت للأضحية والولد يحدث على وصف الأم في الصفات الشرعية فيسرى إلى الولد كالرق والحرية. (بدائع الصنائع: ۵/۷۸، سعيد).

قال الإمام السرخسي: "لأن اللبن يتولد من عينها وقد جعلها للقربة. (المبسوط: ۱۲/۱۰۱۴).

وفی الہندیہ : لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۰۰).

مذکورہ بالا عبارات کا خلاصہ اور ما حاصل یہ ہے کہ گھر کا پالتو جانور یا استعمال کی نیت سے خرید کردہ جانور کے دودھ اور بچے سے انتفاع جائز ہے، کیونکہ تاہنوز اس نے قربت کے لیے متعین نہیں کیا، ہاں اگر جانور قربانی ہی کی نیت سے خرید اتواب وہ قربانی کے لیے متعین ہو گیا، لہذا اس کے دودھ اور بچے سے انتفاع ناجائز ہوگا۔

حسن الفتاویٰ میں تفصیل مرقوم ہے ملاحظہ فرمائیے:

مندرجہ ذیل صورتوں میں قربانی کے جانور کا دودھ استعمال میں لانا اور اس سے نفع حاصل کرنا بلا کراہت جائز ہے:

(۱) جانور گھر کا پالتو ہو۔

(۲) جانور خرید ا ہو مگر خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ ہو۔

(۳) قربانی کی نیت سے خرید ا ہو مگر اس کی گزر یا ہر چرنے پر نہ ہو بلکہ گھر میں چارہ کھاتا ہو۔



اگر قربانی کی نیت سے خرید اہو اور باہر چرگز کرتا ہو تو اس کے دودھ کے بارے میں اختلاف ہے، جواز عدم جواز دونوں ظاہر الروایہ ہیں، والأول اوسع وایسر والثانی احوط واشهر، وفي قول يجوز للغنی لا للفقير۔

قول عدم جواز کے مطابق اس کا دودھ استعمال میں لانا مکروہ ہے، اگر دودھ نکال لیا تو اس کا صدقہ کرنا واجب، ایسے جانور کا دودھ ٹھنڈے پانی کے چھینے مار کر خشک کر دینا چاہئے، اگر خشک نہ ہو اور جانور کو تکلیف ہو تو نکال کر صدقہ کر دیا جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ۷/۴۷۸)۔

نیز یہ بات ذہن نشین ہو کہ نیت میں تردد کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں ہوتا، ملاحظہ علامہ ابن نجیم مصریٰ فرماتے ہیں:

ومن المنافی: التردد وعدم الحزم فی أصلها، وفي الملتقط: وعن محمد فیمین اشتری خادماً للخدمة، وهو ینوی إن أصاب ربحاً بآعہ، لا زکاة علیہ. (الاشیاء والنظائر: ۱/۱۷۳). واللہ اعلم۔

## گائے کی قربانی ترک کرنے کا حکم:

**سوال:** ہندوستان میں گائے کی قربانی پر پابندی ہے اس لیے کہ ہندو مذہب میں گائے کی پوجا کی جاتی ہے، بنا بریں ہر سال ہندوستان کے مسلمانوں کو گائے کی قربانی کے وقت بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بلکہ جیل جانا پڑتا ہے، جب کہ دوسرے جانور باسانی مہیا ہو سکتے ہیں، تو کیا موجودہ دور میں ملکی حالات کے پیش نظر گائے کی قربانی ترک کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

**الجواب:** گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ہے، لہذا اگر جان مال، عزت آبرو وغیرہ کا کوئی خطرہ نہ ہو تو گائے کی قربانی کی جائے، ہاں فساد کا خطرہ ہو تو نہیں کرنا چاہئے۔ حکمت سے کام لینا چاہئے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالْبَدَن جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ (سورة الحج)۔

قال الإمام أبو البركات النسفي في مدارك التنزيل:

(والبدن) جمع بدنة سميت لعظم بدنها وفي الشريعة: يتناول الإبل والبقر... (من شعائر الله) أي من أعلام الشريعة التي شرعها الله... (لكم فيها خير) النفع في الدنيا والأجر في العقبى. (مدارك التنزيل: ۲/۱۰۲، ط: دار الفکر).

ذبح بقرہ قرآن مجید سے ثابت ہے:

قال الله تعالى: ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ (سورة البقرة)،

وقال تعالى: ﴿مِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ﴾ (سورة الانعام).

حدیث شریف سے گائے کی قربانی کا ثبوت:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نحر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نسائه في حجة بقره.

(رواه مسلم: ۱/۴۲۴).

وعن جابر قال: ذبح عن عائشة بقره يوم النحر. (رواه مسلم: ۱/۴۲۴).

امداد المفتین میں تفصیلی فتویٰ مذکور ہے، اس کا آخری حصہ ملاحظہ ہو:

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا کہ قربانی کا وہ واجب اور شعائر اسلام ہے، اس کو اجتماعی طور پر متروک کر دینا، یا اس پر تاحد اختیار کوئی قانونی پابندی قبول کرنا جائز نہیں۔ اور تاحد اختیار کے لفظ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر کسی جگہ مسلمان مقاومت کی قدرت نہ رکھیں تو ان کو چاہئے کہ حکومت سے اپنے تحفظ کا پورا انتظام اور اطمینان کیے بغیر اس پر اقدام نہ کریں اور اپنی جانوں کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

”وذلك لأن تعيين أحد الأصناف مباح لا رخصة: لأن الرخصة مقابلة العزيمة، وههنا ليس بعض الأصناف عزيمة وبعضها رخصة كما هو ظاهر من سياق الآيات والروايات وإذا أكره على ترك المباح يصير بتركه آثماً“ (امداد المفتین: جلد دوم، ص ۹۹، ۸۰۰، دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۳/۱۹۱-۱۹۹، وفتاویٰ محمودیہ مع التعليقات: ۱/۳۳۵-۳۳۷، جامعہ

فاروقیہ، وكفايت المفتي: ۸/۸۸، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جانور غنیمت فاحش میں بکتا ہو تو قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کسی جگہ قربانی کا جانور غنیمت فاحش میں فروخت ہوتا ہو مثلاً ۵۰۰ روپے کا جانور ۱۰۰۰ روپے میں تو اس صورت میں قربانی کا حکم ہوگا؟

**الجواب:** صاحب استطاعت لوگوں پر قربانی واجب ہے، تو اپنی استطاعت کے بقدر جانور خرید کر قربانی کرنا واجب ہے۔ ہاں صاحب نصاب نہ ہو یعنی قربانی خریدنے کی استطاعت نہیں ہے تو قربانی واجب نہیں ہے، اور قیمتوں کو اعتدال پر لانے کی جائز تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط الوجوب ... منها الغنى لما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من وجد سعة فليضح شرط عليه الصلاة والسلام السعة وهي الغنى. (بدائع الصنائع: ۶۴/۵ ط: سعيد).

حضرت مولانا مفتی یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں:

قربانی صاحب استطاعت لوگوں پر واجب ہے، اور واجبات شرعیہ کو اٹھادینے یا موقوف و منسوخ کر دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے علمائے کرام کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ ... جہاں تک قیمتوں کے اعتدال پر رکھنے کا سوال ہے، اس کے لیے دوسری تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں اور ضرور کرنی چاہئیں، اور جن لوگوں کے پاس مہینگے جانور خریدنے کی گنجائش نہیں ان پر قربانی واجب نہیں، وہ نہ کریں، مگر اس کا یہ علاج نہیں کہ اس سال قربانی ہی کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۳۳/۵، جدید ایڈیشن)۔ واللہ اعلم۔

وکیل ایام اضحیہ میں قربانی کرنا بھول گیا:

**سوال:** ایک شخص نے کسی کو قربانی کے لیے وکیل بنایا، مگر وہ وکیل قربانی کے ایام میں قربانی کرنا بھول

گیا، بعد میں یاد آیا تو اب کیا کرے گا اور اس کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ایامِ اخیر گزر جانے کے بعد قربانی درست نہیں ہے، بلکہ اس کی تلافی یہ ہے کہ اگر جانور خریدے تو جانور اور اگر جانور نہیں خریدا تھا تو درمیانی بکرے کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو كان موسراً في جميع الوقت فلم يضح حتى مضى الوقت ثم صار فقيراً صار قيمة شاة صالحة للأضحية ديناً في ذمته يتصدق بها متى وجدها لأن الوجوب قد تأكد عليه بآخر الوقت فلا يسقط بفقره بعد ذلك . (بدائع الصنائع: ۶۵/۵، سعيد).

وفى الدر المختار: ولو تركت التضحية ومضت أيامها تصدق بها حية... ولو ذبحها تصدق بلحمها، ولو نقصها تصدق بقيمة النقصان أيضاً... وفى رد المحتار: أقول: ذكر فى البدائع: أن الصحيح أن الشاة المشترية للأضحية إذا لم يضح بها حتى مضى الوقت يتصدق الموسر بعينها حية كالفقير بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمداً قال: وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف وقولنا... وعلى كل فالظاهر أنه لا يحل له الأكل منها إذا ذبحها كما لا يجوز حبس شيء من قيمتها، تأمل. قوله فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزى فيها، بيان لما أجمله المصنف، لأن قوله تصدق بقيمتها ظاهر فيما إذا اشتراها لأن قيمتها تعلم، أما إذا لم يشتريها فما معنى أنه يتصدق بقيمتها فإنها غير معينة، فبين أن المراد إذا لم يشتريها قيمة شاة تجزى فى الأضحية كما فى الخلاصة وغيرها. قال القهستاني: أو قيمة شاة وسط.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۱/۶، سعيد). واللہ اعلم۔

## گزشتہ سالوں کی واجب قربانی کی قضا کا حکم:

**سوال:** ایک آدمی نے باوجود المداہری کے سات سال سے قربانی نہیں کی، اب اس کو احساس ہوا اور پچھلے سالوں کی قربانی کرنا چاہتا ہے تو گائے کی قربانی میں سات حصے ہندوستان میں ذبح کراوے تو اس کا ذمہ

فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** قربانی کے ایام مخصوص ہیں انہیں دنوں میں قربانی کرنا صحیح اور درست ہے، ان ایام کے گزر جانے کے بعد قربانی کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے فرمایا: ”لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص“۔ (شامی: ۳۲۰/۶) یعنی اراقہ مخصوص ایام (ایام آخر) ہی میں عبادت قرار دیا گیا ہے۔ لہذا بصورتِ مسئلہ امسال کی قربانی کر لے اور پچھلے سالوں کی قربانی کی قیمت صدقہ کر دے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله ولو تركت التضحية الخ، شروع فی بیان قضاء الأضحية إذا فاتت عن وقتها فإنها مضمونة بالقضاء في الجملة... في غاية البيان... وإن لم يوجب ولم يشتر وهو موسر وقد مضت أيامها تصدق بقيمة شاة تجزئ للأضحية... قال القهستاني: قيمة شاة وسط.

(فتاویٰ الشامی: ۳۲۱/۶، سعید).

المحيط البرهانی میں ہے:

ذكر الفضلى في فتاواه: وإذا مضى أيام النحر فقد فاتته الذبح، لأن الإراقة إنما عرفت في زمان مخصوص، ولكن يلزمه التصدق بقيمة الأضحية إذا كان ممن يجب عليه الأضحية... والتصدق في باب الأضحية وإن لم يكن ركنًا لكن له مدخل فيه، وأنه قربة معقولة، فيجعل أصلاً عند تعذر إقامة القربة بالذبح، فوجب التصديق. (المحيط البرهانی: ۴۷۷/۶، مکتبہ رشیدیہ).

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۴، موفتائے رحیمہ: ۳/۱۸۶، موفتائے المفتی: ۸/۲۰۸، دار الاشاعت، وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱/۶۸۹، دار الاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قربانی کے جانور کے بال کاٹنے کا حکم:**

**سوال:** قربانی کے جانور کے بال کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قربانی کے جانور کے بال کاٹنا اور اس سے انتفاع حاصل کرنا مکروہ ہے، ہاں خوبصورتی یا کسی اور وجہ سے کاٹے جائیں تو گنجائش ہے، البتہ قربانی جانور کے تمام اجزا کی قربانی کرنا طے کر لیا ہے اس وجہ سے مناسب نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وكره جز صوفها قبل الذبح ليستفيع به، فإن جزه تصدق به، ... لأنه النزم إقامة القرية بجميع أجزائها. (الدر المختار: ۳۲۹/۶، سعید).  
بدائع الصنائع میں ہے:

ولو اشترى شاة للأضحية فيكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به لأنه عينها للقرية فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القرية فيها كما لا يحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها ولأن الحلب والجز يوجب نقصاً فيها وهو ممنوع عن إدخال النقص في الأضحية. (بدائع الصنائع: ۷۸/۵، سعید).  
فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

يكره حلبها أو جز صوفها قبل الذبح ... وإن أخذ صوفاً من أطرافها للعلامة أيام النحر لا يطرحها. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۶، السادس في الانتفاع).  
مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۰/۱، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

**اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنے کا حکم:**

**سوال:** یوم النحر کو اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور حدیث کا کیا درجہ ہے؟ اور اپنی قربانی سے شروع کرنا مستحب ہے یا دوسرے کی قربانی کا گوشت کھانے سے بھی استحباب ادا ہو جاتا ہے؟ اگر کسی نے عمل نہیں کیا تو کراہت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یوم النحر کو اپنی قربانی سے کھانا شروع کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے، اور حدیث صحیح قابل استدلال ہے، اس وجہ سے فقہاء نے اس کو مستحب قرار دیا ہے، البتہ اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو بلا کراہت درست ہے۔ اس لیے کہ فقہاء کے ہاں ترک مستحب کراہت کی دلیل نہیں ہے بلکہ کراہت کے لیے دلیل خارجی درکار ہے۔ اور یہاں نیاید ہے۔

قد ثبت في رواية عبد الله بن بريدة<sup>(۱)</sup> (الصحيحة): أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يطعم يوم الأضحى حتى يصلي أو ينحر .  
وزيد في بعض الطرق عنه: أنه صلى الله عليه وسلم كان لا يطعم يوم الأضحى حتى يصلي أو ينحر فيأكل من أضحيته .

فهذه الزيادة صحيحة تشعر بأن أول شيء ينبغي أن يؤكل يوم الأضحى بعد الصلاة لحم الأضحية .  
وأما الطرق المجردة عن الزيادة فما تلي :

(۱) رواية الترمذي : حدثنا الحسن بن الصباح (صدوق) حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث (صدوق، ثبت) عن ثواب بن عتبة (مقبول) عن عبد الله بن بريدة (ثقة) عن أبيه (رضي الله تعالى عنه) قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم ولا يطعم يوم الأضحى حتى يصلي . قال أبو عيسى: وفي الباب عن علي<sup>عليه السلام</sup> وأنس<sup>رضي الله عنه</sup>، وقال : حديث بريدة حديث غريب . (رواه الترمذي، باب ما جاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج: ۱/۱۲۰).

أقول : لا يقدح كونه غريباً في صحة الاحتجاج به ولا في صحته كما لا يخفى .

قال الشيخ شعيب الأرناؤوط : إسناده حسن، ثواب بن عتبة وثقه بن معين ... (تعيقات الشيخ عبي سنن الترمذي: ۲/۸۸) . وللمزيد انظر : (تعيقات احمد شاكر على سنن الترمذي: ۲/۴۶۶) .

(۲) أخرجه ابن ماجه عن ثواب أيضاً . (باب في الأكل يوم الفطر قبل ان يخرج برقم: ۱۷۵۶) .

(۳) وأخرجه الحاكم في المستدرک (۱۰۸۸)، وقال : هذا حديث صحيح الإسناد

ولم یخرجاه، وثواب هذا قليل الحديث، ولم یجرح بنوع یسقط به حدیثه، وهذه سنة  
عزیزة من طریق الرواية مستفیضة فی بلاد المسلمین.

(۴) أخرجه ابن حبان فی "صحیحه" (۲۸۰۱)، ذکر ما یتحب للمرء ان یطعم يوم الفطر).

قال شعب : إسناده حسن، (رقم ۲۸۱۲).

(۵) وابن خزيمة فی "صحیحه" (۱۴۲۶)، قال الأعظمی : إسناده حسن.

اما الطرق المذكورة فیها الزیادة : فهي طریقان :

(۱) طریق ثواب بن عتبة المهری عن عبد الله بن بريدة عن أبيه .

(۲) عقبه بن عبد الله الرفاعی الأصم عن عبد الله بن بريدة عن أبيه . (كما قال الإمام

الطبرانی فی الأوسط : لم یرو هذا الحدیث عن عبد الله الا عقبه وثواب، رقم الحدیث : ۳۰۶۵).

(۱) طریق ثواب بن عتبة :

(الف) أخرجه الدارقطنی فی سننه (۷/۴۵۰، ۲)، كتاب العیدین) : حدثنا الحسین بن إسماعیل

ثنا أحمد بن منصور (ثقة، حافظ) ثنا عبد الصمد بن عبد الوارث (صدوق) وأبو عاصم قال :

نا ثواب بن عتبة . (ح) وحدثنا عثمان بن أحمد بن السماک (ثقة)، ثنا محمد بن سلیمان

الواسطی (مختلف فیہ)، حدثنا مسلم بن ابراهیم (ثقة، مامون)، ثنا ثواب بن عتبة ، ثنا عبد

الله بن بريدة عن أبيه : أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا یخرج يوم الفطر حتی یطعم

وكان لا یأكل يوم النحر شیئاً حتی یرجع فیاكل من أضحیته وقال عبد الصمد : حتی یدبح .

(ب) أخرجه البیهقی فی "السنن الکبری" (۲۸۳/۳)، باب یترو الاکل يوم النحر حتی یرجع) وفي

السنن الصغیر (۵۳۲) عن ثواب بن عتبة أيضاً بسنده .

(۲) طریق عقبه بن عبد الله :

وأخرجه أحمد فی مسنده (۲۳۰۳۴)، والدارمی فی سننه (۱۶۰۰)، ووالطبرانی فی الأوسط



وعقبة بن عبد الله ضعيف وربما يدلس. لكن يعتبر في المتابعات والشواهد.

قال شعيب الأرناؤوط: حديث حسن وهذا إسناد ضعيف من أجل عقبة بن عبد الله

الرفاعي. (تعليقات الشيخ شعيب على مسند الامام احمد رقم ۲۳۰۳۴).

الخلاصة : هذه الزيادة صحيحة مقبولة باعتبار إسناد الدارقطني وشواهدہ.

قال ابن الملقن (۸۰۴م) فی "البدر المنير" (۷۲/۵): وقال ابن القطان: هذا الحديث

عندى صحيح؛ لأن ثواباً هذا بصرى ثقة وثقه ابن معين رواه عنه عباس واسحاق بن منصور

قال : وزيادة الدارقطني أيضاً صحيحة . (كذا في بيان الوهم والابهام: ۳۵۶/۵، لابن القطان [م] ۶۲۸ھ)۔

ونصب الراية: ۲/۲۰۹)۔

قلت : وثواب أنكره أبو حاتم وأبوزرعة وثقه كما حكاه صاحب التهذيب عنهما،

لكن قال ابن معين : صدوق. قال عباس الدوري: إن كنت قد كتبت عنه الضعف فهذا آخر

قوله. وروى هذا الحديث عن ثواب أبو الوليد الطيالسي، وتابعه أبو عبيدة الحداد، ورواه

عقبة عن ابن بريدة. انتهى. والله ﷻ اعلم۔

**عيد الاضحیٰ کے دن اپنی قربانی سے شروع کرنے کا حکم:**

فقہاء اور محدثین فرماتے ہیں کہ اپنی قربانی سے شروع کرنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

ثابت ہونے کی وجہ سے، اور چونکہ عید الاضحیٰ اللہ تعالیٰ کی ضیافت کا دن ہے تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنی قربانی

سے شروع کرے۔ کیونکہ گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ ہے۔ ورنہ پہلے زمانہ میں قربانی کرنے کے بعد پہاڑ

پر بڑبڑکھدیا جاتا تھا اور آگ اس کو کھاتی تھی یہ قبولیت کی علامت تھی۔

لیکن اگر کوئی شخص اپنی قربانی سے شروع نہ کرے تو اصح قول کے مطابق مکروہ نہیں ہے بلکہ بلا کراہت یہ

بھی جائز اور درست ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويستحب في يوم الأضحي... ويؤخر الأكل حتى يفرغ من الصلاة لما روى أن

النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يطعم في يوم النحر حتى يرجع فياكل من أضحيته.  
(الهداية، ۱/۱۷۴، باب العيدین).

الجوهرة النيرة میں ہے:

ويستحب في يوم الأضحى أن يغتسل... ويؤخر الأكل حتى يفرغ من الصلاة ليخالف الأيام التي قبله فإن أكل قبل الخروج هل يكره فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره لكن يستحب أن لا يأكل اقتداءً برسول الله صلى الله عليه وسلم فإنه كان لا يأكل حتى يرجع.  
(الجوهرة النيرة: ۱/۱۳، باب صلاة العيدین، ط: مكتبة حقایقہ).

وفى الفتاوى الهندية: والأضحى كالغفر فيها إلا أنه يترك الأكل حتى يصلى العيد كذا فى القنية وفى الكبرى: الأكل قبل الصلاة يوم الأضحى هل هو مكروه فيه روايتان والمختار أنه لا يكره لكن يستحب له أن لا يفعل كذا فى التتارخانية ويستحب أن يكون أول تناولهم من لحوم الأضاحى التي هي ضيافة الله تعالى كذا فى العيني شرح الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۰، الباب السابع عشر فى صلاة العيدین).

وكذا فى المحيط البرهانی: (۶/۹۰، الفصل الثانى عشر فى الكراهية الاكل من كتاب الاستحسان).  
وكذا فى تبیین الحقائق: (۱/۲۶۶، مستان) وزاد بقوله: وقيل هذا فى حق من يضحي ليأكل من أضحيته أولاً أما فى حق غيره فلا.

وكذا فى رد المحتار: (۱/۱۲۳-۱۲۴، سعيد)، وزاد بقوله: أقول: وهذا هو الظاهر إذ لا شبهة أن النوافل من الطاعات كالصلاة والصوم ونحوهما فعلها أولى من تركها بلا عارض ولا يقال: إن تركها مكروه تنزيهاً.

وقال فى موضع آخر: لأن الكراهة حكم شرعي فلا بد له من دليل. والله تعالى اعلم. (رد المحتار: ۱/۶۵۳، سعيد).

احسن الفتاوى میں ہے:

..قربانی کے گوشت سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے، چائے بھی نہ پیئے، کیونکہ چائے میں دودھ اور شکر کی

وجہ سے غذا ایت ہے، یہ حکم صرف مستحب ہے، اس کے خلاف کرنے میں کوئی قباحیت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۰/۷) فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اس روز سب اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے مستحب یہ ہے کہ اولاً ہر شخص دعوت یعنی قربانی سے کھائے، حقہ، پان، چائے وغیرہ کچھ اس سے پہلے نہ کھائے پئے، یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا... (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۵/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۴۸۳/۱۷-۴۸۴، جامعہ فاروقیہ، وجدید معاملات کے شرعی احکام: ۱۱۹/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## غیر مرید الاضحیہ کے لیے امساک کا حکم:

**سوال:** اگر کوئی شخص عید الاضحیٰ میں قربانی نہیں کرنا چاہتا ہے تو عید کے دن صبح سے اس کے لیے کچھ نہ کھانا مستحب ہے یا نہیں؟ اگر عید کے دن وہ دوسرے کی قربانی سے کچھ کھالے تو کیا استحباب پر عمل ہو جائیگا یا نہیں؟

**الجواب:** مسئلہ بالامس علماء کا اختلاف ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ جن لوگوں کے پاس قربانی کی وسعت نہیں ہے، یا وہ دوسری جگہ قربانی کراتے ہیں ان کے لیے بھی امساک بہتر ہے۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قوله وسند تأخير أكله عنهما أي يندب الإمساك عما يفطر الصائم من صبحه إلى أن يصلّى وإن لم يضح في الأصح... قوله في الأصح، وقيل لا يستحب التأخير في حق من لم يضح، بحر. (فتاویٰ الشامی: ۱۷۶/۲، سعید).

وفي حاشية اللامع للشيخ زكريا: والتعليل ببداية الأكل من أضحيتة يؤيد تقييد الندب بمن له أضحية والتعليل بموافقة المساكين أو اتباع فعله صلى الله عليه وسلم أو إطلاق لفظ الصوم على هذا اليوم في بعض الروايات يؤيد العموم. (حاشية اللامع: ۳۹/۲)۔  
تبيين الحقائق میں ہے:

(وہی احکام الأضحی)۔۔۔ (لكن يؤخر الأكل عنها) لما روى أنه عليه الصلاة والسلام كان لا يطعم في يوم الأضحى حتى يرجع فيأكل من أضحيته. وقيل هذا في حق من يضحي ليأكل من أضحيته أولاً أما في حق غيره فلا. (تبيين الحقائق: ۱/۲۲۶، امداديہ، ملتان)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۱۶۳، ومجمع الانهر: ۱/۱۷۴، احیاء التراث، وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۵۵، وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۵۳۶، قدیمی، وفتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۸۵، فاروقیہ، واحسن الفتاویٰ: ۷/۵۲۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## قربانی سے متعلق چند متفرق مسائل

**سوال:** خارش والے جانور کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اگر خارش کا اثر گوشت تک نہ پہنچتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور جلدی بیماری میں بھی

یہی تفصیل ہے۔ (حاشیہ الطحاوی علی الدر: ۱۶۵/۳، تبیین الحقائق: ۵/۶، امدادیہ، ملتان، وفتاویٰ قاضی خان: ۳/۳۵۳، وفتاویٰ مینات: ۵۷۲/۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** رات کو قربانی ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رات کو قربانی کرنا جائز ہے لیکن رگوں کے صحیح طور پر نہ

کٹنے کے امکان کی وجہ سے کراہت ہے، اگر بجلی کی اچھی روشنی ہو تو پھر کراہت نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ الثامی: ۳۲۰/۶، سعید، وبدائع الصنائع: ۶۰/۵، سعید، وعاگیری: ۲۹۶/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** کیا دوسرے شخص سے قربانی ذبح کرنا درست ہے؟

**الجواب:** خود ذبح کرنا بہتر ہے اگر خود نہیں جانتا یا عادت یا ہمت نہیں تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے

ہاں وہاں حاضر رہنا بہتر ہے۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۸/۶، سعید، تبیین الحقائق: ۹/۶، امدادیہ، ملتان، وکملۃ البحر الرائق: ۱۷۹/۸، کوئٹہ، وعاگیری: ۳۰۰/۵)۔

اگر یاد ہو تو ذبح سے پہلے حسب ذیل دعا پڑھنا بہتر ہے:

”إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين“.

”إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العلمين، لا شريك له وبذلك

أمرت وأنا من المسلمين“۔ اللّٰهُمَّ منك ولك۔ پھر ”بسم اللّٰه، واللّٰه أكبر“ پڑھ کر ذبح کرے، اور ذبح کے بعد یہ دعا پڑھے: ”اللّٰهُمَّ تقبل مني كما تقبلت من حبيبك محمد و

خلیلک ابراہیم علیہما الصلاة والسلام“۔

دلائل کے لیے درج ذیل کتب حدیث وفقہ ملاحظہ فرمائیں: (ابوداؤد شریف، رقم: ۲۷۹۵، وابن ماجہ، رقم: ۳۱۲۱، و مسند احمد، رقم: ۳/۲۷۵، و سنن الدارمی، رقم: ۱۹۴۶، و صحیح ابن خزیمہ، و مسلم شریف: ۲/۱۵۶، ط: قدیمی، و مستدرک حاکم، و بدائع الصنائع: ۵/۹۷، سعید، و الجوزی، و العیسیٰ: ۲/۲۸۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** ایک شخص نے قربانی کا جانور خرید لیا اس میں ایک حصہ لیا پھر اس کا انتقال ہوا تو جانور کا کیا حکم

ہے؟

**الجواب:** اگر دس ذوالحجہ سے قبل انتقال ہوا تو اس سے قربانی ساقط ہوئی اب اگر سب وارث چاہیں

تو اس جانور کو مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے ذبح کر سکتے ہیں۔ (تحفۃ الفقہاء: ۳/۸۲، و فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۶، سعید، و بدائع الصنائع: ۵/۷۲، سعید، و المصنوع: ۱۲/۱۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** دے سکتے ہیں البتہ مسلمان فقراء کو دینا اولیٰ اور بہتر ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۲۵۸، و طحاوی صی

الدر: ۴/۱۶۶، و عالمگیری: ۵/۳۰۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر کوئی شخص قربانی کا گوشت پکا کر فروخت کرتا ہے تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں اور اگر ایسا کیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا لازم ہے۔ (بدائع الصنائع:

۸۱/۵، سعید، و خلاصۃ الفتاویٰ: ۳/۳۲۲، و الجوزی، و العیسیٰ: ۲/۲۸۶، و اعلاء السنن: ۱۷/۲۵۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** قربانی کی کھال کسی مالدار کو دے سکتے ہیں؟

**الجواب:** دے سکتے ہیں۔ (ہدایہ: ۴/۴۵۰، و فتاویٰ الشامی: ۶/۲۳۷، سعید، و فتاویٰ بزازیہ: ۶/۲۹۴)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر پانچ آدمیوں نے بڑے جانور میں قربانی کی نیت کی، اور ایک آدمی نے دو حصے عقیقے کے رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۳۲۶/۶، سعید، تبيين الحقائق: ۷/۶، امدادیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** جس جانور کے خصیتیں کاٹ دئے گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** یہ بھی خصی کی ایک قسم ہے اس کی قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ: ۴۳۸/۳، وبدائع: ۸۰/۵، سعید)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر دنبہ یا بکرا بقر عید کے دن پیدا ہوا ہو تو دوسرے سال بقر عید میں اس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** اگر ۱۰ ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے وقت پیدا ہوا ہو تو دس ذوالحجہ کو اس کی پیدائش کے وقت سے پہلے اس کی قربانی جائز نہیں اور گیارہ ذوالحجہ کو اس کی قربانی کر سکتے ہیں، غرض یہ کہ سال پورا ہونے کا اعتبار ہے دو دانت کا اعتبار نہیں ہاں اگر لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہوں تو احتیاطاً دو دانت کا اعتبار کر لیا جائے۔  
حاصل یہ ہے کہ اگر بقر عید میں ۱۰ ذی الحجہ کو صبح ۹ بجے کوئی جانور پیدا ہوا تو ۹ بجے کے بعد اس کی قربانی جائز ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، سعید، وعالمگیری: ۵/۲۹۷، وبدایہ: ۴۳۹/۳، وفتاویٰ قاضیان: ۳۳۸/۳، وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۳۸/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** جانور کے دانت گر گئے ہیں کیا اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر سب دانت گر گئے ہوں اور گھاس نہ کھا سکتا ہو تو ناجائز ہے، اور اگر اکثر سلامت ہوں اور چارہ کھا سکتا ہو تو قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ: ۴۳۸/۳، وبدائع الصنائع: ۷۰/۵، سعید، وتبيين الحقائق: ۶/۶، امدادیہ، ملتان، و خلاصۃ الفتاوی: ۳۲۰/۴، و الفتاویٰ المیزان: ۶/۲۹۳، و احسن الفتاوی: ۷/۵۱۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** جانور کے کان بالکل کٹے ہوں تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر بالکل جڑ سے کٹے ہوئے ہوں یا ایک تہائی یا اس سے زائد کٹے ہوں تو قربانی ناجائز ہے۔

(ابوداؤد شریف: ۳۲/۲، وابن ماجہ شریف، ص: ۲۲۷، وہدایہ: ۳۰/۳۷۷، و مسوط: ۱۲/۱۵، و عالمگیری: ۲۹۸/۵، و بدائع الصنائع: ۷۵/۵، سعید، و البحرۃ العیرۃ: ۲۸۲/۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** شہر یا قصبہ میں ایک جگہ عید کی نماز ہوئی لیکن صاحب قربانی نے اب تک نہیں پڑھی تو قربانی

جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جب ایک جگہ نماز ہو گئی تو قربانی جائز ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۲۹۶/۵، و الفتاویٰ التارخانیہ:

۳۱۹/۱، و المحیط البرہانی: ۶/۴۷۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** ہماری بستی میں بقر عید کے دن ایک ٹینٹ کا حادثہ ہوا اس میں متعدد لوگ مر گئے اس کی وجہ سے

عید کی نماز نہیں ہو سکی، قربانی بغیر عید کی نماز کے جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ بستی میں کسی جگہ نماز نہیں ہوئی۔

**الجواب:** بقر عید کے دن زوال کے بعد قربانی ہو سکتی ہے، نماز دوسرے دن پڑھ لیں گے، یعنی

نماز کا وقت ختم ہونے کے بعد قربانی ہو سکتی ہے، نیز صورتِ مسئلہ میں دوسرے دن بھی نماز سے قبل قربانی ہو سکتی ہے۔ نیز چھوٹی بستی میں جہاں عید کی نماز واجب نہ ہو، اذوالحجہ کو طلوع فجر ہوتے ہی قربانی ہو سکتی ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷۵/۳، سعید، و تبیین الحقائق: ۶/۴، امدادیہ، و فتاویٰ قاضیان: ۳۰/۳۷۵، و فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۸، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر بڑے جانور میں دو یا تین آدمی شریک ہوں تو قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** درست ہے کیونکہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہیں، ساتویں حصہ سے کم ہو تو جائز نہیں،

مثلاً ایک شخص کا انتقال ہوا اور تین لڑکے اور بیوی رہ گئی اور وراثت میں فقط گائے ہے ان سب نے مشترکہ گائے میں قربانی کی نیت کی تو صحیح نہیں کیونکہ یہ وہ حصہ اس میں آٹھواں ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۶، سعید، و فتاویٰ قاضیان علی



ہاشم الہندیہ: ۳۵۱/۳، وحاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۶۱/۴، و خلاصۃ الفتاوی: ۳۱۵/۴، و شرح العنایۃ علی ہاشم تسمیۃ فتح القدیر: ۵۱۰/۹، دار الفکر)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** رسولی والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضیان علی ہاشم الہندیہ: ۳۵۳/۳، و فتاویٰ الشامی: ۳۲۳/۶، سعید، و تبیین المحتائق: ۵/۶، ط: امدادیہ، و فتاویٰ رحمیہ: ۴۰۹/۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر جانور کی زبان نہ ہو یا ایک تہائی سے زائد کٹ گئی ہو تو کیا حکم ہے؟

**الجواب:** جائز نہیں کیونکہ وہ زبان سے چارہ لیتی ہے۔ اور بکری میں یہ عیب نہیں کیونکہ وہ دانتوں سے چارہ لیتی ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۳۲۰/۴، وحاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۶۵/۴، و فتاویٰ ہندیہ: ۲۹۸/۵، و فتاویٰ تاتاریخانیہ: ۱۷/۴۲۸، مکتبہ زکریا دیوبند)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** سات آدمیوں نے سات دنبے خریدے اور ہر ایک نے نشان لگائے بغیر ذبح کئے تو قربانی

ہو گئی یا نہیں؟

**الجواب:** ہاں سب کی قربانی ہو گئی۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۰۶/۵، و امداد الفتاوی: ۵۶۲/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** قربانی کی نیت سے جانور خرید ابعدا میں کسی وجہ سے اس کو بیچ کر دوسرا خرید اتو یہ جائز ہے یا

نہیں؟

**الجواب:** اس کی گنجائش ہے لیکن اگر دوسرا جانور کم قیمت ہو تو زائد قیمت کو صدقہ کر لے۔ (فتاویٰ

الشامی: ۳۲۶/۶، سعید، و بدائع الصنائع: ۸/۵، سعید، و تسمیۃ فتح القدیر: ۵۲۰/۹، دار الفکر، و فتاویٰ قاضیان علی ہاشم الہندیہ: ۳۲۷/۳، و تبیین المحتائق: ۱۰/۶، امدادیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** میت نے قربانی کی وصیت کی اور ورثہ نے میت کے ایک تہائی مال میں سے وصیت پوری

کر کے قربانی کر لی تو اب گوشت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** پورا گوشت صدقہ کر دینا واجب ہے۔ (شرح منظومہ ابن وہبان: ۱۴۸/۲، و فتاویٰ شامی: ۳۳۵/۶، سعید، واعلاء السنن: ۲۶۹/۱۷، وخلاصۃ الفتاویٰ: ۳۲۲/۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر ایک میت یا کئی اموات کے ایصالِ ثواب کے لیے قربانی کی تو اس قربانی کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اس قربانی کا گوشت واجب التصدق نہیں ہے، خود کھائے یا دوسروں کو دے، یعنی اس کا حکم اپنے جانور کی قربانی کی طرح ہے۔ (اعلاء السنن: ۲۶۹/۱۷، و فتاویٰ الشامی: ۳۳۵/۶، سعید، و فتاویٰ قاضیان علی ہاشم الفتاویٰ البندیہ: ۳۵۲/۳، وخلاصۃ الفتاویٰ: ۳۲۲/۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر ایک شخص نے پوری گائے کی قربانی کی تو ایک حصہ واجب اور باقی نفل ہے یا پوری گائے واجب میں شمار ہے؟

**الجواب:** پوری گائے واجب میں شمار ہے۔ اور واجب اور فرض کا ثواب نفل سے زیادہ ہے لہذا اس کو زیادہ ثواب ملے گا۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۳۳، سعید، وحاشیۃ المحیط علی الدر المختار: ۱۶۸/۴، و فتاویٰ قاضیان علی ہاشم الفتاویٰ البندیہ: ۳۵۰/۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** ایک شخص نے کئی برس سے قربانی نہیں کی حالانکہ مالدار تھا اب اس کی تلافی کیسے کرے؟

**الجواب:** گزشتہ سالوں کی قربانیوں کی قیمت دیدے، اور سچے دل سے توبہ کرے۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۰، سعید، وتبیین الحقائق: ۶/۵، امدادیہ، و بدائع الصنائع: ۶۸/۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** ایک شخص نے قربانی خریدنے کے بعد اس کا دودھ نکالا تو اس کے ساتھ کیا کرے؟

**الجواب:** اس کو صدقہ کر دے اگر اون اور پشیم کا ٹاٹو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ البتہ اگر گھاس وغیرہ

خود خرید کر کھلاتا ہے تو پھر استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۳۲۱/۴، تبیین المتعلق: ۹/۶، فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۲، سعید، فتاویٰ قاضی خان علی ہاشم الہندیہ: ۳۵۴/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نصاب قربانی پر حولانِ حول کا حکم:

**سوال:** کیا قربانی کے نصاب پر حولانِ حول شرط ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قربانی کے نصاب پر حولانِ حول شرط نہیں ہے، بلکہ قربانی کے دنوں میں جس وقت بھی کسی مسلمان عاقل بالغ مقیم کے پاس قربانی کا نصاب ملک میں آجائے گا، تو اس پر قربانی واجب ہو جائیگی۔ (فتاویٰ شامی: ۳۱۲/۶، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ایام قربانی میں زندہ جانور صدقہ کرنے کا حکم:

**سوال:** ایام قربانی میں اگر کوئی شخص زندہ جانور صدقہ کر دے تو قربانی کا وجوب ذمہ سے ساقط ہو گیا

نہیں؟

**الجواب:** ایام اضحیٰ میں قربانی کا وجوب ساقط ہونے کے لئے ذبح حیوان ضروری ہے۔ جانور کے زندہ صدقہ کر دینے سے قربانی ادا نہیں ہوگی، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے اور صدقہ اور خیرات علیحدہ ثواب کا کام ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک عبادت ادا کرنے سے دوسری مستقل عبادت ادا نہیں ہوتی۔ اس لئے صدقہ اور خیرات کرنے سے قربانی بھی ادا نہیں ہوگی جیسے صدقہ یا زکوٰۃ ادا کرنے سے نہ حج ادا ہوتا ہے اور نہ نماز ادا ہوتی ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۳۱۳/۶، ط: سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**قربانی میں آخری وقت کا اعتبار ہے:**

**سوال:** اگر کسی کی ملکیت میں بارہ ذوالحجہ کی شام کے وقت اتنا مال آگیا جس پر قربانی واجب ہوتی ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** بصورت مسئلہ اس شخص پر قربانی واجب ہوگئی، البتہ اس نے پہلے سے قربانی کر لی ہے تو پہلی ہی کافی ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۶، سعید، و الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عورت پر قربانی کا حکم:

**سوال:** کیا عورت پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر کسی خاتون کے پاس بقدر نصاب مال ہے جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو مردوں کی طرح اس خاتون پر بھی قربانی لازم اور ضروری ہے، مال پر حولانِ حول ضروری نہیں۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۵، سعید، و تنویر الابصار: ۶/۳۱۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ہر سال قربانی کا حکم:

**سوال:** بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو ہر سال اپنی طرف سے قربانی کرتے رہتے ہیں، اس سال مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ ہے، کیا ان کی یہ بات قابل تسلیم ہے، جبکہ وہ صاحبِ نصاب لوگ ہیں، ان پر زکوٰۃ حج سب لازم ہوتا ہے اور کرتے رہتے ہیں؟

**الجواب:** جو مسلمان مرد یا عورت اتنے مال کا مالک ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے، جب تک اتنا مال اس کی ملکیت میں رہے گا اس پر ہر سال قربانی واجب ہوگی صرف ایک سال یا چند سال قربانی کر دینا کافی نہیں ہے، یہ اسی طرح ہے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم تو ہر رمضان میں روزے رکھتے ہیں اس سال روزے نہیں رکھتے، یہ بات قابل قبول ہوگی؟ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مشترک کاروبار والے پر قربانی حکم:

**سوال:** اگر کئی افراد کسی کاروبار میں مشترک ہوں اور کچھ مال اس کاروبار سے حاصل ہوا اور ہر ایک کے پاس افراد انصاب کے بقدر مال نہیں لیکن مجموعی رقم بقدر انصاب ہے تو کس پر قربانی واجب ہوگی؟

**الجواب:** اگر ہر فرد کے حصہ میں بقدر انصاب مال آتا ہو یا اپنے دوسرے اموال کے ساتھ ملا کر صاحب انصاب بننا ہو تو قربانی اس فرد پر واجب ہوگی لیکن انصاب کے بقدر نہیں ہے تو قربانی واجب نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ مجموعی رقم کا اعتبار نہیں ہے افراد انصاب کے بقدر مال کا اعتبار ہوگا۔ (فتاویٰ الہندیہ: ۲۹۲/۵)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مقروض پر قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کسی شخص کے پاس بقدر انصاب مال موجود ہو لیکن انصاب سے زائد قرضہ ہو تو اس پر قربانی واجب اور لازم ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** بصورت مسئلہ ایسے شخص پر قربانی لازم اور واجب نہیں۔ (فتاویٰ الہندیہ: ۲۹۲/۵)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ایام اضحیہ میں مال ختم ہونے پر قربانی کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کے پاس انصاب سے زائد مال موجود تھا ایام اضحیہ شروع ہونے کے بعد وہ مال ضائع ہو گیا یا چوری ہو گیا یا اس نے کسی کو ہبہ کر دیا اب ایام قربانی گزرنے سے قبل وہ صاحب انصاب نہیں رہا تو اب بھی اس پر قربانی واجب ہے؟

**الجواب:** بصورت مسئلہ شخص مذکور پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ الہندیہ: ۲۹۳، فتاویٰ الشی: ۶/

شوہر کے مال سے عورت کی قربانی کا حکم:

سوال: ایک عورت صاحبِ نصاب ہے لیکن نقد پیسے اس کے پاس موجود نہیں ہے تو اگر شوہر سے رقم لے کر قربانی کر لے تو قربانی ادا ہو جائیگی یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ عورت کی قربانی ہو جائیگی۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مالِ حرام پر قربانی کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس مالِ حرام ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مالِ حرام سارا کا سارا واجب التصدق ہے، لہذا مالِ حرام میں قربانی نہیں ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۲/۲۹۱، باب ذکوۃ الفقم، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیرہویں کی رات میں قربانی کا حکم:

سوال: ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کی رات میں قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ذی الحجہ کی بارہویں تاریخ کے غروب کے بعد قربانی درست نہیں ہے، لہذا تیرہویں تاریخ کی رات میں بدرجہ اولیٰ قربانی درست نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۱۸، والفتاویٰ الہندیہ: ۵/۲۹۵)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لاغر ذنبہ بھیڑ سال سے کم کا درست نہیں:

سوال: لاغر اور کمزور ذنبہ، بھیڑ سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: بھیڑ ذنبہ اگر ایسا فربہ ہو کہ سال بھر کا معلوم نہ ہو تو چھ ماہ کا ہونا کافی ہے، لیکن اگر ایسا فربہ نہ ہو تو

پھر سال بھر سے کم کا جائز نہیں۔ (فتاویٰ الشامی: ۳۲۲/۶) واللہ اعلم۔

## ایصالِ ثواب کے لئے مکمل بکرا شرط نہیں:

**سوال:** ایک شخص ایک بکرا قربانی کر کے اس کا ثواب کئی مرحومین یا کئی زندہ اشخاص کو پہنچانا چاہتا ہے تو یہ درست ہے یا ہر ایک کے لئے علیحدہ بکرا ضروری ہوگا؟

**الجواب:** واجب قربانی کی ادائیگی کے لئے تو ہر شخص کا پورا بکرا یا گائے وغیرہ کا ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے۔ لیکن ایصالِ ثواب کے لئے ایک قربانی کر کے اس کا ثواب کئی اشخاص کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ (فتاویٰ رحمہ: ۳۹۲/۵، فتاویٰ الشامی: ۳۲۶/۶) واللہ اعلم۔

## اپنے مملوکہ جانور میں اوروں کو شریک کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کے ہاں اپنی مملوکہ پالتو گائے یا بھینس ہے۔ وہ اس میں اپنے لئے ساتواں حصہ رکھ کر دوسرے حصوں کو فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ اپنے مملوکہ جانور میں ایک حصہ اپنے لئے رکھ کر دوسرے چھ حصے فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ اور یہ شرکت صحیح ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ الشامی: ۶/۶) واللہ اعلم۔

## کھال جلنے کی وجہ سے بال نہ ہوں تو قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر مویشی کی کھال جل جانے کی وجہ سے اس پر بال نہ جے ہوں اور زخم وغیرہ بھی نہ ہو اور تمام اعضاء صحیح سالم ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ایسے جانور کی قربانی درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۵۹۷/۳) واللہ اعلم۔

## قربانی کا جانور استعمال میں لانے کا حکم:

**سوال:** قربانی کا جانور بار برداری یا کسی کام کاج میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** قربانی کے جانور پر بوجھ ڈالنا، بار برداری میں استعمال کرنا، یا سواری کرنا اور اسکو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، بلکہ قربانی کا جانور کسی کام میں استعمال کرنا صحیح اور درست نہیں۔ (درمختار: ۶/۳۲۹، سعید، ولسان الحکام، ص ۳۸۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ناک کٹے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** جس جانور کی ناک کٹی ہو تو قربانی اس جانور کی درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** ناک کٹے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۵/۲۹۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تھن سوکھے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** کسی جانور کے تھن بیماری کی وجہ سے سوکھ گئے ہوں تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر بیماری کی وجہ سے بھیڑ بکری کا ایک تھن خشک ہو گیا یا گائے، بھینس اور اونٹنی کے دو تھن خشک ہو گئے تو قربانی جائز نہیں ہے۔ (شامی: ۶/۳۲۵، سعید، ولسان الحکام، ص ۳۸۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## پاؤں کٹے جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کسی جانور کا پاؤں کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جس جانور کا پاؤں کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے (شامی)۔ اور جو جانور ایسا لنگڑا ہو



کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہوں چوتھا زمین پر نہیں رکھ سکتا یا رکھ سکتا ہو مگر اس کے بل چل نہیں سکتا تو اسکی قربانی جائز نہیں اور اگر چوتھا پاؤں ٹیک کر چل سکتا ہو تو جائز ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۳، سعید)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## لاغر جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** لاغر کمزور اور دبے پتلے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** ایسے لاغر اور کمزور جانور کی قربانی نا جائز ہے جس کی ہڈیوں میں گودہ نہ رہا ہو، لیکن اگر اتنا کمزور نہ ہو تو اسکی قربانی جائز ہے تاہم موٹا فربہ جانور کی قربانی بہتر ہے۔ (درمختار: ۶/۳۲۳، سعید، و فتاویٰ قاضی خان: ۳/۳۵۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مجنون اور خارش جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** مجنون اور خارش والے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مجنون جانور اگر چل پھر کر چھڑ سکتا ہے تو اسکی قربانی جائز ہے اور جس جانور کو خارش ہو اور موٹا تازہ ہو تو اسکی قربانی بھی جائز ہے۔ (درمختار)۔ لیکن اگر خارش اور مجنون جانور اتنے کمزور ہوں کہ ان کی ہڈی میں گودہ نہ رہا ہو تو پھر اسکی قربانی نا جائز ہے۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۳، سعید، و فتاویٰ قاضی خان: ۳/۳۵۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نا قابل تولید جانور کی قربانی کا حکم:

**سوال:** اگر کوئی جانور زیادہ عمر کی وجہ سے بچہ دینے کے قابل نہ رہو تو اسکی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۵/۲۹۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کھانسی والے جانور کی قربانی کا حکم:

سوال: جس جانور کو کھانسی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کھانسی والے جانور کی قربانی جائز اور درست ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۵/۲۹۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عیب زائل ہونے کے بعد قربانی کا حکم:

سوال: اگر خریدتے وقت جانور عیب دار تھا پھر اس کا عیب زائل ہو گیا تو امیر کے لئے قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عیب زائل ہو جانے کے بعد امیر کے لئے بھی اس جانور کی قربانی درست ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۵/۲۹۸، و فتاویٰ قاضیان علی ہاشم النقاوی البندیہ: ۳/۳۵۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی پر اشکال اور جواب:

قربانی شعائر اسلام میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال مسلسل قربانی فرماتے رہے: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدينة عشرين سنة. (رواہ الترمذی برقم ۱۵۰۷)۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”من كان له سعة ولم يضح فلا يقربن مصلانا“۔ (رواہ ابن ماجہ برقم: ۳۱۲۳)۔ وقال الألباني: حسن .

جس نے باوجود وسعت کے قربانی نہیں کی وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ قربانی واجب ہے تو انہوں نے فرمایا: ”ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون فأعادهما عليه فقال: أتعقل؟ ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

والمسلمون۔ (رواہ الترمذی، رقم: ۱۵۰۷، وقال: هذا حدیث حسن صحیح) سائل نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے جو با فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانیاں کیں، پھر اس نے سوال کیا تو فرمایا تم سمجھتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانیاں کیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُمْ وَنَسَكْتُمْ وَمَحَّيْتُم مِمَّا رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورة الانعام: ۱۶۲)۔

آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے۔  
نسک کے ایک معنی قربانی کے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے قربانی کو شعائر اسلام میں سے قرار دیا ہے: ولا خلاف فی كونها من شعائر الدين . (فتح الباری: ۲/۱۰)۔

مذہب اربعہ قربانی کی اہمیت پر متفق ہیں، مگرین حدیث قربانی کا انکار کرتے ہیں اور غلام احمد پرویز نے تو قربانی کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ ان کی کتابوں کی چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

(۱) حج عالم اسلامی کی بین المللی کانفرنس کا نام ہے، اس کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے خورد و نوش کے لیے جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن میں آیا ہے، بس یہی قربانی کی حقیقت جو آج کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہے۔ (رسالہ قربانی از پرویز، ص ۳)۔

(۲) قرآن کریم میں جانور ذبح کرنے کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے... عرفات کے میدان میں جب یہ تمام نمائندگان ملت ایک لائحہ عمل طے کر لیں گے تو اس کے بعد منی کے مقام پر دو تین دن تک ان کا اجتماع رہے گا جہاں یہ باہمی بحث و تمحیص سے اس پروگرام کی تفصیلات طے کریں گے۔ ان مذاکرات کے ساتھ باہمی ضیافتیں بھی ہوگی، آج صبح پاکستان والوں کے ہاں، شام کو اہل افغان کے ہاں، اگلی صبح اہل شام کی طرف، و قس علی ذلک، ان دعوتوں میں مقامی لوگ بھی شامل کر لیے جائیں گے، امیر بھی غریب بھی، اس مقصد کے لیے جو جانور ذبح کیے جائیں گے قربانی کے جانور کہلائیں گے۔ (قرآنی فیصلے، ص ۵۵)۔

(۳) مقام حج کے علاوہ کسی دوسری جگہ (یعنی اپنے اپنے شہروں میں) قربانی کے لیے کوئی حکم نہیں... اس

لیے ساری دنیا میں اپنے اپنے طور پر قربانیاں ایک رسم ہے... ذرا حساب لگائیے کہ اس رسم کو پورا کرنے میں اس غریب قوم کا ہر سال کس قدر روپیہ ضائع ہوتا ہے... اگر آپ ایک کراچی شہر کو لے لیں تو اس آٹھ دس لاکھ کی آبادی میں سے اگر پچاس ہزار نے بھی قربانی دی ہو اور ایک جانور کی قیمت تیس روپیہ بھی سمجھ لی جائے تو پندرہ لاکھ روپیہ ایک دن میں صرف ایک شہر سے ضائع ہو گیا، اب اس حساب کو پورے پاکستان پر پھیلا دیجئے اور اس سے آگے ساری دنیا کے مسلمانوں پر پھر سوچئے کہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟ لیکن اگر ہمیں سوچنا آجائے تو پھر ساری بربادی کیوں؟ (قرآنی فیصلے، ۵۶، ۵۵)۔

(۴) مذہبی رسومات کی ان دیمک خوردہ لکڑیوں کو قائم رکھنے کے لیے طرح طرح کے سہارے دئے جاتے ہیں کہیں قربانی کو سنت ابراہیمی قرار دیا جاتا ہے، کہیں اسے صاحبِ نصاب پر واجب ٹھہرایا جاتا ہے، کہیں اسے تقریبِ الہی کا ذریعہ بتایا جاتا ہے، کہیں دوزخ سے محفوظ گزر جانے کی سواری بنا کر دکھایا جاتا ہے۔

(۵) قربانی تو وہاں کھانے پینے کا سامان مہیا کرنے کا ذریعہ تھی، اب جس طرح وہاں جانوروں کو ذبح کر کے دبائے جاتے ہیں نہ وہی مقصود خداوندی ہے اور نہ ہی ان کی ہم آہنگی میں ہر جگہ جانوروں کا ذبح کرنا بغیر کسی مقصود و غایت کو اپنے ساتھ لیے ہوئے، وہاں بھی سب کچھ ضائع کر دیا جاتا ہے اور یہاں بھی وذلک خسران مبین۔ (قرآنی فیصلے، ۶۵)۔

☆ قربانی کے لیے مقام حج کے علاوہ اور کہیں حکم نہیں اور حج میں بھی اس کی حیثیت شرکائے کافرنس کے لیے راشن مہیا کرنے سے زیادہ نہیں تھی۔

منکرینِ حدیث کے اعتراضات اور جوابات:

منکرینِ حدیث قربانی پر چند اشکالات کرتے ہیں:

پہلا اعتراض: یہ ہے کہ قربانی میں بے شمار جانوروں کو ضائع کیا جاتا ہے سعودیہ میں ان کے گوشت کو دبایا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے کروڑوں ذل الرضائع ہو جاتے ہیں۔

الجواب: یہ اعتراض اگر کچھ مدت پہلے کیا جاتا تو ممکن ہے کہ بعض سادہ لوح اس اعتراض کے جال

میں پھنس جاتے لیکن آج کل فریق اور فریز راور برف خانوں کا زمانہ ہے کسی کے ہاں گوشت ضائع نہیں ہوتا بلکہ میں مزاحاً کہتا ہوں کہ آج کل فقراء اور مساکین کی جگہ بھی فریق اور فریز رنر لے لی لوگ مسکینوں کو کم دیتے ہیں اور فریق کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔

لیکن پہلے زمانہ میں بھی یہ اعتراض بے حقیقت اور بے کار تھا، سابقہ زمانہ میں لوگ گوشت کھاتے تھے اور مسکینوں کو کھلاتے تھے اور گوشت کو چیر کر نمک لگا کر سکھاتے تھے اور مہینوں تک کھاتے تھے اور اگر کسی ملک میں گوشت کو ضائع کرتے ہوں گے یا دباتے ہوں گے تو یہ اس ملک کے نظام کا نقص ہے اس میں شریعت کا کیا قصور ہے، بعض ممالک میں گاڑیوں میں کچھ خرابی آتی ہے تو اس کو پھینکتے ہیں اور جگہ جگہ پرانی گاڑیوں کے قبرستان نظر آتے ہیں تو اس معاملے میں اگر کوئی جاپان اور جرمنی پر اعتراض کرے کہ کیوں تم اتنی گاڑیاں بناتے ہو کہ اس کے قبرستان بنے ہوئے ہیں تو یہ اعتراض لایعنی اور ہباء منثورا ہے، تم کیوں اچھے میکینوں کو کام پر لگا کر مرمت نہیں کرتے یا غریب ممالک میں نہیں بھیجتے ہو۔

نیز اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا اس کے باوجود بہت سارے لوگ قحط سالی کی وجہ سے مرجاتے ہیں تو اس کے متعدد جوابات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کے لیے رزق پیدا کرتے ہیں رزق پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور رزق پہنچانا ہمارا کام کبھی ایک جگہ غلہ زیادہ پیدا ہوتا ہے کبھی دوسری جگہ، اگر ہم رزق نہیں پہنچاتے تو ہمارا قصور ہے نظام قدرت کا قصور نہیں۔

دوسرا اعتراض: یہ ہے کہ قربانیوں کی وجہ سے بے شمار جانور ضائع ہوتے ہیں جو جانوروں کی کمی کا سبب ہے، مگر یہ اعتراض بھی اللہ تعالیٰ کی عادت اور قانون فطرت سے بے خبری کی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جس چیز کو لوگ زیادہ خرچ کرتے ہیں اور وہ ضرورت کی چیز ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ بہت کثرت سے پیدا کرتے ہیں، جیسے پانی، ہوا، آگ کو لوگ بے حساب خرچ کرتے ہیں اور بے حساب اللہ تعالیٰ پیدا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں بعض ممالک میں بکثرت اونٹوں کو پالتے تھے اور ذبح کرتے تھے، بعد میں ان ممالک میں یہ سلسلہ کم ہو گیا اور اونٹوں کی افزائش نسل بھی کم ہو گئی بعض جگہ گھوڑوں سے کام لینا لوگوں نے بند کر دیا تو گھوڑے کم ہو گئے، پہلے زمانہ میں لوگ حافظہ سے کام لیتے تھے تو لوگوں کے عمدہ حافظہ ہوتے تھے، اب کاپیوں اور کمپیوٹروں کا زمانہ آ گیا تو

پرانے حافظے نہیں رہے الا ماشاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾ [سبا، ۳۹] جو تم خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا خلیفہ اور بدل عطا کریگا، نیز جانور ضائع نہیں ہوتے بلکہ کھائے جاتے ہیں، پھر تو جو جانور روزانہ ذبح کیے جاتے ہیں شاید وہ بھی معترضین کے نزدیک اسراف کے زمرے میں آتے ہوں گے، یہ اعتراض تو ہندو بھی کرتے ہیں کہ تم روزانہ بے حساب جانوروں کو ذبح کر کے ان پر ظلم کرتے ہو، یا کوئی کہے لوگ روزانہ کروڑوں انڈے کیوں کھاتے ہیں یہ بھی ضائع ہوتے ہیں، لیکن جو چیز کھائی گئی وہ ضائع نہیں ہوتی۔

تیسرا اعتراض: یہ کیا جاتا ہے کہ اگر آپ فقیروں کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو نقد رقم دیدو، جس کو فقراء اپنی ضروریات میں استعمال کر سکیں، یہ اعتراض بھی معترض کی لاعلمی کی دلیل ہے اگر حاکم کسی شخص سے عمدہ نسل کا گھوڑا مانگ لے اور یہ افلاطون زمانہ بجائے گھوڑے کے ۵۰ ہزار رینڈ بھیج دے تو شاید سزاوارہ عقوبت سمجھا جائیگا، اللہ تعالیٰ تو ہم سے جانور مانگتے ہیں اور ہم رینڈ اور نقدی دیں یہ عقل کی خامی نہیں تو کیا ہے؟ نیز بہت سارے فقیر بخیل ہوتے ہیں اگر ان کو نقدی مل جائے تو شاید بیوی بچوں کو عید کے دن بھی دال روٹی کھلا کر رقم کو پس انداز کر دے گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ضیافت سے محروم ہو جائیگا۔

چوتھا اعتراض: بعض لوگ قربانی سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ایامِ آخر میں قربانی ضروری نہیں بلکہ قیمت جمع کر کے حکومت کو سپرد کر دی جائے تاکہ رفاه عام کے کام ہو سکیں۔ اور صاحب ہدایہ کی درج ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہیں۔ عبارت ملاحظہ ہو: **والتضحية فيها أفضل من التصدق بثمان الأضحية لأنها تقع واجبة أو سنة والتصدق تطوع محض فتفضل عليه** . (الهداية: ۴/۴۶، مشرکة علمية)۔

یعنی قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا جانور کی قیمت خیرات کرنے سے افضل ہے۔

دیکھو صاحب ہدایہ قربانی کرنے کو قیمت خیرات کرنے سے افضل سمجھتے ہیں، لیکن اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قیمت خیرات کرنے سے قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ مزید ملاحظہ ہو: (قرآنی فیصلے، ص ۱۱۳)۔ اس عبارت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: (۱) صاحب ہدایہ کا مقصد اس عبارت سے صرف یہ ہے کہ ایامِ نحر میں قربانی کرنا تصدقِ مالی سے ذاتاً وصفۃً افضل ہے، صفۃً تو اس لیے کہ قربانی واجب ہے یا سنت اور تصدقِ مالی نہ واجب ہے نہ سنت بلکہ محض نفل ہے اور ظاہر ہے کہ عبادتِ واجبہ یا مسنونہ عبادتِ نفلیہ سے بہر حال افضل اور بہتر ہوتی ہے۔ اور ذاتاً اس لیے افضل ہے کہ قربانی میں فدائے جان اور ادائے مال دونوں ہیں اور تصدقِ مالی میں صرف ادائے مال ہے، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دو عبادتوں کا مجموعہ ایک عبادت سے افضل ہے۔ (مخلص از فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۶۹۲)۔

(۲) اس اشکال کا اصل جواب یہ ہے کہ افضل واجب اور لازم ہونے کے ساتھ منافی نہیں۔ بخاری ص ۶ پر حدیث ہے: ”أى الإسلام أفضل قال: من سلم المسلمون من لسانه ويده“۔ مسلمانوں کو تکلیف اور ضرر سے بچانا لازم ہے اور اس کے لیے افضل کا لفظ استعمال ہوا۔ پھر ص ۸ پر حدیث ہے: ”أى العمل أفضل فقال: إيمان بالله ورسوله قيل: ثم ماذا قال: الجهاد في سبيل الله قيل: ثم ماذا قال: حج مبرور“۔ دیکھئے ایمان، جہاد، حج مقبول فرائض میں سے ہیں اور افضل بھی ہیں۔ پھر ص ۶ پر حدیث ہے: ”أى العمل أحب...“ اس کے جواب میں وقت پر نماز والدین کے ساتھ حسن سلوک اور جہاد کا ذکر ہے، یہ سب احباب اور خیر بھی ہیں اور ضروری بھی ہیں۔

نیز آیت کریمہ میں: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع ذلك خير لكم﴾ [الجمعة: ۹] میں جمع کو حاضری خیر بھی ہے لازم بھی ہے، آیت کریمہ: ﴿ولو آمن أهل الكتاب لكان خيراً لهم﴾ آل عمران: ۲۱۰۔ میں اہل کتاب کا ایمان خیر اور بہتر ہے، اور فرض بھی ہے، ﴿والمصلح خير﴾ [النساء: ۱۲۸] میں آپس کے جھگڑے کے مقابلہ میں صلح خیر بھی ہے اور جھگڑے کے مقابلہ میں ضروری بھی ہے۔ ”الصلاة خير من النوم“ میں نماز خیر بھی ہے اور فرض بھی ہے۔ آیت کریمہ میں ہے: ﴿ولا تقولوا ثلاثة انتهوا خيراً لكم﴾ [النساء: ۱۷۱]۔ اس آیت میں تثلیث سے بچنا فرض بھی اور خیر بھی ہے۔ اسی طرح یہاں قربانی واجب بھی ہے اور خیر بھی ہے کیونکہ واجب یا بقول بعض ائمہ سنتِ موكده، نفلی صدقہ کے مقابلہ میں افضل ہے۔

صاحب ہدایہ نے قربانی کو واجب فرمایا۔ ملاحظہ ہو: الأضحية واجبة على كل مسلم مقيم

موسر فی يوم الاضحی... (الهدایة: ۴/۴۳، کتاب الاضحیہ).

ہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اسم تفصیل کا تقاضا یہ ہے کہ نفس فعل جانب مقابل یعنی منقول علیہ میں بھی موجود ہو جیسے: ”أفضل الصحابة أبو بكرؓ“ میں دوسرے صحابہؓ میں بھی فضیلت ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ میں زیادہ فضیلت ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر کسی نے قربانی کے دن نفلی صدقہ دیا اور قربانی نہیں کی تو نفلی صدقہ کا ثواب مل گیا اگرچہ واجب کی عقوبت اس کی گردن کا طوق بن گئی اگر کوئی نفلی روزہ کی حالت میں ڈاڑھی مونڈ دے تو روزہ کا ثواب مل گیا اگرچہ حلق خیمہ کا گناہ اس پر آگیا۔

ہاں کبھی کبھی اسم تفصیل نفس فعل کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے: ﴿أصحاب الجنة يومئذ خير مستقراً وأحسن مقيلاً﴾ الفرقان: ۲۴۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل جنت کا ٹھکانہ بہت اچھا اور اہل جہنم کا کچھ اچھا ہے۔ بلکہ اہل جنت کا ٹھکانہ اچھا ہے اور اہل جہنم کا برا ہے، لیکن ہدایہ کی عبارت میں یہ جواب نہیں چلتا پہلا جواب متعین ہے۔  
قربانی کی چند حکمتیں:

اب ہم قربانی کی مختصر حکمتیں بیان کرتے ہیں تاکہ منکرین کے لیے سرمہ بصیرت بن جائیں۔

(۱) قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار ہے، اس یادگار کو قائم رکھنا ہوشمندی اور اسلام پر قائم رہنے کی علامت ہے اور گویا کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صبر اور دین کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کرنے کی عظیم نشان یادگار ہے۔ ایک عاشق محبوب کے نام اور اداؤں کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔

(۲) قربانی میں مشرکین اور گوسالہ پرستوں کی تردید ہے کہ یہ جانور ہمارے کھانے کے لیے ہیں ہمارے محبوب نہیں۔

(۳) عبادت مالی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم: نقدی اور دوسری اجناس گندم جو وغیرہ خرچ کرنا۔

دوسری قسم: جانور خرچ کرنا۔ عید الفطر میں پہلی کا لحاظ رکھا گیا اور عید الاضحیٰ میں دوسری کا لحاظ رکھا گیا،



تاکہ دونوں طریقوں پر عمل ہو جائے۔ اور فقراء و اشداء اور خوش کام رہیں۔ دین و دل دونوں خوش ہوں۔

(۴) عید کے دن اللہ تعالیٰ نے فقیروں کو امیروں کے برابر کر دیا تاکہ عید کی خوشی اور گوشت کھانے میں

سب شریک ہوں۔

(۵) تاکہ بت پرستوں کی اجتماعی مخالفت ہو وہ جانور غیر اللہ کو راضی کرنے کے لیے یا غیر اللہ کے نام پر

ذبح کرتے ہیں، اور ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

(۶) جانور پالنے والوں کو جانوروں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے، عید کے دن ان کی قربانی کریں تاکہ

محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے لیے قربان کریں۔

(۷) قربانی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظاہرہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام کی سربلندی کے لیے قربانی

کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بے شمار جانور پیدا فرمائیں گے۔

(۸) قربانی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جان دینے کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے جانور کی جان

مانگی میں نے دیدی، اگر اللہ تعالیٰ کسی موقع پر میری جان مانگ لے تو میں اس کے دینے میں دریغ نہیں کروں گا۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ☆ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس لیے بہتر یہ ہے کہ ناخن اور بال عشرہ ذی الحجہ میں نہ کاٹے بلکہ عید کے دن کاٹ لے کہ اے اللہ آج عید کے

دن تو میں نے ناخن اور بالوں کی قربانی کر لی اگر ضرورت پڑ جائے تو میری جان بھی حاضر ہے۔

کار عاشق خون دل درپائے جانان ریختن ☆ کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن

(۹) قربانی جانوروں کی افزائش نسل کا ذریعہ ہے جیسے مسلمان اور اہل کتاب حلال جانوروں کو ذبح کرتے

ہیں تو ان کی نسل بڑھتی ہے اور خوب بڑھتی ہے اور کتوں کو ذبح نہیں کرتے تو وہ دوسرے جانوروں کا عشر شیر بلکہ

ایک فیصد بھی نہیں۔

(۱۰) عید کے دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اور مہمان کو سید الطعام کھانا چاہئے اور وہ

حلال جانوروں کا گوشت ہے۔

(۱۱) عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی حکم کی حکمت اور لم سمجھ میں نہ آئے تب بھی اس پر عمل کر کے آدمی

عبودیت کے اوج کمال تک پہنچے۔

محمود غزویٰ پر ایاز سے محبت کا اعتراض کیا گیا تو انہوں نے ایک قیمتی ہیرا منگوایا اور سب غلاموں کو بشمول ایاز توڑنے کا حکم دیا دوسرے غلاموں نے توڑنے کو حکمت کے خلاف سمجھ کر حکم سے عدول کیا اور ایاز نے کمالِ عبودیت کا مظاہرہ کر کے پتھر مار کر موتی کو چکنا چور کر دیا اور آقا کی نظر میں محبوبیت کے اوج کمال تک پہنچا۔  
مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

نقص امر از کسر دُر دشوار تر ☆ لاجرم بستم بکسر او کمر

ایاز نے کہا: آقا کے حکم کو توڑنے سے موتی کا توڑنا بہت آسان تھا، اس لیے میں موتی کے توڑنے پر کمر بستہ ہو گیا۔ ﴿وَلٰكِنْ يٰنَالِهَ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ [الحج: ۳۷] میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خون و گوشت نہیں پہنچتا بلکہ اخلاص و للہیت، اللہ کے حکم کی خلاف ورزی سے بچنا اور خوف پہنچتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

## تکبیراتِ تشریق سے متعلق چند مسائل

**سوال:** تکبیراتِ تشریق کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک کل ۲۳ نمازوں کے بعد تکبیراتِ تشریق پڑھنا ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ باوازِ بلند پڑھنا واجب ہے۔ تکبیر تشریق یہ ہے: ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا إله إلا الله الله اكبر الله اكبر والله الحمد“۔ مرد عورت، مقیم مسافر، امام مقتدی مفرد سب پر واجب ہے۔ یہ صاحبین کا مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ البتہ عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں۔ واللہ ۛۛۛ اعلم۔

**سوال:** تکبیراتِ تشریق کتنی دفعہ واجب ہے؟

**الجواب:** ایک مرتبہ واجب ہے، بعض مفتیان کے ہاں تین مرتبہ جائز ہے، اور دوسرے بدعت۔ واللہ ۛۛۛ اعلم۔

**سوال:** اگر امام تکبیرات بھول جائے تو مقتدی کیا کرے؟

**الجواب:** مقتدیوں کو چاہئے کہ فی الفور کہہ دیں تاکہ امام کو یاد آجائیں امام کا انتظار نہ کریں۔ واللہ ۛۛۛ اعلم۔

**سوال:** بقرعید کی نماز کے بعد تکبیراتِ تشریق کہنی چاہئے یا نہیں؟

**الجواب:** کہنی چاہئے اس لیے کہ بعض مشائخ کے نزدیک واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** اگر کسی سے تکبیرات تشریق کے ایام میں کوئی نماز قضا ہوگئی تو اس قضا نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنی چاہئے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر ایام تکبیرات تشریق میں نماز کی قضا کر رہا ہے تو تکبیر کہنا واجب ہے ورنہ واجب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** ایام تشریق کیا ہیں اور کتنے ہیں؟

**الجواب:** ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو یوم الزینہ، آٹھویں کو یوم الترویہ، نویں کو یوم العرفہ، دسویں کو یوم الآخر گیارہویں کو یوم القر، بارہویں کو یوم النفر الاول اور تیرہویں کو یوم النفر الثانی کہتے ہیں، نیز ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو ایام التشریق بھی کہتے ہیں، دسواں یوم الآخر ہے یوم التشریق نہیں اور ۱۳ یوم التشریق ہے یوم الآخر نہیں اور ۱۱، ۱۲ ایام نحر اور ایام تشریق دونوں میں مشترک ہیں۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** اگر کوئی شخص نماز کے بعد تکبیرات تشریق بھول گیا تو کیا کرے؟

**الجواب:** اگر مسجد میں یا دایا تو کہہ دے اور اگر مسجد سے باہر نکل چکا تو نہ کہے اور آئندہ کے لیے خیال رکھے اور استغفار بھی پڑھ لے۔ واللہ اعلم۔

**تکبیرات تشریق جہر اُڑھنے کا حکم:**

**سوال:** مذہب احناف میں تکبیرات تشریق جہر اُڑھی جائیں گی یا سرا؟ اگر جہر اُہوں تو جہر واجب ہے یا

مسنون؟ نیز امام صاحبؒ نے فرمایا کہ جہر اُبدعت ہے، اس کی کیا توجیہ ہے؟

**الجواب:** مذہب احناف میں تکبیرات تشریق جہر اُڑھی جائیں گی اور جہر واجب ہے، اور امام

صاحب سے جو بدعت کا قول مروی ہے وہ جہر مفرط پر محمول ہے، نیز امام صاحب کے ہاں جس ذکر میں جہر ثابت نہیں اس میں انفا کرنا چاہئے۔  
بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان وجوبه فالصحيح أنه واجب . (بدائع الصنائع: ۱/۱۹۵، سعید).

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

و يجب تكبير التشريق وكذا يجب الجهر به ... واذكروا الله في أيام معدودات ...  
يفيد الوجوب لا الافتراض وقد واطب عليه النبي صلى الله عليه وسلم وكذا الخلفاء  
الراشدون والصحابه أجمعون . (حاشیۃ الطحطاوی عی مراقی الفلاح، ص ۵۳۸، ۵۳۹، قدیمی).  
اعلاء السنن میں ہے:

فإن رفع الصوت بالتكبير تبعداً بدعة في الأصل ، وبقولنا : تبعداً ، خرج ما إذا جهر  
به للنشاط أو لدفع الوسواس والخواطر أو للتعليم بدون اعتقاده الثواب في الجهر فهو  
مباح عندنا ... ولم يشوس على المصلين ولم يكن الجهر مفرطاً ... ودليل كون الجهر  
بالتكبير تبعداً بدعة أنهم ذكروا السنة في الأذكار المخافتة لقوله تعالى: ﴿ادعوا ربكم  
تضرعاً وخفية ، إنه لا يحب المعتدين﴾ ... فلا يترك هذا الدليل إلا عند قيام الدليل  
المخصص وجاء الدليل المخصص للتكبير . (اعلاء السنن: ۸/۱۵۰).

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

تکبیر تشریق ایک بار جہراً اور بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ (مالا بدمنہ) لیکن چیخنا چلانا، تکلف آواز نکالنا  
مکروہ اور ممنوع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۴۸۱)۔

ذکر اجتماعی اور جہری میں ہے:

علامہ آلوسی ہفتی بغداد فرماتے ہیں: ذکر بالجہر جب کہ کوئی وجہ شرعی ممانعت کی نہ ہو مندوب ہے بلکہ ذکر  
سری سے افضل ہے... اور امام ابو حنیفہؒ سے بھی روایت ہے بلکہ مسند ابی حنیفہؒ کے ظاہر الفاظ مطلق ذکر بالجہر پر

دالالت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی: ۱۶۲/۱۶)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

عید الفطر کی تکبیر امام صاحبؒ کے نزدیک سر اُڑھیں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک جہراً، اور ایک روایت امام صاحبؒ سے بھی جہراً پڑھنے کی ہے اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے بہر حال کراہت تو جانبین سے منقش ہے۔ (ذکر اجتماع و جہری، ص ۱۵۳ بحوالہ شامی: ۷۰/۲، سعید)۔

قال الإمام: المراد أن يقع الذكر متوسطاً بين الجهر والمخافتة والمراد بالجهر رفع الصوت المفروط و بمادونه نوع آخر من الجهر . (روح المعانی: ۱۵۴/۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:  
 ”كل غلام رهينة بحقيقةته، تلدج عنه يوم سابعه  
 ويسمى، ويخلق رأسه“.  
 (رواه اصحاب السنن الاربعة)

## باب..... ﴿ع﴾

# احکام الحقیقۃ

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:  
 ”عن الغلام شاتان مكافئتان، وعن الجارية شاة“.  
 (رواه الامام احمد والترمذی)

## فصل اول

### عقیقہ کے احکام کا بیان

حدیث ”الغلام مرتہن... الخ“ کا مطلب:

سوال: ”الغلام مرتہن بعقیقته یذبح عنه یوم السابع ویحلق رأسه ویسمی“۔ (سنن

ابن ماجہ، ص ۲۲۸) اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حدیث مذکورہ بالا کے چار مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) بچہ عقیقہ نہ ہونے کی وجہ سے شفاعت سے محبوس اور ممنوع ہوگا، بغیر عقیقہ کے شفاعت نہیں کرے گا۔

(۲) بچہ عقیقہ کے بغیر قبولیت سے محبوس اور روکا ہوا ہے۔

لیکن ان دونوں معنوں میں یہ اشکال ہے کہ ان دونوں معانی کی روشنی میں عقیقہ واجب یا سنت مؤکدہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ عقیقہ نہ واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ۔ الا یہ کہ عقیقہ کے وجوب کو منسوخ کہا جائے۔

(۳) تیسرا مطلب یہ ہے کہ بچہ مریہون کی طرح ہے، رہن دین کے بدلہ میں جب رہن راہن کو مل جائے

تو اس کو چاہئے کہ دین یا قرضہ ادا کر دے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نعمت یا رحمت عطا فرمائی تو اس کے عوض عقیقہ اللہ تعالیٰ کے لیے کر دو۔ اس معنی میں بھی لزوم عقیقہ کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

(۴) رہن جس کے معنی میں ہے، تو مطلب یہ ہے کہ بچہ گندے خون آلودہ بالوں میں گرفتار ہے ساتویں



دن عقیدہ کر کے اس کے بالوں کا حلق کر کے اس کو گرفتاری سے نجات دیدو۔ اس معنی کی تائید ان الفاظ سے ہوتی ہے: ”فأميطوا عنه الأذى“۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے:

وقيل: معناه أنه مرهون بأذى شعره واستند بقوله: ”فأميطوا عنه الأذى وهو ما علق به

من دم الرحم . (حاشية سنن ابن ماجه، ص ۲۲۸، رقم الحاشية، ۶).

عقیدہ کے معنی بھی ان بالوں کے ہیں جو ولادت کے وقت بچہ کے سر پر ہوں اور ان کو کاٹا اور صاف کیا جائے، وهو الشعر الذى يكون على المولود حين يولد من العق والشق والقطع . (سنن ابن ماجه، ص: ۲۲۸، رقم الحاشية، ۵). واللہ اعلم۔

## ”الدلائل القوية لإثبات العقيدة عند الحنفية“

### مذہبِ احناف میں عقیدہ کا حکم

سوال: مذہبِ احناف میں عقیدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور فتاویٰ ہندیہ کی درج ذیل عبارات سے مباح

غیر مسنون، یا مکروہ ہونا مترشح ہے اس کا کیا جواب ہے؟

عالمگیری کی عبارت ملاحظہ ہو:

العقيدة عن الغلام وعن الجارية وهى ذبح شاة فى سابع الولادة وضيافة الناس وحلق شعره مباحة لا سنة ولا واجبة، كذا فى الوجيز للكردى . وذكر محمد فى العقيدة فمن شاء فعل ومن شاء لم يفعل وهذا يشير إلى الإباحة فيمنع كونها سنة وذكر فى الجامع الصغير ولا يعق عن الغلام ولا عن الجارية وأنه إشارة إلى الكراهة كذا فى البدائع فى كتاب الأضحية . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۲).

الجواب: فقہائے احنافؒ نے جہور کے قول کے موافق عقیدہ کو مستحب قرار دیا ہے، دلائل حسب ذیل

ملاحظہ ہوں:

## عقیدہ کے استجاب میں چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

روی البخاری فی ”صحیحہ“ (باب اماطة الاذى عن الصبی فی العقیقة، رقم: ۵۴۷۱) تعلیقاً عن سلمان بن عامر الضبیؓ، قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: مع الغلام عقیقة، فأمر یقوا عنه دماً، وأمیطوا عنه الأذى.

وقد وصله الطحاوی فی شرح مشکل الآثار (۷۳/۳)، ورواه أبو داود فی الأضاحی، باب فی العقیقة (۲۸۴۱)، والترمذی فی الأضاحی، باب ماجاء فی العقیقة (۱۵۱۵)، والنسائی فی العقیقة (۴۲۲۵)، وابن ماجہ فی الذبائح فی باب العقیقة (۳۱۶۴).

وعن سمرةؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”کل غلام رهینة بعقیتہ تذبح عنه یوم سابعه ویسمی، ویحلق رأسه“. (رواه اصحاب السنن الاربعة وقال الترمذی: هذا حدیث حسن صحیح، ۲۷۸/۱، ط: فیصل).

وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عن الغلام شاتان مکافتان، وعن الجارية شاة“. (رواه الامام احمد رقم: ۲۸۰۲۴، والترمذی، وقال: حدیث صحیح، ۲۷۸/۱، ط: فیصل).

وفي رواية لأحمد: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن نعق عن الجارية شاة، وعن الغلام شاتین. (رواه الامام احمد فی مسنده، رقم: ۲۵۲۵۰، والترمذی رقم: ۱۵۱۳، وقال: هذا حدیث حسن صحیح، ۲۷۸/۱، ط: فیصل).

وعن أم کرز الکعبیة، أنها سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العقیقة، فقال: ”عن الغلام شاتان، وعن الجارية واحدة، ولا یضرکم ذکرنا کُنْ أو إناثاً“. (رواه الترمذی، وقال: هذا حدیث صحیح، ۲۷۸/۱، ط: فیصل، واحمد فی مسنده ۲۷۱۳۹).

وعن ابن عباسؓ، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَقَّ عن الحسن والحسین کبشاً کبشاً. (رواه ابو داود رقم: ۲۸۴۳، والنسائی، رقم: ۴۲۳۰، ولفظ النسائی: یکبشین کبشین).

احادیث کے درمیان جمع و تطبیق:

علامہ ابن رشد مالکی قرطبی ”بدایۃ المجتہد“ میں فرماتے ہیں:

ظاہر حدیث سمرة و هو قول النبي صلى الله عليه وسلم ”كل غلام مرتين بعقيقته تدبج عنه يوم سابعه ويماط عنه الأذى“ يقتضى الوجوب ، وظاهر قوله عليه الصلاة والسلام وقد سئل عن العقيقة فقال: ”لا أحب العقوق ومن ولد له ولد فأحب أن ينسك عن ولده فليفعل“. يقتضى الندب أو الإباحة ، فمن فهم منه الندب قال: العقيقة سنة ومن فهم الإباحة قال: ليست بسنة ولا فرض وخرج الحديثين أبو داود ومن أخذ بحديث سمرة أوجبها. (بدایۃ المجتہد: ۳۳۹/۱).

علامہ ظفر احمد عثمانی ”اعلاء السنن“ میں احادیث کے مابین تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وأما الأحاديث التي أشار إليها فلا يخفى أن منها ما هو منسوخ إجماعاً ، وهو الذي احتج به الظاهرية على وجوبها ، كحديث الحسن عن سمرة مرفوعاً : كل غلام مرتين بعقيقته ... الخ ، رواه الخمسة ، وصححه الترمذی ، وعن سلمان بن عامر الضبي مرفوعاً: مع الغلام عقيقة ، فأهريقوا عنه دماً وأميطوا عنه الأذى . رواه الجماعة إلا مسلماً . وعن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نعق عن الجارية شاة وعن الغلام شاتين . والأمر للوجوب ... وقال الجمهور باستحبابها لحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده : سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن العقيقة فقال: ”لا أحب العقوق من أحب منكم أن ينسك عن ولده فليفعل عن الغلام شاتان مكافئتان وعن الجارية شاة“. رواه أحمد وأبو داود وسكت عنه هو والمنذرى والنسائي ، وروى محمد في ”الموطأ“ عن مالك عن زيد بن أسلم عن رجل من بني ضمرة عن أبيه مرفوعاً نحوه .

وہذا يدل على نسخ الوجوب إلى الإباحة كما هو ظاهر قوله : من أحب منكم أن ينسك عن ولده ، ومنها ما يدل على النهي عنها كحديث أبي رافع أن حسن بن علي ؓ

لما ولد أراذت أمه فاطمة رضي الله تعالى عنها أن تعق عنه بكبشين ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " لا تعقي عنه ولكن احلقي رأسه " الحديث . وقد تقدم ولكنه يحتمل اختصاص النهي بفاطمة رضي الله تعالى عنها لقول النبي صلى الله عليه وسلم: أكره العقوق فكره لأهل بيته ما كان يكرهه وإن لم ينه عنه غير أهل بيته لما في حديث أم كرز أنها سألت النبي صلى الله عليه وسلم يوم الحديبية عن العقيدة فقال: عن الغلام شاتان وعن الجارية شاة . (اعلاء السنن: ۱۱۲/۱۷، طريق الجمع بين احاديث الباب).

قول احناف جمہور کے قول کے موافق ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

هذا وإنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذلك بقول الجمهور وقالوا باستحباب العقيدة لما قال ابن المنذر وغيره : إن الدليل عليه الأخبار الثابتة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعن الصحابة والتابعين بعده ، قالوا : وهو أمر معمول به في الحجاز قديماً وحديثاً . (اعلاء السنن: ۱۱۴/۱۷، موجه اخذ الحنفية بقول الجمهور في هذا الباب).

عمدة القاری میں ہے:

وقال أبو حنيفة<sup>ؒ</sup> : ليست بسنة وقال محمد بن الحسن: هي تطوع كان الناس يفعلونها ثم نسخت بالأضحى، ونقل صاحب التوضيح عن أبي حنيفة<sup>ؒ</sup> والكوفيين: أنها بدعة وكذلك قال بعضهم في شرحه والذي نقل عنه أنها بدعة أبو حنيفة<sup>ؒ</sup> . قلت: هذا افتراء فلا يجوز نسبته إلى أبي حنيفة<sup>ؒ</sup> وحاشاه أن يقول مثل هذا، وإنما قال: ليست بسنة فمراده إما ليست بسنة ثابتة وإما ليست بسنة مؤكدة ، وروى عبد الرزاق عن داود بن قيس، قال: سمعت عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن العقيدة ، فقال: لا أحب العقوق... الخ، فهذا يدل على الاستحباب . (عمدة القاری: ۴۶۳/۱، امداديه، مملتان).

التعليق الممجد میں علامہ عبدالحی کھڑکی فرماتے ہیں:

أنه ماذا أريد من كون العقيدة في الجاهلية وكونها متروكة مرفوضة في الإسلام ؟ إن أريد أنها كانت واجبة ولازمة في الجاهلية وكان أهل الجاهلية يوجبونها على أنفسهم فلما جاء الإسلام رفض وجوبه ولزومه فهذا لا يدل على نفى الاستحباب أو المشروعية أو السنية بل على نفى الضرورة فحسب ، وهو غير مستلزم لعدم المشروعية أو الكراهة ، وإن أريد أنها كانت في الجاهلية مستحبة أو مشروعة ، فلما جاء الإسلام رفض استحبابها وشرعيتها ، فهو غير مسلم . فهذه كتب الحديث المعتبرة مملوءة من أحاديث شرعية العقيدة واستحبابها ، كما ذكرنا نبذاً منها . (التعليق الممجد: ۲/۶۶۵) .

نیز کتب فقہ میں بھی مختلف اقوال مذکور ہیں ، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں : (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۴/۱۶۸ ، کوئٹہ موبدائع الصنائع: ۵/۶۹، ۷۲، سعید، وردالمختار: ۶/۳۳۶، سعید) .

امام صاحب کی طرف کراہت منسوب ہے اس کی توجیہات:

(۱) عمدۃ القاری کی عبارت پہلے گزر چکی ہے ، اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے سنت مؤکدہ ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ بدعت یا کراہت والا قول امام ہمام پر افترا ہے۔

(۲) اعلاء السنن میں ہے: وإنما كره أبو حنيفة العقيدة إذا كان القصد مجرد إراقة الدم عن الولد ، كما في الأضحية . ولو كان للحلم وضيافة العشيرة وإطعام الفقراء لم يكره لكونه كالذبيح للوليمة وهو مشروع لكل حادث سرور ، فافهم . (اعلاء السنن: ۱۷/۱۰۹ ، باب العقيدة) .

(۳) فیض الباری میں ہے: وفي ” البدائع “ أنها منسوخة ؛ قلت : وإنما حملته عليه عبارة محمد في ” موطاه “ ص ۲۲۳ ، قال محمد: العقيدة بلغنا أنها كانت في الجاهلية ، وقد جعلت في أول الإسلام ، ثم نسخ الأضحى كل ذبح كان قبله ، الخ . فلم أزل أتردد في مراد الإمام ، حتى رأيت في كتاب ” الناسخ والمنسوخ “ عن الطحاوي أن محمداً قال في بعض أماليه: إن العقيدة غير مرضية ، ثم تبين لي مراده أنه كان يكره اسم العقيدة لأنه يوهم العقوق

ولكونه من أسماء الجاهلية ، ولأنهم كانوا يفعلون عند العقيدة بعض المحظورات ، كنلخ الأشرار بدم الحيوان ، مع ورود الحديث في النهي عن ذلك الاسم أيضاً ، فكان مراده هذا ثم لا أدري ماذا وقع الخط في النقل حتى نسب إليه نسخ العقيدة رأساً ، وليت شعري ما وجه عدم تغيير هذا الاسم بعد ، مع نهى الحديث عنه ، فينبغي أن لا يجعل لفظه المبهم حاوياً على العقيدة أيضاً ، بل مراده نسخ دماء الجاهلية ، كالرجبية والعترة . (فيض الباری: ۴/۳۳۷، کتاب العقيدة).

عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ فقط عقیدہ کے نام کو ناپسند سمجھتے تھے، (یعنی عقیدہ کو حقوق سے ماخوذ مان کر پسند نہیں کرتے تھے، لیکن یہ حقوق سے نہیں، حق سے ہے اور حق کاٹنے اور پھاڑنے کے معنی میں ہے جس میں جانور کے کاٹنے اور کلوے کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں) حقوق کے وہم کی وجہ سے، کیونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے ناموں میں سے تھا اور زمانہ جاہلیت میں عقیدہ کے ساتھ بعض ممنوع افعال بھی انجام دئے جاتے تھے جن کو اسلام نے منع کیا تھا، پھر نقل ہوتے ہوئے امام صاحب کی طرف اصل عقیدہ کے منسوخ ہونے کو نقل کر دیا گیا، حالانکہ ایسی بات نہیں تھی۔ (امام صاحب کے ہاں بھی عقیدہ مستحب ہے)۔

(۵) صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اراقة الدم سے تقرب الی اللہ اور شکر علی نعمۃ الولد مقصود ہے، لہذا یہ مستحب ہے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو أرادوا القرربة عن الأضحیة أو غيرها من القرب أجزأهم، سواء كانت واجبة أو تطوعاً، لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله تعالى، وكذلك إن أراد بعضهم العقيدة عن ولد ولد له من قبل، لأن ذلك جهة التقرب إلى الله عز شأنه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد؛ كذا ذكر محمد في نوادر الضحايا“ ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن يجوز، لأنها إنما تقام شكراً لله تعالى على نعمۃ النكاح، وقد وردت السنة بذلك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: ”أولم ولو بشاة“ فإذا قصد بها الشكر وإقامة السنة فقد أراد بها

التقرب إلى الله عز وجل . (بدائع الصنائع: ۷۳/۵، سعید).

(۶) علامہ ظفر احمد عثمانی اس عبارت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وهو صريح في كون العقيدة قربة كالوليمة، فمن عزي إلى أبي حنيفة أنه قال: هي بدعة لا يلتفت إليه، نعم أنكر أبو حنيفة كونها إراقة دم بالشرع تعبدًا كالأضحية، ولم ينكر كونها قربة بقصد الشكر على نعمة الولد فإنها تكون إذا كالوليمة تقام شكرًا لله على نعمة النكاح، فافهم، ط. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۱۵، باب العقيدة).

یعنی عقیدہ قربانی کی طرح خلاف قیاس عبادت نہیں بلکہ نعمت کے شکریہ کے طور پر موافق قیاس اور مدد رکھنے کا عمل عبادت ہے۔

(۷) علامہ شامی فرماتے ہیں:

... بأن المراد "لا يعق" على سبيل السنة بدليل كلامه الأول وقد ذكر في غرر الأفكار: أن العقيدة مباحة على ما في جامع المحبوبي أو تطوع على ما في شرح الطحاوي، وما مر يؤيد أنها تطوع، على أنه وإن قلنا إنها مباحة لكن بقصد الشكر تصير قربة فإن النية تصير العادات عبادات والمباحات طاعات. (فتاوى الشامى: ۶/۳۲۶، سعید) کذا فی درر الحکام فی شرح غرر الاحکام:۔

(۸) علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں کہ امام صاحبؒ سے عقیدہ کا منسوخ ہونا صحیح طریق سے جس پر اعتماد کیا جائے ثابت نہیں ہے۔ اگر ثابت تسلیم کر لیا جائے تو اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وجوب کی نفی ہے، مشرودیت و استحباب کی نفی نہیں ہے، جیسا کہ جب کسی چیز سے فرضیت یا وجوب کی نفی ہوتی ہے یعنی وہ فرض یا واجب منسوخ ہوتا ہے تو اس سے استحباب اور سنت کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور جنہوں نے استحباب اور فضیلت کو بھی منسوخ کر کے کراہت کا قول امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے، علماء نے ان کی تردید فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو "التعليق الممجد" میں مفصل کلام فرمایا ہے، مختصر اُس پر ذکر طاس کیا جاتا ہے:

السادس: أن البلاغ الثاني لا يثبت من طريق محتج به حتى يحتج به . السابع: بعد تسليم ثبوته ظاهره يدل على منسوخية وجوب العقيدة ونحوها فإن معناه نسخ الأضاحي لزوم كل ذبح كان قبله كالعقيدة... ويدل عليه ضمه بنسخ صوم شهر رمضان كل صوم كان قبله فإنه كان صوم يوم عاشوراء وأيام البيض فرضاً، فلما نزل صوم رمضان نسخ وجوب ذلك على ما بسطه الحازمي في "كتاب الناسخ والمنسوخ" فكما أن نسخ صوم رمضان لما قبله لم يدل إلا على عدم لزومه، لا على انتفاء استحبابه وشرعيته، وقال: صاحب "البدائع": ذكر محمد في "الجامع الصغير": ولا يعق لا عن الغلام ولا عن الجارية، وأنه إشارة إلى الكراهة لأن العقيدة كانت فضيلة و نسخ الفضل، فلا يبقى إلا الكراهة بخلاف الصوم والصدقة فإنهما كانتا من الفرائض، فاذا نسخت الفرضية يجوز التنفل بهما، انتهى. ورده القاري بقوله: فيه بحث لأن الفضيلة إذا انتفت تبقى الإباحة لأن النسخ ما توجه إلا إلى زيادة. وهذا على تقدير أنه كان فضيلة، وإلا فالظاهر من ذكرها مع الصوم والصدقة أنها على منوالهما في كونهما واجبة. انتهى. فليتأمل في هذا المقام فإنه من مزال الأقدام، وأنظم ما ذكرنا في هذا البحث في سلك نظائره التي لم يقف عليها الأعلام. (التعليق المجدد: ۶۶۶/۲، وكذا في أوجز المسالك: ۱۷۱/۱۰).

(۹) مولانا خالد سيف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ کی طرف یہ منسوب ہے کہ آپؑ اسے محض مباح قرار دیتے تھے، لیکن امام طحاویؒ سے اس کا مستحب ہونا منقول ہے، اور یہی صحیح ہے، اس لیے کہ کثرت سے روایات عقیدہ کے سلسلہ میں موجود ہیں، خیال ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس کے وجوب کی نفی کی ہوگی اور ناقصین نے بات اباحت (بلکہ بعض فقہاء نے کراہت) تک پہنچا دی ہوگی۔ (قاموس الفقہ: ۴۱۰/۴)۔

(۱۰) ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ عقیدہ بالغ ہونے کے بعد کیا جائے تو مباح ہوگا۔

ملاحظہ ہو کتاب الفتاویٰ میں ہے:



بالغ ہونے کے بعد عقیدہ کے سلسلہ میں کوئی روایت تو نہیں ملتی لیکن چونکہ عقیدہ کی حیثیت دم شکر کی ہے اس لیے عقیدہ کر لینا مباح ہوگا سنت تو اس سے ادا نہ ہوگی لیکن باعثِ ثواب ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۷۴/۴)۔

(۱۱) لامح الدراری میں ہے:

واختلفت الروایات عن الحنفیة والمعروف فی فروعهم أنها مندوبة وهو الصواب ،  
والثانية :أنها مباحة ، والثالثة أنها بدعة ، وأنكرها العینی وبسط الكلام علی رد هذا القول  
وأثبت الاستحباب . (لامح الدراری: ۳۰۶/۳)۔

(۱۲) مالا بدمنہ کے آخر میں عقیدہ کے احکام میں مختصر رسالہ موجود ہے، اس میں مرقوم ہے:

حامد أومصلیاً بدلتکة عقیدة نزد امام مالک و امام شافعی و امام احمد سنت مؤکدہ است و بہ روایت از امام احمد  
واجب و نزد امام اعظم مستحب و قول بہ بدعت بودنش افتراء است بر امام ہمام کذا فی العاجلة الدقیقة - (مالا بدمنہ،  
ص ۲۱۷، رسالہ احکام عقیدہ)۔

ترجمہ: جان لو کہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عقیدہ سنت مؤکدہ ہے اور امام احمد کی ایک  
روایت کی رو سے عقیدہ واجب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستحب ہے اور جو امام صاحب کی طرف بدعت کا  
قول منسوب ہے وہ امام ہمام پر افتراء ہے۔

اکابر کے فتاویٰ میں منسوں و مستحب کا قول ملاحظہ ہو:

(۱) فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: عقیدہ کو مباح لکھا ہے تو اس اباحت سے ثواب نکلتا ہے یا نہیں؟

جواب: حضرت امام صاحب سے یہ روایت ہے کہ عقیدہ مباح ہے پس مباح میں ثواب جب ہوتا ہے کہ  
وہ عبادت کی نیت سے کیا جاوے پس امام صاحب کے قول سے مراد یہ ہے کہ جیسا واجب میں ثواب ہوتا ہے وہ  
اس میں نہیں رہا اور سب ائمہ کے نزدیک عقیدہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۵۲۰)۔

(۲) کفایت المفتی میں ہے:

سوال: عقیدہ سنت ہے یا واجب؟

جواب: عقیدہ واجب نہیں ہے سنت ہے اگر وسعت ہو تو عقیدہ کرنا اولیٰ و افضل ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۴۲، دارالاشاعت)۔

(۳) آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

سوال:..... بچہ پیدا ہونے کے بعد جو عقیدہ کیا جاتا ہے... یہ عمل سنت ہے یا واجب؟

جواب:..... عقیدہ سنت ہے.... (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۷۸/۵، طباعت جدیدہ)۔

(۴) عزیز الفتاویٰ میں ہے:

سوال: عقیدہ در مذہب خفیہ سنت است یا واجب یا مستحب یا مباح؟

الجواب: صحیح ایں است کہ عقیدہ در مذہب خفیہ مستحب است، نہ سنت کما فی الشامی: يستحب

لمن ولد له ولد الخ. (عزیز الفتاویٰ: جلد اول، ص ۶۸۲، دارالاشاعت)۔

(۵) مولانا خالد سیف اللہ صاحب حلال و حرام میں فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہؒ کا قول مشہور یہی ہے کہ عقیدہ محض مباح ہے نہ واجب اور نہ سنت (بدائع: ۶۹/۵، وغالبی: ۳۶۲/۵) اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ بقرعید کی قربانی نے تمام قربانیوں کو منسوخ کر دیا، اکثر

فقہاء کے نزدیک عقیدہ مسنون ہے، اور یہی صحیح ہے اور اس سلسلہ میں کئی حدیثیں موجود ہیں، اسی بنا پر خود احناف

کے بھی محقق علماء اس کے مستحب یا مسنون ہونے کے قائل ہیں، خود امام طحاویؒ نے مستحب قرار دیا ہے یہی رائے

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلیؒ کی بھی ہے، علامہ کاسائیؒ نے لکھا ہے کہ قربانی کے ساتھ عقیدہ کا حصہ شریک

ہو تو درست ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی عقیدہ کو کم از کم مستحب کا درجہ ضرور دیتے تھے، رہ گئی حضرت

عائشہؓ کی روایت تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ قربانی واجب ہونے کے بعد عقیدہ واجب نہیں رہا، محض مستحب کا درجہ

رکھتا ہے۔ (حلال و حرام ص ۲۵۰)۔

عقیدہ کرنے کی مصلحتیں:

عقیدہ کرنے میں بہت ساری مصلحتیں ہیں، جس کا فائدہ خاندان، غیر خاندان اور خود عقیدہ کرنے والوں کو

بھی ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عقیدہ فرمایا، اور دوسروں کو اس کی ترغیب بھی دی۔

مجملہ ان مصلحتوں کے چند حسب ذیل درج ہیں:

(۱) عقیقہ میں نہایت خوبی کے ساتھ اولاد کے نسب کی اشاعت ہوتی ہے اور اشاعتِ نسب ایک ضروری چیز ہے تاکہ کوئی شخص ناپسندیدہ بات نہ کہے۔

(۲) عقیقہ کے اندر سخاوت کا داعیہ ہے اور بخل کا قلع قمع ہے۔

(۳) نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو زرد پانی سے رنگتے تھے، تو وہ بچہ نصرانی بن جاتا تھا۔ تو دینِ محمدی میں بھی نصاریٰ کے فعل کے مقابل میں کوئی ایسا امتیاز پایا جائے جس سے اس فرزند کا حنفی، اسلامی اور ملتِ ابراہیمی و اسماعیلی کا تابع ہونا واضح ہو جائے۔

(۴) عقیقہ کے ذریعہ گویا بچہ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دیا، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کر دیا تھا۔ (نخص از حجۃ اللہ البانہ: ۲۵۲/۲، ۲۵۳، الحقیقہ: ط: قدیمی، واحکام اسلام عقل کی نظر میں، ص ۱۵۶، از حکیم الامت حضرت تھانویؒ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## پانچویں دن عقیقہ کرنے کا حکم:

**سوال:** اگر کسی نے پانچویں دن عقیقہ کر دیا تو عقیقہ ہوا یا نہیں؟ کیا اس کو دوبارہ عقیقہ کرنا چاہئے؟

**الجواب:** افضل اور بہتر دن عقیقہ کے لیے یوم السابع (ساتواں دن) ہے، لیکن اگر کسی نے اس سے پہلے عقیقہ کر لیا تب بھی ادا ہو جائے گا دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے:

ولو قدم يوم الذبح قبل يوم السابع أو أخره عنه جاز إلا أن يوم السابع أفضل . (تنقیح

الفتاویٰ الحامدیہ: ۲/ ۲۳۳)۔

اعلاء السنن میں ہے:

فلو ذبحها بعد السابع أو قبله وبعد الولادة أجزأه ، وإن ذبحها قبل الولادة لم تجزه

بلا خلاف بل تكون شاة لحم . (اعلاء السنن: ۱۷، ۱۱۹، باب افضلية الشاة في العقیقة)۔

امداد الاحکام میں ہے:

سات کے عدد کی رعایت محض افضل ہے ورنہ عقیقہ بہر صورت ادا ہو جائیگا۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیة فی أحكام العقیقة (۲/۲۱۲، ۲۱۳): ولوقدم يوم الذبح قبل يوم السابع أو آخره جاز إلا أن يوم السابع أفضل (الی ان قال) ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ فلا يجوز قبلها وذبحها فی اليوم السابع یسن... الخ. اس سے معلوم ہوا کہ سات کے عدد کی رعایت کرنا صرف مسنون ہے ورنہ ادائے عقیقہ میں بغیر اس کے بھی خلل نہیں ہوگا۔ (امداد الاحکام: ۱۹۰/۴)۔  
واللہ اعلم۔

## عقیقہ کی مدت:

**سوال:** اگر ساتویں دن عقیقہ نہیں کر سکے تو کب تک عقیقہ کیا جاسکتا ہے اس کی مدت کیا ہے؟

**الجواب:** عقیقہ ساتویں دن کرنا مسنون و مستحب ہے، اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو پھر چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرے، اسی طرح قبل البلوغ تک سات کے عدد کی رعایت کرنا بہتر ہے، اس کے خلاف کیا تو مستحب ادا نہ ہوگا، اگرچہ عقیقہ ہو جائیگا، عقیقہ مسنون و مستحب ہے لہذا اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا مستحسن ہے۔  
ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سمرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الغلام مرتین بعقیقته یدبح عنه يوم السابع، ویسمی ویحلق رأسه. (رواہ الترمذی: ۲۷۸/۱، وقال: هذا حدیث حسن صحیح، والعمل علی هذا عند اهل العلم؛ یتستحبون ان یدبح عن الغلام العقیقة يوم السابع، فان لم یتہیا يوم السابع فیوم الرابع عشر، فان لم یتہیا عنی عنه يوم حاد وعشرين).

(وايضاً رواہ ابوداؤد: ۳۶/۲، ابوالبیہقی: ۳۰۳/۹).

بعض روایات میں ساتویں، چودھویں اور اکیسویں دن کا تذکرہ آتا ہے، اگرچہ اس روایت پر کچھ کلام ہے۔ ملاحظہ ہو یہی میں ہے:

عن عبد اللہ بن بريدة عن أبيه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: العقيقة تدبح لسبع ولأربع عشرة ولإحدى وعشرين. (رواه البيهقي في السنن الكبرى: ۳۰۳/۹، باب ماجاء في وقت العقيقة).  
 وكذا رواه الطبراني في الأوسط (رقم: ۴۸۸۲) وفي الصغير (رقم: ۷۲۳). وقال المناوي في التيسير بشرح الجامع الصغير (۳۰۱/۲): ضعيف. قال الهيثمي في المجمع (۵۹/۴): وفيه إسماعيل بن مسلم المكي، وهو ضعيف لكثرة غلطه ووهمه.  
 عزیز الفتاویٰ میں ہے:

مسنون اور مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کیا جاوے اسی روز بال مونڈے جاویں اور اسی روز بال مونڈنے کے ساتھ بکرا ذبح کیا جاوے اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو پھر چودھویں یا اکیسویں روز عقیقہ کرے اگر اس کے خلاف کیا تو مستحب ادا نہ ہوگا، اور عقیقہ خود مستحب امر ہے اس کو مستحب طریقے سے ہی ادا کرنا چاہئے، اگر بلا قید ساتویں روز کرے گا تو عقیقہ ہو جائے گا، مگر مستحب ادا نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶۸۱/۱، دارالاشاعت)۔  
 مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

عقیقہ بچہ کی ولادت کے ساتویں دن کیا جانا چاہئے، یوں ساتویں دن سے پہلے بھی کر لیا جائے تو کافی ہے، کس عمر تک عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا خیال ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے پہلے تک (شرح المہذب: ۳۳۰/۸، المغنی: ۶۳۶/۸) امام مالکؒ کے نزدیک ساتویں دن تک عقیقہ نہیں کر پایا تو اب عقیقہ کی گنجائش باقی نہیں رہی (سبل السلام: ۱۳۲۹/۳) ساتویں دن عقیقہ نہیں کر پائے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں حضرت بریدہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے، محدثین کے یہاں جس کی صحت مشکوک ہے، (مجمع الزوائد: ۵۹/۳) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (حلال و حرام، ص ۲۵۳)۔

مالا بدمنہ میں ہے:

مسئلہ بعد ولادت ہفتم روز یا چہار دہم یا بست و یکم بہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد الغرض رعایت عد و ہفت بہتر است۔ (مالا بدمنہ، رسالہ احکام عقیقہ، ص ۲۲۰)۔

ترجمہ: پیدائش کے بعد ساتویں دن یا چودھویں یا کیسویں دن اور اسی حساب سے سات ماہ یا سات سال کے بعد عقیقہ کرنا چاہئے، الغرض سات کے عدد کی رعایت بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

## موت کے بعد عقیقہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کا عقیقہ نہیں ہوا تھا تو کیا اس کی طرف سے عقیقہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: عقیقہ بچہ کی نعمت کے شکریہ کے لیے ہوتا ہے جس کا تعلق زندگی کے ساتھ ہے موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوتا، ہاں قربانی کے ذریعہ ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے۔  
بدائع الصنائع میں ہے:

و كذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، لأن ذلك جهة التقرب إلى الله عز شأنه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد؛ كذا ذكر محمد في "نواذر الضحايا".  
(بدائع الصنائع: ۵/۷۳، سعید).

(و کذا فی فتاویٰ الشامی: ۶/۳۲۶، سعید، و تبیین الحقائق: ۶/۸، امدادیہ ملتان).

نیز عقیقہ دفع مصائب و بلا کے لیے ہوتا ہے جس کا تعلق زندگی سے ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

و عن مسمره رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه ويسمى فيه، ويحلق رأسه". (رواه اصحاب السنن الاربعة بوقال الترمذی: هذا حديث حسن صحيح).

فیض الباری میں ہے:

قلت: بل يجوز إلى أن يموت لما رأيت في بعض الروايات أن النبي صلى الله عليه

وسلم عق عن نفسه بنفسه. (فیض الباری: ۴/۳۳۷).

احسن الفتاویٰ میں ہے:

انتقال کے بعد عقیدہ نہیں ہے کیونکہ عقیدہ رد بلا کے لیے ہوتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۳۶/۷)۔

فتاویٰ رحیمہ میں ہے:

عقیدہ زندگی میں کیا جاتا ہے مرنے کے بعد عقیدہ کا مستحب ہونا ثابت نہیں، اگر مردہ بچے کے عقیدہ کو مستحب نہ سمجھا جائے محض شفاعت کی امید اور مغفرت کی لالچ میں کر دیا جائے تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسے کسی نے حج نہیں کیا اور بلا وصیت مر گیا اور وارث نے اس کی مغفرت کی امید پر اپنے خرچ سے حج بدل کیا تو امید ہے کہ حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔ (فتاویٰ رحیمہ: ۴۳۲/۵)۔

امداد الاحکام میں ہے:

عقیدہ زندہ کا ہو سکتا ہے مگر مردہ کی طرف سے اضحیٰ کی نیت سے کرے۔۔۔

قلت: جواز الأضحیة عن الصغير الميت يستدعي جواز العقيدة عنه بالأولى لعدم ورود الأمر بالأضحیة عنه وقد ورد بالعقيدة وأنه مرتين بعقيقته وأخرج ابن حزم عن بريدة الأسلمي قال: إن الناس يعرضون يوم القيامة على العقيدة كما يعرضون على الصلوات الخمس ذكره الحافظ في الفتح. (امداد الاحکام: ۲۳۳/۴، ۲۳۶)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے نزدیک موت کے بعد عقیدہ کرنا جائز ہے البتہ استحباب ادا نہیں ہوگا۔

واللہ اعلم۔

ولد الزنا کے عقیدہ کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک عورت کے ساتھ بلا نکاح زندگی گزارتا تھا اور دونوں غیر مسلم تھے، بعد ازاں مرد مسلمان ہو گیا، لیکن اب تک اس کا نکاح نہیں ہوا تھا کہ ان کے ہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی، عورت تانہوز مسلمان نہیں ہوئی، عیسائی ہے، اب یہ مسلمان شخص اپنی بچی کا عقیدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ بچی مسلمان سمجھی جائے گی، لہذا مسلمان والد اس کی طرف سے عقیدہ کر سکتا ہے، لیکن زنا کے گناہ سے توبہ و استغفار لازم اور ضروری ہے، بیوی کو اسلام کی دعوت دیکر مسلمان بنا کر اس کے

ساتھ نکاح کر لیا جائے، اور اگر وہ مسلمان ہونے پر راضی نہیں ہوتی تو زنا سے بچنے کے لیے اسی حالت میں اس سے نکاح کر لے اور اسلام کی دعوت دیتا رہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

ورأيت في فتاوى الشهاب الشلبى قال: واقعة الفتنون في زماننا مسلم زنى بنصرانية فأتت بولد فهل يكون مسلماً؟ أجاب بعض الشافعية بعدمه وبعضهم بإسلامه، وأفتى قاضي القضاة الحنبلي بإسلامه أيضاً... قال العلامة الشامي: قلت: يظهر لي الحكم بالإسلام لحديث الصحيح "كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون أبواه هما اللذان يهودانه أو ينصرانه" فإنهم قالوا: إنه جعل اتفاقهما ناقلاً له عن الفطرة فإذا لم يتفقا بقي على أصل الفطرة أو على ما هو أقرب إليهما ولأن الكفر أقبح القبيح فلا ينبغي الحكم به على شخص بدون أمر صريح... (الدر المختار مع الشامي: ۱۹۷، ۳، سعيد).

نیز بخاری میں جرج والی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ زانی باپ پر بھی اب کا اطلاق ہوتا ہے۔  
ملاحظہ ہو بخاری میں ہے:

وقال الليث: حدثني جعفر ابن ربيعة عن عبد الرحمن بن هرم قال: قال أبو هريرة رضي الله تعالى عنه: قال رسول الله صلى عليه وسلم: نادت امرأة ابنها وهو في صومعته قالت: يا جريج قال: اللهم أمي وصلاتي، فقالت: يا جريج قال: اللهم أمي وصلاتي، قالت: يا جريج قال: اللهم أمي وصلاتي، قالت: اللهم لا يموت جريج حتى ينظر في وجوه المياميس، وكانت تأوي إلى صومعته راعية ترعى الغنم فولدت، فقبل لها: ممن هذا الولد؟ قالت: من جريج، نزل من صومعته، قال جريج: أين هذه التي تزعم أن ولدها لي قال: يا بابوس من أبوك؟ قال: راعي الغنم. (رواه البخاري: ۱۶۱/۱).

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان بچی کی طرف سے مسلمان باپ عقیدہ کر سکتا ہے، اگرچہ میراث وغیرہ کے احکام میں شریعت نے زانی کا نسب ولد الزنا سے منقطع کر دیا ہے، لیکن بیٹی سے عدم نکاح اور زکوٰۃ نہ دینے وغیرہ احکام



میں جزیّت کا اعتبار کرتے ہوئے باپ کے قائم مقام تسلیم کیا ہے۔

وللتفصیل راجع : (ردالمحتار: ۱۹۷/۳، سعید)، واللہ اعلم۔

لڑکے کی طرف سے ایک بکر اذبح کرنے کا حکم:

**سوال:** لڑکے اور لڑکی کے عقیدہ میں کیا فرق ہے؟ لڑکے کے عقیدہ میں اگر صرف ایک بکر اذبح کیا جائے تو عقیدہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

**الجواب:** مستحب اور مسنون یہ ہے کہ لڑکے کے عقیدہ میں دو بکرے ذبح کیے جائیں اور لڑکی کے عقیدہ میں ایک بکرا، ہاں اگر وسعت نہ ہو تو لڑکے کی طرف سے ایک بکرا بھی کافی ہو جائے گا۔  
ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عن الغلام شاتان مکافتان، وعن الجارية شاة. رواہ الإمام أحمد (۲۴۰۲۸)، والترمذی، وقال: حدیث صحیح (۲۷۸/۱، ط: فیصل).

وفي رواية لأحمد: أمرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أن نعق عن الجارية شاة، وعن الغلام شاتين، رواه الإمام أحمد (۲۵۲۵۰).

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک میندہ اذبح فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہما، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقی عن الحسن والحسين كبشاً كبشاً، رواه أبو داود. والنسائي، ولفظ النسائي: بكبشين كبشين. (باب كم يعق عن الاجارية، و اسنادہ صحیح).

ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال: عقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن

بشارة. إسناده منقطع. (رواه الترمذی: ۲۷۸/۱، ط: فیصل).

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب فرماتے ہیں:

حضرت حسن ؓ اور حضرت حسین ؓ کے عقیدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لیے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی، اور اس طرح ان لوگوں کے لیے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہوگئی، اس حدیث کے بعض طرق میں بجائے ایک ایک مینڈھے کے دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (معارف الحدیث: ۲۷۶/۲، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى. (فتاویٰ الشامی: ۳۳۶/۶، سعید).

وفی الہندیۃ: العقیقۃ عن الغلام وعن الجاریۃ وهي ذبح شاة فی سابع الولاۃ.

(الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۶۲/۵).

اعلاء السنن میں ہے:

وystحب أن یعق عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاة، فإن عقی عن الغلام شاة حصل أصل السنۃ (لأن ابن عمر ؓ کان یعق عن بنیہ شاة شاة، رواہ مالک فی الموطأ وکذا محمد من طریق عن نافع عنه). (اعلاء السنن: ۱۷/۱۹، باب العقیقۃ).

کفایت المفتی میں ہے:

لڑکے کے عقیدہ میں دو بکرے یا دو بھیڑے یا دو بکریاں یا بھیڑیں ذبح کرنا مستحب ہے اگر دو کی وسعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۳۲/۸، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

سوال: لڑکے کے لیے ایک بکرا کافی ہے یا نہیں؟

الجواب: حیثیت ہو تو لڑکے کے لیے دو بکرے، دو بھیڑے، دو دنبے یا قربانی کی گائے، یا اونٹ یا

بھینس یا کڑے میں دو حصے افضل ہیں، ورنہ ایک بکرا، بھیڑ یا بڑے جانور میں سے ایک حصہ بھی کافی ہے، اس

سے عقیدہ ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحمیہ: ۴۳۳/۵)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

لڑکا ہو یا لڑکی بہر حال ایک بکری کافی ہے، البتہ لڑکے کے لیے دو کا ہونا بہتر ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۳۵/۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عقیدہ میں ذبح کو حلق پر مقدم کرنے کا حکم:

**سوال:** عقیدہ میں پہلے ذبح کرنا مستحب ہے یا حلق؟ احادیث کی روشنی میں رائج قول بتلا دیجئے؟

**الجواب:** دراصل مسئلہ مذکورہ بالا میں تین اقوال ہیں (۱) حلق پہلے بعد میں ذبح، (۲) دونوں میں اختیار ہے جس کو چاہے مقدم کرے، (۳) ذبح کو حلق پر مقدم کرے۔ تیسرا قول رائج ہے۔  
محققین علماء کے ہاں احادیث کی روشنی میں ذبح کو حلق پر مقدم کرنا افضل اور بہتر ہے۔  
پہلے قول کے بارے میں ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهباً ثم يعق عند الحلق عقيقة . (فتاویٰ الشامی: ۶/۶۶۳، سعید).  
علامہ نوویؒ شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

والثاني: يستحب كونه (الحلق) قبل الذبح وبهذا قطع המחاملي في المقنع ورجحه الروياني ونقله عن نص الشافعي . (شرح المہذب: ۸/۴۳۳، ط: دار الفکر).  
دوسرا قول ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

فائدة: قال الحافظ في "الفتح" في حديث الحسن عن سمرة: الغلام مرتين بعقيقة تذبح عنه يوم السابع ويحلق رأسه ويسمى مانصه . واستدل بقوله: يذبح ويحلق ويسمى بالواو على أنه لا يشترط الترتيب في ذلك . (اعلاء السنن: ۱۷/۱۲۶)۔

تیسرے اور رائج قول کے بارے میں علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وهل يقدم الحلق على الذبح ؟ فيه وجهان : أحدهما وبه قطع المصنف والبقوى والجرجاني وغيرهم : يستحب كون الحلق بعد الذبح ، وفي الحديث إشارة إليه . (شرح المذهب : ۴۳۳/۸ ، دار الفکر)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں:

وقد وقع في رواية لأبي الشيخ في حديث سمرة: يذبح يوم سابعه ثم يحلق ، وأخرجه عبد الرزاق عن ابن جريج : يبدأ بالذبح قبل الحلق . وحكى عن عطاء عكسه ، وقال البغوي في التهذيب : يستحب الذبح قبل الحلق صححه النووي في شرح المذهب . (اعلاء السنن : ۱۱۹/۱۷)۔

حلال و حرام میں مرقوم ہے:

مستحب طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور ذبح کیا جائے پھر بچہ کے بال مونڈے جائیں۔ (حلال و حرام، ص ۲۵۴)۔

عقیدہ میں بچہ کے بال مونڈنے کی حکمت:

سوال: عقیدہ میں بچہ کے بالوں کے مونڈنے کی کیا حکمت و مصلحت ہے؟

الجواب: عقیدہ میں بچہ کے بالوں کے مونڈنے کی درج ذیل حکمتیں و مصلحتیں ہیں:

(۱) حدیث شریف میں آتا ہے کہ بچہ کا عقیدہ کرو اور گندگی دور کرو، اکثر حضرات نے اس گندگی سے بال مراد لیے ہیں، یعنی اس کے بال مونڈے جائیں تاکہ گندگی دور ہو جائے۔ اور گندگی اس لیے کہا کہ بال رحم کے خون کے ساتھ ملوث ہوتے ہیں، بقیہ بدن دھونے سے صاف ہو جاتا ہے مگر بالوں میں گندگی کے اثرات رہ جاتے ہیں اس لیے مونڈنے کا حکم دیا گیا۔

(۲) پرانے بال مونڈنے کے بعد نئے مضبوط بال آئیں گے، اس میں سر کے لیے بڑا فائدہ ہے۔

(۳) سر صاف ہو جانے پر سر کے مسامات کھل جاتے ہیں، اور گرمی آسانی سے باہر نکل جاتی ہے۔

(۴) حواس جسم کی مضبوطی کا ذریعہ ہے۔

(۵) عقیقہ کے عمل میں بچہ ملت ابراہیمی کا تابع سمجھا جاتا ہے جیسے عیسائی لوگ زرد رنگ میں رنگتے تھے۔

(۶) بال کے برابر چاندی حدتہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس میں فقراء کا بڑا فائدہ ہے۔

(۷) سر کے بال موٹہ نے میں حجاج کے ساتھ مشابہت بھی ہے۔

یہ چند حکمتیں علماء نے بیان فرمائی ہے، ورنہ احکام شریعت کی بے شمار حکمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بندہ کے فہم قاصر کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

أخرج البخاري تعليقاً عن سلمان بن عامر الضبي قال: سمعت رسول الله صلى الله

عليه وسلم يقول: مع الغلام عقيقة، فأهريقوا عنه دماً وأميطوا عنه الأذى. (بخاری

شریف: ۵۴۷۱، باب إمطة الأذى عن الصبي في العقيقة).

قال العلامة العيني في عمدة القاري: "أميطوا" أي أزيلوا.

"الأذى" قيل: هو إما الشعر أو الدم أو الختان، وقال الخطابي: قال محمد بن

سيرين: لما سمعنا هذا الحديث طلبنا من يعرف معنى إمطة الأذى فلم نجد، وقيل: المراد

بالأذى هو شعره الذي علق به دم الرحم فيمط عنه بالحلقة، وقيل: إنهم كانوا يلطمون رأس

الصبي بدم العقيقة، وهو أذى فنهى عن ذلك وقد جزم الأصمعي بأنه حلق الرأس، وأخرجه

أبو داود عن الحسن كذلك، والأوجه أن يحمل الأذى على المعنى الأعم، ويؤيد ذلك أن

في بعض طرق حديث عمرو بن شعيب "ويمط عنه أظفاره" رواه أبو الشيخ. (عمدة القاری: ۱۴ /

۶۸، امدادیہ، ملتان، بفتح الباری: ۵۹۳/۹). (و کذا فی الاستذکار لابن عبد البر: ۳۱۴/۵، باب ماجاء فی العقيقة).

وفي فيض القدير: أميطوا عنه الأذى، أي شعر رأسه، وما عليه من قدر طاهر أو نجس

ليخلف الشعر شعر أقوى منه، ولأنه أنفع للرأس مع ما فيه من فتح مسام الراس ليخرج

البخار بسهولة، وفيه تقويه حواسه. (فيض القدير: ۵۴۷/۴).

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

فمن تلک المصالح... ومنها: أن النصارى كان إذا ولد لهم ولد صبغوه بماء أصفر يسمونه المعمودية، وكانوا يقولون: يصير الولد به نصرانياً، وفي مشاکلة هذا الاسم نزل قوله تعالى: ﴿صَبَّغَهُ اللَّهُ وَمِنْ أَحْسَنَ مِنَ اللَّهِ صَبْغًا﴾ فاستحب أن يكون للحنيفين فعل بازاء فعلهم ذلك يشعر بكون الولد حنيفياً تابعاً لملة إبراهيم وإسماعيل...

ومنها... وأما إمطة الأذى فالتشبه بالحاج، وقد ذكرنا. (حجة الله البالغة:

۲/۲۵۳، العقیقة، ط: قدیمی).

مزید ملاحظہ ہو: (حجۃ اللہ البالغہ: ۲/۲۵۳-۲۵۴، العقیقة، ط: قدیمی، واحکام اسلام عقل کی نظر میں) از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ص ۱۵۶۔ واللہ اعلم۔

**عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا حکم:**

**سوال:** عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** عقیقہ میں بچہ کے سر پر زعفران لگانا جائز اور مباح ہے۔ ہاں حاکم اور ابوداؤد کی صحیح روایات

کی وجہ سے استحباب والا قول بھی خلافِ صواب نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن بريدة قال: كنا في الجاهلية إذا ولد لنا غلام ذهبنا عنه شاة وحلقنا رأسه بدمها

فلما كان الإسلام كنا إذا ولد لنا غلام ذهبنا عنه شاة وحلقنا رأسه ولطخنا رأسه بزعفران.

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه. (المستدرک للحاکم: ۴/۲۳۸).

وأيضاً رواه أبو داود (رقم ۲۸۴۵)، وقال ابن الملقن في "البدر المنير" (۹/۳۴۲، الحديث

السادس): هذا الحديث صحيح.

شرح المہذب میں ہے:

قال أصحابنا: يكره أن يلطخ رأس المولود بدم العقيقة ولا بأس بلطخه بخلاف أو

بزعفران وفي استحباب الخلوف أو الزعفران وجهان حكاهما الرافعي أشهرهما وبه قطع المصنف وغيره يستحب . (شرح المذهب: ۴۳۲/۸، دار الفکر).  
اعلاء السنن میں ہے:

قال الموفق في "المغنی": ويكره أن يلطخ رأسه بدم كره ذلك أحمد، والزهرى، ومالك، والشافعى، وابن المنذر... ولأن هذا تنجيس له فلا يشرع كلطخه بغيره من النجاسات. وقال: بريدة: كفا في الجاهلية إذا ولد لأحدنا غلام... ونلطخه بزعفران. رواه أبو داود. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۲۱، باب العقیقة).  
بہشتی زیور میں ہے:

بچہ کے سر میں اگر دل چاہے تو زعفران لگا دیوے۔ (بہشتی زیور: ۴۲/۳)۔ واللہ اعلم۔

## عقیقہ کے گوشت کی ہڈیاں توڑنے کا حکم:

**سوال:** عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑنا مکروہ ہے یا مباح ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء کیا فرماتے ہیں؟

**الجواب:** عقیقہ کے جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کی ہڈیاں توڑنا جائز اور مباح ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ الشامی میں ہے:

وهي شاة تصلح للأضحية تذبح للذكر والأنثى سواء فرق لحمها نيتاً أو طبخه بحموضه أو بدونها مع كسر عظمها أولاً . (فتاوی الشامی: ۳۳۶/۶، سعید).  
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

عوام ہڈیوں کے توڑنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، یہ عقیدہ غلط ہے علماء نے اس کی تردید کی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۷/۱۷، فاروقی)۔

کفایت المفتی میں ہے:

ہڈیاں توڑنا جائز ہے بعض لوگوں نے ہڈیاں توڑنے کو منع کیا ہے مگر اس ممانعت کے لیے کوئی سند نہیں ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/۲۴۱، ط: دارالاشاعت)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

ہڈی توڑنا جائز عقیدہ کی درست ہے،... ہرچہ دراضیہ معتبرست از شرائط احکام در عقیدہ نیز معتبرست۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/۶۲۰)۔

البتہ بعض علماء نے احادیث کی وجہ سے ہڈی نہ توڑنے کو مستحسن قرار دیا ہے۔  
ملاحظہ ہو مراسیل ابی داؤد میں ہے:

حدثنا محمد بن العلاء ، حدثنا حفص ، حدثنا جعفر عن أبيه ، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال في العقيقة التي عقتها فاطمةٌ عن الحسن والحسين: ”أن تبعثوا إلى القابلة منها برجل ، واكلوا وأطعموا ولا تكسروا منها عظماً“ . (رواه ابو داؤد في مراسيله، ص ۲۷۸ رقم ۳۷۹، باب في العقيقة)۔

قال شعيب الأرنؤوط: رجاله ثقات رجال الشيخين غير جعفر ، وهو ابن محمد بن علي بن الحسين فإنه من رجال مسلم. ورواه البيهقي (۳۰۲/۹) من طريق أبي داؤد. (تعليق الشيخ شعيب علي مراسيل أبي داؤد، ص ۲۷۹)۔

مزید ملاحظہ ہو: (مستدرک حاکم: ۴/۷۵۹۵/۲۹۱، کتاب الذبائح، ومسند اسحاق ابن راہویہ: ۳/۶۹۲)۔  
اعلاء السنن میں ہے:

وفيه [شرح المذهب] أيضاً: يستحب أن تفصل أعضاءه ولا يكسر شيء من عظامها، فإن كسر فهو خلاف الأولى، وبالجمله فلا تقطع إلا من المفاصل، وعن عطاء كانوا يستحبون أن لا يكسر لها عظم. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۲۱)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

جواز اور خلافِ اولیٰ میں تعارض نہیں اور کفایت المفتی میں سندِ ممانعت کی نفی کی ہے یعنی کسر عظام کو ممنوع اور ناجائز کہنے کی کوئی سند نہیں خلافِ اولیٰ کی نفی نہیں فرمائی، حاصل یہ ہے کہ جن روایات میں عدم کسر کا حکم ہے



وہ وجوبی نہیں بلکہ استنباتی ہے، چونکہ عوام نے اس کو واجب کا درجہ دے دیا ہے اور کسر عظام کو ناجائز اور ممنوع سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ غلط و قابل اصلاح ہے اس لیے علماء نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۵۳۷/۷)۔  
امداد المقتنین میں ہے:

بعض علماء اس کو مستحسن سمجھتے ہیں کہ ہڈیاں توڑی نہ جائیں بلکہ ایک جگہ جمع کر کے دفن کر دی جاویں مگر امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح عام قربانیوں کا حکم ہے کہ ہڈیاں توڑی جاتی ہیں اسی طرح عقیدہ کا بھی حکم ہے کوئی فرق نہیں۔ کما فی تحفة المودود باحكام المولود: قول مالک "تکسر عظامها ويطعم منها الجيران"، ص ۲۷۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ سے اس بارے میں کوئی تصریح منقول نہیں دیکھی مگر کتب حنفیہ میں اس قدر مذکور ہے کہ عقیدہ عام احکام میں مثل قربانی کے ہے۔ (امداد المقتنین، جلد دوم، ص ۸۰۳، ط: دارالاشاعت)۔  
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

روایت منقولہ میں جو کچھ ہے وہ وجوبی حکم نہیں بلکہ تقاضا استنباتی چیز ہے اگر اسی حد تک رکھا جائے تو ٹھیک ہے لیکن اگر اس کو درجہ واجب دیا جائے تو اس میں کراہت آجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۷/۷، جامعہ فاروقیہ)۔  
خلاصہ یہ ہے کہ ہڈی نہ توڑنے کے بارے میں کوئی مرفوع، صریح اور صحیح روایت دستیاب نہیں ہوئی، مراہیل ابی داؤد کی روایت مرسل ہے اگرچہ سنداً صحیح ہے، اور مستدرک حاکم (۲۹۱/۳) کی روایت ضعیف ہے، دو علتوں کی وجہ سے (۱) انقطاع۔ (۲) شدوذو ادراج۔

نیز یہ روایت مسند اسحاق ابن راہویہ (۶۹۲/۳) میں مذکور ہے لیکن اس کی تعلیق میں کلام کرتے ہوئے دکتور عبدالغفور عبدالحق حسین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

## عقیدہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

**سوال:** عقیدہ کا کیا حکم ہے اور اس میں کتنے جانور ذبح کیے جاتے ہیں؟

**الجواب:** عقیدہ کرنا مستحب ہے اور اس کی برکت سے بچہ سے آفات و بلیات دور ہو جاتی ہیں۔ عقیدہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے یا دو دنبے یا بڑے جانور میں دو حصے ہیں اور لڑکی کے لیے ایک بکرا یا ایک دنبہ یا گائے میں ایک حصہ ہے اور اگر لڑکے کی طرف سے دو کی ہمت نہیں ہے تو ایک بکرا یا ایک دنبہ بھی صحیح ہے۔ عقیدہ بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کرنا چاہئے۔ (اعلاء السنن: ۱۱۴/۱۷، او جز المسک: ۱/۱۶۹)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر ساتویں دن عقیدہ نہ ہو سکے تو کب کرنا چاہئے؟

**الجواب:** ساتویں دن کا لحاظ رکھا جائے اگر بچے کی پیدائش اتوار کو ہوئی ہو تو سنچر کو کر لیا جائے۔ (بذل المجمود: ۶۰۹/۹، و تنقیح الفتاویٰ المالکیہ: ۲/۲۳۳، والمجموع شرح المہذب: ۸/۴۳۱، دار الفکر)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** عقیدہ کا جانور کیسا ہونا چاہئے؟

**الجواب:** جو جانور قربانی میں جائز ہے وہ عقیدہ میں بھی جائز ہے اور جو قربانی میں ناجائز ہے وہ عقیدہ میں بھی ناجائز ہے۔ گوشت کی تقسیم میں بھی قربانی والا عمل مستحب ہے ایک حصہ اپنے لیے ایک حصہ رشتہ داروں اور دوست احباب کے لیے اور ایک فقراء مساکین کے لیے۔ اس کی کھال کے احکام بھی وہی ہیں جو قربانی کے ہیں۔ (رد المحتار: ۶/۲۳۶، سعید، و فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۳/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** کیا عقیدہ کی ہڈیوں کو توڑنا ناجائز ہے؟

**الجواب:** جائز ہے۔ (فتاویٰ الثانی: ۳۳۶/۶، سعید، تحفۃ المودود: ص ۵۲، ط: ریاض، واعداد الفتاویٰ: ۲۲۰/۳، و کفایت المفتی: ۲۴۱/۸، واحسن الفتاویٰ: ۵۳۷/۷)۔

**اشکال:** اس زمانے میں عوام کسر عظام کو ناجائز نہیں سمجھتے، تو پھر آثار و حدیث مرسل کی روشنی میں نہ توڑنا مستحب ہونا چاہئے؟

**الجواب:** اس کا جواب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خیر القرون میں سالم جانور کے بھونے کا عرف تھا تو تقواً نہ توڑنا مندوب تھا، اب اس کا رواج کالعدم ہے اس لیے اب ضرورت کی وجہ سے ہڈیاں توڑنا درست ہے تاکہ پکانے میں آسانی ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** آدمی خود اپنا عقیدہ کر سکتا ہے؟

**الجواب:** جی ہاں کر سکتا ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۲۱/۱۷، تحفۃ المودود: ص ۵۶، و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵/۳۸۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** اگر عقیدہ سے پہلے یحیوت ہو تو اس کا عقیدہ ہے؟

**الجواب:** نہیں ہے۔ ہاں بطور صدقہ اور امید شفاعت کر سکتا ہے۔ (شرح المہذب: ۴۴۸/۸، دار الفکر، و فتاویٰ رحمیہ: ۴۳۲/۵، و فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۹/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** عقیدہ میں جانور کو ذبح کرتے وقت کیا پڑھنا چاہئے؟

**الجواب:** یہ دعا پڑھے: ”اللہم ہذہ عقیقۃ ابنی (لڑکے کا نام لے) دمہا بدمہ، ولحمہا بلحمہ، وعظمہا بعظمہ، وجلدہا بجلدہ، وشعرہا بشعرہ، اللہم اجعلہا فداءً لابنی من النار“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ: ۲/۲۳۳، و کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۷۸)۔

لڑکی کا عقیدہ ہو تو یہ دعا پڑھے: ”اللہم ہذہ عقیقۃ بنتی (لڑکی کا نام لے) دمہا بدمہا،

ولحمها بلحمها، عظمها بعظمها، وجلدها بجلدها، وشعرها بشعرها، اللهم اجعلها فداءً لبنتي من النار“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة: ۲۳۳/۲، و کتاب الفتاویٰ: ۱۷۸/۴)۔

اس کے بعد یہ دعا پڑھے: ”إني وجهت وجهي للذي فطر السموات والأرض حنيفاً وما أنا من المشركين، لا شريك له، وبذلك أمرت وأنا من المسلمين“۔ (ابوداؤد شریف، رقم: ۲۷۹۵، وابن ماجہ، رقم: ۳۱۲۱)۔

اس کے بعد یہ پڑھے: ”اللهم منك ولك“ پھر ”بسم الله الله اكبر“ کہتے ہوئے ذبح کرے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی: ۳۰۳/۹)۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** ایامِ آخر میں عقیقہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** جائز اور درست ہے۔ اگر ایامِ آخر میں کوئی دن ساتواں دن بنتا ہو تو عقیقہ کو قربانی کے ساتھ جمع کر سکتے ہیں مثلاً لڑکے کے لیے دو حصے اور بقیہ پانچ حصے قربانی کے لیے۔ (بدائع الصنائع: ۷/۵، سعید، ورد المحتار: ۳۲۶/۶، وحاشیہ الطحاوی علی الدر المختار: ۱۶۶/۳، و فتاویٰ محمودیہ: ۵۱۵/۱۷)۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** بچہ کا عقیقہ کون کرے؟

**الجواب:** والد یا جس کے ذمہ بچہ کا نفقہ واجب ہے۔ (موطأ امام مالک ص ۱۰۴، و ۱۰۵، و اعلام السنن: ۱/۱۷)۔ و فتاویٰ رحیمیہ: ۴۳۳/۵)۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** عقیقہ کا گوشت شادی کی تقریب میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے البتہ اگر کچھ لین دین کا رواج ہو تو عوض کے شبہ سے بچنا چاہئے۔ (حاشیہ الطحاوی ص ۱۶۶/۳، و اعلام السنن: ۱۶۶/۱۷، و فتاویٰ رحیمیہ: ۴۳۳/۵، و کفایت المفتی: ۲۳۲/۸، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

**سوال:** ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** درست ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۱۷۷، وبدائع الصنائع: ۲/۵، سعید، ورواجع: ۳۲۶/۹، سعید، وفتاویٰ محمودیہ: ۵۵/۱۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** عقیدہ میں بڑا جانور ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز اور درست ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۱۷۷، وادوار المسالك: ۱۰/۱۹۱، وفتاویٰ علماء ہند الحرام، ص ۱۰۲۲، وفتاویٰ محمودیہ: ۵۲۳/۱۷)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** بڑے جانور میں سات بچوں کے عقیدے ایک ساتھ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** جائز ہے۔ (عائگیری: ۳۰۴/۵، تہذیب المودود، ص ۶۵، وادوار الاحکام: ۳/۲۲۸، وکفایت المفتی: ۸/۲۴۰، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**سوال:** عقیدہ کہاں کرنا چاہئے؟

**الجواب:** جہاں بچہ موجود ہو۔ (اعلاء السنن: ۱۷/۱۲۶، وبذل المجود: ۹/۶۱۲، وکفایت المفتی: ۸/۲۴۱، دارالاشاعت، وفتاویٰ محمودیہ: ۵۲۹/۱۷)۔ جامعہ فاروقیہ)۔

لیکن آج کل ٹیلی فون وغیرہ کا نظام موجود ہے تو اگر جانور ہندوستان میں ذبح کرے اور اطلاع کر کے بچے کے بال جنوبی افریقہ میں اتار دے تو یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فصل دوم

### نومولود سے متعلق احکام کا بیان

نومولود کو غسل کے بعد اذان دینے کا حکم:

**سوال:** نومولود کے کان میں اذان کس وقت کہی جائے گی پیدائش کے بعد فوراً یا غسل دینے کے بعد؟ کیونکہ بعض مرتبہ ہسپتال میں تاخیر ہوتی ہے اور گھر لے جانے کے بعد بچے کو غسل دیا جاتا ہے۔ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ نومولود کو غسل دینے کے بعد اذان کہنی چاہئے، کیونکہ نومولود قبل غسل نجس ہوتا ہے اور محلِ اقتدار و نجاسات میں ذکر اللہ مکروہ ہے، بنا پر یہ غسل وصفائی کے بعد اذان کہی جائے۔ حدیث شریف میں بچے سے گندگی دور کرنے کا حکم ہے۔

علامہ عینیؒ اور ابن حجرؒ نے بخاری شریف کی حدیث ”مع الغلام عقیقۃ فأھریقوا عنہ دمًا و أمیطوا عنہ الأذی“، (رقم: ۵۴۷۲) میں ”أمیطوا عنہ الأذی“ کو بہت عام قرار دیا ہے دوسری احادیث کی روشنی میں۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله: ”الأذی“ قيل: هو إما الشعر أو الدم أو الختان... والأوجه أن يحمل الأذی علی معنی الأعم ویؤید ذلك أن فی بعض طرق حدیث عمرو بن شعيب ویماط عنہ أقداره،

رواه أبو الشیخ . (عمدة القاری: ۱/ ۴۶۸، دار الحدیث، ملتان). (و کذا فی فتح الباری: ۹/ ۵۹۳).

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ ولادت کے بعد غسل دینے سے پہلے بچہ اگر پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن غسل دینے کے بعد ناپاک نہیں ہوگا۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیان میں ہے:

والسقط إذا استهل فحكمه حکم الكبير إن وقع في الماء بعد ما غسل لا يفسد.

(فتاویٰ قاضیخان علی هامش الہندیہ: ۱/۱۱۱). (وکذا فی ردالمحتار: ۱/۲۱۵، فصل فی البئر، سعید).

المحیط البرہانی میں ہے:

و كذلك لو دخل في البرجنب أو محدث لطلب الدلو و على أعضاء نجاسة ...

ينزح جميع الماء ... و ذكر فيما استهل بعد الغسل أنه لا يفسد الماء . (المحیط  
الرمہانی: ۱/۱۰۲).

محل اقدار میں ذکر اللہ مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو: تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

قوله: إنما يسمى فيهما "أى لا حالة الانكشاف ولا في محل النجاسة . (حاشیہ تبیین

الحقائق: ۱/۴، ملتان).

إعانة الطالبین میں ہے:

لأن الذكر بمحل النجاسة مكروه . (إعانة الطالبین: ۱/۲۷۸، دار الفکر).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يسمى في حال الانكشاف ولا في محل النجاسة . (الفتاویٰ الہندیہ: ۱/۶).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: بچہ کو غسل دیئے بغیر اذان کہے یا پاک صاف کر کے اذان کہے؟

الجواب: بچہ کو غسل دیکر پاک صاف کر کے دائیں کان میں پوری اذان اور بائیں کان میں پوری

اقامت کہی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۲۵۷، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نومولود کی اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونے کا حکم:

**سوال:** بچے کے کان میں اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونا مستحب ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت قبلہ رو ہونا مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ رافعی بحوالہ علامہ سندھی فرماتے ہیں:

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرى، ويلتفت فيهما بالصلاة لجهة اليمين وبالفلاح لجهة اليسار .  
(تقريرات الراعي على ردالمحتار: ۱/ ۴۵، باب الاذان، سعيد). واللہ تعالیٰ اعلم۔

نومولود کی اذان میں تاخیر کا حکم:

**سوال:** نومولود کے کان میں اذان جلدی سے دینا چاہئے، لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے تو کیا حکم

ہے؟

**الجواب:** نومولود کے کان میں اذان غسل کے بعد فوراً دیدی جائے لیکن اگر کسی وجہ سے تاخیر ہو جائے

تب بھی اذان دینا چاہئے، ترک نہ کرے۔

أخرج أبو داود والترمذي بسندهما عن أبي رافع رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أذن في أذن الحسن بن علي رضي الله عنه حين ولدته فاطمة رضي الله تعالى عنها بالصلاة  
(أبو داود، رقم: ۵۱۰۵)۔

قال الملا علي القاري: "حين ولدته فاطمة" يحتمل السابع وقبله... وفي شرح

السنة روي عن عمر بن عبد العزيز رضي الله عنه كان يؤذن في اليمنى ويقيم في اليسرى إذا ولد الصبي .

(مرقاۃ المفاتیح: ۸/ ۱۵۹، ملتان)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:



سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ بچہ کو پیدائش کے بعد ایک گانچ کے صندوق میں رکھنے کی وجہ سے ہفتہ عشرہ کے بعد اذان کہیں تو مضائقہ تو نہیں؟

مجبوری کے وقت اس کو مکان پر لاکر اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہہ دی جائے۔  
(فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۶/۵، جامعہ فاروقیہ)۔  
احسن الفتاویٰ میں ہے:

اس کے لیے وقت اور دن کی کوئی قید نہیں حتی الامکان جلد کہنا چاہئے، اگر غفلت میں کئی روز گزر گئے تو بھی تنہا کے بعد اذان کہی جائے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷۶)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھنے کا حکم:

سوال: نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت مؤذن کو کانوں میں انگلیاں داخل کرنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بوقت اذان کانوں میں انگلیاں ڈالنا ثابت ہے اور اقامت میں ثابت نہیں اس لیے اول الذکر میں انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں اور ثانی الذکر میں نہیں رکھتے، اسی طرح نومولود کے کانوں میں اذان دیتے وقت بھی کانوں میں انگلیاں رکھنا ثابت نہیں اس لیے نہیں ڈالنا چاہئے۔  
ملاحظہ ہو تقریرات الرافعی میں ہے:

قال السندی: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرى. (التحرير المختار: ۱/ ۴۵، سعيد).

علامہ سندھیؒ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھ بچے کو اٹھانے میں مشغول ہوں گے۔ یعنی کانوں میں رکھنا مستحب نہیں ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

اذان و تکبیر کے الفاظ کافی ہیں، کانوں میں انگلیاں دینے کی ضرورت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۴/۵، جامعہ

فاروقیہ۔)

نیز یہاں رفع الصوت بھی مقصود نہیں ہے لہذا کانوں میں انگلیاں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اذان کے آداب میں کانوں میں انگلیاں ڈالنا ہے اس لیے اس کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نومولود کی اذان میں ترسیل کا حکم:

**سوال:** نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت اذان کو کھینچنا چاہئے یا مختصر کرنی چاہئے اقامت کی طرح؟

**الجواب:** نومولود کے کان میں اذان پست آواز سے ترسیل کے ساتھ یعنی کھینچ کھینچ کر کہی جائے کیونکہ روایات اور فقہی عبارات میں اذان کے ساتھ اقامت کا بھی ذکر آتا ہے لہذا اذان کے مقابل کی رعایت کرتے ہوئے اذان ترسیل اور اقامت مختصر کہے تاکہ دونوں میں فرق واضح ہو جائے اور معروف اذان و اقامت کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

نومولود کے کان میں اذان کے ساتھ اقامت کا بھی ذکر بعض روایات میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج أبو يعلى في مسنده عن حسين رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ولد له فأذن في أذنه اليمنى وأقام في اليسرى لم تضربه أم الصبيان". قال حسين سليم أسد: إسناده ثالف. (مستدأبی علی: ۱۲/۱۵۰/۶۷۸۰).

قال البوصيري في الزوائد: هذا إسناده ضعيف لضعف يحيى بن العلاء. (۷۸۱). وقال الهيثمي: فيه مروان بن سالم الغفاري وهو متروك. (مجمع الزوائد: ۶: ۶۲۰).

أخرج البيهقي في الشعب (۸۲۵۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ، أن النبي صلى الله عليه وسلم: "أذن في أذن الحسن بن علي رضی اللہ عنہ يوم ولد، فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى"، قال الإمام البيهقي: إسناده ضعيف.

روى الطبراني في الأوسط (۹۲۵۰) بسنده عن أم الفضل بنت الحارث الهلالية قالت:

مررت بالنبي صلى الله عليه وسلم وهو جالس فقال: يا أم الفضل، قلت: لييك يا رسول الله قال: إنك حامل بغلام... فإذا وضعته فأتني به قالت: فلما وضعته أتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فأذن في أذنه اليمنى وأقام في أذنه اليسرى وألباه من ريقه وسماه عبد الله... الخ.

قال الهيثمي في المجمع (۸۹۵۶): رواه الطبراني في الأوسط وفيه أحمد بن راشد الهلالي وقد اتهم بهذا الحديث .

وروي أن عمر بن عبد العزيز كان يؤذن في اليمنى ويقيم في اليسرى إذا ولد الصبي . (شرح السنة للإمام البغوي: ۲۷۳/۱۱).

لكن قال الحافظ في التلخيص: لم أره عنه مسنداً . وقد ذكره ابن المنذر عنه . (التلخيص الحبير: ۳۶۸/۴، دار الكتب العلمية، بيروت).

علامہ سندھی فرماتے ہیں:

قال السندي: فيرفع المولود عند الولادة على يديه مستقبل القبلة ويؤذن في أذنه اليمنى ويقيم في اليسرى . (التحريр المختار: ۴۵/۱، سعيد).

اور حدیث شریف میں مطلق اذان میں ترسیل وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج الترمذي بسنده عن جابر رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لبلال: يا بلال إذا أذنت فترسل في أذانك وإذا أقمت فاحذر . (۱۹۵/۲۶۸/۱).

وأخرجه الحاكم وقال: هذا حديث ليس في إسناده مطعون فيه غير عمرو بن فائد والباقون شيوخ البصرة وهذه سنة غريبة لا أعرف لها إسناداً غير هذا ولم يخرجاه . (المستدرک، رقم: ۷۳۲).

وأخرج الدارقطني في سننه عن أبي الزبير مؤذن بيت المقدس قال: جاءنا عمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: إذا أذنت فترسل وإذا أقمت فاحذر . (۴۴۵/۱، وابن المنذر في الأوسط: ۵۱/۳).

تبیین الحقائق میں ہے:

(ویرسل فیہ) ای فی الأذان (ویرسل فیہا) ای فی الإقامة، لقوله عليه الصلاة والسلام: يا بلال! إذا أذنت... الخ.

والترسل التمهیل يقال: علی رسلک وجاء فلان علی رسله والحدیر الإسراع يقال: حدیر فی قراءتہ۔ (تبیین الحقائق: ۱/۹۱ ط: امدادیہ، ملتان). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## نومولود کی اذان میں التفات کا حکم:

**سوال:** میں نے فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد دوم میں پڑھا کہ نومولود کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات مستحب ہے، کیا یہ ایک ہی قول ہے یا دوسرا قول بھی ہے اگر ہے تو حوالہ بتا دیجئے؟ بینوا توجروا۔

**الجواب:** اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ تحویل وجہ مستحب نہیں کیونکہ یہ آواز پہنچانے کے لیے ہے اور یہاں آواز پہنچانا مقصود نہیں ہے۔  
حوالہ ملاحظہ کیجئے:

قال ابن عابدين الشامي: قوله ولو وحده أشار به إلى رد قول الحلواني أنه لا يلغف لعدم الحاجة إليه. (فتاوى الشامي: ۱/۳۸۷، سعيد).  
کتب شافعیہ میں بھی مرقوم ہے کہ تحویل وجہ نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو اعانة الطالبین میں ہے:

أما الأذان في أذن المولود فلا يطلب فيه رفع ولا التفات لعدم فائدته. (اعانة الطالبين: ۵۱۵/۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## کسی بزرگ سے تحنیک کرانے کا حکم:

**سوال:** کسی بڑے بزرگ سے تحنیک کرائی جاتی ہے کیا یہ طریقہ درست ہے؟ آج کل بعض سلفی لوگ کہتے ہیں کہ تحنیک کے لیے کسی بڑی شخصیت کے پاس جانا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، اس لیے صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو تحنیک کرنا ہے تو بچے کو اچھی غذا پہنچانے کی نیت سے خود کر لے۔ کیا یہ بات درست ہے؟ اور کیا کسی بڑی شخصیت یا نیک طینت کے پاس جانا درست نہیں ہے؟

**الجواب:** تحنیک مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہے، اور ہر زمانہ میں علماء، فقہاء اور محدثین نے اس پر عمل کیا ہے، اور اپنی تصنیفات میں اس سے متعلق مستقل باب قائم کر کے اس کے احکام ذکر کیے ہیں، تحنیک کا مقصد یہ بھی ہے بچہ کے منہ میں سب سے پہلے نیک صالح بڑی شخصیت کا لعاب داخل ہو، اس سے آئندہ صلاح و تقویٰ کی امید رکھی جاتی ہے، اور بڑی شخصیت سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے۔

تحنیک کی وضاحت ملاحظہ کیجئے:

هو مضغ التمر والدلك به حنك الولد والحنك ماتحت الذقن أو علی داخل الفم  
أو الأسفل في طرف مقدم اللحين قال في المجمع: واتفقوا علی تحنیک المولود عند  
ولادته بتمر فإن تعذر فبما في معناه من الحلو فیمضغ حتی یصیر مائعاً في فيه لیصل شيء  
إلى جوفه ويستحب كون المحنك من الصالحين وأن يدعو للمولود بالبركة . (التعريفات  
العقيدية للشيخ عليم الاحسان، ص ۵۳، دار الكتب العلمية).

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يؤتى  
بالصبيان فيبرك عليهم ويحنكهم . (صحيح مسلم، رقم ۶۸۸، باب حكم يول الطفل الرضيع).

بخاری شریف میں ہے:

عن أسماء رضي الله تعالى عنها أنها حملت بعد الله بن الزبير قالت: فخرجت وأنا متم فأتيت المدينة فنزلت بقاء فولدته بقاء ثم أتيت به النبي صلى الله عليه وسلم فوضعتہ في حجره ثم دعا بتمرة فمضغها ثم تفل في فيه فكان أول شيء دخل جوفه ريق رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم حنكه بتمرة ثم دعا له وبرك عليه وكان أول مولود ولد في الإسلام . (صحيح البخارى رقم: ۳۶۱۹، باب هجرة النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه الى المدينة).

نیک صارح بڑی شخصیت کے پاس لے جانے سے متعلق علماء کی عبارات ملاحظہ ہو۔  
علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

والحكمة فيه أنه يتفاءل له بالإيمان لأن التمر ثمرة الشجرة التي شبهها رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمؤمن وبحلأوته أيضاً ولا سيما إذا كان المحنك من أهل الفضل والعلماء والصالحين لأنه يصل إلى جوف المولود من ريقهم ألا ترى أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما حنك عبد الله بن الزبير حاز من الفضائل والكمالات ما لا يوصف وكان قارئاً للقرآن عفيفاً في الإسلام وكذلك عبد الله بن أبي طلحة كان من أهل العلم والفضل والتقدم في الخير ببركة ريقه المبارك . (عمدة القارى: ۴/۱۶۴، دار الحديث، ملتان).  
دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وفيه استحباب تحنيك المولود وحمله إلى أهل الصلاح ليكون أول ما يدخل جوفه ريق الصالحين . (۴/۱۶۴، دار الحديث ، ملتان).  
علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

الباب الخامس في استحباب تحنيكه... وقال الخلال أخبرني محمد بن علي قال: سمعت أم ولد أحمد بن حنبل تقول: لما أخذ بي الطلق كان مولاي نائماً فقلت له يامولاي هو ذا أموت فقال: يفرج الله فما هو إلا أن قال يفرج الله حتى ولدت سعيداً فلما ولدته

قال: هاتوا ذلك التمر لتمر كان عندنا من تمر مكة فقلت لأُم علي امضی هذا التمر وحنكه ففعلت. (تحفة المودود باحكام المولود، ص ۳۳، ط: دمشق).

محمد فواد عبد الباقي اللؤلؤ والمرجان میں فرماتے ہیں:

استحباب تحنیک المولود عند ولادته وحمله إلى صالح یحنكه ...

(ص ۶۷۳، دار الفکر).

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں:

ففيه استحباب تحنیک المولود وفيه التبرک بأهل الصلاح والفضل وفيه استحباب

حمل الأطفال إلى أهل الفضل للتبرک بهم. (۱۹۴/۳).

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث من الفوائد النذب إلى حسن المعاشرة والتواضع والرفق بالصغار

وتحنیک المولود والتبرک بأهل الفضل وحمل الأطفال إليهم حال الولادة وبعدها. (فتح

الباری: ۱/۳۲۷، ط: دار نشر الكتب الإسلامية، لاہور).

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وفيه قصد أهل الفضل لتحنیک المولود لأجل البركة. (فتح الباری: ۳/۳۶۷، ط: دار نشر

الكتب الإسلامية، لاہور). واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ”إن الحلال بین وإن الحرام بین و بینہما مشتبہات، لا یعلمہن کثیر من الناس فمن اتقى الشبہات فقد استبرأ لدينہ وعرضہ ومن وقع فی الشبہات وقع فی الحرام، کالرأعی یرعی حول الحمى یشک أن یتع فیہ، ألا وإن لكل ملک حمى، ألا وإن حمى اللہ محارمہ، ألا وإن فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد کلہ وإذا فسدت فسد الجسد کلہ ألا وہی القلب“۔  
(متفق علیہ)۔

# کتاب الحظر والإباحة



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ [البقرة: ۶۰].

وَقَالَ تَعَالٰی : ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [البقرة: ۵۷].

وَقَالَ تَعَالٰی : ﴿وَلَا تَسْرِفُوا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ﴾

[الانعام: ۱۴۱].

وَقَالَ تَعَالٰی : ﴿كُلُوا مِنْ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا

تَعْمَلُونَ عَلِیْمٌ﴾ [المؤمنون: ۳۱].

## بَاب ..... ﴿۱﴾

# أَحْكَامُ الْأَكْلِ وَالشَّرْبِ

عن عمر بن أبي سلمة يفتون : كنت غلاماً في حجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت يدي تطيش في الصحيفة، فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : ”يا غلام سمع الله وكل بيمنك وكل مما يليك، فما زالت تلك طعمتي بعد“

[رواه البخارى].

عن أنس قال: ما علمت النبي صلى الله عليه وسلم أكل على سكرجة قط، ولا خبز له مرقق قط، ولا أكل على خوان قط، قيل لقتادة فعلام كانوا يأكلون قال : على السفر.

[رواه البخارى].

## فصل اول

### کھانے سے متعلق احکام کا بیان

کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

**سوال:** یہ تو مجھے معلوم ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہے، لیکن بعض مسنون دعا کی کتابوں میں ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ“ مرقوم ہے، کیا یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور صحیح کیا ہے ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھے یا ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ یا پھر ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ“؟ برائے مہربانی احادیث اور کتب فقہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

**الجواب:** بعض احادیث سے ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ“ پڑھنا ثابت ہے، اور بعض روایات میں فقط بسم اللہ بھی آیا ہے، علامہ نوویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ کھانا کھانے سے پہلے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھنا افضل ہے، البتہ ”بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلَىٰ بَرَکَةِ اللّٰهِ“ کے بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔  
دلائل حسب ذیل ملاحظہ فرمائیے:

(۱) أخرج الحاكم بسنده عن عبد الله بن عباس ؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر ؓ وعمر ؓ أتوا بيت أبي أيوب ؓ فلما أكلوا وشبعوا، قال النبي صلى الله عليه وسلم خبز ولحم وتمر و بسر و رطب إذا أصبتم مثل هذا فضربتكم بأيديكم فكلوا: بسم الله

وبركة الله . قال : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، ( ۷۰۸۴/۱۲۸/۴ ) ، وافقه الذهبي ،  
وأيضاً رواه الطبراني في الأوسط ، ( ۲۲۴۷ ) ، وفي الصغير ، ( ۱۸۵ ) ، والبيهقي في شعب الإيمان  
( ۴۶۰۴ ) ، قال الهيثمي : فيه عبد الله بن كيسان المروزي ، وقد وثقه ابن حبان وضعفه غيره ،  
وبقية رجاله رجال الصحيح . ( المجموع : ۱۸۲۶۱ ) .

(۲) وأخرج الحاكم أيضاً بسنده عن عائشة قالت : قال رسول الله صلى الله عليه  
وسلم : إذا أكل أحدكم طعاماً فليقل : ” بسم الله “ ، فإن نسي في أوله فليقل : بسم الله في  
أوله وآخره . وقال : هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ، وافقه الذهبي ( رقم : ۷۰۸۷ ) ،  
وأيضاً رواه ابن ماجه ، ( ص ۲۳۵ ، باب التسمية عند الطعام ) ، وأبو داود ، ( ۳۷۶۷ ) ، والترمذي ،  
( ۱۸۵۸ ) ، وقال : حسن صحيح ، وأحمد في مسنده ، ( ۲۵۷۳۳ ) ، قال الشيخ شعيب حديث  
حسن بشواهد .

(۳) وأخرج ابن السني في عمل اليوم والليلة ( ۴۵۸ ) بسنده عن عمرو بن شعيب عن  
أبيه عن جده عبد الله بن عمرو ؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان يقول في الطعام ،  
إذا قرب إليه : اللهم بارك لنا فيما رزقنا ، وقنا عذاب النار ، بسم الله . إسناده ضعيف  
لضعف محمد بن أبي زعزعة .

وللمزيد راجع : ( لسان الميزان ، ۱۳۵ ، ۶۷۸۵ ، الجزء السابع : ط : بيروت ) .

(۴) عن علي ابن أبي طالب ؓ قال : حق الطعام إذا وضع من بين يديك أن تقنع  
وتقول : بسم الله ، اللهم بارك لنا فيما رزقنا . ( شعب الإيمان ، ۶۰۴۰ ، ومجمع الزوائد : ۲۲/۵ ، قال  
الهيثمي : ابن اعبد ليس بمعروف ، وبوقية رجاله ثقات ) .

نیز مطلق اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے بارے میں بھی روایات وارد ہوئی ہیں۔ ملاحظہ ہو مستدرک حاکم میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري ؓ أن يهودية أهدت شاة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم  
... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : اذكروا اسم الله وكلوا . قال الحاكم : هذا

حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاه ، وافقه الذہبی . (رقم: ۷۰۹۰) ، ورواہ البیہقی فی الصغری ، (۳۸۵۰) ، وفی الکبری ، (۱۹۳۶۱) ، والبخاری من حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا .

وعن عمر بن ابی سلمة رضی اللہ عنہ قال : قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”سم اللہ وکل بيمينک ، وکل مما یلیک“ . متفق علیہ .

قال الإمام النوویؒ فی باب التسمية عند الأكل والشرب من الأذکار (ص ۲۷۵ ط: بیروت): فصل: من أهم ما ينبغي أن يعرف صفة التسمية وقدر المجزئ منها، فاعلم أن الأفضل أن يقول: بسم الله الرحمن الرحيم، فإن قال: بسم الله، كفاه وحصلت السنة . وفي الطحطاوی علی الدر المختار: قوله وسنة الأكل البسملة فی أوله... وإذا قلت: بسم الله فارفع صوتک حتی تلقن من معک تاتارخانية . (۱۷۱/۴ ط: کوئته).

(و کذا فی فتاوی الشامی: ۳۴۰/۶، سعید، ومجمع الانهر فی شرح ملتقى الابحر: ۱۸۱/۴ ط: بیروت، والاختیار لتعلیل المختار: ۱۸۶/۴ ط: بیروت).

قال العلامة العينيؒ فی عمدة القاری: وأصرح ما ورد فی صفة التسمية مارواه أبو داود والترمذی من طریق أم كلثوم عن عائشة مرفوعاً: إذا أكل أحدكم الطعام فليقل: بسم الله... قال العلماء... وتحصل التسمية بقوله: بسم الله فإن أتبعها بالرحمن الرحيم كان حسناً . (عمدة القاری: ۳۸۶/۱۴، کتاب الاطعمة، باب التسمية علی الطعام). واللہ اعلم۔

## نمک سے کھانے کی ابتدا کرنے کا حکم:

سوال: کھانا نمک سے شروع کرنا اور نمک پر ختم کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ لوگوں میں مشہور ہے کہ کھانا نمک سے شروع کرنا چاہئے اور ختم بھی نمک پر کرنا چاہئے اس کی کیا حیثیت ہے؟ احادیث اور کتب فقہ کی روشنی میں تفصیل درکار ہے؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل -

**الجواب:** فقہائے احناف نے کھانا نمک سے شروع کرنے اور نمک پر ختم کرنے کو سنتِ اکل میں شمار کیا ہے۔ فقہاء کی عبارات حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

فتاویٰ شامی میں ہے:

ومن السنة البداءة بالملح والتختم به بل فيه شفاء من سبعين داء. (فتاویٰ الشامی: ۳۴۰/۶، سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

من السنة أن يبدأ بالملح ويختم بالملح. (الفتاویٰ الهندیة: ۳۳۷/۵، الباب الحادی عشر فی الکراهیة فی الاکل وما یصل بہ).

وفی الفقه الحنفی فی ثوبہ الجدید : ومن السنة البداءة بالملح والتختم به ولكن لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم شیء من هذا بل ذکر ابن الجوزی أنه حدیث موضوع. (الفقه الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۳۱۷/۵، ط: بیروت).

وللاستزادة انظر: (البحر الرائق: ۱۸۴/۸، کوثتہ، والمحیط البرہانی: ۸۹/۷، مکتبہ رشیدیہ، وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۷۱/۴، المکتبۃ العربیہ، کوثتہ، وخلاصۃ الفتاویٰ: ۳۶۰/۴، الفصل الخامس فی الاکل، المکتبۃ الرشیدیہ، والآداب الشرعیۃ لابن مفلح، فصل فی آداب الاکل: ۳۵۲/۳، وغذاء الالباب شرح منظومۃ الآداب لمحمد بن احمد بن سالم السفارینی الحنبلی، السادس فی بعض آداب احضار الطعام: ۱۱۹/۲، ط: بیروت).

مریقہ محمودیہ میں ہے:

ومن السنة أن يبدأ بالملح وهو الموافق لما فی فصول الأسروشنی من قوله: والسنة أن يبدأ الأكل بالملح ويختم به وفي الشريعة: ويبدأ بالملح فإن فيه شفاء من الأمراض وفي شرحه: كما روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم "يا علي ابدأ طعامك بالملح فإن الملح شفاء من سبعين داء منها الجنون والجذام والبرص ووجع البطن والضرس". كذا في العوارف... وفي رسالة مسماة بطب النبي منسوبة إلى الحبيب النيسابوري قال النبي صلى

اللہ علیہ وسلم: ”إذا قرب أحدكم الطعام فليبدأ بالملح“. وقال عليه الصلاة والسلام لعلي كرم الله وجهه: افتح طعامك بالملح واختم به فإن من افتح طعامه بالملح واختم به عوفي من اثنين وسبعين نوعاً من أنواع البلاء منها: الجذام والبرص“، انتهى هذا.

لكن حَكَمَ علي القاري بوضع حديث الملح في موضوعاته. واغتر بظاھر بعض العلماء ومنع لكن بعد تسليم صحة الوضع في البعض ينبغي أن لا يسلم في حق الجميع كيف والفقهاء لا يحكمون بمشروعية شيء لم يقفوا على صحته وقد عد ابن حجر أبا بكر الرازي من حفاظ المحدثين وقال في شرحه: على القاري وهو صاحب شرعة الإسلام وقيل: وهو الجصاص من كبار السادة الحنفية وإن لم يطلع بيقيناً ولو سلم موضوعية الكل فلا يلزم انتفاء السنية كيف وقد قال في الشرعة أيضاً هنا ما كان عليه القرن المشهود لهم بالخير والصالح والرشاد وهم الخلفاء الراشدون ومن عاصر سيد الخلائق ثم التابعون ثم من بعدهم وقال في شرحه عند قول المصنف ”ومن السنة ابتداء، مراده من السنة: سنة سيد المرسلين أو سنة أهل السنة والجماعة أو سنة السلف الصالحين أو سنة أهل الإسلام وغير ذلك ثم قال عن روضة الناصحين: السنة في الشريعة عبارة عن طريقة مسلوكة أمرنا بإحيائها... (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية: ۵/ ۴۸۳، الصنف السادس في آفات البطن).

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی امداد الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

الجواب: فی إحياء العلوم: ويبدأ بالملح ويختم به ...

ان سب عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا یہ قول صحیح ہے، اور اس کا ثبوت کہیں نظر سے نہیں گزرا، باقی اس سے فقہاء و صوفیہ پر اعتراض بھی نہیں ہو سکتا، اس واسطے کہ ”لکل فن رجال“ اور ہر فقیہ و صوفی کے لیے محدث ہونا لازم نہیں، البتہ فقیہ بمعنی مجتہد کے لیے احادیث احکام پر مطلع ہونا ضروری ہے، سو یہ ادب مجتہد مذہب سے منقول بھی نہیں، اس لیے ان پر بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، نیز اس سے کتبہ مذہب کا غیر معتبر ہونا بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ وہ کتب تدوین مذہب منقول عن المجتہد کے لیے موضوع ہیں، اور یہ امور خود مجتہد سے منقول نہیں، اور یہ

سب کلام بابت عدم صحت روایت مسؤل عنہا اور صحت قول قائل مذکور فی السؤال باعتبار اس روایت کے بعینہ منقول صریح و مرفوع ہونے کے ہے، اور باعتبار اس قول کے صحیح فی نفسہ ہونے کے ہے، باقی من وجہ موقوفاً صریحاً اور مرفوعاً استنباطاً بانضمام بعض قواعد صحیحہ اس روایت کی اصل اور ماخذ ثابت ہے، اور اس قائل کا مقصود اگر کتب فقہ و تصوف کے معتبر ہونے کی نفی ہو تو وہ قول صحیح نہیں، چنانچہ وہ روایت موقوفاً حضرت علیؑ سے بایں لفظ احیاء میں منقول ہے:

”من ابتداء غداءه بالملح اذهب الله عنه سبعين نوعاً من البلاء“ اور زبیدی نے تہذیبی سے اس کی تخریج کر کے کوئی کلام نہیں کیا اور مرفوعاً مقاصد حسنہ میں بہ تخریج ابن ماجہ و ابویعلیٰ و طبرانی و قضاعی روایت حضرت انسؓ یہ الفاظ وارد ہیں: ”سید اداکم الملح“ اور اصل مقتضی سیادت کا یہ ہے کہ وہ اول و آخر دونوں محل میں ہو اور بہت مواقع پر ٹکویا و تشریفاً اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول الانبیاء نوراً و آخر انبیاء و ظہوراً ہیں، اور خود طعام کے قبل اور بعد ذکر اللہ وارد ہے، اور دعا کے شروع اور ختم دونوں پر درود شریف مامور بہ ہے اسی طرح بہت سے احکام ہیں، پس یہ ماخذ ہو سکتا ہے نمک سے ابتداء اور اس پر اختتام کرنے کا، لیکن یہ عبادات سے نہیں، اس معنی کے استحباب کا حکم نہیں کر سکتے لیکن چونکہ عادات مرضیہ موافقہ للقواعد الشرعیہ میں سے ہے، اس لیے مستحب بمعنی محبوب و مرغوب فیہ کہہ سکتے ہیں، اور اس سے معلوم ہو گیا کہ قائل قول مذکور کا مقصود اگر اس کی بالکل نفی یا کتب مذہب کے غیر معتبر ہونے کا دعویٰ ہو تو وہ قول صحیح نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۱۲/۴)۔

نمک سے کھانا شروع کرنے سے متعلق احادیث درج ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) قال الحارث بن محمد بن أبي أسامة في ”مسنده“ (۴۶۲) حدثنا عبد الرحيم بن واقد، ثنا حماد بن عمرو، عن السري بن خالد بن شداد، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جدّه، عن عليؑ أنه قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”يا علي، إذا توضأت فقل: بسم الله، اللهم إني أسألك تمام الوضوء، وتمام الصلاة، وتمام رضوانك، وتمام مغفرتك، فهذه زكاة الوضوء، وإذا أكلت فابدأ بالملح، واختم بالملح؛ فإن في الملح شفاء من سبعين داء أولها: الجذام والجنون والبرص، ووجع الأضراس ووجع الحلق،

ووجع البصر... الخ .

قال البوصيري في " الزوائد " ( ٤ / ٣٨٠ / ٤٠٣٩ ، باب وصية النبي صلى الله عليه وسلم لعلي بن ابي طالب ط: مكتبة الرشد ) : هذا إسناد مسلسل بالضعفاء ، السري ، وحماد ، وعبد الرحيم ، ضعفاء وقد تقدم هذا الحديث في كتاب الطهارة ، في باب التسمية عند الوضوء ( ١ / ٤٢٤ / ٨٠٥ ) .

وللمزيد انظر : ( المطالب العلية : ٢ / ١٧٠ / ٢٤٦٠ ، بالآلکی المصنوعة : ٢ / ٣١٢ ، والزوائد لنهشمی : ١ / ٥٢٦ / ٤٦٩ ) .

( ٢ ) حديث علي ؑ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال له : يا علي عليك بالملح فإنه شفاء من سبعين داء أقلها الجذام والبرص والجنون ( ابن الجوزي ) ولا يصح فيه أحمد بن عامر وعنه ابنه عبد الله وآفته أحدهما فإنهما يرويان عن أهل البيت نسخة كلها باطلة . ( تنزيه الشريعة المرفوعة : ٢ / ٢٤٣ / ٤٤ ، كتاب الاطعمة ط: بيروت ) .

وللاستزادة انظر : ( الآلکی المصنوعة في الأحاديث الموضوعة : ٢ / ١٧٩ ، كتاب الاطعمة ط: بيروت ، وتذكرة الموضوعات ، ص ١٤١ ، باب آداب الطعام ، وكشف الخفاء : ٢ / ٤١٣ ، وكتاب الموضوعات لابن الجوزي : ٢ / ٢٨٩ ، باب فضل الملح ، والغرائب المجموعة في الاحاديث الموضوعة ، للشوكانی ، ص ١٦١ ، رقم ٢٢ ) .

( ٣ ) حضرت علی ؑ سے موقوفاً مروی ہے۔ جس کو امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال : أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب ثنا الحسن بن علي بن عفان ثنا زيد بن الحباب ثنا عيسى بن الأشعث عن جوير عن الضحاك عن النزال بن سبرة عن علي ؑ أنه قال : من ابتداء غداءه بالملح أذهب عنه سبعين نوعاً من البلاء ، وذكر الحديث قد أخرجه بطوله في مناقب أمير المؤمنين علي رضي الله تعالى عنه . ( شعب الایمان : ٥ / ١٠٣ / ٥٥٥٣ ط: بيروت ) .

قال الإمام السيوطيؒ في جامع الأحاديث : وروى بعضه ابن السني ، وأبو نعيم في الطب ، والبيهقي في شعب الإيمان ، وعيسى بن الأشعث ، قال في المغني : مجهول ،



وجویر متروک)۔

قال ابن العراق: عند البيهقي في الشعب عن علي عليه السلام موقوفاً من ابتداء غداءه بالملح  
أذهب الله عنه سبعين نوعاً من البلاء... (قلت)... وأثر على ضعيف في سنده جويبر متروك  
وعنه عيسى بن الاشعث مجهول ، والله تعالى أعلم . (تنزيه الشريعة المرفوعة: ۲/ ۴۳/ ۴، كتاب  
الاطعمة، ط: بيروت).

وللاستزادة انظر: (اللائی المصنوعة: ۲/ ۱۷۹، مودكرة الموضوعات، ص ۱۴۱، مودتنزيه الشريعة: ۲).  
☆ بعض محدثین نے بطور شاہد حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی ہے لیکن شیخ ابن العراق نے  
اس کو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال الإمام السيوطي: قال أبو عبد الله بن مندة في كتاب أخبار أصبهان أنبأنا عبد الله  
بن إبراهيم المقبري حدثنا عمرو بن مسلم بن الزبير حدثنا إبراهيم بن حيان بن حنظلة بن  
سويد عن علقمة بن سعد بن معاذ حدثنا أبي عن أبيه عن جده مرفوعاً: استغنموا (و في  
رواية: استفتحوا) طعامكم بالملح فوالذي نفسي بيده أنه ليرد ثلاثاً وسبعين نوعاً من البلاء  
أو قال من الداء . (اللائی المصنوعة: ۲/ ۱۷۹، ط: بيروت).

ونقل عنه الفتني في تذكرة الموضوعات، (ص ۱۴۱)، وذكره ابن العراق الكناني في  
”تنزيه الشريعة“ (۲/ ۴۳، كتاب الاطعمة، ط: بيروت) وقال: قلت: هو من طريق إبراهيم بن حيان بن  
حكيم فلا يصح شاهدها .

قال ابن عدي في ”الكامل“ (۱/ ۲۵۴، ط: دار الفکر): أحاديثه (إبراهيم بن حيان بن  
حكيم) موضوعة مناكير. وقال ابن مندة الأصبهاني في ”فتح الباب في الكنى والألقاب“  
(۲۳۲) حدث عن: أبيه وشريك: بمناكير .

قلت: فالحدیث ضعیف جداً مرفوعاً و موقوفاً .  
خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء نے اگرچہ قبل الطعام وبعد الطعام تمک کو سنت لکھا ہے لیکن اس کے لیے کوئی صحیح

روایت دستیاب نہیں ہوئی، لہذا سنت نہیں کہا جائے گا البتہ ضعیف روایات کی وجہ سے اس پر عمل کرنا درست ہے بشرطیکہ کسی کو کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس کے لیے نمک مضر ثابت ہو۔

**نمک کے بعض فوائد:**

شمال کبریٰ میں ہے: نمک ہضم معده اور افعال معده کے لیے انتہائی مفید ہے نمکین کھانا سرچ لہضم ہوتا ہے۔ (شمال کبریٰ: ۱/۵۷)۔

سنت نبوی اور جدید سائنس میں مرقوم ہے:

کھانے سے قبل نمک اس لیے چکھا جاتا ہے کیونکہ نمک کے اندر کھانے کی خواہش کو بڑھانے والے اجزاء ہیں اور پھر جب ہم نمک چکھتے ہیں تو فوراً لعاب پیدا کرنے والے غدود ہاضم طعام رطوبت کو مترشح کرنا شروع کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے میں دل لگتا ہے، کھانا لذیذ لگتا ہے اور بھوک چمک اٹھتی ہے اور اللہ کی نعمت کی قدر دانی ہوتی ہے۔

کھانے کے بعد چونکہ زبان، گلے اور خوراک کی نالی میں کھانے، کھلی اور دیگر روغنیات کی تہہ چٹ جاتی ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اس لیے نمک جا کر اس تہہ کو ختم کر دیتا ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس، از حکیم محمد طارق محمود چغتائی: ۱/۸۹، ط: ۱ ادارہ اسلامیات)۔ واللہ اعلم۔

**کھانا کھانے کے بعد کی دعا:**

**سوال:** کھانا کھانے کے بعد جو دعا پڑھی جاتی ہے: ”الحمد لله الذي أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين“ اس میں تین باتیں دریافت کرنی ہیں: (۱) پہلی یہ کہ اس دعا میں ”من المسلمین“ ہے یا ”مسلمین“ ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ یہ روایت صحیح ہے یا ضعیف۔

(۳) تیسری یہ کہ کھانے پینے کی دعا سے اسلام کا کیا جوڑ ہے؟

**الجواب: (۱)** یہ دو متعدد و کتب حدیث میں مذکور ہے۔

مثلاً: (سنن الترمذی: ۱۸۴/۲، و سنن ابی داود: ص ۵۳۸، و سنن ابن ماجہ، ص ۲۳۶، و عمل الیوم والنیمة للنسائی، ص ۱۰۴، و عمل الیوم والیلۃ لابن السنی، ص ۱۲۵، و باب مایقول اذا اکل ط: دائرة المعارف، و مسند احمد ۱۷/۳۷۵، و ۱۸/۴۲۰، بتحقیق الشیخ شعیب الارنؤوط، ط: مؤسسة الرسالة، و شعب الایمان للبیہقی: ۱۲۲/۵، فصل فی مایقول اذا فرغ من الطعام، ط: دار الکتب العلمیة، و الاذکار للنووی، ص ۲۱۲، مایقول اذا فرغ من الطعام، ط: مکتبة القدس، و الزوائد للامام البوصیری ۵/۳۴۳/۴۹۲۵، باب مایقال بعد الطعام و الشراب، و اخلاق النبی لابی الشیخ الاصبہانی، رقم ۶۴۳، و الدعاء لمحمد بن فضیل الضبی، رقم: ۱۱۳، و الدعاء للامام الطبرانی، رقم ۸۹۸، و الدعوات الکبیر للامام البیہقی، رقم: ۴۵۴)۔

مذکورہ بالا کتب حدیث میں سے کسی میں بھی ”من المسلمین“ ہم نے نہیں دیکھا تمام طرق میں ”مسلمین“ ہے۔

البتہ ”کنز العمال“ (۷/۱۰۴/۱۸۱۷۹، الباب الثالث فی شمائل تتعلق بالعادات و المعیشة، ط: مؤسسة الرسالة) میں بحوالہ مشہد احمد اور ”الأحادیث المختارة“ للضیاء المقدسی عن ابي سعيد الخدري ؓ ”من المسلمین“ نقل کیا ہے۔

لیکن مشہد احمد میں دو جگہ یہ روایت حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مذکور ہے، مگر دونوں جگہوں میں ”مسلمین“ ہے، من المسلمین کسی جگہ مذکور نہیں ہے، اور ”الأحادیث المختارة“ للضیاء المقدسی میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ حسن حصین کے مطبوعہ نسخوں میں بھی ”من“ مذکور ہے، البتہ ایک مخطوطہ دستیاب ہوا اس میں ”من“ مذکور نہیں ہے، اس مخطوطہ کے آخر میں مرقوم ہے: سوّدہ الفقیر السید عثمان المعروف بحافظ القرآن غفر الله له ولوالديه ولمن نظرفیه وقرأ، آمین، سنة اثنا وثمانون ومائة وألف من هجرة من له الشرف۔

(۲) حدیث کی سند کے بارے میں سنن ابن ماجہ کی تعلیقات میں شیخ بشار عواد فرماتے ہیں:

إسناده ضعيف لجهالة مولی أبي سعيد، و حجاج هو ابن أوطاة مدلس، وقد عنعنه .

وفی الحدیث اختلاف کثیر۔ (۲۴/۵)۔

شیخ شعیب نے مسند احمد کی تعلیقات میں فرمایا: إسناده ضعیف، علته الجهالة والاضطراب۔

معلوم ہوا کہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں قابل عمل ہے۔ البتہ کتاب الدعاء للطبرانی کی تعلیقات

میں ”إسناده حسن“ فرمایا ہے۔ راجع: (تعیقات کتاب الدعاء، ص ۶، ۳۰، رقم: ۸۹۸، باب: القول عند الفراغ من الطعام والشراب)۔

(۳) تیسری بات کہ ”وجعلنا مسلمین“ کا کھانے پینے سے کیا جوڑ ہے؟

اس جواب یہ ہے کہ اس کی تین حکمتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(الف) کھانا پینا جسمانی غذا ہے اور اسلام روحانی غذا اور سبب حیا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا

الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ یعنی دین سبب حیا ہے۔ کفار کو قرآن کریم میں اموات اور مسلمانوں کو احیاء کہا گیا ہے، لہذا جسمانی غذا کے شکر کے بعد روحانی غذا کے شکر کا ذکر ہے۔

(ب) دوسری حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مسلم کے معنی تابعدار ہے، تو کھانے پینے کے آداب و احکام کی

تابعداری بھی بڑی نعمت ہے جو قابل شکر ہے، مثلاً ہاتھ دھونا، بسم اللہ پڑھنا، خاص ہیئت کے ساتھ بیٹھنا، اکٹھے ہو کر کھانا، پلیٹ صاف کرنا وغیرہ۔

(ج) کھانا پینا چھوٹی نعمت ہے اور اسلام بڑی نعمت ہے تو اس میں چھوٹی نعمت سے بڑی نعمت کے شکر کی

طرف انتقال ہے، جس کے شکر یہ کی طرف اکثر ذہن منتقل نہیں ہوتا، تو کھانے پینے کے ضمن میں بڑی نعمت کا شکر بھی ادا کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

کھانے کے بعد الحمد للہ پراکتفا کرنے کا حکم:

سوال: کھانا کھانے کے بعد صرف الحمد للہ پراکتفا کرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے سنت ادا ہو جائے

گی یا نہیں؟

الجواب: اذکار اور ادعیہ دو قسم کے ہیں (۱) بلا کسی موقع و محل کی تخصیص کے مطلق ہوں اور شارع علیہ

السلام کی طرف سے مخصوص الفاظ بھی ثابت نہ ہوں وہاں ہر قسم کے الفاظ ادا کرنا صحیح اور درست ہے تاہم قرآن و احادیث کے اذکار و ادعیہ کا ادا کرنا بہتر ہے۔

(۲) مخصوص اوقات و مخصوص احوال میں شارع علیہ السلام کی طرف سے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں، مثلاً کھانا کھانے سے پہلے اور کھانا کھانے کے بعد، بیت الخلاء جانے سے پہلے اور نکلنے کے بعد وغیرہ، ان جگہوں پر ان مخصوص الفاظ کی رعایت کرنا منشاء شریعت و مقصود شریعت ہے، بنا بریں کھانا کھانے کے بعد بھی مخصوص الفاظ جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں ان کا اہتمام کیا جائے۔

لیکن چونکہ بعض روایات میں فقط ”الحمد لله“ بھی آیا ہے اس لیے اس سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، نیز اگر کسی کو وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو صرف ”الحمد لله“ پر اکتفا کرنا بھی کافی ہو جائے گا۔ نیز بعض شرح حدیث نے مطلق حمد کو سنت قرار دیا ہے۔

اور احادیث میں کھانا کھانے کے بعد پڑھنے کی مختلف ادعیہ وارد ہوئی ہیں ان میں سے بلا تعین کوئی بھی پڑھ لے تو سنت ادا ہو جائے گی۔ چند ادعیہ حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا أكل طعاماً قال: ”الحمد لله الذي أطعنا وسقانا وجعلنا مسلمين“۔ (إسناده ضعيف أو حسن، مر تخریجہ)۔

(۲) عن أبي أيوب رضی اللہ عنہ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أكل أو شرب قال: ”الحمد لله الذي أطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجاً“۔ (إسناده صحيح، ابوداؤد، ۳۸۵۳، وصحيح ابن حبان، ۵۲۲۰، وكتاب الدعاء للطبرانی، ۸۹۷، والمعجم الكبير، ۳۹۷۵، وسنن النسائي الكبرى، ۶۸۶۷، وشعب الایمان للبيهقي، ۴۱۶۰، كتاب الدعوات للبيهقي)۔

(۳) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كنت في بيت ميمونة... ثم أتني رسول الله صلى الله عليه وسلم بلبن فشرب فقال: ”إذا أكل؛ أحدكم طعاماً فليقل: اللهم بارك لنا فيه وأطعمنا خيراً منه، وإذا سقى لبناً فليقل: اللهم بارك لنا فيه وزدنا منه“۔ (إسناده حسن، ابوداؤد، ۳۷۲۲، و الترمذی، ۳۴۵۵، ومسنده احمد، ۱۹۷۸، ومصنف عبدالرزاق، ۸۶۷۶، وشعب الایمان، ۵۶۴۱)۔

(۴) عن سهل بن معاذ بن أنس عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ”من

أَكَلَ طَعَاماً ثُمَّ قَالَ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةَ". (إسناده حسن، أبو داود، ۴۰۲۵، ومسنداً يني يعني ۱۴۹۸، وشعب الايمان ۵۸۷۲، والآداب للبيهقي، ۵۲۲، وعمل اليوم والليلة لابن المنني بوستن ابن ماجه ومستدرک للحاکم).

(۵) وعن الحارث بن الحارث الأزدي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم عند فراغه من طعامه يقول: "اللهم لك الحمد أطعمت وأسقيت وأشبعيت وأرويت فلک الحمد غير مكفور ولا مودع ولا مستغنى عنك ربنا". (إسناده ضعيف، لضعف عمر بن موسى بن وجه، المعجم الكبير، ۳۳۷۲، وعمل اليوم واليلة لابن السنن، ۴۸۶، واسناد ابن السنن حسن، وفي مسند احمد عن رجل من بنی سليم وله صحبة، وإسناده ضعيف أيضاً لضعف عبد الله بن عامر الأسلمي، ۱۸۰۷۱، وشعب الايمان، ۵۶۳۸).

(۶) عن ابن عباس ؓ... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أصبتم مثل هذا فضربتم بأيديكم، فقولوا: بسم الله، فإذا شبعتم: فقولوا: الحمد لله الذي هو أشبعنا وأروانا وأنعم علينا أفضل. (إسناده ضعيف لضعف عبد الله بن كيسان المروزي، شعب الايمان، ۴۲۸۴، وصحيح ابن حبان، ۵۲۱۶).

(۷) عن أبي أمامة الباهلي ؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رفع العشاء من بين يديه قال: "الحمد لله كثير أطيأ مباركاً فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا". (إسناده صحيح، صحيح البخاري، رقم: ۵۱۴۳، بوستن البيهقي الكبير، رقم ۱۴۴۹، والمعجم الكبير، رقم: ۷۴۶۹).

وفي رواية عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول عند انقضاء الطعام: "الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه غير مكفي ولا مودع ولا مستغنى عنه". (إسناده حسن، الدعاء للطبراني، رقم: ۸۹۳، وصحيح ابن حبان، ۵۲۱۷، والمعجم الكبير، ۷۴۷۱، ومسنند احمد، ۲۲۲۵۶).

ان کے علاوہ بھی بہت ساری ادعیہ احادیث میں وارد ہوئی ہیں، مفتی ارشاد قاسمی صاحبؒ نے "الدعاء المسنون" میں مختلف ادعیہ کو جمع فرمایا ہے، اس کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

امام نوویؒ نے مطلق حمد کو سنت قرار دیا ہے:

قوله صلى الله عليه وسلم: إن الله يرضى عن العبد أن يأكل الأكلة فيحمده عليها ويشرب الشربة فيحمده عليها “ الأكلة وهي المرة الواحدة من الأكل كالغداة والعشاء ، وفيه استحباب حمد الله تعالى عقب الأكل والشرب وقد جاء في البخارى صفة التحميد: الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه غير مكفى ولا مودع ولا مستغنى عنه ربنا وجاء غير ذلك ولو اقتصر على ” الحمد لله “ حصل أصل السنة. (شرح صحيح مسلم للإمام النووي: ۲/۳۵۲). قال ابن بطال في شرحه: أهل العلم يستحبون حمد الله عند تمام الأكل والأخذ بهذا الحديث وشبهه ، فقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم في ذلك أنواع من الحمد والشكر كان يقول إذا فرغ ، وقد روى عنه عليه السلام أنه قال: من سمي الله على أول طعامه وحمده إذا فرغ منه لم يسئل عن نعيمه. (شرح صحيح البخارى لابن بطال: ۹/۵۰۷، باب ما يقول إذا فرغ من طعامه: ط: الرياض).

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن عائشة<sup>ؓ</sup> أنه قدم إليها طعام فقالت: اتدموه ، فقالوا: وما إدامه قالت: تحمدون الله عليه إذا فرغتم. (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۲/۴۰۵).  
معجم ابن الاعرابی میں ہے:

عن ابن عباس<sup>ؓ</sup> قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما من مائدة عليها أربع خصال إلا أكملت، إذا أكل قال: بسم الله ، وإذا فرغ قال: الحمد لله ، وكثرت عليه الأيدي، وكان أصلها حلالاً. (معجم الصحابة لابن الاعرابی برقم: ۹۹۸، وفيه عمرو بن جميع متهم بالوضع).  
سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبي هريرة<sup>ؓ</sup> قال: أتني رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً بطعام سخن فأكل فلما فرغ قال: ” الحمد لله ، ما دخل بطني طعام منذ كذا وكذا “. (ابن ماجه برقم: ۴۱۴۰، قال البوصيرى فى الزوائد: إسناده حسن).

عمل الیوم واللیلہ میں ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الرجل ليضع طعامه فما يرفع حتى يغفر له، قالوا: يا رسول الله، وما ذاك؟ قال: يقول: بسم الله إذا وضع طعامه، وإذا رفع قال: "الحمد لله كثيراً". (إسناده ضعيف، عمل اليوم والليله لابن السني، رقم: ۴۸۴).

القرودس بماثر الخطاب میں ہے:

الحسن بن علي رضی اللہ عنہ: إذا دخل الرجل بيته فقال: السلام عليكم و وضع طعامه فقال: بسم الله، فإذا فرغ قال: الحمد لله قال الشيطان ليس لي هاهنا رزق ولا مبيت. (الحديث: ۱۱۵۴).

کتب فقہ کی عبارت حسب ذیل درج ہے:

وَسُنُّنُ الطَّعَامِ بِالسَّمَلَةِ فِي أَوَّلِهِ، وَالْحَمْدُ لَهُ فِي آخِرِهِ. (الاختيار لتعلييل المختار: ۱۸۶/۴، ط: بيروت).

(و كذا في فتاوى الشامى: ۳۴۰/۶، سعيد، ومجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر: ۱۸۱/۴، ط: بيروت، والفتاوى الهندية: ۳۳۷/۵، وحاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱۷۱/۴، ط: كوثه).

مذکورہ بالا احادیث، شروح اور کتب فقہ کی عبارات کا خلاصہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد مطلق حمد مسنون ہے، اور الحمد للہ کہنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی، البتہ افضل یہ ہے کہ مذکورہ بالا ادعیہ میں سے مختلف دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، اگر کسی کو سب دعائیں یاد ہوں تو سب پڑھنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کھانے کے درمیان دعا کا حکم:

سوال: کیا یہ بات صحیح ہے کہ جو شخص کھانا کھانے کے درمیان یہ دعا پڑھے: "اللهم لك الحمد ولك الشكر" تو اس کو ہر مرتبہ میں ایک دن کے روزے کا ثواب ملے گا؟ بیّناتو جروا۔



**الجواب:** کھانا کھانے کے درمیان میں مطلق حمد بیان کرنے اور شکر یہ ادا کرنے کی فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہے البتہ خصوصیت کے ساتھ سوال میں مذکور دعا کسی حدیث میں صراحۃً وارد ہوئی ہو نظر سے نہیں گزری، تاہم اس میں بھی حمد اور شکر مذکور ہے، لہذا اس کو پڑھنا درست ہے لیکن خاص اسی دعا کے پڑھنے کو سنت کہنا اور مخصوص فضیلت کا اعتقاد رکھنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے طاعم شاکر اجر و ثواب میں صائم صابر کی طرح ہے۔ سنن ترمذی میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الطاعم الشاكر بمنزلة الصائم الصابر. قال أبو عيسى: هذا حديث حسن غريب، (۲۴۸۶)، وكذا في سنن ابن ماجه، (۱۷۶۴)، وسنن الدارمی، (۲۰۲۴) وصحيح ابن حبان، (۳۱۰)، وصحيح ابن خزيمة، (۱۸۹۸)، ومسند أحمد، (۷۸۰۶)، ومستدرک حاکم: (۷۱۹۴/۱۳۶/۴).

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله ليرضى عن العبدان يأكل الأكلة، فيحمده عليها، أو يشرب الشربة، فيحمده عليها. (رواه مسلم: ۲۷۳۴).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن سعد بن مسعود الثقفي قال: إنما سمي نوح عبداً شكوراً لأنه إذا أكل وشرب حمد الله. رواه الطبراني وتابعه سعد بن سنان لم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۲۹/۵، دار الفکر). والله تعالى اعلم۔

**کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کا حکم:**

**سوال:** کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز ہاتھ دھو کر تولیہ استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** کھانا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو گٹھوں تک دھونا مسنون ہے لیکن کلی کرنا سنت نہیں

ہے ہاں مکروہ بھی نہیں ہے اور کھانے سے قبل ہاتھ دھو کر پونچھنا نہیں جائیگا بلکہ کھانا کھانے کے بعد تولیہ استعمال کیا جائیگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: قرأت فی التوراة أن بركة الطعام الوضوء بعده، فذكرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته بما قرأت في التوراة، فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده. (ترمذی شریف: ۱۸۴۶، ابوداؤد شریف، رقم: ۳۷۶۳، قال ابوداؤد: وهو ضعيف، وابن ابی شیبہ، ۴۶۲، ومستدرک حاکم، ۶۵۴۶).

وأخرج الطبراني في "الأوسط" (۷۱۶۶) بسنده عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: الوضوء قبل الطعام مما ينفي الفقر وهو من سنن المرسلين.

قال الهيثمي: وفيه: نهشل بن سعيد وهو متروك. (مجمع الزوائد: ۲۴/۵، دارالفکر).

وفي شرح السنة للإمام البغوي: والمراد منه: غسل اليدين. قال قتادة: من غسل يديه فقد توضع. (شرح السنة: ۱/۳۵۰، باب ترك الوضوء مما مست النار، ط: المكتب الاسلامي).

وفى المغنى للعراقي: وللطبراني في الأوسط، من حديث ابن عباس رضی اللہ عنہ: الوضوء قبل الطعام وبعده مما ينفي الفقر، ولأبي داود والترمذی من حديث سلمان... وكلها ضعيفة. (المغنى عن حمل الاسفار، رقم: ۱۳۰۰، كتاب آداب الاكل).

وفي تذكرة الموضوعات للفتني: والكل ضعيف... موضوع عند الصغاني. (باب آداب الطعام، ص ۱۴۱).

عن عائشة رضی اللہ عنہا أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يأكل وهو جنب غسل يديه. قال شعيب: حديث صحيح صالح بن أبي الاخضر وإن كان ضعيفاً متابع في الروايات الواردة في تخريجها، وباقي رجال الإسناد ثقات رجال الشيخين. (مسند احمد رقم: ۲۵۵۹۸، وسنن ابن ماجه، ۵۹۳، ومسند اسحاق بن راهويه، ۸۲۲).

وفي الزوائد للبوصيري: عن عائشة رضی اللہ عنہا، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن

یا کُلْ غَسْلَ يَدَيْهِ، هَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ لضعف صالح بن أبي الأخضر. (۵/۲۹۳، رقم: ۴۸۲۵، نو کذا فی المطالب العالی، رقم: ۲۴۰۶)۔

مذکورہ بالا حضرت عائشہؓ کی روایت شواہد اور متابعات کی وجہ سے صحیح ہے، مگر بعض میں لفظ ”وہو جنب“ مذکور ہے اور بعض میں مذکور نہیں ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے:

وسنة الأكل... وغسل اليدين قبله لنفي الفقر ولا يمسح يده بالمنديل لبقی أثر الغسل وبعده لنفي اللمم ويمسحها ليزول أثر الطعام وجاء أنه بركة الطعام... وهل غسل فمه للأكل سنة كغسل يده؟ الجواب: لا، لكن يكره للجنب قبله بخلاف الحائض. (فتاویٰ الشامی: ۳۴۰/۶، سعید)۔

وفی الطحطاوی علی الدر: وغسل الفم قبل الأكل ليس بسنة. (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۷۱/۴، کوئٹہ)۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

وفی البرهانية: والسنة ان يغسل الأیدی قبل الطعام وبعده، وفی واقعات الناطفی: ... وإذا غسل لا يمسح بالمندیل، لكن يترك ليحف، ليكون أثر الغسل باقياً وقت الأكل والأدب فی الغسل بعد الطعام أن يبدأ بالشیوخ ويمسح يده بالمندیل، ليكون أثر الغسل زائلاً بالكلیة. وفی الیتمة: وسئل والدي عن غسل الفم للأكل، هل هو سنة كغسل الید؟ فقال: لا. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱۸/۱۳۵، الكراة فی الاكل وما يتصل به)۔

وللمزيد راجع: (الفتاویٰ الہندیة: ۳۳۷/۵، والبحر الرائق: ۲۰۹/۸، بیروت)۔

سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا انسانی زندگی کے معمولات میں ہے۔ یہ کبھی کہاں اور کبھی کہاں ہاتھ لگاتا ہے تو چونکہ ہاتھوں پر جراثیم چپکے ہوئے ہوتے ہیں اس لیے حکم شرعی ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھولو۔

پھر دوسرا حکم یہ ہے کہ اس کو کپڑے وغیرہ سے صاف نہ کرو اس لیے کہ اس کپڑے پر لگے ہوئے جراثیم پھر

کہیں ہاتھوں کو نہ لگ جائیں۔ (سنن بنیوی اور جدید سنن: ۱/۸۹)۔ واللہ اعلم۔

## مکشوف الرأس کھانا کھانے کا حکم:

**سوال:** کھانا کھاتے وقت سر کھلا رکھ کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص مکشوف الرأس کھانا کھاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو حروا۔

**الجواب:** مکشوف الرأس کھانا کھانا جائز اور درست ہے، فقہ کی کتابوں میں لا باس آتا ہے یعنی کوئی حرج نہیں ہے، ہاں کبھی لا باس خلافِ اولیٰ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لہذا اس کو خلافِ اولیٰ کہہ سکتے ہیں۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ الشامی میں ہے:

ولا بأس بالأكل متكناً أو مكشوف الرأس في المختار. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۴۰، سعید).

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس وهو المختار كذا في الخلاصة. (الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۳۷). (و كذا في البحر الرائق: ۸/۱۹۴، ط: ماجدیہ).

قال في رد المحتار: فكلمة لا بأس وإن كان الغالب استعماله فيما تركه أولى. (فتاویٰ الشامی: ۱/۱۱۹، سعید). واللہ اعلم۔

## کھاتے وقت بیٹھنے کا سنت طریقتہ:

**سوال:** کھانا کھاتے وقت بیٹھنے کے پسندیدہ طریقے کتنے ہیں اور کون سے ہیں؟ کیا تشہد کے طریقہ پر بیٹھنا سنت ہے یا نہیں اور اس کی کیا ہیئت ہے؟ بینوا تو حروا۔

**الجواب:** حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیتِ نشست چند طریقہ سے منقول ہے: (۱) دونوں

گھٹنوں اور دونوں قدموں کو ملا کر بیٹھتے تھے جیسے نمازی بیٹھتا ہے لیکن ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنے پر اور ایک قدم دوسرے قدم پر ہوتا تھا [اس ہیئت کو عربی میں تورک کہتے ہیں]۔ (عبدالرزاق فی المصنف)۔

(۲) دوسرا یہ کہ بایاں پاؤں بچھالیا جاوے اور داہنا گھٹنہ کھڑا کر لیا جاوے۔ (رواہ ابن الضحاک فی

الشمائل من حدیث انس بسند ضعیف)۔

(۳) تیسرا طریقہ ہے دونوں گھٹنہ نماز کی نشست کی طرح بچھالے جاویں۔ (ابو الشیخ فی اخلاق النبی ،

کذا فی تخریج العراقی)۔ (آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۰، ط: ادارۃ اسلامیات، لاہور)۔

(۴) اُکڑوں۔ بعض احادیث میں کھجور کھاتے وقت یہ طریقہ منقول ہے۔ اس کو اتقاء کہتے ہیں اس کی

دو کیفیتیں ہیں: (۱) مقعد اور تلووں پر بیٹھ کر ٹانگوں کو کھڑا کر کے کھانا۔ (۲) یا پنجوں پر بیٹھ کر پاؤں کو کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھنا، بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ صرف کھجور تناول فرماتے ہوئے ثابت ہے۔

حوالہ جات حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

قال ابن حجر فی الفتح: فالمتستحب فی صفة الجلوس للأكل أن يكون جاثياً على

رکبته وظهور قدمیه ، أو ينصب الرجل الیمنی ویجلس علی الیسری . (فتح الباری: ۵۴۲/۹، ط:

دار المعرفۃ، بیروت)۔ (وکذا فی عمدة القاری: ۴۰۸، ۱۴، باب الاکل متکئاً، و الفجر المساطع علی الصحیح الجامع

۱۷۱، ۷:، وغذاء الالباب: ۷۸/۲، وسبل الہدی والرشاد: ۱۸۱/۷، ط: بیروت، و المواہب اللدنیۃ: ۴۱۱/۲، المکتب

الاسلامی، و تحفة الاحوذی: ۵۵۸/۵)۔

تحفة الاحوذی میں مرقوم ہے:

قوله أما أنا فلا أكل متکئاً ، سبب هذا الحديث قصة الأعرابي المذكور في حديث

عبد اللہ بن بسر عند ابن ماجہ والطبرانی بسند حسن قال: أهدیت للنبي صلی اللہ علیہ

وسلم شاة فجثا علی رکبته یا کل فقال له : أعرابي ما هذه الجلسة فقال: إن اللہ جعلني

عبداً کریماً ولم يجعلني جباراً عنيداً ، قال بن بطلان : إنما فعل النبي صلی اللہ علیہ وسلم

تواضعاً للہ . (تحفة الاحوذی: ۵۳/۵، وکذا فی الفتح الباری: ۵۴۱/۹، ط: بیروت)۔

قال ابن القيم: و يذكر عنه صلی اللہ علیہ وسلم أنه كان یجلس للأكل متورکاً علی

رکتیہ و یضع بطن قدمہ الیسری علی ظهر قدمہ الیمنی تواضعاً لربہ عز وجل وأدباً بین یدیه واحتراماً للطعام وللمؤاکل قال: فهذه الهيئة أنفع هينات الأكل وأفضلها لأن الأعضاء كلها تكون على وضعها الطبيعي الذي خلقها الله سبحانه عليه مع ما فيها من الهيئة الأدبية. (زاد المعاد: ۲۲۱/۴، فی ہدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ہیئة الجنوس للأکس، مؤسسة الرسالة، والطب النبوی، ۱۷۲، دوافع الفکر).  
مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم مقعياً يأكل تمرأ. (رواه مسلم، رقم: ۲۰۴۴).

☆ المقععي: الذي يلصق أليته بالأرض وينصب ساقيه. (كذا فی ریاض الصالحین، باب کراهية الاكل متكئاً، وفي تعليقات آداب البيهقي: ۹۳/۲، و اخلاق النبی لابی الشیخ: ۴۲۷/۲، و الاوسط لابن المنذر، رقم: ۱۴۴۳، و النہایة فی غریب الاثر: ۸۹/۴، ط: بیروت).

وقيل: الإقعاء هو أن يضع أليته على عقبه. (كذا فی النہایة فی غریب الاثر: ۸۹/۴، و الاوسط لابن المنذر، ۱۴۴۳).

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قدما إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم تمرأ، فجثا على ركبتيه، فأخذ قبضة، فقال: اذهب بهذا إلى فلانة وأخذ قبضة، فقال: اذهب بهذا إلى فلانة... ثم أخذ قبضة منه يأكل ويلقى النوى بشماله... (الزوائد لبوصیری: ۵/۳۳۰/۴۸۹۵، ط: الرياض).

عن عبد الله بن بسر رضی اللہ عنہ قال: أهديت للنبي صلى الله عليه وسلم شاة فجثا رسول الله صلى الله عليه وسلم على ركبتيه يأكل فقال أعرابي: ما هذه الجلسة فقال: إن الله جعلني عبداً كريماً ولم يجعلني جباراً عنيداً. (ابن ماجه، رقم: ۳۲۵۴).  
قوت القلوب میں ہے:

وربما جثا للأكل على ركبتيه وجلس على ظهر قدميه ونصب رجله اليمنى وهي جلسة العرب للأكل إلى اليوم. (قوت القلوب: ۳۰۷/۲).  
تکملۃ فتح الہام میں ہے:

إن المرأ ينبغي له ان يجلس على الطعام جلوساً متواضعاً ويجتنب هيئة المتكبرين... و ذكر العلماء أن أدب الطعام أن يجلس الرجل جاثياً على ركبته و ظهور قدميه ، أو ينصب الرجل اليمنى و يجلس على اليسرى ، ذكره العيني في العمدة ، و الحافظ في الفتح . (تكملة فتح الملهم : ۴/ ۴۸ ، باب استحباب تواضع الأكل ، و صفة قعوده) .

مظاہر حق جدید میں ہے:

اس طرح بیٹھ کر کھایا جائے کہ یا تو (۱) دو زانو ہو یا (۲) بصورت اقعاء ہو یعنی دونوں کو لٹھے ٹیک لے اور دونوں زانو کھڑے کر لے یا (۳) دونوں پاؤں پر بیٹھے یعنی اکڑوں اور یا (۴) داچنا زانو کھڑا کر لے اور بائیں زانو پر بیٹھ جائے۔ (مظاہر حق جدید: جلد چہارم، ص ۸۴، ط: دارالاشاعت)۔

حلال و حرام میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین طریقوں سے کھانا ثابت ہے۔ اکڑوں، ایک پاؤں بچھا کر اور دوسرا اٹھا کر کھانا، تورک کے ساتھ بیٹھنا۔ (حلال و حرام، ص ۱۱۰)۔

سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

احادیث میں کھانا کھانے کے تین انداز بتائے گئے ہیں:

(۱) اکڑوں بیٹھنا.... (۲) ایک زانو بیٹھا.... (۳) دو زانو بیٹھنا.... (سنت نبوی اور جدید سائنس: ۱/ ۹۳)۔

اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میں بندہ ہوں اور بندوں کے مانند بیٹھتا ہوں اور ایسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندے کھاتے ہیں (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اس قسم کی تھی کہ گویا گھٹنوں کے بل ابھی کھڑے ہو جائیں گے) یعنی اکڑوں بیٹھ کر۔ (زاد المعاد)۔

صاحب مواہب کہتے ہیں کہ کھانے کے لیے اس طرح بیٹھنا مستحب ہے کہ دونوں رانوں کو کھڑا کرے اور دونوں قدموں کی پشت پر نشست کر کے یا اس طرح کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

ابن قیم نے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تواضع و ادب کی خاطر بائیں قدم کے اندر کی جانب کو

دائیں قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔ (اسوۃ رسول اکرم ص ۱۱۵)۔

**وللاستزادة انظر:** (الطب النبوي، ص: ۱۷۲، وسبل الهدى والرشاد لمحمد بن يوسف الشامي:

۱۸۰/۷، ط: بيروت، والانوار في شمائل النبي المختار للإمام البغوي: ۱/۳۲۴، وقوت القلوب للشيخ أبي طالب المكي: ۲/۳۰۷، وتحريح العراقي على الاحياء:، وشرح رياض الصالحين: ۲/۱۰۶۷، للشيخ محمد بن صالح العثيمين، وسلسلة الآداب الإسلامية لمحمد صالح المنجد: ۹/۲۵، وشمائل كبرى: ۱/۴۲، ط: زمزم، ومدارج النبوة، وزاد المعاد: ۴/۲۲۰، في هديه صلى الله عليه وسلم في هيئة الجلوس للأكل). واللہ اعلم۔

**تکلیف لگا کر یا چارز انو بیٹھ کر کھانا کھانے کا حکم:**

**سوال:** تکلیف لگا کر کھانا کھانا مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا جائز ہے؟ اور چارز انو بیٹھنا تکلیف میں شامل ہے

یا نہیں؟ بیّناتو جروا۔

**الجواب:** تکلیف لگا کر کھانا اگر تکبر کی بنا پر ہو تو مطلقاً ناجائز ہے اور اگر عذر کی بنا پر ہو تو بلا کراہت جائز

ہے، اور اگر نہ تو تکبر کی وجہ سے اور نہ عذر کی وجہ سے بلکہ فقط استراحت کے لیے ہو تو جائز ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے کیونکہ یہ طریقہ تکثیر طعام کی طرف مفضی ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیف لگا کر کھانا تناول

فرمایا تھا۔ روایات ملاحظہ ہو فرمائیے:

عن فضیل بن عیاض عن عبد العزیز بن رفیع عن مجاہد، قال: ما أكل رسول الله

صلى الله عليه وسلم متكناً قط إلا مرة، قال: اللهم إني عبدك ورسولك. (رواه ابن أبي شيبة في مصنفه مرسلًا: ۱۲/۴۰۷، ۲۵۰۰۴/باب من كان يأكل متكناً).

وأيضاً رواه هناد بن السرى في "الزهد" (۸۰۱)، وأخرجه ابن حجر في "المطالب

العالية" (۲۴۶۵) وفي "التلخيص الحبير" (۱۴۴۹)، والبوصيري في "الزوائد" (۳۰۵/۸۵۰)



وروی ابن شاہین فی ”ناسخ الحدیث ومنسوخہ“ (۶۳۸) بسندہ عن مجاہد قال: ما أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم متكئاً إلا مرة ففرع فجلس ثم قال: اللهم إني عبدك ونبيك، والتشديد في هذا على وجه الاختيار من رسول الله صلى الله عليه وسلم لا على وجه التحريم. وآداب رسول الله صلى الله عليه وسلم أولي أن تستعمل وما تركه رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا خير فيه وقد رخص في الأكل متكئاً جماعة منهم ابن عباس رضي الله عنه وابن سيرين وإبراهيم والزهرى كذلك. (ناسخ الحدیث ومنسوخہ لابن شاہین، ص ۴۷۷).

وروی الحارث بن محمد بن أبي أسامة في ”مسندہ“ (۵۲۲)، قال: حدثنا محمد بن عمر، ثنا هاشم بن عامر الأسلمي، عن عبد الله بن سعد، عن أبيه قال: كنت دليل رسول الله صلى الله عليه وسلم من العرج إلى المدينة فرأيتَه يأكل متكئاً.

و نقل عنه ابن حجر في المطالب العالیة “ (۲۴۶۶)، والبوصیری فی ”الزوائد“ (۵/۳۰۶، ۴۸۵۴، باب الاكل متكئاً). وقال: هذا إسناد ضعيف، محمد بن عمر الواقدي كذاب.

نیز بعض صحابہ سے بھی کھاتے وقت تکیہ لگا کر بیٹھنا ثابت ہے ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

قال ابن أبي شيبه: حدثنا وكيع، عن سفيان، عن يزيد بن أبي زياد قال: أخبرني من رأى ابن عباس رضي الله عنه يأكل متكئاً.

و حدثنا هشام، عن حصين قال: لما قدم خالد بن الوليد هاهنا إذا هو بمسلحة لآل فارس عليهم رجل يقال له: هزار مرد، قال: فذكروا من عظم خلقه وشجاعته، قال: فقتله خالد بن الوليد، ثم دعا بغداءه ففغدى وهو متكئ على جيفته! يعني جسده.

و حدثنا أبو خالد الأحمر، عن حجاج، عن عطاء قال: إن كنا نأكل ونحن متكئون. و حدثنا أبو أسامة، عن أبي هلال، قال: رأيت ابن سيرين يأكل متكئاً.

حدثنا يزيد بن هارون قال: أخبرنا حسام بن مصك، عن ابن سيرين قال: دخلت

على عبيدة فسألته عن الرجل يأكل متكئاً؟ فأكل متكئاً. (مصنف ابن أبي شيبه: ۱۲/۴۰۸-۴۰۹، باب

من کان يأكل متكئاً، المجلس العلمي).

و کذا فی ناسخ الحدیث و منسوخہ لابن شاہین (۴۷۸)، و زاد فیہ عن عبد الرزاق قال:

أخبرنا معمر قال: سألت الزهري عن الأكل متكئاً قال: لا بأس به. (و کذا فی مصنف عبد الرزاق برفقہ: ۱۹۵۹).

کتب فقہ کی عبارات سے بھی جواز مترشح ہوتا ہے:

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

لا بأس بالأكل متكئاً إذا لم يكن عن تكبر. (الفتاوی السراجیة، ص ۳۲۷، ط: زمزم).

فتاوی الشامی میں ہے:

ولا بأس بالأكل متكئاً. (رد المحتار: ۶/۳۴۰، سعید).

فتاوی ہندیہ میں ہے:

لا بأس بالأكل متكئاً إذا لم يكن بالتكبر و فی الظہیریۃ هو المختار کذا فی جواهر

الأخلاق. (الفتاوی الهندیة: ۵/۳۳۷).

وللاستزادة انظر: (المحیط البرہانی: ۶/المفصل الثانی عشر فی الکراهیة فی الاکل و الموسوعة

العقبة الکویتية: ۲۷۲/۴۵، ط: وزارة الاوقاف، و الفتاوی البرازیلیة علی هامش الفتاوی الهندیة: ۶/۳۶۵).

لیکن حدیث شریف سے تکیہ لگا کر کھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن علی بن الأقرم سمعت أبا جحيفة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

لا آكل متكئاً. (رواه البخاری برفقہ: ۵۳۹۸).

و عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تأكل متكئاً.

رواه الطبرانی فی الأوسط و رجالہ ثقات. (مجمع الزوائد: ۵/۲۴، دار الفکر).

قال فی فتح الباری: و کان سبب هذا الحدیث قصة الأعرابی المذكور فی حدیث

عبد الله بن بسر عند ابن ماجه و الطبرانی بسند حسن قال: أهدیت للنبي صلى الله عليه و

سلم شاة فجثا علی ركبتيه يأكل فقال له أعرابي: ما هذه الجلسة فقال: إن الله جعلني عبداً

کریماً ولم يجعلني جباراً عنيداً ، قال بن بطال : إنما فعل النبي صلى الله عليه وسلم تواضعاً لله . (فتح الباری: ۵۴۱/۹، ط: دارالمعرفة، بیروت).

تکلیف لگا کر کھانے کی کراہت کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ متکبرین کا طریقہ ہے، اس کے علاوہ یہ زیادہ کھانے کا باعث ہے۔ ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

واختلف السلف في الحكم متكناً فزعم ابن القاص أن ذلك من الخصائص النبوية وتعقبه البيهقي فقال: قد يكره لغيره أيضاً لأنه من فعل المتعظمين وأصله مأخوذ من ملوك العجم فإن كان بالمرء مانع لا يتمكن معه من الأكل إلا متكناً لم يكن في ذلك كراهة ... وقد أخرج ابن أبي شيبة عن بن عباس ؓ وخالد بن الوليد ؓ وعبيدة السلماني ومحمد بن سيرين وعطاء بن يسار والزهری جواز ذلك مطلقاً ...

واختلف في علة الكراهة ، وأقوى ما ورد في ذلك ما أخرجه ابن أبي شيبة من طريق إبراهيم النخعي قال: ”كانوا يكرهون أن يأكلوا اتكاءة مخافة أن تعظم بطونهم ... الخ“ . (فتح الباری: ۵۴۱/۹، ط: دارالمعرفة، بیروت).

(وكذا في عمدة القاری: ۴۰۷/۱۴-۴۰۸، دار الحديث، عمان).

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن إسماعيل الأعمور قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل متكناً فنزل عليه جبريل عليه السلام فقال: انظروا إلى هذا العبد كيف يأكل متكناً قال: فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم ، فقد يجوز أن يكون هذا هو المعنى الذي قال: لا أكل متكناً لأنه فعل المملوك الجبابة وفعل الأعاجم فكره ذلك ورغب في فعل العرب . (شرح معانی الآثار، رقم: ۶۸۶۴، باب الشرب قائماً).

نیز اتکاء کی کیفیت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

واختلف في صفة الاتكاء فقيل: أن يتمكن في الجلوس للأكل على أي صفة كان

وقیل: أن یمیل علی أحد شقیه وقیل: أن یعتمد علی یده الیسری من الأرض. (فتح الباری ۵/۹: ۵۴۱ دارالمعرفة، بیروت).

مرقات میں ہے:

ونقل فی الشفاء عن المحققین أنهم فسروه بالتمکن للأکل والقعود فی الجلوس کالمتریع المعتمد علی وطاء تحته لأن هذه الهیئة تستدعی کثیرة الأکل وتقتضی الکبر. (مرقاۃ المفاتیح: ۱/۶۴، ط: امدادیہ، ملتان).

النهایه فی غریب الحدیث والاثر میں ہے:

المتکئ فی العربیة کل من استوی قاعداً علی وطاء متمکناً، والعامة لاتعرف المتکئ إلا من مال فی قعوده معتمداً علی أحد شقیه والتاء فیہ بدل من الواو وأصله من الوکاء وهو ما یشد به الکیس وغیره کأنه أو کأ مقعدته وشدھا بالقعود علی الوطاء الذی تحته. (النهایه فی غریب الحدیث والاثر: ۱/۹۳، المکتبة العلمیة).

جمع الوسائل میں ہے:

قال میرک: اعلم أن المحققین من العلماء قالوا: الاتکاء علی أربعة أنواع: الأول: الاتکاء علی أحد الجنین، والثانی: وضع إحدى الیدین علی الأرض والاتکاء علیهما، والثالث: التریع علی وطاء والاستواء علیہ، والرابع: استناد الظهر علی وسادة. (جمع الوسائل فی شرح الشماثل: ۱/۱۸۵، ادلرہ تالیفات).

بدل المجہود میں ہے:

قال الخطابی: یحسب أكثر العامة أن المتکئ هو المائل المعتمد علی أحد شقیه لایعرفون غیره، وكان بعضهم یتأول هذا الکلام علی مذهب الطب ودفع الضرر عن البدن... وقال الشیخ: ولیس معنی الحدیث ما ذهبوا إلیه وإنما المتکئ ههنا هو المعتمد علی الوطاء الذی تحته، فکل من استوی قاعداً علی وطئ فهو متکئ... (بدل المجہود: ۱/۴۹۶، دار

المشائر الاسلامیة).

تکملة فتح الملهم میں ہے:

أما الجلوس متربعاً بدون إسناد الظهر إلى ما خلفه أو الميلان على أحد الشقين فالظاهر أنه جائز بدون كراهة لعدم ما يدل على كراهته ، أما ما ذكره الخطابي من إدخاله في الاتكاء فلم أراه عند غيره . (تكملة فتح الملهم: ۴/ ۴۸)۔

وللمزيد راجع : (زاد المعاد: ۲۰۲/ ۴ ، مؤسسة الرسالة، وفيض الباری: ۴/ ۳۳۴ بوالدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۷۵۶)۔ واللہ اعلم۔

## الگ برتن میں کھانے سے اجتماع کا حکم:

**سوال:** اگر ساتھی ایک ساتھ بیٹھ کر الگ الگ برتن میں کھانا کھالیں تو اجتماعی کھانے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

**الجواب:** احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ اجتماع کے لفظ سے مقصود لوگوں کا ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا ہے اس سے ایک برتن میں کھانا لازم نہیں آتا، ہاں یہ بات الگ ہے کہ صحابہ کرام کا عام معمول ایک برتن میں کھانے کا تھا، لیکن اجتماعیت کے لیے ایک برتن ضروری نہیں بلکہ ایک دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا مقصود ہے اور یہ برکت کا باعث ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے ایک مرتبہ عدم شکم سیری کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانے کا حکم دیا۔ ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں روایت ہے:

عن وحشي بن حرب عن أبيه عن جده أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا: يا رسول الله! إنا نأكل ولا نشبع، قال: فلعلكم تفترون قالوا: نعم، قال: فاجتمعوا على طعامكم واذكروا اسم الله عليه يبارك لكم فيه . (رواه ابوداؤد بسند حسن برقم: ۳۷۶۶)۔

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، انہوں نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ایل کر کھاؤ، اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اس میں برکت ہوگی۔

(رواہ ابن ماجہ، رقم: ۳۲۸۶، والبیہقی فی الشعب، رقم: ۵۴۴۹، واحمد فی مسنده، رقم: ۱۶۰۷۸، والحاکم فی المستدرک، رقم: ۲۵۰۰)۔

وفی صحیح ابن حبان قال: تجتمعون علی طعامکم أو تتفرقون؟ قالوا: ننفرق، ...

الخ۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، رقم: ۵۲۲۴، قال الشیخ شعب: حسن بشواہدہ واسنادہ ضعیف)۔

عن سالم بن عبد اللہ بن عمر قال: سمعت ابي يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ يقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کلو اجمعیاً ولا تفرقوا، فإن البرکة مع الجماعة۔ (رواہ ابن ماجہ، رقم: ۳۲۷۸) قال البوصیری: هذا اسناد ضعیف۔ (مصباح الزجاجة: ۱۲/۴)۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایل کر کھایا کرو، الگ الگ مت کھاؤ، کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز جن کو علماء نے خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے لیکن وہ الگ پلیٹ میں کھاتے تھے یہ ان کا عام دستور تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین کیا آپ ہمیں حرام کھلاتے ہیں تو اس کے بعد سے پھر ایک پلیٹ میں کھانا شروع کیا۔ ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابن زنجویہ میں ہے:

الحضرمی الحمصی، عن ابيه قال: کنا ناکل مع عمر بن عبد العزيز فکان يأکل من صحفة وناکل من أخرى، فقلت له مرة: یا امیر المؤمنین، أنا کل من صحفتک؟ قال: نعم فلما أکلت قلت: یا امیر المؤمنین، واللہ لئن کان ما تأکل حلالاً، وما تطعمنا حراماً، ما ينبغي لک أن تطعمنا حراماً قال: فحذب صحفتنا إلیه ودفع صحفته إلینا، ثم عاد يأکل معنا من صحفة واحدة۔ (کتاب الاموال لابن زنجویہ، رقم: ۲۰۳۳)۔ (وکذا فی مختصر تاریخ مدینة دمشق: ۴۲۳/۲)۔

مزید یہ کہ الگ کھانے میں کھانے کی صحیح مقدار بھی معلوم ہوتی ہے۔

نیز فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مجلس میں بیٹھ کر الگ الگ برتن میں کھانا پینا اجتماعی کھانے

پینے کے حکم میں ہے، اور عرف میں بھی ساتھ بیٹھ کر کھانا کھلاتا ہے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإن حلف لا يشرب مع فلان شرباً فشراباً في مجلس من شراب واحد حنث وإن كان الإناء الذي يشربان فيه مختلفاً، وكذا لو شرب الحالف من شراب وشراب الآخر من شراب غيره وقد ضمهما مجلس واحد؛ لأن المفهوم من الشراب مع فلان في العرف هو أن يشربا في مجلس واحد اتحد الإناء والشراب أو اختلفا بعد أن ضمهما مجلس واحد يقال: شربنا مع فلان، وشربنا مع الملك، وإن كان الملك يتفرد بالشرب من إناء. (بدائع الصنائع: ۶۶/۳، سعيد). (وكذا في الفتاوى الهندية: ۹۳/۲، والمبسوط للامام المرحسي: ۸/۳۳۱، ط: بيروت، والمبسوط للامام محمد: ۳۱۶/۳، والمحيط البرهاني: ۵۲۷/۴، مكتبة رشيدية).  
محیط برہانی میں ہے:

وإن حلف لا يأكل مع فلان طعاماً، فأكل هذا من إناء، وفلان من إناء آخر في ذلك المجلس لا يحنث، هكذا ذكر في شرح مختصر عاصم في باب كفارة اليمين بالشراب، وفي شرح الكافي للصدر الشهيد<sup>۲</sup> في باب اليمين في الشراب: أنهما إذا أكلتا من مائدة واحدة حنث وإن اختلف قصعهما وطعامهما. (المحيط البرهاني: ۲۰۰/۶، ط: المجلس العلمي).  
عام طور پر طبعاً بھی لوگ مرغن غذا میں ایک پلیٹ میں کھانا پسند نہیں کرتے، لہذا لوگوں کی رعایت کرنا طبعی امور میں زیادہ مناسب ہے ورنہ اجتماعی کھانے کی برکت سے عام لوگ محروم ہو جائیں گے۔  
مل کر کھانا کھانے کا طبی فائدہ:

پتھالوجی (pathology) کے ایک پروفیسر نے انکشاف کیا ہے کہ جب مل کر کھانا کھایا جاتا ہے تو تمام کھانے والوں کے جراثیم کھانے میں مل جاتے ہیں جو دوسرے تمام امراض کے جراثیموں کو ختم کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ کھانا بے ضرر بن جاتا ہے اور کھانے میں بعض اوقات شفاء کے جراثیم مل کر تمام کھانے کو شفاء بنادیتے ہیں جو کہ معدہ کے امراض کے لیے بے حد مفید ہیں۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس: ۹۱/۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میز، کرسی پر کھانا کھانے کا حکم:

**سوال:** کرسی اور میز پر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟ مکروہ تنزیہی ہے یا تحریمی یا مباح، مدلل بیان کیجئے؟

**الجواب:** شریعت مطہرہ کا مزاج اس قسم کے مسائل میں توسع اور فراخی پر ہے زیادہ تکلفات اور شدت کا رویہ مزاج شریعت نہیں، بنا بریں میز اور کرسی پر کھانا جائز اور درست ہے، لیکن اس بات کا خیال رہے کہ کرسی پر ٹیک نہ لگائے بلکہ کھانے کی طرف جھکتے ہوئے متواضعاً کھانا کھایا جائے، تاہم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں زمین پر بیٹھ کر کھانے کا معمول بنانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن قتادة عن أنس رضی اللہ عنہ قال: ما علمت النبي صلى الله عليه وسلم أكل على سكرجة قط ولا خبز له مرقق قط ولا أكل على خوان قط قيل: لقتادة فعلام كانوا يأكلون قال: على السفر [السفرة ما يوضع عليها الطعام جداً كان أو غيره] . (صحيح البخاري رقم: ۵۳۸۶، باب الخبز المرقق والاكل على الخوان والسفرة).

وعن سعيد بن جبیر قال: سمعت ابن عباس رضی اللہ عنہ يقول: أهدت خالتي أم حفيد إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم سمناً وأقطاً وأضباً فأكل من السمن والأقط وترك الضب تقذراً وأكل على مائدة رسول الله صلى الله عليه وسلم... الخ. (رواه مسلم: ۱۵۱/۲، ط: فيصل).

وعن يزيد بن الأصم قال: دعانا عروس بالمدينة... أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو عند ميمونة رضی اللہ عنہا وعنده الفضل بن عباس رضی اللہ عنہ وخالد بن الوليد رضی اللہ عنہ وامرأة أخرى إذا قرب إليهم خوان عليه لحم... الخ. (رواه مسلم: ۱۵۱/۲، ط: فيصل).

قال الإمام النووي: وليس المراد بهذا الخوان ما نفاه في الحديث المشهور في قوله: ما أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم على خوان قط بل شيء من نحو السفرة.



(الشرح الکامل: ۱۵۱/۲)۔

وعن حمید أنه سمع أنساً يقول : قام النبي صلى الله عليه وسلم يني بصفية فدعوت المسلمين إلى وليمة أمر بالأنطاع فبسطت فألقي عليها التمر والأقط والسمن . (رواه البخاری برقم: ۵۳۸۷، باب الخبز المرقق والاكل على الخوان والسفرة)۔

درج کردہ احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، کیونکہ اکثر روایات کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ آپ کے خادم خاص تھے، تقریباً دس سال آپ کی خدمت سے مشرف ہوئے، لہذا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھریلو احوال سے بخوبی واقف تھے۔

ہاں کسی روایت میں نظر سے نہیں گزرا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کھانا کھانے سے منع فرمایا ہو لہذا اس طرح کھانا بھی جائز ہوگا۔ لیکن نکیہ لگا کر کھانے سے پرہیز کرے۔ زاد المعاد میں ہے:

صح عنه أنه قال: "لا أكل متكاً"، وقال: "إنما أجلس كما يجلس العبد، وأكل كما يأكل العبد". (زاد المعاد: ۲۲۰/۴، ط: مؤسسة الرسالة)۔

تکلمۃ فتح الہام میں ہے:

إن المرأ ينبغي له أن يجلس على الطعام جلوساً متواضعاً ويجتنب هيئة المتكبرين . (تکملۃ فتح الملہم: ۴/۴۸، باب استحباب تواضع الأكل، وصفة قعوده)۔

اشکال: بعض حضرات میز پر کھانے کو مکروہ کہتے ہیں اور دلیل میں درج ذیل روایت پیش کرتے ہیں:

عن قتادة عن أنس رضي الله عنه قال: ما علمت النبي صلى الله عليه وسلم أكل على سكرجة قط ولا خبز له مرقق قط ولا أكل على خوان قط قيل: لقتادة فعلام كانوا يأكلون قال: على السفر . (صحيح البخاری برقم: ۵۳۸۶، باب الخبز المرقق والاكل على الخوان والسفرة)۔

اس روایت میں خوان سے میز مراد لیتے ہیں۔

الجواب: خوان کے معنی مختلف ہیں: (۱) قال العيني في العمدة: وهو طبق كبير من نحاس تحته كرسي من نحاس ملزوق به، طوله قدر ذراع يرض فيه الزبادي ويوضع بين

بدی کبیر من المترفین ولا یحملہ إلا اثنان فما فوقهما . (عمدة القاری: ۳۹۵/۱۴، ط: دار الحدیث، مئتان) .

یعنی بڑی میز جس کے نیچے تانبے کی کرسی ہو، اس پر خوشبو چپکا دی جاتی ہے، اور خوشحال لوگ اس کو استعمال کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شامل کبریٰ: ۱/۳۹-۴۱، بعنوان میز یا ٹیبل پر کھانا غلاف ست ہے، ط: زمزم)۔

(۲) شاہ صاحب نے فیض الباری میں خوان کے معنی میز سے نہیں فرمائے۔ ملاحظہ ہو:

والخوان هو الصینی (خوانچہ، جس کو بعض لوگ کشتی بھی کہتے ہیں) من خشب، ولیس بطاولة

(میز) ولا بمنضدة (ٹاپی) . (فیض الباری: ۳۳۳/۴) .

النتیجہ میں ہے: خوان ہو ما یوضع علیہ الطعام عند الأكل . (النهاية: ۲/۱۸۳) .

نفت کی کتابوں میں بھی خوان کا ترجمہ مطلق دسترخوان سے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (القاموس الوجید: ۱/۴۸۷)۔

اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ دسترخوان پر جب کھانا موجود ہو تو وہ ماندہ ہے، کھانا جب تک نہ رکھا جائے تو اس کو خوان کہتے ہیں۔

فقہ اللغة میں ہے: ولا یقال مائدة إلا إذا كان علیها طعام وإلا فهي خوان . (فقہ اللغة:

۶۲، وکذا فی لسان العرب) .

معلوم ہوا کہ خوان کا معنی میز محقق نہیں ہے، کیونکہ اگر اس کا معنی میز ہی محقق ہو تو ابن ماجہ کی روایت میں

آتا ہے کہ خوان حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک خوان یا میز پر کھانا

جائز تھا اور عہد نبوی میں خوان مفقود تھا ممنوع نہیں تھا، ہاں پر تکلف میز امراء کی چیز ہے اس سے پرہیز کرنا

چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

عن قتادة قال : کنا نأتي أنس بن مالک رضی اللہ عنہ (قال إسحاق وخبازة قائم وقال الدارمي

وخوانه موضوع) فقال: يوماً کلوا، فما أعلم رسول الله صلى الله عليه وسلم رأى رغباً

مرفقاً بعينه حتى لحق بالله... الخ . (رواه ابن ماجه و اسنادہ صحیح رقم ۲۳۳۹) .

اگر مذکورہ روایت میں خوان سے میز مراد ہو تب بھی اس روایت سے خوان کے استعمال کی نفی معلوم ہوتی ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکلف کے عادی نہیں تھے اور اس میں تکلف ہے، اس لیے استعمال نہیں فرمایا، اس کے باوجود اس کے استعمال سے منع فرمانا ثابت نہیں ہے۔

پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت میں اور اشیاء بھی مذکور ہیں جن کی کراہت کا کوئی قائل نہیں ہے۔

اشکال: (۲): بعض اکابر حضرات نے تخبہ بالکفار کی وجہ سے میز اور کرسی پر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

اس کا کیا جواب ہے؟ ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۸۲/۸، طبع جدید، و فتاویٰ محمودیہ: ۷۹/۱۸، جامعہ فاروقیہ و امداد الفتاویٰ: ۳۶۶/۳، و احسن الفتاویٰ: ۱۲۱/۸، وغیرہ)۔

الجواب: حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی چیز عام ہو جائے تو تخبہ کا شبہ اس میں باقی نہیں رہتا جب کہ عجب اور تکبر کی نیت نہ ہو۔ نیز جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا تو تخبہ بالکفار نہیں رہا۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ میں سائیکل کی سواری کے تحت رقمطراز ہے:

اس سواری میں گویا ہر آئینہ کا بھی شبہ ہو سکتا ہے، مگر عند التامل اس کا عام ہو جانا اس شبہ کا مزیل ہے، اب صرف یہ عارض اس میں محتمل رہا کہ اس سے عجب پیدا ہوتا ہے، سو اس کا مقتضایہ ہے کہ جس کو عجب نہیں اس کے لیے کچھ حرج نہیں، البتہ بعض مباحات و صلوات و ثقات کے مناسب حال نہیں ہوتے... لہذا تحرز اولیٰ ہے، جب کہ صرف مصلحت کا درجہ ہو ضرورت کا نہ ہو اور اگر ضرورت ہو تو... اس صورت میں خلاف اولیٰ بھی نہیں۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۶۷/۴)

فقہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

(میز پر کھانا) یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے، جہاں یہ کفار و فساق کا شعار ہے، وہاں بالکل ممنوع ہے، جہاں شعائر نہیں بلکہ عام ہے کہ صالحین کا بھی یہی طریقہ ہے وہاں اس میں اس درجہ تشدد نہیں، بلکہ فی الجملہ خفت ہے، لیکن خلاف سنت پھر بھی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۹/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔

اب یہ طریقہ صالحین میں بھی عام ہے۔

حضرت تھانویؒ تخبہ کی تعریف اور رفع تخبہ کی پہچان کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس کا معیار یہ ہے کہ جہاں کوئی بات کسی کی وضع ہو اور یہ معلوم ہو کہ یہ بات کفار میں ہے اور کفار کی خصوصیت کی طرف ذہن جانا ہو تو تخبہ ہو گا ورنہ نہیں۔ (حسن العزیز، ص ۲۱۳)۔

پہچان یہ ہے کہ ان چیزوں کے دیکھنے سے عام لوگوں کے ذہن میں یہ کھٹک نہ ہو کہ یہ وضع تو فلا نے لوگوں نے کی ہے۔ مگر جب تک یہ خصوصیت ہے اس وقت تک منع کیا جائے گا۔ اور اگر خصوصیت نہ رہے تو ممانعت بھی نہ ہوگی۔ (حیاۃ المسلمین، ص ۲۲۴)۔

فقہ حنفی کے اصول و ضوابط میں ہے:

تخبہ بالکفار امور مذہبہ میں تو حرام ہے اور شعار قومی میں مکروہ تحریمی ہے۔ باقی ایجادات اور انتظامات میں جائز ہے۔ وہ حقیقت تخبہ ہی نہیں۔ (فقہ حنفی کے اصول و ضوابط، ص ۱۵۲)۔

معلوم ہوا کہ کرسی اور میز پر کھانا علی الاطلاق ممنوع اور مکروہ نہیں ہے بلکہ کفار و فساق کے ساتھ تخبہ ہو یا اس میں عجب و تکبر کی نیت ہو تو ممنوع اور مکروہ ہے، لیکن اگر دونوں وجوہات سے خالی ہو تو پھر جواز اور مباح میں کلام نہیں ہے۔ اور فی زمانہ اس کا عام رواج ہے، جس میں کسی فرقہ و قوم کی تخصیص نہیں ہے بنا بریں اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ ہاں زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانا یہ دائمی سنت ہے اس کا اختیار کرنا محبت کی دلیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کا حکم:**

**سوال:** کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا کیسا ہے اگر مسنون ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟ نیز چاٹنے کی صحیح ترتیب کیا ہے؟ بیٹو اتو جروا۔

**الجواب:** کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا مسنون ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا أكل أحدکم فلا یمسح یدہ

حتی یلعقها أو یلعقها. (رواہ البخاری، رقم: ۵۴۵۶، باب لعق الأصابع قبل أن یمسح بالمندیل).

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چائنا مسنون ہے، اور بعض روایات میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ انسان کو معلوم نہیں ہے کہ کھانے کے کونے حصے میں برکت ہے، ہو سکتا ہے کہ اس حصہ میں برکت ہو جو اس کی انگلیوں پر لگا ہوا ہے لہذا چاٹنے سے برکت حاصل ہو جائے گی۔ ملاحظہ ہوا بن حبان کی روایت میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا طعم أحدكم فسقطت لقمته من يده فليمط ما رابه منها وليطعمها ولا يدعها للشيطان ولا يمسح يده بالمنديل حتى يلعق يده فإن الرجل لا يدري في أي طعامه يبارك له وأن الشيطان يرصد الناس أو الإنسان على كل شيء حتى عند مطعمه أو طعامه ولا يرفع الصحفة حتى يلعقها أو يلعقها فإن في آخر الطعام البركة." (رواہ بن حبان فی صحیحہ، رقم: ۵۲۵۳، قال الشيخ شعيب: حديث صحيح).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے صاف کر لے اور کھالے، شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور فراغت پر انگلیوں کو چاٹ لے، اسے کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں برکت ہے۔ اور شیطان تم میں سے ہر ایک کے پاس آتا ہے حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی آتا ہے، اور برتن مت اٹھاؤ یہاں تک کہ اس کو چاٹ لو، یا دوسرے کو چٹا دو، اس لیے کہ کھانے کے آخری حصہ میں برکت ہوتی ہے۔

وفي حديث ابن ماجة قال: لا يمسح أحدكم يده حتى يلعقها، فإنه لا يدري في أي طعامه البركة. (رقم: ۳۲۷۰) قال محمد فؤاد عبد الباقي: قوله فإنه لا يدري في أي طعامه البركة أي لا يدري أن البركة فيما على الأصابع أو في غيره فينبغي أن لا تضع.

انگلیوں کے چاٹنے کی صحیح ترتیب:

انگلیوں کے چاٹنے کی صحیح ترتیب جو روایات میں وارد ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سب سے پہلے درمیان والی سب سے بڑی انگلی کو چاٹا جائے، اس کے بعد شہادت کی انگلی کو، پھر انگوٹھے کو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت

مبارکہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اس لیے روایات میں تین ہی کا ذکر اس ترتیب سے ملتا ہے، اگر چوتھی یا پنجویں بھی استعمال ہو تو اسے انگوٹھے کے بعد چاٹ لیا جائے۔  
ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

أنه ينبغي في لعق الأصابع الابتداء بالوسطى ثم السبابة ثم الإبهام كما جاء في حديث كعب بن عجرة رضي الله عنه رواه الطبراني في الأوسط قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه الثلاث قبل أن يمسحها بالإبهام والتي تليها والوسطى ثم رأيت يلعق أصابعه الثلاث فليقع الوسطى ثم التي تليها ثم الإبهام، وكان السبب في ذلك أن الوسطى أكثر الثلاثة تسليماً بالطعام لأنها أعظم الأصابع وأطولها فينزل في الطعام منه أكثر مما ينزل من السبابة، وينزل من السبابة في الطعام أكثر من الإبهام لطول السبابة على الإبهام ويحتمل أن يكون البدء بالوسطى لكونها أول ما ينزل في الطعام لطولها. (عمدة القاري: ٤٥٣/١٤، باب لعق الأصابع، ط: دار الحديث، ملتان).

روی الطبرانی فی الأوسط (۱۶۴۹) بسندہ عن محمد بن کعب بن عجرة عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل بأصابعه ثلاث بالإبهام والتي تليها والوسطى ثم رأيت يلعق أصابعه الثلاث قبل أن يمسحها ويلعق الوسطى ثم التي تليها ثم الإبهام.

حضرت کعب بن عجرہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین انگلیوں انگوٹھے، شہادت اور بیچ کی انگلی سے کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا، پھر میں نے ان تینوں کو چاٹتے ہوئے دیکھا اس طور پر کہ پہلے بیچ والی کو پھر اس کے بعد والی شہادت کی انگلی کو پھر انگوٹھے کو چاٹا۔

قال الهيثمي في "المجمع" (٢٨/٥، دار الفکر): رواه الطبراني في الأوسط وفيه الحسين بن إبراهيم الأذني ومحمد بن كعب بن عجرة ولم أعرفهما بوقية رجاله ثقات .  
البحر الرائق میں ہے:

ومن السنة لحس القصعة وأن يلعق أصابعه قبل أن يمسحها بالمنديل وتركه من أثر العجم والجبابرة. (البحر الرائق: ۲۰۹/۸).

(و کذا فی رد المحتار: ۳۴۰/۶، سعید، و الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۳۷/۵، و المحيط البرہانی: ۲۰۴/۵، و الشنف فی الفتاویٰ، ص ۲۴۳).

اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

بعض روایات میں ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے اس کے بعد شہادت کی انگلی اس کے بعد انگوٹھا۔ (خصائص نبوی)۔ (اسوۂ رسول اکرم، ص ۱۱۶)۔

انگلیاں چاٹنے کا طیبی فائدہ:

سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

انگلیوں کا چاٹنا بھی اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ رطوبت باضم انگلیوں پر لگی رہتی ہے کچھ تو کھانے کے ساتھ اندر چلی جاتی ہے اور باقی انگلیوں پر لگی ہوئی کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنے سے منہ میں چلی جاتی ہے۔ اگر انگلیوں کو چاٹا جائے تو آنکھوں، دماغ اور معدے پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔

ایک فزیشن نے بتایا کہ میری تحقیق ہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا اقتصاد دل کے امراض، معدے کے امراض اور دماغی امراض کے لیے مفید اور بطور علاج ہے تجربہ شرط ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس: ۱۱۳/۱)۔

واللہ اعلم۔

کھانے کے بعد برتن کی صفائی کا حکم:

سوال: کھانا کھانے کے بعد برتن کی صفائی صرف دو انگلیوں سے مسنون ہے یا مطلق صفائی مقصود ہے؟ بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف دو انگلیوں کو استعمال کرنا چاہئے۔ بیذا تو جردا۔

الجواب: احادیث اور کتب فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ مطلق برتن کی صفائی مسنون ہے اس میں کوئی خاص ترتیب یا انگلیوں کے استعمال کی کوئی خاص تعداد احادیث میں منقول ہو ہماری نظر سے نہیں گزری۔

مطلق صفائی کی روایات ملاحظہ کیجئے:

(۱) عن أنس رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أكل طعاماً لعق أصابعه الثلاث قال: وقال: إذا سقطت لقمة أحدكم فليمط عنها الأذى وليأكلها ولا يدعها للشيطان وأمرنا أن نسلت القصعة قال: فإنكم لا تدرون في أي طعامكم البركة. (رواه مسلم، رقم: ۲۰۳۴، والترمذی، رقم: ۱۸۰۳، وابوداود، رقم: ۳۸۴۷، واحمد، رقم: ۱۴۰۸۹).

قوله: نسلت: سلت القصعة: إذا مسحها من أثر الطعام.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا تناول فرماتے تو تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھالے، شیطان کے لیے نہ چھوڑے، اور ہمیں برتن کو صاف کرنے کا حکم دیا، فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔

(۲) عن أبي اليمان الملعلي بن راشد قال: حدثني جدي أم عاصم وكانت أم ولد لسنان بن سلمة قالت: دخل علينا نبیة الخیر ونحن نأكل في قصعة فحدثنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أكل في قصعة ثم لحسها استغفرت له القصعة. (إسناده ضعيف، سنن الترمذی، رقم: ۱۸۰۴، ومسند ابن ماجه، رقم: ۳۲۷۱، وسنن الدارمی، رقم: ۲۰۷۰، باب فی لعق الصلعة، ومسند احمد، رقم: ۲۰۷۲۴، قال شعيب: إسناده ضعيف لجهالة حال أم عاصم، وشعب الایمان برقم: ۵۴۷۳).

حضرت میثم رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو برتن میں کھائے اور اسے صاف کرے تو برتن اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے۔

(۳) عن نبیة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل في قصعة ثم لحسها تقول القصعة: أعتقك الله من النار كما أعتقني من الشيطان. (رواه رزين، مشكاة المصابيح، رقم: ۴۲۴۲).

حضرت میثم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو برتن میں کھائے پھر اسے صاف کر لے تو برتن کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے جہنم کی آگ سے آزاد کر دے جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے آزاد کر دیا۔



مجمع الزوائد میں ہے:

(۴) و عن العرباض بن ساریة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من لعق الصحيفة ولعق أصابعه أشبعه الله في الدنيا والآخرة. رواه الطبراني عن شيخه إبراهيم بن محمد بن عروق وضعفه الذهبي. (مجمع الزوائد: ۲۷/۵، دار الفکر، رقم: ۷۹۳۸).

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے برتن کو صاف کیا اور انگلیوں کو چاٹا، اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سیر کر دیگا۔  
عمدة القاری میں ہے:

ما المراد باستغفار القصعة؟ يحتمل أن الله تعالى يخلق فيها تمييزاً أو نطقاً تطلب به المغفرة، وقد ورد في بعض الآثار أنها تقول: آجرک الله كما آجرني من الشيطان، ولا مانع من الحقيقة، ويحتمل أن يكون ذلك مجازاً كنى به. (عمدة القاری: ۱۴/۵۵۴، وذكره السيوطی فی الجامع الصغير ورمز له بالحسن).

یعنی حقیقت پر محمول ہے کہ پلیٹ کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے محفوظ کر دے جیسے آپ نے مجھے محفوظ کیا یا مجاز ہے یعنی پلیٹ کا صاف کرنا مغفرت کا سبب بن جاتا ہے۔  
فتاویٰ شامی میں ہے:

قال عليه الصلاة والسلام: من أكل من قصعة ثم لحسها تقول له القصعة أعتقك الله من النار كما أعتقتني من الشيطان وفي رواية أحمد: استغفرت له القصعة، ومن السنة... ولعق القصعة. (فتاویٰ الشامی: ۳۴۰/۶، سعید).

البحر الرائق میں ہے:

وفى الخلاصة: ومن السنة لعق القصعة. (البحر الرائق: ۸/ط: کوئٹہ). (وکنذا فی الفتاویٰ الهندیة: ۳۳۷/۵، المحيط البرهانی: ۲۰/۵، ط: دار احیاء التراث العربی، و النف فی الفتاویٰ، ص ۲۴۳، ط: بیروت).

برتن کو صاف کرنے کا طبی فائدہ:

سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

... اور طریقہ یہی ہے کہ پلیٹ کو انگلیوں سے صاف کر لیا جائے۔ جدید سائنس کہتی ہے کہ کھانے کی پلیٹ یا برتن کے پینڈے میں وٹامنز (Vitamins) اور خاص طور پر کھانے کے پینڈے میں موجود وٹامنز کی کمپلکس (Vitamins - B - Complex) اور ایسے غذائی اجزاء ہوتے ہیں جو تمام کھانے میں کم اور اس پینڈے میں زیادہ ہوتے ہیں۔ اغذیہ میں موجود معدنی نمکیات (Mineral salts) تو صرف پینڈے ہی میں ہوتے ہیں۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس: ۹۵/۱)۔ واللہ اعلم۔

**دستر خوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کے اٹھنے کا حکم:**

**سوال:** دسترخوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کا اٹھنا مکروہ ہے یا جائز؟ احادیث اور کتب فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

**الجواب:** دسترخوان اٹھانے سے پہلے طاعمین کے اٹھنے کے بارے میں بعض ضعیف روایات میں ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن فقہ احناف میں یہ جزئیہ دستیاب نہیں ہوا، البتہ کتب شافعیہ وغیرہ میں اس کی ممانعت مصرح ہے، بایں وجہ دسترخوان اٹھانے سے پہلے اٹھنا خلاف اولیٰ کے قبیل سے ہوگا، البتہ مہمان یا میزبان کو کسی عذریہ کی ضرورت کی وجہ سے دسترخوان اٹھانے سے پہلے اٹھنا پڑے تو اس کی اجازت ہے۔

روایت ملاحظہ ہوا، ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى أن يقام عن الطعام حتى يرفع . (رواه ابن ماجه برقم: ۳۲۹۴)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دسترخوان پر سے اٹھنے سے منع فرمایا ہے تاوقتیکہ دسترخوان نہ اٹھالیا جائے۔

قال البوصيري في مصباح الزجاجة : هذا إسناد ضعيف لضعف منير بن الزبير و

تدلیس الولید بن مسلم ومکحول لکن رأیت فی مسند الشامیین للطبرانی تصریح الولید بن مسلم ومکحول بالتحديث فزال تهمة تدلیسهما فلم یبق فی ضعف رجال الإسناد إلا منیر بن الزبیر . والله أعلم . (مصباح الزجاجة: ۷۸/۲) .

قال الإمام الطبرانی فی مسند الشامیین (رقم: ۳۵۰۴): حدثنا الحسین بن إسحاق ثنا علي بن بحر ثنا الولید بن مسلم ثنا أبوذر منیر بن الزبیر المشجعی الأردنی أنه سمع مکحولاً عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " لا یقام عن الطعام حتی یرفع .

قال فی التقریب : منیر الشامی ، أبوذر الأردنی ، ضعیف . (ترجمة: ۶۹۲۰) .  
وکذا رواه البیهقی فی شعب الإیمان (رقم: ۵۶۵۰) .

دوسری روایت ملاحظہ ہو:

عن عروة بن الزبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " إذا وضعت المائدة فلا یقوم رجل حتی ترفع المائدة ، ولا یرفع یدہ وإن شبع حتی یفرغ القوم ، ولیعذر ، فإن الرجل یخجل جلسہ فیقبض یدہ ، وعسی أن یكون له فی الطعام حاجة . (سنن ابن ماجہ برقم: ۳۲۹۵) .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب دسترخوان لگا دیا جائے تو کوئی آدمی نہ اٹھے یہاں تک کہ دسترخوان نہ اٹھالیا جائے ، اور کھانے سے اپنے ہاتھ کو نہ روکے اگرچہ پیٹ بھر جائے ، یہاں تک کہ لوگ فارغ ہو جائیں ، کیونکہ اس کے اٹھنے سے ساتھی شرمندہ ہوگا ، وہ بھی اپنے ہاتھ کو کھانے سے روک لے گا ، حالانکہ اسے مزید کھانے کی خواہش ہوگی۔

قال البوصیری: هذا إسناد ضعیف فیہ عبد الأعلى بن أعین أخو حمران وقد ضعفه العقيلي وابن حبان والدارقطني . (مصباح الزجاجة: ۷۸/۲) .

قال فی التقریب (ترجمة: ۳۷۲۹): عبد الأعلى بن أعین الکوفی ، مولیٰ بنی شیبان ضعیف .

قوله : و ليعذر : فى النهاية : الإعذار المبالغة فى الأمر ، أى ليبالغ فى الأكل .

و كذا رواه البيهقى فى الشعب ؛ (رقم: ۵۴۷۷) .

فقہ مالکی میں ہے:

قال ابن عبد البر فى ” الكافى فى فقه أهل المدينة المالكى “ (۱۱۳۹/۲): ولا يقام عن

الطعام حتى يرفع .

و كذا فى الفقه الحنبلى . انظر : (الاقناع فى فقه الامام احمد بن حنبل: ۲۳۷/۳، ط: بيروت، بالشرح

الكبير: ۱۱/۲۶، دار الكتاب العربى)۔

فقہ شافعی میں ہے:

قال فى حاشية الجمل : ولا يقوم حتى يرفع المائدة إلا أن يكون الأكل بالنوبة .

(حاشية الحمل: ۵۳۷/۸، دار الفکر)۔

قال فى شرح البهجة الوردية : ولا يقوم حتى ترفع المائدة إلا أن يكون الأكل

بالنوبة . (۲۲۵/۱۵) . (و كذا فى احياء علوم الدين : ۶/۲) . واللہ تعالیٰ اعلم۔

**بیٹھا کھانے میں تقدیم و تاخیر کا حکم:**

**سوال:** صحابہ کرام یا عہد نبوی میں کھانے میں بیٹھا پہلے کھایا جاتا تھا یا بعد میں؟ جواز تو دونوں طرح

ہے مگر زیادہ بہتر کیا ہے؟ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر دو کھانے جمع نہیں ہوتے تھے، نیز اکثر اوقات آپ کے ہاں فاتے ہوتے تھے لیکن بعض اوقات کسی صحابی کے گھر پر مہمانی کے وقت یا ازواج مطہرات کے ولیمہ کے وقت مختلف قسم کا کھانا احادیث سے ثابت ہے اس میں کیا ترتیب ہوتی تھی، برائے مہربانی مطلع فرمائیں۔ بیوا تو جروا۔

**الجواب:** بعض ازواج مطہرات کے ولیمہ کی کیفیت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

مدعو صحابہ کرام ﷺ نے بیٹھا بعد میں تناول فرمایا۔ نیز بعض علماء نے بھی بیٹھا بعد میں کھانے کو ترجیح دی ہے مزید

براں طبی فوائد کے اعتبار سے بھی میٹھا بعد میں کھانا صحت کے لیے زیادہ موزوں ہے، بنا پر یہ میٹھا بعد میں کھانا بہتر ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میٹھا پہلے کھانا مکروہ ہے بلکہ بالکل جائز اور درست ہے ہاں میٹھا ختام المسک ہو تو بہتر ہے۔

حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد العزيز بن صهيب قال: سمعت أنس بن مالك رضی اللہ عنہ يقول: ما أولم رسول الله صلى الله عليه وسلم على امرأة من نسائه أكثر أو أفضل مما أولم على زينب فقال: ثابت البناني: بما أولم قال: أطعمهم خبزاً ولحماً حتى تركوه. (رواه مسلم: ۴۶۱/۱، ط: فيصل).

وعن أنس رضی اللہ عنہ قال: ما أولم النبي صلى الله عليه وسلم على شيء من نسائه ما أولم على زينب أولم بشاة. (رواه البخاري، رقم: ۵۱۶۸).

بواب الإمام البخاري في صحيحه، فقال: باب الهدية للعروس، وقال إبراهيم عن أبي عثمان واسمه الجعد عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: مر بنا في مسجد بني رفاعه فسمعتة يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا مر بجنات أم سليم دخل عليها فسلم عليها ثم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم عروساً بزینب فقالت لي أم سليم: لو أهدينا لرسول الله صلى الله عليه وسلم هدية فقلت لها: افعلي فعمدت إلى تمر وسمن وأقط فاتخذت حيسة في برمة فأرسلت بها معي إليه فأنطلقت بها إليه فقال لي ضعها ثم أمرني، فقال: ادع لي رجلاً سماهم ادع لي من لقيت قال: ففعلت... الخ. (رواه البخاري تعليقاً: ۷۷۵/۲، ط: فيصل).

مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے ولیمہ کے بارے میں اختلاف ہے بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری ذبح فرمائی اور گوشت، روٹی کھائی اور بعض میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی یا حقیقی خالہ تھیں انہوں نے حیس (مختلف چیزوں سے بنا ہوا حلہ) بچھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھلایا۔

لیکن شراح حدیث فرماتے ہیں کہ دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے ممکن ہے کہ پہلے گوشت اور روٹی کھائی

پھر جب حلوہ آیا تو حلوہ کھلایا نیز بلانے کے وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ نہیں بتایا گیا تھا باہر سے صرف ان لوگوں کو بلاؤ جو کھانے میں شریک نہیں تھے تو وہ لوگ بھی آئے جنہوں نے کھانا کھایا تھا۔

دوسری تطبیق یہ دی ہے کہ ممکن ہے کہ حلوہ بھی اسی وقت حاضر ہوا جب لوگ گوشت روٹی کھانے میں مشغول تھے لہذا ساتھ ساتھ کھایا گیا۔  
ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

والأولى أن يقال لا وهم في ذلك فلعل الذين دعوا إلى الخبز واللحم فأكلوا حتى شعوا وذهبوا ولم يرجعوا ولما بقي النفر الذين كانوا يتحدثون جاء أنس رضی اللہ عنہ بالحیسة فأمر بأن يدعوا ناساً آخرين ومن لقي فدخلوا فأكلوا أيضاً حتى شعوا ، واستمر أولئك النفر يتحدثون وهو جمع لأبأس به ، وأولى منه أن يقال أن حضور الحیسة صادف حضور الخبز واللحم فأكلوا كلهم من كل ذلك . (فتح الباری : ۲۲۷/۹)۔

حافظ ابن حجرؒ نے دوسری تاویل کو اولیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن امام قرطبی اور امام غزالیؒ نے پہلی تاویل کو اولیٰ قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

ترتيب الأطعمة بتقديم الفاكهة أولاً إن كانت فذلك أوفق في الطب فإنها أسرع استحالة فينبغي أن تقع في أسفل المعدة وفي القرآن تنبيه على تقديم الفاكهة في قوله تعالى: ﴿وفاكهة مما يتخيرون﴾ ثم قال: ﴿ولحم طير مما يشتهون﴾ ثم أفضل ما يقدم بعد الفاكهة اللحم والشريد فقد قال صلى الله عليه وسلم: فضل عائشة على النساء كفضل الشريد على سائر الطعام ، فإن جمع إليه حلاوة بعده (أي بعد الخبز واللحم) فقد جمع الطيبات . (احیاء علوم الدین: ۲/۲۳۸، کتاب آداب الاكل)۔

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

فالذي تخلص هنا من معاني الطيبات تقديم الفاكهة أولاً ثم اللحم وخيره السمين وخير اللحم السمين ما كان نضيجاً قد أجيد طبخه بتوابل ثم الماء البارد وحده أو مخلوطاً

بعمسل أو سكر أو نقع فيه الزبيب ثم الحلاوة ثم غسل اليد بالماء، فكل ذلك داخل في حد الطيبات. (اتحاف السادة: ۲۵۵/۵).

امام غزالیؒ کی عبارت سے کھانے کی ترتیب اس طرح مستفاد ہوتی ہے کہ اگر کھانے میں پھل میوے وغیرہ ہوں تو ان کو مقدم کیا جائے، پھر گوشت روٹی وغیرہ بعد میں اور پیٹھا کھانا بالکل آخر میں کھایا جائے، اس ترتیب پر گویا تمام طیبات کو جمع کر دیا۔

قال الإمام القرطبي: قلت: أولى من التوهم أن يقال القصة واحدة، ليس فيها وهم، فإنه يمكن أن يقال: اجتمع في تلك الوليمة الأمران، فأكل قوم الخبز واللحم حتى شبعوا وانصرفوا، ثم أنه لما جاء الحيس استدعى الناس وجري ما ذكر، وهذا كله والمتحدثون في بيته جلوس لم يبرحوا إلى أن خرج النبي صلى الله عليه وسلم ودار على بيوت أزواجه على ما تقدم، وليس في تقدير هذا بعد، ولا تناقض، وإذا أمكن هذا حملناه عليه، وكان أولى من تطريق الوهم للثقات والأثبات، من غير ضرورة تدعو إليه، ولا أمر بين يدل عليه، والله أعلم. (المفهم لما اشكل من تلخيص كتاب مسم: ۱۷، ۱۳).

امام قرطبی کی تطبیق سے واضح ہوتا ہے کہ ولیمہ میں دو باتیں جمع ہوئیں (۱) گوشت روٹی کھائی گئی اور اکثر لوگ منتشر ہوئے۔ (۲) پھر جب حلوہ آیا تو مجمع دوبارہ بلایا گیا اور حلوہ بعد میں کھایا گیا۔

دیگر بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پھل بعد میں تناول فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبيد الله بن عكراش عن أبيه عكراش بن ذؤيب قال: بعثني بنو مرة بن عبيد بصداقات أموالهم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقدمت عليه المدينة فوجدته جالساً بين المهاجرين والأنصار قال: ثم أخذ بيدي فأنطلق بي إلى بيت أم سلمة فقال: هل من طعام؟ فأثبناه بجفنة كثيرة الشريد والوذو وأقبلنا نأكل منها فخطب بيدي من نواحيها وأكل رسول الله صلى الله عليه وسلم من بين يديه فقبض بيده اليسرى على يدي اليمنى ثم قال:

یا عکراش کل من موضع واحد فإنه طعام واحد ثم أتينا بطبق فيه ألوان الرطب أو من ألوان الرطب عبید اللہ شک ، قال : فجعلت آکل من بین یدى وجالت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الطباق وقال : یا عکراش کل من حیث شئت فإنه غیر لون واحد... الخ. (رواہ الترمذی ، رقم: ۱۸۴۸ ، وقال: هذا حدیث غریب لانعرفه الا من حدیث العلاء بن الفضل وقد تفرد العلاء بهذا الحدیث ولانعرف لعکراش عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا هذا الحدیث ، وابن ماجہ رقم: ۳۲۷۴).

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید بھوک کی حالت میں پہلے پھل کھائے بعد میں گوشت وغیرہ کھایا۔ صحیح ابن حبان ، شعب الایمان وغیرہ میں طویل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ حضرت ابویوب انصاری ؓ (بیہقی وغیرہ میں ابوالہیثم بن التییمان کا ذکر ہے) کے گھر تشریف لے گئے تو پہلے کھجور پیش کیے پھر بکری ذبح کی گئی اور بعد میں گوشت روٹی تناول فرمائی۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان میں ہے:

عن عکرمۃ عن ابن عباس ؓ قال : خرج أبو بکر ؓ بالهاجرة إلى المسجد فسمع بذلك عمر ؓ فقال : یا أبا بکر ؓ ما أخرجک هذه الساعة ؟ قال : ما أخرجني إلا ما أجد من حاق الجوع قال : وأنا واللہ ما أخرجني غیره فبینما هما کذلک إذ خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم... فانطلقا حتی أتوا باب أبي أيوب الأنصاري... إلى قوله قال : فانطلق فقطع عذقا من النخل فيه من كل التمر والرطب والبسر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ما أردت إلى هذا إلا جنيت لنا من تمره ؟ فقال : یا نبي اللہ أحببت أن تأکل من تمره ورطبه وبسره ولأذبحن لك مع هذا... فأخذ عناقاً أو جدياً فذبحه وقال لا مرأته: اخيزي واعجني لنا وأنت أعلم بالخبز فأخذ الجدي فطبخه وشوى نصفه ، فلما أدرك الطعام وضع بين یدى النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابه فأخذ من الجدي فجعله في رغيف... الخ. (رواہ ابن حبان فی صحيحہ رقم: ۵۲۱۶) ، (وكذا رواه البيهقي في الشعب رقم: ۴۲۸۴).

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مہمانی پھل وغیرہ میٹھی چیز سے ہوئی بعد میں گوشت روٹی کھائی گئی۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے نبیز جو بیٹھا ہوتا ہے کھانے کے بعد بیٹھا ثابت ہے۔



ملاحظہ ہوا بود و شریف میں ہے:

عن عائشةؓ أنها كانت تنبذ للنبي صلى الله عليه وسلم غدوة فإذا كان من العشى فتعشى شرب على عشاءه وإن فضل شيء صبته أو فرغته ثم تنبذ له بالليل فإذا أصبح تغدى فشرب على غداءه قالت: نغسل السقاء غدوة وعشية فقال لها: أبي مرتين في يوم قالت: نعم. (رواه ابو داود رقم: ۳۷۱۴، اسنادہ حسن).

و کذا رواه أحمد في مسنده، رقم: ۲۴۹۳۰، وقال شعيب: حديث صحيح وهذا إسناد ضعيف لجهالة حال عمرة عمة مقاتل بن حيان فقد انفرد بالرواية عنها مقاتل. خلاصہ یہ ہے کہ پھل، میوہ وغیرہ ابتدا میں کھانا اچھا ہے، اور مٹھا کھانا بعد میں کھانا بہتر ہے۔ تاہم دونوں طرح بالکل جائز اور درست ہے۔ واللہ اعلم۔

## چچے اور پانچ انگلیوں سے کھانے کا حکم:

**سوال:** عام طور پر چاول اور سالن ملا کر پانچ انگلیوں سے کھاتے ہیں، جب کہ اس صورت میں کھانا تین انگلیوں سے نہیں کھایا جاتا تو کیا چچے سے کھانا بہتر ہے یا نہیں؟ کیا چچے سے کھانا اور پانچ انگلیوں سے کھانا برابر ہے؟

**الجواب:** کھانا کھانے کے تین درجے ہیں: (۱) تین انگلیوں سے کھانا اور یہ مسنون ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا دائمی عمل ہے۔ (۲) پانچ انگلیوں سے کھانا بلا ضرورت خلافِ اولیٰ ہے ہاں بوقتِ ضرورت مثلاً کھانا رقیق ہے تو پھر درست ہے۔ (۳) چچے سے کھانا یہ بھی جائز اور مباح ہے۔ بلکہ بعض مرتبہ پانچ انگلیوں کے ڈبونے سے چچے سے کھانا بہتر ہے۔ مسلم شریف میں ہے:

عن كعب بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأكل بثلاث أصابع فإذا فرغ

لَعَقَهَا. (رواه مسلم برقم: ۲۰۳۲)۔ (وکذا رواه ابوداؤد، رقم: ۳۸۵۰، والدارمی، رقم: ۲۰۷۶، واحمد فی مسنده، رقم: ۲۷۱۶۹، والبخاری، رقم: ۳۸۲۰، وابن ابی شیبہ فی مصنعه، رقم: ۲۴۹۵۵، والطبرانی فی الکبیر، رقم: ۱۵۵۴۴)۔

قال ابن حجرؒ فی الفتح : فيحتمل أن يكون أطلق على الأصابع اليد، ويحتمل وهو الأولى أن يكون المراد باليد الكف كلها فيشمل الحكم من أكل بكفه كلها أو بأصابعه فقط أو ببعضها، وقال ابن العربي في شرح الترمذی: يدل على الأكل بالكف كلها أنه صلى الله عليه وسلم كان يتعرق العظم وينهش اللحم، ولا يمكن ذلك عادة إلا بالكف كلها، وقال شيخنا فيه نظر، لأنه يمكن بالثلاث، سلمنا لكن هو ممسك بكفه كلها لا آكل بها، سلمنا لكن محل الضرورة لا يدل على عموم الأحوال، ويؤخذ من حديث كعب بن مالك رضي الله عنه أن السنة: الأكل بثلاث أصابع وإن كان الأكل بأكثر منها جائزاً،... فإن اضطر إلى ذلك لخفة الطعام وعدم تلفيفه بالثلاث فيدعمه بالربعة أو الخامسة، وقد أخرج سعيد بن منصور من مرسل ابن شهاب أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أكل أكل بخمس، فيجمع بينه وبين حديث كعب باختلاف الحال. (فتح الباری: ۵۷۸/۹، باب لعق الاصابع).  
عمدة القاری میں ہے:

وقال ابن العربي: فإن شاء أحد أن يأكل بالخمس فليأكل فقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يتعرق العظم وينهش اللحم ولا يمكن ذلك في العادة إلا بالخمس كلها... والأمر فيه أن السنة أن يأكل بالأصابع الثلاث وإن أكل بالخمس فلا يمنع، ولكنه يكون تاركاً للسنة إلا عند الضرورة فافهم. (عمدة القاری: ۴/۱۴، ۵۵۴، مدار الحديث، ملتان). (وکذا قال المناوی فی فیض القدیر برقم: ۶۹۴۲). مزید ملاحظہ ہو: (شکل کبری: ۳۵/۱)۔

پانچ انگلیوں سے کھانے کے بارے میں امام زہری کی مرسل روایت ہے۔ ملاحظہ ہو:

قال ابن أبي شيبه: حدثنا معن بن عيسى، عن محمد بن عبد الله بن أخي الزهري، قال: أخبرني أختي؛ أنها رأت الزهري يأكل بخمس، فسألته عن ذلك؟ فقال: كان النبي

صلی اللہ علیہ وسلم یا کل بخمس . (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۴۹۵۳)۔

لیکن مراسل زہری محدثین کے نزدیک ”بیس بشیء“ کے درجہ میں ہیں لہذا زیادہ مقبول نہیں ہیں۔  
المدخل میں ہے:

وینبغي أن يأكل بثلاثة أصابع من يده اليمين وهي المسبحة والإبهام والوسطى إلا أن يكون ثريداً وما أشبهه فيأكل بالخمسة منها كذلك نقل عن السلف الماضين رضي الله عنهم أجمعين . (المدخل لابن الحاج المالكي: ۱/ ۲۳۰، دار الفکر).  
سلسلة الآداب الاسلامیہ میں ہے:

لو كان الإنسان يستطيع أن يأكل بثلاث أصابع والطعام يؤكل بثلاث أصابع ، لأن من الطعام ما يؤكل بثلاث أصابع ومنه ما لا يؤكل بثلاث أصابع ، فمثلاً ما كان متماسكاً كالثرید ، وكالتمر المخلوط بالسمن والزبد (حیس) هذا يمكن أن يأكل بثلاث أصابع ، لا داعي أن يأكل بالخمسة أبداً فلو قيل لك: تأكله بثلاث أصابع أو تأكل بالملقعة أيهما هو السنة ؟ بثلاث أصابع أفضل ، لكن بين الخمس وبين الملقعة قد تكون الملقعة أقرب إلى السنة من الخمس ، ثم أن الذين يستخدمون الخمس ليسوا سواء ، فبعضهم يستخدمها استخداماً جيداً ، وبعضهم يستخدمها استخداماً في غاية الرداءة ... (سلسلة الآداب الاسلامیة: ۷۳/۹، لمحمد صالح المنجد).

غذاء الالباب میں ہے:

فائدة: لا بأس بالآكل بالملقعة كما في الإقناع وغيره ، وذكر الجلال السيوطي في الأوائل أن أول من اتخذ الملقعة سيدنا إبراهيم الخليل عليه وعلى نبينا أفضل الصلاة وأتم التسليم . (غذاء الالباب: ۷۴/۲، للشيخ السفاريني الحنبلي، ط: بيروت).

الإقناع میں ہے: ولا بأس بالآكل بالملقعة . (الإقناع: ۲۳۳/۳، ط: بيروت).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

السنة : الأكل بثلاثة أصابع ، قال عياض : والأكل بأكثر منها من الشره وسوء الأدب ولأنه غير مضطر لذلك لجمعه للقمعة وإمساکها من جهاتها الثلاث : وإن اضطر إلى الأكل بأكثر من ثلاثة أصابع ، لخفة الطعام وعدم تلفيقه بالثلاث يدعمه بالربعة أو الخامسة هذا إن أكل بيده ، ولا بأس باستعمال الملعقة ونحوها . (الموسوعة : ۶/۱۲۱ ، وزارة الاوقاف).

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

... پانچوں انگلیوں سے کھانا جائز ہے... (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۸۳/۸، طبع جدید)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ہاتھ سے کھانا سنت ہے، چمچے کے ساتھ کھانا جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳۸۶/۸، طبع جدید)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

چمچوں اور کانٹوں سے کھانا اور بلا ضرورت ان کا بالخصوص کانٹوں کا استعمال کرنا مسنون طریقہ کے خلاف ہے اور ایک گونہ مکروہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں سے تناول فرمایا کرتے تھے... کما ورد فی الترمذی وابن ماجہ وغیرہما عن أبی ہریرۃ یدل علی هذا... ہاں کسی ضرورت کی وجہ سے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ (جدید فقہی مسائل: ۳۳۰/۱)۔ واللہ اعلم۔

## کھانا کھانے کے اوقات:

**سوال:** دن میں کتنی مرتبہ اور کس وقت کھانا کھانا چاہئے؟ ایک شخص بقدر استطاعت سنت نبوی کی

اتباع کی کوشش کرتا ہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دن رات میں کتنی مرتبہ کھانا کھانا ثابت یا مستحب ہے؟

**الجواب:** کھانا کھانے کے اوقات کے بارے میں احادیث میں دو لفظ ملتے ہیں: (۱) غدا، یعنی صبح کا

کھانا (۲) عشاء، یعنی شام کا کھانا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن رات میں صرف دو مرتبہ صبح اور شام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا ثابت ہے وہ بھی میسر ہو ورنہ اکثر تو کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

ملاحظہ ہو صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يجمع له غداء ولا عشاء من خبز ولحم إلا على ضفف. قال شعيب الأرناؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين. (رقم ۶۳۵۹).

مسند ابی عوانہ میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ قال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بيدي ذات يوم فذهب بي إلى منزله فلما انتهينا قال: "اثنونا غداء أو عشاء" قال: فأخرج إليه فلق من خبز فقال: هل من أدم قالوا: لا إلا بشيء من خل، قال: ادنه فإن الخل نعم الأدم هو قال جابر: فما زلت أحب الخل منذ سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۸۳۶۴).

ورواه أحمد (رقم: ۱۵۲۹۳) قال شعيب الأرناؤوط: حديث صحيح وهذا إسناده قوي على شرط مسلم رجاله ثقات رجال الشيخين غير طلحة بن نافع فمن رجال مسلم وهو صدوق لا بأس به.

ابن ماجہ میں ہے:

عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: ما كنا نقيّل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة. (رواه البخاري، رقم: ۸۳۹۰، ومسلم، رقم: ۸۵۹۰).

ترمذی میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يبيت الليالي المتتابعة طويلاً وأهله لا يجدون عشاء وكان أكثر خبزهم خبز الشعير. (رواه الترمذی، رقم: ۲۳۶۰، وقال: هذا حديث حسن صحيح).

مسند ابی یعلیٰ میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما شبع آل محمد غداء ولا عشاء من خبز

الشعیر ثلاثة أيام متتابعات حتى لحق بالله . قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح . (مسند ابی یعلیٰ، رقم: ۴۵۴۰)۔

وفي رواية عنها أنها قالت: ما شبع آل محمد يومين من غداء أو عشاء حتى مضى لسبيله . (تهذيب الآثار، رقم: ۴۵۴)۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ربما دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بغداء ه فلا يجده ، فيفرض عليه صوم ذلك اليوم . (مصنف ابن ابی شيبه: ۶/۱۶۴/۹۱۹۸، المحبس العلمی)۔

عن منصور بن زاذان ، عن الحسن قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يواسي الناس بنفسه ، حتى جعل يرقع إزاره بالأدم ، وما جمع بين عشاء وغداء ثلاثة أيام ولا حتى قبضه الله . (مصنف ابن ابی شيبه: ۱۹/۱۲۹/۳۵۵۶۸)۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أنها كانت تنبذ لرسول الله صلى الله عليه وسلم غدوة فإذا كان من العشي فتعشى شرب على عشاء ه فإن فضل شيء صبته أو فرغته ثم تنبذ له بالليل فإذا أصبح تغدى فشرب على غداء ه قالت: تغسل السقاء غدوة عشية فقال لها أبي مرتين في يوم قالت: نعم . (السنن الكبرى لبیهقي: ۸/۳۰۰، دارالمعرفة)۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كنا ننبد لرسول الله صلى الله عليه وسلم في سقاء يوكى أعلاه وله عزلاء ننبذه غدوة فيشربه عشاء وننبذه عشاء فيشربه غدوة . (رواه مسلم: ۲/۱۶۸، باب إباحة النبيذ)۔

یعنی جو نیند صبح بنایا جاتا تھا اس کو شام کے کھانے کے بعد نوش فرماتے تھے اور جو شام کو بنایا جاتا اس کو صبح کے کھانے کے بعد استعمال فرماتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام روایات میں خدا، اور عشا کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اور لغات الحدیث میں مرقوم ہے:

”غداء“ صبح کا کھانا، اور ”عشاء“ شام کا کھانا۔ (لغات الحدیث: ۳/۱۲۵۱۱۳، آرام پارغ کراچی)۔

تفسیر جلالین میں ہے:

قوله تعالى: ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ أى على قدرهما فى الدنيا. (تفسير

جلالین، سورة مريم، الآية: ۶۲).

معارف القرآن میں ہے:

صبح شام کی تخصیص کی وجہ انسانی عادت و فطرت کی بنا پر ہے کہ وہ صبح شام کھانے پینے کا عادی ہوتا ہے۔  
حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرما کر کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کا کھانا دن میں دو مرتبہ ہوتا ہے  
صبح اور شام۔ (معارف القرآن: ۳۶/۶)۔  
لیکن کبھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر کئی کئی دن فاقہ گزرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

## روٹی کو چھری سے کاٹنے کا حکم:

سوال: کیا روٹی یا بریڈ کو چھری سے کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں جواب مرحمت

فرمائیے۔ بیذا تو جروا۔

الجواب: روٹی کو چھری سے کاٹنا بہتر نہیں کیونکہ عام روٹیوں کو بآسانی ہاتھ سے توڑ سکتے ہیں ہاں بریڈ  
کو چھری سے کاٹنا صحیح ہے کیونکہ ہاتھ سے توڑنے سے بدنمائی کے علاوہ ضیاع کا خطرہ ہے، جب کہ عام روٹیوں  
میں یہ خطرہ نہیں، ہاں اگر بہت بڑی روٹی ہو تو اس کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ ہر ایک کو بقدر کفایت مل  
جائے، یاد رہے روٹی کو چھری سے کاٹنے کی روایات ضعیف ہیں اور خلافِ اولیٰ پر محمول ہیں۔  
ضعیف روایات ملاحظہ ہوں:

روى الطبراني فى "الكبير" (۶۲۴) بسنده عن أم سلمة أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال: " لا تقطعوا الخبز بالسکین كما تقطعه الأعاجم وإذا أراد أحدکم أن يأکل اللحم فلا  
يقطعه بالسکین ولكن لبأخذہ بیدہ فلیبشہ بفیہ فإنه أهنأ وأمرأ.

(جب کہ بعض صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کو چھری سے کاٹ کر تناول فرمایا، اور بعض

روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے کاٹ کاٹ کر مہمان کے سامنے پیش فرمایا)۔

والبیہقی فی شعب الإيمان (۶۰۰۷)، قال الہیثمی: فیہ عبادین کثیر الثقفی و هو ضعیف . (مجمع الزوائد: ۳۷/۵، دارالفکر).

(۲) عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقطع الخبز بالسكين وقال: أكرموا فإن الله تعالى قد أكرمه . قال الدارقطني تفرد به نوح وهو متروك . (الآلئ المصنوعة: ۱۸۱/۲). وكذلك قال مسلم بن الحجاج و أبو حاتم الرازي: هو متروك . (الموضوعات لابن الجوزي: ۲۹۲/۲).

در مختار میں ہے:

وجاء لا تقطعوا الخبز بالسكين وأكرموا فإن الله أكرمه ، وقال في الشامية: قوله وجاء الخ، قال شيخ مشايخنا الشيخ إسماعيل الجراحي في الأحاديث المشتهرة "لا تقطعوا الخبز..." قال صفاني موضوع ، وفي المجتبى: لا يكره قطع الخبز واللحم بالسكين ، والله أعلم . (الدر المختار مع رد المحتار: ۶، ۳۸۴، سعيد).

وفی الفتاویٰ الہندیہ: قال علاء الترجمانی یکرہ قطع الخبز بالسکین وقال أبو الفضل الكرمانی وأبو حامد لا یکرہ کذا فی القنیة . (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۴۱/۵، فی الکراہیة فی الاکل).

وللاستزادة انظر: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۲۳/۶، ط: وزارة الاوقاف، والمحلی لابن حزم ۴۹۵/۵، والآداب الشرعية لابن مفلح: ۳، ۳۵۷، وسلسلة الآداب الاسلامیة: ۲۲/۹). واللہ اعلم۔

## مرغی چاول کے ساتھ کھانے کا حکم:

سوال: عام لوگ چاول اور مرغی کو پسند کرتے ہیں، ایک صاحب نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاول اور مرغی کا کھانا الگ الگ یا ایک ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟ مینو اتو جروا۔

الجواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرغی کھانا ثابت ہے البتہ چاول کھانے سے متعلق کوئی



روایت ہماری نظر سے نہیں گزری ہاں بعض ضعیف روایات میں چاول کو سید الطعام میں شامل کیا گیا ہے۔  
ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن زهدم قال : كنا عند أبي موسى الأشعري وكان بيننا وبين هذا الحى من جرم اخاء فاتى بطعام فيه لحم دجاج وفي القوم رجل جالس أحمر فلم يدن من طعامه قال : ادن فقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يأكل منه ... (رواه البخارى برقم: ۵۵۱۸).

(وأيضاً رواه مسلم برقم: ۱۶۴۹، وابن حبان فى صحيحه، رقم: ۵۲۵۵، والترمذى، رقم: ۱۸۲۷، وغيرهم من السحدثين).

وعن علي عليه السلام مرفوعاً سيد طعام أهل الدنيا اللحم والأرز . (جمع الوسائل فى شرح الشماثل: ۱/۲۱۰، ط: ادارة تاليفات اشرفيه).

قال السخاوي: عن علي عليه السلام رفعه بلفظ : سيد طعام أهل الدنيا اللحم ثم الأرز أخرجه أبو نعيم فى الطب النبوى، وعن صهيب بلفظ سيد الطعام فى الدنيا والآخرة اللحم ثم الأرز وسيد الشراب فى الدنيا والآخرة: الماء . أخرجه الديلمى من الحاكم ثم من طريق هشيم عن عبد الحميد بن صيفى بن صهيب عن أبيه عن جده به مرفوعاً . (المقاصد الحسنة، ص ۳۹۳).

وللمزيد انظر : (كشف الخفاء: ۱/۱۵۴، ۶۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱

أوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات .

خلاصہ یہ ہے کہ یہ چاول والی حدیث انتہائی ضعیف ہے۔

قال ابن القيم فی ”الطب النبوی“ (۲۱۹) : أرز : فیہ حدیثان باطلان موضوعان علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أحدهما : أنه لو كان رجلاً ، لكان حليماً ، ، الثاني : ”كل شيء أخرجته الأرض ففيه داء وشفاء إلا الأرز فإنه شفاء لا داء فيه“ ، ذكرناهما تنبيهاً وتحذيراً من نسبتهم إلیه صلی اللہ علیہ وسلم . واللہ اعلم۔

## کچا گوشت کھانے کا حکم:

**سوال:** کچا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جانور کو شرعی طور پر ذبح کیا گیا ہے اور کوئی اس کا غیر مطبوع گوشت کھاتا ہے تو کیا حکم ہے؟ بینو اتوجروا۔

**الجواب:** شریعت مطہرہ نے انسان کی صحت و تندرستی کا خیال کرتے ہوئے ضرر رساں اشیاء کے کھانے کی اجازت نہیں دی، چنانچہ کوئی چیز پاک ہو اور حلال بھی ہو لیکن ضرر کا اندیشہ ہو تو اس کا کھانا مکروہ ہے بنا بریں اگر کچا گوشت جسم انسانی کے لیے نقصان دہ ثابت ہو تو اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر نقصان کا اندیشہ نہیں ہے تو پھر کچا گوشت کھانا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہوا الموسوعہ میں ہے:

ما يحرم أكله لأسباب مختلفة : يظهر من الاستقراء وتتبع تعليقات فقهاء المذاهب فيما يحكمون بحرمه أكله أنه يحرم أكل شيء مهما كان نوعه لأحد أسباب خمسة :-

السبب الأول : الضرر اللاحق بالبدن أو العقل : ولهذا أمثلة كثيرة : منها : الأشياء السامة ... ومنها : الأشياء الضارة وإن لم تكن سامة ، وقد ذكر منها في كتب الفقه : الطين ، والتراب ، والحجر ، والفحم ، على سبيل التمثيل ، وإنما تحرم على من تضره . ولا شك

أن هذا النوع يشمل ما كان من الحيوان أو النبات أو الجماد، ويعرف الضار من غير الضار من أقوال الأطباء والمجربين .

ولا فرق في الضرر الحاصل بالسميات أو سواها بين أن يكون مرضاً جسمانياً أيا كان نوعه ، أو آفة تصيب العقل كالجنون والخلل . (الموسوعة الفقهية : ۱۲۵/۵ ط: وزارة الاوقاف) . فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أكل الطين مكروه هكذا ذكر في فتاوى أبى الليث رحمه الله تعالى وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه : إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علة أو آفة لا يساح له تناول وكذلك هذا في كل شيء سوى الطين وإن كان يتناول منه قليلاً أو كان يفعل ذلك أحياناً لا بأس به كذا في المحيط ... وكراهية أكله لا للحرمه بل لتهييج الداء . (الفتاوى الهندية: ۳۴۱/۵) . (وكذا في المحيط البرهاني : ۲۰۶/۵ ، الفصل الثاني عشر في الكراهية في الاكل ط: دار احياء التراث العربى ، ونصاب الاحتساب ، ص ۱۳۸ ، الباب العاشر ، في الاحتساب في الاكل والشرب والتداوى ، ونفع المفتى والسائل ، ص : ۳۷۹ ، ما يتعلق بالاكل والشرب ط: دار ابن حزم) .  
نفع المفتى والسائل میں ہے:

الاستفسار: أى ماء طهور يجوز الوضوء به ، ولا يجوز شربه ؟

الاستبشار : هو ماء مات فيه ضفدع بحري ، وتفرق أجزاؤه فيه ، فإنه لا يجوز شربه لضرره ، وإن جاز الوضوء لطهارته . كذا في الغاز الأشباه والنظائر . (نفع المفتى والسائل ، ص ۳۸۰ ط: دار ابن حزم) .

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

فقہاء نے مٹی کھانے سے منع فرمایا، اس لیے کہ وہ صحت کے لیے مضر ہے اور صحت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اس کی حفاظت ہر انسان کا اسلامی اور انسانی فریضہ ہے، لیکن اس کی اتنی مقدار جو صحت کے لیے مضر نہ ہو، کھالی جائے تو گناہ نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۸۲/۶)۔ واللہ اعلم۔

## انڈا کھانے کا حکم:

**سوال:** اگر کسی حدیث میں انڈے کا کھانا ثابت ہو تو بحوالہ تحریر فرمائیں؟

**الجواب:** صحیح حدیث میں انڈے کا تذکرہ ملتا ہے البتہ انڈا کھانے سے متعلق کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔

ملاحظہ ہو صحیحین کی روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة . ثم راح في الساعة الأولى فكأنما قرب بدنة ، ومن راح في الساعة الثانية ، فكأنما قرب بقرة ، ومن راح في الساعة الثالثة ، فكأنما قرب كبشاً أقرن ، ومن راح في الساعة الرابعة ، فكأنما قرب دجاجة ، ومن راح في الساعة الخامسة ، فكأنما قرب بيضة ، فإذا خرج الإمام ، حضرت الملائكة يستمعون الذكر . (متفق عليه).

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صل الله عليه وسلم : لعن السارق ؛ يسرق البيضة ، فتقطع يده ، يسرق الحبل ، فتقطع يده . (متفق عليه).

انڈا کھانے کی حدیث اگرچہ صراحۃً ہمیں نہیں ملی لیکن مندرجہ ذیل دلائل سے اس کھانا ثابت ہوتا ہے:

(۱) انڈے کے کھانے پر اجماع ہے اور امت کا تعامل ہے، ایسی چیزوں میں کسی حدیث کی چنداں حاجت نہیں ہوتی۔ مثلاً بھینس کا دودھ استعمال کرنے میں، یا تراویح میں ختم قرآن پر امت کا تعامل ہے، اگرچہ صراحۃً کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغی تناول فرمائی اور انڈا مرغی کا جز ہے، اور یہ اعضائے محرمہ اور مکروہہ میں سے بھی نہیں ہے۔

(۳) حدیث بالا میں ماقبل میں سب چیزیں ماکولات کے قبیل سے ہیں، مثلاً اونٹ، گائے، مینڈھا، مرغی وغیرہ تو یقیناً انڈا بھی ماکول ہے۔

(۴) دوسری حدیث سے مترشح ہوتا ہے کہ معمولی کھانے کی چیز چوری کر کے مستحق قطع بن رہا ہے۔

واللہ اعلم۔

کھانے میں انڈے کے چھلکے کا حکم:

سوال: پکاتے وقت انڈے کا چھلکا برتن میں گر گیا اور چھلکے کو فوراً نکال دیا اور انڈے کو کھالیا، کیا ایسے انڈے کا کھانا صحیح ہے؟ یا درہے کہ چھلکا بالکل صاف تھا۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ انڈا کھانا درست ہے، کیونکہ انڈے کا چھلکا پاک ہے، ہاں اگر اس پر کوئی ظاہری نجاست ہو تو تھوڑے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک ہو جائیگا۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

البيضة الرطبة أو السخلة إذا وقعت من الدجاجة أو الشاة في الماء لا تفسده . (فتاویٰ الشامی: ۲۱۲/۱، فصل فی البئر، سعید).  
فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

بيضة سقطت من الدجاجة في مرقه أو ماء لا يفسد ذلك الماء . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۱۲/۱، مفصل فیما یقع فی البئر).  
نفع المفتی والاسائل میں ہے:

الاستفسار: البيضة إذا وقعت من الدجاجة وهي رطبة فوقع في المرقه ، هل تنجس ؟ الاستبشار: لا تنجس ،... الخ . (نفع المفتی والاسائل، ص ۹۴). (و کذا فی الفتاویٰ البزازیہ علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۲۲/۴). واللہ اعلم۔

کیلا کھانے کا طریقہ:

سوال: کیلا کھانے کا کیا طریقہ ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کھاتے وقت تین حصوں میں تقسیم کرے

پھر کھائے، کیا یہ طریقہ وارو ہے؟

**الجواب:** کیلے کو داہنے ہاتھ سے پکڑے اور بائیں ہاتھ سے چھلکا اتارے اور بسم اللہ پڑھ کر داہنے ہاتھ سے کھائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرے اور کھانے میں اسراف نہ کرے اگر دوست موجود ہو تو اس کو بھی کھلائیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمر بن أبي سلمة رضی اللہ عنہ قال: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: "سم الله وكل بيمينك، وكل مما يليك". متفق عليه.

وعن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ أن رجلاً أكل عند رسول الله صلى الله عليه وسلم، بشماله، فقال: كل بيمينك، قال: لا أستطيع! قال: لا استطعت، ما منعه إلا الكبير، قال: فما رفعها إلى فيه. (رواه مسلم، رقم ۲۰۲۱).

قال الإمام النووي رحمہ اللہ في باب التسمية عند الأكل والشرب من الأذكار (ص ۲۷۵ ط: بيروت): فصل: من أهم ما ينبغي أن يعرف صفة التسمية وقدر المجزئ منها، فاعلم أن الأفضل أن يقول: بسم الله الرحمن الرحيم، فإن قال: بسم الله، كفاه وحصلت السنة.

وفي الطحطاوى على الدر المختار: قوله وسنة الأكل البسملة في أوله... وإذا قلت: بسم الله فارفع صوتك حتى تلقن من معك تثارخانية. (۱۷۱/۴ ط: كوثه). (وكذا في فتاوى الشامي: ۳۳۰/۶، سعيد، ومجمع الانهر في شرح ملتقى الابحر: ۱۸۱/۳ ط: بيروت، والاختيار لتعليل المختار: ۱۸۶/۳ ط: بيروت).

قال العلامة العيني رحمہ اللہ في عمدة القارى: وأصرح ما ورد في صفة التسمية ما رواه أبو داود والترمذى من طريق أم كلثوم عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً: إذا أكل أحدكم الطعام فليقل: بسم الله... قال العلماء:... وتحصل التسمية بقوله: بسم الله فإن أتبعها بالرحمن الرحيم

كان حسناً. (عمدة القارى: ۳۸۶/۱۴، كتاب الاطعمة، باب التسمية على الطعام).

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن سعد بن مسعود الثقفی قال: إنما سمی نوح عبداً شكوراً لأنه إذا أكل وشرب حمد الله. رواه الطبرانی وتابعه سعد بن سنان لم أعرفه، وبقيّة رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۲۹/۵، دار الفکر). والله ﷻ اعلم۔

## دستر خوان پر چلنے کا حکم:

**سوال:** دسترخوان پر چلنا یا اوپر سے کودنا جب کہ کھانا موجود ہو یا موجود نہ ہو چہ حکم دارد؟

**الجواب:** کتب فقہ میں صریحاً جزئیہ دستیاب نہیں ہو البتہ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ لقمہ گر جائے تو دسترخوان سے اٹھا کر کھالے اور چلنے سے دسترخوان خراب ہوگا اور لقمہ کھایا نہیں جائیگا، اور بعض احادیث سے خلاف ادب معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ برکت وسط طعام میں نازل ہوتی ہے اور مقام نزول برکت پر چلنا بے ادبی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن جابر ﷺ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وقعت لقمة أحدكم فليأخذها فليمط ما كان بها من أذى وليأكلها ولا يدعها للشيطان... الخ. (رواه مسلم برقم: ۲۰۳۳).

دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس ﷺ أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " البركة تنزل وسط الطعام فكلوا من حافتيه ولا تأكلوا من وسطه. رواه الترمذی وقال: هذا حديث حسن صحيح. (رقم: ۱۸۰۵). والله ﷻ اعلم۔

**جلی ہوئی روٹی اور سڑا ہوا سالن کھانے کا حکم:**

**سوال:** جلی ہوئی روٹی یا جلا ہوا بریڈ کھانے کا کیا حکم ہے؟ نیز سڑے ہوئے سالن کھانے کی اجازت

ہے یا نہیں؟

**الجواب:** روٹی اگر سخت جلی ہوئی ہے تو صحت کے لیے مضر ہونے کی وجہ سے اس کا کھانا مکروہ ہے، لیکن اگر ہلکی سی جلی ہوا اور صفائی کر کے کھالے تو کوئی حرج نہیں۔ نیز سالن سر کر بہت زیادہ خراب ہو چکا اور بدبو آنے لگی تو اس کھانا بھی مکروہ ہے بلکہ تغیر پذیر ہونے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو اس کھانا ناجائز ہوگا، ہاں ہلکا سا خراب ہوا ہو اور بدبو بھی محسوس نہیں ہوتی تو بوقت ضرورت اس کے کھانے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وإن ناول الطعام الفاسد أو الخبز المحترق فذلك جائز عندهم لأنه مأذون بذلك

عادة . (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الہندیہ: ۴/۶۰۴)۔ (وکذا فی الجوہرۃ: ۳/۲۸۹، و الفتاویٰ الہدیۃ: ۵/۳۳۳، ورد المحتار: ۵/سعد)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أكل الطين مكروه هكذا ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه الله تعالى وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه : إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علة أو آفة لا يباح له تناول وكذلك هذا في كل شيء سوى الطين وإن كان يتناول منه قليلاً أو كان يفعل ذلك أحياناً لا بأس به كذا في المحيط ... وكراهية أكله لا للحرمة بل لتهييج الداء . (الفتاوى الہندیۃ: ۵/۳۴۱)۔ (وکذا فی المحيط البرہانی ۵/۲۰۶، الفصل الثانی عشر فی الکراہیۃ فی الاکل ط: دار احیاء التراث العربی، و نصاب الاحتساب، ص ۱۲۸، الباب العاشر، فی الاحتساب فی الاکل والشرب والتداوی، و نفع المفتی والسائل، ص: ۳۷۹، ما يتعلق بالاکل والشرب، ط: دار ابن حزم)۔

مسلم شریف میں روایت ہے:

عن أبي ثعلبة الخشني رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا رميت بسهمك فغاب عنك فأدر كنهه فكله ما لم ينتن . (رواه مسلم رقم: ۱۹۳۱)۔

وفي رواية له عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كله بعد ثلاث إلا أن ينتن فدعه.



(رواہ مسلم، رقم: ۱۹۳۱)۔

واللحم إذا أنتن يحرم أكله والطعام إذا تغير واشتد تنجس . (الفتاویٰ الهندیہ: ۳۳۹/۵)۔

حاشیہ الخطاوی میں ہے:

تنبيه : قال فى النهاية : الاستحالة الى فساد لا توجب نجاسة فإن سائر الأطعمة تفسد بطول المكث ولا تنجس ، لكن يحرم الأكل فى هذا الحالة للإيذاء لا للنجاسة كاللحم إذا أنتن يحرم أكله ولا يصير نجساً . (حاشیة الطحطاوى على مرقی الفلاح، ص ۲۶، ط: بولاق) . (وكذا فى البحر الرائق: ۱/۱۹۱، والموسوعة: ۳۵/۲۰۹)۔

وفى الأشباه والنظائر: المرققة إذا أنتنت لا تنجس والطعام إذا تغير واشتد تغيره

تنجس و حرم . (الأشباه والنظائر: كتاب الطهارة)۔

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار : المرققة إذا تغيرت وأنتنت ، هل يجوز أكلها ؟

الاستبصار : إن تغيرت تغيراً فاحشاً يحرم أكلها ، فى القنية (صح) : أى صلاة

الجلابى : الطعام إذا تغير واشتد تغيره تنجس ، وفى كتاب الأشربة : ان بالتغير لا يحرم ،

قال (مت) : أى مجد الأئمة الترحماني: فيحمل ما ذكره الجلابي على نهاية التغير، وما

ذكره فى الأشربة على نفس التغير . (نفع المفتی والسائل، ص ۳۷۵، ما يتعلق بالاكل والشرب)۔

كتاب الفتاوىٰ میں ہے:

اگر کوئی چیز سڑ جائے اور اس میں بدبو پیدا ہو جائے،... اگر اس سے نقصان پہنچ سکتا ہو تو اس کا کھانا حرام

ہوگا، اس لیے کہ صحت انسانی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اور اس کی حفاظت شرعی فریضہ ہے، اسی لیے فقہاء

نے سڑے ہوئے گوشت کے کھانے کو حرام قرار دیا ہے... موجودہ دور میں آج کل کی میڈیکل معلومات کی روشنی

میں ہی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کون کون سی چیزیں سڑنے کے بعد صحت انسانی کے لیے مضر ہو جاتی ہیں، ایسی تمام

چیزیں حرام سمجھی جائیں گی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۸۱/۶)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ سالن وغیرہ سڑ جانے سے ناپاک نہیں ہوتے ہاں ان کا کھانا حرام ہے لیکن بعض نے ناپاک ہونے کا قول اختیار کیا ہے، قیہ میں تطبیق یوں دی ہے کہ اگر سالن بہت زیادہ خراب ہو کر بدبودار ہو جائے تو ناپاک ہو جائیگا، لیکن اگر بہت زیادہ خراب نہ ہو تو ناپاک نہیں ہوگا اگرچہ اس کا کھانا دونوں صورتوں میں ناجائز ہے۔

ہاں اگر ہلکا سا خراب ہوا ہو تو اس کا کھانا جائز ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

قوله سالم ينتن... قال علماؤنا وهذا على طريق الاستحباب وإلا فالنتن (الخفيف) لا أثر له في الحرمة قال ابن الملك وقد روى أنه عليه السلام أكل متغير الريح، وقال النووي: النهي عن أكل المنتن محمول على التنزيه لا على التحريم وكذا سائر الأطعمة المنتنة إلا أن يخاف فيها ضرر. (المروقة: ۱۱/۸، ط: امداديه ملتان).

(و کذا فی تکملة فتح الملہم: ۳۰۹/۳). واللہ اعلم۔

## کیڑے والے پھل کھانے کا حکم:

**سوال:** اگر پھلوں میں کیڑے پڑ جائیں تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** پھلوں میں کیڑے ہوں اور نظر آتے ہوں تو ان کا کھانا ناجائز ہے، کیڑا نکال کر کھانا چاہئے ہاں اگر ان میں اب تک روح اور حرکت نہیں تو پھلوں کے ساتھ جمعاً کھا سکتے ہیں اور مولانا عبدالحی صاحب نے مطالب المؤمنین سے نقل فرمایا کہ نکالنا اور اجتناب کرنا مشکل ہو تو بھی کھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمي ميتة، خانية وغيرها، قال الطحطاوي: ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق (بيري) بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح. (فتاویٰ الشامی: ۳۰۶/۶، سعید). (و کذا فی مجمع الانهر: ۱۶۱/۴، بیروت).

الفقه على المذاهب الأربعة میں ہے:

الحنفية : قالوا: يباح أكل الدود الذي لا ينفخ فيه الروح سواء كان مستقلاً أو مع غيره وأما الدود الذي تنفخ فيه الروح فإن أكله لا يجوز سواء كان حياً أو ميتاً مستقلاً أو مع غيره ومثله السوس . (الفقه على المذاهب الأربعة: ۶/۲، كتاب الحظرو الإباحة، مكتبة الثقافة).

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: هل يحل أكل الدودة التي تكون في التفاح وغيره معه ؟

الاستبصار: نعم ، لتعسر الاحتراز منه ، وأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم

الذباب ، كذا في مطالب المؤمنين . (نفع المفتی والسائل، ص ۱۴۷).

شامی میں ہے:

وفى التاتارخانية : دود لحم وقع فى مرقه لا يتنجس ولا تؤكل المرقه إن تفسخ الدود فيها ، أى لأنه ميتة وإن كان طاهراً ، قلت : وبه يعلم حكم الدود فى الفواكه والثمار . (رد المحتار: ۳۴۹/۱، سعيد).

مزید براں پھل کے کیڑوں کی حرمت منصوص بھی نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

قلت : ولا يخفى أن دود الطعام والثمار ليس من حشرات الأرض المنصوص حرمتهم فى المذهب وإنما أخذ الطحطاويّ تحریمه من مفهوم عبارة قاضى خان وغيره فليس من المنصوص تحریمه فى المذهب وقد ذهب الشافعية إلى أكل دود الفاكهة معها فكذا دود الطعام إذا تعسر تمیزه - (امداد الاحکام: ۳/۳۰۸)۔

راج قول:

دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ روح چھوٹے جانے کے بعد کیڑے مکوڑے کھانا جائز ہے اور علامہ لکھنویؒ نے بحوالہ مطالب المؤمنین پچنا مشکل ہونے کی وجہ سے تبعاً کھانا جائز قرار دیا ہے، لیکن مطالب المؤمنین ضعیف کتاب ہے، اس کے برعکس علامہ شامیؒ وغیرہ نے عدم جواز نقل کیا ہے، یہی راجح ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وفی التاتارخانیة : دود لحم وقع فی مرقۃ لا ینجس ولا یؤکل المرقۃ إن تفسخ الدود فیہا، أی لأنه میتة وإن کان طاهراً ، قلت : وبہ یعلم حکم الدود فی الفواکھ والثمار . (فتاویٰ الشامی: ۳۴۹/۱، سعید).

وفیہ أيضاً: ولا بأس بدود الزبور قبل أن ینفخ فیہ الروح لأن ما لا روح لہ لا یسمی میتة ، خانیة وغیرہا، قال ط : ویؤخذ منه أن أکل الجبن أو الخل أو الثمار کالنبق بدوده لا یجوز إن نفخ فیہ الروح . (فتاویٰ الشامی: ۳۰۶/۶، سعید). (وکذا فی البحر الرائق: ۲۰۹/۸، بیروت، والفتاویٰ الہندیة: ۳۳۹/۵ و ۲۹۰).

احسن الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے، نفخ الحفشی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔ (۵۳۰/۸)۔  
معلوم ہوا کہ جب تک پھل کے کیڑوں میں روح نہ پڑی ہو علتِ تعسر کی وجہ سے کھانے کی گنجائش ہے۔  
علامہ لکھنویؒ کی عبارت کا یہی محمل ہے۔

مطالب المؤمنین پر تبصرہ ملاحظہ ہو:

علامہ لکھنویؒ الجامع الصغیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

ومن الكتب الغير المعتمدة : ... وكذا مطالب المؤمنین ، نسبة ابن عابدين في ”تنقيح الفتاوى الحامدية“ إلى الشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهوري . (النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير: ۲۹، ادارة القرآن).

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية : وفي كتاب مطالب المؤمنین من كتب أئمتنا الحنفية للشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهوري من فصل في إحراق وقتل الحيوانات ... (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۶۲/۲، دار الاشاعة العربية).

العرف الشدی میں شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں:

... وقال مصنف الفتاوى الهندية : أن صوم الدهر وصوم الوصال واحد هذا غلط ...  
وباب الحظر والإباحة من تلك الفتاوى مملوءة من الروایات الضعيفة فإن مأخذه كتاب

مطالب المؤمنین للمولوی بدر الدین اللاہوری وهو رجل غیر معتمد علیہ . (العرف الثندی ۱۲۰، ۲: بیروت).

وقال في "فيض الباری": ... ومصنف مطالب المؤمنین لیس من الکبار لیشق به . (فیض الباری ۳۱۱/۲: مکتبة العریضیة).

وللمزید راجع : (قواعد الفقه، ص ۵۷۴، دارالکتاب، دیوبند، وقواعد واسس فی السنة والبدعة - ۹۱/۱، والقول المبین فی اخطاء المصلین، ص ۲۴۰، وموسوعة البحوث والمقالات العلمیة، ص ۳۹).  
واللہ اعلم۔

## کیکڑے کے تیل میں تلی ہوئی مچھلی کھانے کا حکم:

**سوال:** ایک مشہور ہوئل [ocean basket] ہے جہاں لوگ مچھلی وغیرہ کھانے جاتے ہیں، وہاں پر اخطبوط، کیکڑا وغیرہ بھی کھائے جاتے ہیں، بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کیکڑے کے بچے ہوئے تیل میں مچھلی تلی اور وہ حنفی المذہب کے سامنے پیش کی تو وہ شخص اس مچھلی کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ حنفی مذہب میں کیکڑا کھانا ناجائز ہے۔ بینواتو جروا۔

**الجواب:** حنفی المذہب شخص کے لیے کیکڑے کے بچے ہوئے تیل میں تلی ہوئی مچھلیاں کھانا جائز اور درست ہے، کیونکہ مذہب احناف کے مطابق تمام سمندری جانور جن میں دم مسفوح نہیں ہے پاک ہیں، پانی یا مائع چیز میں گر کر مرنے سے وہ چیز ناپاک نہیں ہوتی، لہذا تیل بھی ناپاک نہیں ہوگا طاہر ہی رہے گا، ہنا بریں اس میں تلی ہوئی مچھلیوں کا کھانا جائز اور درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا سلمان کل طعام وشراب وقعت فیہ دابة لیس لها دم فماتت فهو الحلال أكله وشربه وضوؤه، ... قال أبو أحمد : الأحادیث التي يرويها سعيد الزبيدي عامتها ليست بمحفوظة . (رواه البيهقي في

الکبری: ۲۵۳/۱، و وضعفه).

ورواه الدارقطنی (۳۷/۱) وضعفه. قال الشيخ ابن الهمام: والحديث مع هذا لا ينزل عن الحسن. (فتح القدیر: ۸۳/۱، دار الفکر).

وللمزيد من البحث راجع: (البدور المنير: ۳۵۵/۱، الحديث الرابع، والتلخيص الحبير: ۱۲۳/۱، ونصب الرایة: ۱۱۵/۱).

بدائع الصنائع میں ہے:

والسرطان ونحو ذلك فإن مات في الماء لا ينجسه في ظاهر الرواية وذكر الكرخي عن أصحابنا أن كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء وهكذا روى هشام عنهم وهذا أشبه بالفقه. (بدائع الصنائع: ۷۹/۱، سعيد).

المحررات میں ہے:

وموت ما لا دم له فيه كالبق والذباب والزبور والعقرب والسمك والضفدع والسرطان أي موت حيوان ليس له دم سائل في الماء القليل لا ينجسه... وموت ما يعيش في الماء لا يفسده كالسمك والضفدع والسرطان. (البحر الرائق: ۸۸/۱، ط: الماجدية).

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وفي غير الماء قليل: غير السمك يفسده... و قيل: لا يفسده لعدم الدم وهو الأصح. (الهداية: ۳۷/۱).

وفي مجمع الأنهر: واختلف في إفساد غير الماء كالمائعات والصحيح أنه لا يفسد وكذا الإلقاء في الماء بعد الموت. (مجمع الأنهر: ۵۰/۱، ط: بيروت).

وللاستزادة انظر: (المبسوط للإمام السرخسی: ۵۷/۱، و الفتاویٰ الہندیة: ۲۳/۱، ورد المحتار: ۱۸۵/۱، سعید، والجوہرۃ النیرۃ: ۱۶/۱، والعنایۃ علی الہدایۃ: ۸۳/۱، دار الفکر، وتبيين الحقائق: ۲۳/۱، والموسوعة: ۲۵/۳۶، والجامع الصغير، ص ۷۷، ط: عالم الكتب). واللہ اعلم۔

## پڑوسی کے درخت کے پھل کھانے کا حکم:

**سوال:** اگر کسی کے گھر میں پھل والا درخت ہو اور اس کی کچھ شاخیں دوسرے شخص کے گھر میں لٹک رہی ہوں تو دوسرے شخص کو ان شاخوں کے پھل کو توڑنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ پھل توڑنے اور کھانے کا مد اعراف پر ہے اگر عرفاً اجازت ہو تو توڑنا اور کھانا جائز اور درست ہے ورنہ صراحۃً اجازت لینا ضروری ہوگا۔ بلا اجازت کے پھل توڑنا اور کھانا جائز ہوگا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وعن محمد بن مسلمة شجرة مثمرة في أرض رجل وأغصانها خارجة إلى الطريق فتناثر من ثمرها في الطريق قال: قد وسع في هذا من العلماء السلف من لا يشك في زهدهم وعلمهم فلا نخالفهم. (فتاویٰ قاضیخان عی ہامش الفتاویٰ الہندیۃ: ۳/۴۰۳).

وفی الفتاویٰ البزازیۃ: النمار لو علی الأشجار لا يأخذه بحال إلا بإذن إلا إذا كثرت وعلم أنه لا يطبق (لا يشق) عليه له الأكل لا الحمل وكذا إن ساقطة من الشجر في المصمر إلا أن يعلم رضا مالکها نصاً أو دلالة. (فتاویٰ البزازیۃ علی ہامش الفتاویٰ الہندیۃ: ۶/۳۶۶).

وفی الہندیۃ: وأما إذا كانت علی الأشجار فالأفضل أن لا يأخذه من موضع ما إلا بإذن إلا أن يكون موضعاً كثير الثمار يعلم أنه لا يشق عليهم أكل ذلك فيسعه الأكل ولا يسعه الحمل. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۳۴۰). (وكذا في الخلاصة: ۳/۳۲۳، والبحر الرائق: ۸/۱۸۳، والمحیط البرہانی: ۵/۲۰۵، ودار احیاء التراث العربی).

لیکن فی زمانہ چونکہ عام طور پر کھانے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ پھلوں کو فروخت کیا جاتا ہے، اس وجہ سے صریح اجازت کے بغیر نہیں کھانا چاہئے۔ ملاحظہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

وقال جمهور العلماء وفقهاء الأمصار، ومنهم الأئمة أبو حنيفة ومالك والشافعي وأصحابهم: لا يجوز لأحد أن يأكل من بستان أحد ولا يشرب من لبن غنمه إلا بإذن صاحبه

اللّٰهُمَّ اِذَا كَانَ مَضْطَرًا ، فَحِينَئِذٍ يَجُوزُ لَهُ ذَلِكَ قَدْرَ دَفْعِ الْحَاجَةِ . (عملة القارى: ۱۷۴/۹، مدار الحديث ، ملتان)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## سویا سوس (چٹنی) کھانے کا حکم:

سوال: مندرجہ ذیل طریقہ پر بنا ہوا سویا سوس حلال ہوگا یا نہیں؟ یا در ہے کہ یہ چٹنی وغیرہ میں استعمال

ہوتا ہے۔

سویا سوس کے مکونات [ingredients]:

(۱) گیہوں۔ (۲) نمک۔ (۳) پانی۔ (۴) سویا کی پھلی۔

بنانے کا طریقہ:-

(۱) سویا کی پھلی کو پہلے پانی میں بھگوایا جاتا ہے اور پھر تیز درجہ حرارت (ٹمپریچر) پر بھاپ دیا جاتا ہے۔

(۲) گیہوں کو تیز ٹمپرچر پر بھونا جاتا ہے پھر اس کو پیسا جاتا ہے۔

(۳) نمک کو پانی میں پگلا یا جاتا ہے۔

(۴) بھاپ دیا ہوا سویا بن اور گیہوں کو ملایا جاتا ہے اور تین دن تک چھوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ سویا سوس کی

بنیاد بنے، اس بنیاد کو شو یو کو جی [shoyu koji] کہا جاتا ہے۔

(۵) اس بنیاد کو پھر نمک والے پانی کے ساتھ ملایا جاتا ہے، اس ملاوٹ کو مورومی [moromi] کہا جاتا

ہے۔

(۶) مورومی [moromi] کو چند ماہ تک چھوڑ دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خود بخود جوش مارنے لگے جس کی وجہ

سے ایک نرم جسم دار چیز وجود میں آئے۔

اس وقت جب کہ مورومی [moromi] خود بخود جوش مار کر شراب میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر اس نرم جسم

دار چیز کا حصہ بن جاتا ہے اور اخیر میں (فلٹر وغیرہ کے بعد) سویا سوس میں تین فیصد تک پایا جاسکتا ہے۔

(۷) جوش مارنے کے بعد اس نرم چیز پر دباؤ (پریشر) ڈالا جاتا ہے اور کپڑوں کی تہہ میں چھنا (فلٹر کیا)



جاتا ہے تاکہ یہ نرم جسم دار چیز الگ ہو جائے اور صرف سیال سویا سوس باقی رہے۔

(۸) اس سیال سویا سوس کو پھر ۱۲۰ ڈگری آگ پر جوش دیا جاتا ہے تاکہ اس میں سے جراثیم وغیرہ ختم ہو جائے اور پھر اس کو بوتل میں محفوظ کیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا سوس حلال ہو گا یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ آخر میں جو سویا سوس بنتا ہے اس میں تین فیصد شراب ہے لیکن یہ شراب سویا کی پھلی اور گیہوں کے ملانے سے وجود میں آئی ہے، اس لیے امام صاحبؒ کے قول کے مطابق اس کے کھانے کی گنجائش ہوگی، اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اشربہ اربعہ کے علاوہ سے بنی ہوئی شراب استعمال کرنا جائز ہے، جب تک مسکرنہ ہو متاخرین علماء نے عمومِ بلوئی کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے۔

مولانا فتح محمد صاحبؒ نے عطر مدایہ میں ہے لکھا ہے کہ یہ دلیل کہ اکثر انگریزی دوائیں شراب سے مرکب ہوتی ہے کافی نہیں اس لیے کہ شراب وہی ہے جو ژب اور سرور کے لیے موضوع ہونہ وہ کہ زہر کی طرح مہلک ہو میری تحقیق میں جو تیز جو ہر انگریزی دوا میں ملایا جاتا ہے اور وہ اپنی اصطلاح میں اسے شراب کہتے ہیں ہرگز شراب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ دوسرے اشربہ کی طرح پینے کی چیز نہیں ہے اگر استعمال ہو تو مثل زہر کے مہلک ہے پس ایسی شے خمر کے حکم میں نہیں ہے رہا یہ امر کہ اس کے چند قطرے پانی وغیرہ میں ملا کر پینے سے سکر پیدا ہوتا ہے قبل از ترکیب موجبِ حرمت نہیں مثل ایسے شیروں کے جو ادنیٰ ترکیب سے شراب بن سکتے ہیں نہ یہ حرام ہیں نہ نجس۔ (عطر مدایہ، ص ۹۶، ط: مکتبہ مصریہ)۔

بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے کہ عام طور پر جو دوا میں ڈالا جاتا ہے اس کو استھائیل الکحل کہا جاتا ہے اور اس کا دوسرا نام استھنل ہے اور عام طور پر جب الکحل بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتا ہے اور دوائیوں میں اس کا استعمال گھولنے کے لیے ہوتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو شراب وغیرہ میں نشہ پیدا کرتی ہے۔

استھنل [ethanol] کی تعریف لغت میں درج ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:

A COLORLESS VOLATILE FLAMMABLE LIQUID C2 H5 OH THAT IS THE INTOXICATING AGENT IN FERMENTED AND DISTILLED LIQUOURS (AS

BEER WINE WHISKY) CALLED ALSO ETHYL ALCOHOL.

(Websters High School Dictionary)

خلاصہ یہ ہے کہ آتشکل ایک بے رنگ سیال چیز ہے جس میں جلنے کی صلاحیت ہے اور جلدی بخارات بن کر اڑ جاتی ہے اور شراب میں نشہ پیدا کرتی ہے۔  
انکا نا انسائیکلو پیڈیا میں ہے:

ETHYL ALCOHOL OR ETHANOL  $C_2H_5OH$ , IS A CLEAR COLORLESS LIQUID, WITH A BURNING TASTE AND CHARACTERISTIC AGREEABLE ODOUR. (Microsoft Encarta 2008)

اس تعریف میں ایک زائد چیز یہ ہے کہ جس طرح آتشکل میں جلنے کی صلاحیت ہے اسی طرح اس کے مزہ میں بھی جلن ہے۔

جو آتشکل پینے کے لیے بنایا جاتا ہے اس کو چاول یا جو وغیرہ خمیر [yeast] کے ساتھ ملایا جاتا ہے تاکہ جوش پیدا ہو [fermentation] جس سے پھر آتشکل پیدا ہوتا ہے البتہ اس کی مقدار بہت ہی کم بنتی ہے اس میں آتشکل کی مقدار ۷ سے ۱۲ فیصد بنتی ہے۔

کمرشل آتشکل میں ۹۵ فیصد آتشکل ہوتا ہے اس کو بنانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر مذکور شی کو خاص طور پر گرم اور ٹھنڈا کیا جاتا ہے [distillation] تاکہ دوسری چیزیں علیحدہ ہو جائے جس کی وجہ سے ۹۵ فیصد آتشکل اور ۵ فیصد پانی ہوتا ہے اس کے بعد پانی کو بھی الگ کر دیا جاتا ہے تاکہ ۱۰۰ فیصد آتشکل ہو جائے۔

تحقیق سے معلوم ہوا کہ ۱۰۰ فیصد آتشکل پیا نہیں جاسکتا اس میں انسانی آنتوں کے ہلاک ہوجانے کا خطرہ ہے اور اس بات کا بھی قوی اندیشہ ہے کہ پھپھڑے کام کرنا چھوڑ دے۔

اسی طرح ۱۰۰ فیصد نہ ہو بلکہ جتنی زیادہ مقدار شراب میں ہوگی اتنا زیادہ نقصان ہوگا۔

بعض سائنس دان نے لکھا ہے کہ الکحل کو تھوڑا استعمال کرنا فائدہ مند ہے اور صحت کے لیے بھی مفید ہے حتیٰ کہ دل کی بیماری [coronary heart disease] سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔ البتہ زیادہ مقدار میں دیر تک استعمال کرنے سے بہت ساری بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے جگر کا نقصان، دل کے عضلہ کا نقصان، اسی

طرح موت واقع ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے واضح ہوا کہ خالص ۱۰۰ فیصد اتھنل جسم کے لیے مضر ہے اور اس کو پیا بھی نہیں جاسکتا۔

البتہ شراب وغیرہ میں جو سکر ہوتا ہے وہ بیچنہ اسی اتھنل کا اثر ہوتا ہے بلا کسی چیز کے ملائے جیسا کہ اس کی تعریف سے پتا چلتا ہے، سکر پیدا کرنے کے لیے اس کو کسی چیز سے ترکیب دینے کی ضرورت نہیں ہے، لہذا اس کو شیروں پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں ترکیب سے پہلے ہی سکر کی صلاحیت ہے، ہاں دواؤں اور بعض مشروبات میں الکحل استعمال ہوتا ہے وہ بہت قلیل مقدار میں ہوتا ہے اس وجہ سے نشہ آور نہیں ہوتا اور امام صاحبؒ کے نزدیک اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ متاخرین علماء نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔  
ملاحظہ ہو تکریم فی المسائلہم میں ہے:

وأما غير الأشرطة الأربعة ، فليست نجسة عند الإمام أبي حنيفة .

و بهذا يتبين حكم الكحول المسكرة ( Al cohols ) التي عمت بها البلوى اليوم ، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى ، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها ، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة ، ولا يحرم استعمالها للتداوى أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار ، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى ، ولا يحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفة .

وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر ، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره ، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع ، وحينئذٍ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة عند عموم البلوى . والله أعلم . (تكملة فتح الملہم: ۳/۶۰۸ ط: دار العلوم کراتشی)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اسپرٹ اگر انگوڑ کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخینؒ کے نزدیک پاک اور امام محمدؒ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لیے انگوڑ اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی لہذا شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے، حضرات فقہاءؒ نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بنا پر امام محمدؒ کے قول کو منقطعاً بہ قرار دیا ہے مگر آج کل ضرورتِ تدوی و عمومِ بلوی کی رعایت کے پیش نظر شیخینؒ کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخینؒ کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارض۔ (احسن الفتاویٰ: ۹۵/۲)۔

مزید ملاحظہ ہو: (نظام الفتاویٰ: ۳۵۳/۱، ذی حجتی زیور: ۷۶/۹، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حرام غذا کھانے والی مرغی کھانے کا حکم:

**سوال:** اگر مرغیوں کے کھانے میں گوشت یا خنزیر کے اجزاء کو ملا دیا جائے تو یہ مرغیوں کی حلت میں کوئی اثر ڈالے گا یا نہیں یعنی ایسی مرغیاں کھانا حلال ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مرغیوں کی غذا میں حرام گوشت یا خنزیر کے اجزاء موجود ہوں تو اگر ان کی وجہ سے گوشت متاثر ہوتا ہے مثلاً بدبو وغیرہ تو ایسی مرغیوں کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر گوشت متاثر نہیں ہوا بلکہ صاف ستھرا ہے تو اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ قصداً مرغیوں کو خنزیر کھلائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ برازیہ میں ہے:

وفی النوادر: جدي غذي بلبن الخنزير لا بأس بأكله فعلى هذا لا بأس بأكل الدجاج لأن لحمه لا يتغير وما غذي به صار مستهلكاً لا يبقى له أثر وما روي عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: يحبس الدجاج ثلاثة للتزينة وإنما يشترط ذلك في الجلالة التي لا تأكل إلا الجيف وما يخلط ويأكل غيره أيضاً على وجه لا يظهر أثره في لحمه لا بأس به. (الفتاوى

در مختار میں ہے:

ولو أكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزير لأن لحمة لا يتغير وما غذي به يصير مستهلكاً لا يبقى له أثر . (الدر المختار: ۳۴۱/۶، سعيد).

وفي رد المحتار: قوله لأن لحمة لا يتغير الخ ، كذا في الذخيرة وهو موافق لما مر من أن المعتبر النتن لكن ذكر الخابية أن الحسن قال : لا بأس بأكله وأن ابن المبارك قال: معناه إذا اعتلف أياماً بعد ذلك كالجلالة وفي شرح الوهبانية عن القنية راقماً أنه يحل إذا ذبح بعد أيام وإلا لا . (رد المحتار: ۳۴۱/۶، سعيد).

تبيين الحقائق میں ہے:

لا بأس بأكل الدجاج لأنه يخلط ، ولا يتغير لحمة وروي أنه عليه الصلاة والسلام كان يأكل الدجاج ، وما روي أن الدجاج يحبس ثلاثة أيام ثم يذبح فذاك على سبيل التنزه لا ، أنه شرط . (تبيين الحقائق: ۱۰/۶، ط: دار الكتب الاسلامی).

وفي موسوعة الفقهية : قال ولا يكره أكل الدجاجة المخلاة وإن كانت تتناول النجاسة ، لأنها لا يغلب عليها أكلها ، بل تخلطها بالحب ، وقيل : إنما تكره ، لأنها تنتن كما تستن الإبل ، والحكم متعلق بالنتن ، ولهذا قالوا في الجدي إذا ارتضع بلبن خنزير حتى كبر أنه لا يكره أكله ، لأن لحمة لا يتغير ولا ينتن ، وهذا يدل على أن العبرة للنتن لا لتناول النجاسة . والأفضل أن تحبس الدجاجة المخلاة حتى يذهب ما في بطنها من النجاسة ، وذلك على سبيل التنزه . (الموسوعة الفقهية: ۱۴۹/۵).

وللمزيد راجع: ( البحار الرائق: ۲۰۸/۸، دار المعرفة، والجوهر النيرة: كتاب الصيد والذبائح، وبدائع الصنائع: ۳۰/۵، سعيد، وحاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، ص ۲۲، ط: بلاق).

واللہ اعلم۔

کیڑے، مکوڑے کھانے کا حکم:

**سوال:** ہمارے جنوبی افریقہ کی حلال کمیٹی سنہا [SANHA] شعبہ تحقیق میں بعض چیزیں ہمارے سامنے آئیں، جن کا شرعی حکم معلوم کرنا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اس سے تیار شدہ اشیاء پر حکم لگایا جاسکے۔

(۱) کیڑے، مکوڑے کھانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

مثلاً ایک کیڑا جس کا نام گونگا ہے یا اور کوئی کیڑا، [یہ گونگا کیڑا پیسبرگ سے پوٹسوانہ تک بہت زیادہ مقدار میں پایا جاتا ہے، یہ کیڑا عموماً درخت پر رہتا ہے اور درخت کے پتے کھاتا ہے، مقامی لوگ اسے ہر طرح سے پکا کر کھاتے ہیں نیز بغیر پکائے بھی کھاتے ہیں]۔

فقہاء نے کیڑے مکوڑوں کو خبائث میں شمار کیا ہے۔ لیکن عدم حلت کے دلائل کیا ہیں؟

**الجواب:** حشرات الارض کا کھانا ناجائز ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَيَحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثُ﴾.

وفي أحكام القرآن للجصاص: "ويحرم عليهم الخبائث، حدثنا محمد بن بكر ثنا أبو داود... عن عيسى بن نميلة عن أبيه قال: كنت عند ابن عمر رضي الله عنه فسل عن أكل القنفذ فتلا: ﴿قل لا أجد فيما أوحى إلى محرماً على طاعم يطعمه﴾ الآية، فقال شيخ عنده سمعت أبا هريرة رضي الله عنه يقول: ذكر عند النبي صلى الله عليه وسلم فقال: خبيثة من الخبائث، فقال ابن عمر رضي الله عنه: إن كان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا فهو كما قال، فسماه النبي صلى الله عليه وسلم خبيثة من الخبائث فشملة حكم التحريم بقوله تعالى: ويحرم عليهم الخبائث، والقنفذ من حشرات الأرض فكل ما كان من حشرات فهو محرم قياساً على القنفذ. (أحكام القرآن ۳/۲۰).

قال في البدائع: وأما الذي يعيش في البر فأنواع ثلاثة ما ليس له دم أصلاً وما ليس له دم سائل وماله دم سائل... ونحوها لا يحل أكله إلا الجراد خاصة لأنها من الخبائث

لاستبعاد الطباع السلیمة یاها وقد قال اللہ تبارک و تعالیٰ: ﴿و یحرم علیہم الخبائث﴾...  
 وكذلك [أی لایحل أكله] ما لیس له دم سائل مثل الحیة والوزغ وسام أبرص  
 و جمیع الحشرات و هوام الأرض ... (بدائع الصنائع: ۳۶/۵، سعید).

قال الطحطاوی: قوله ولا الحشرات، وكذلك الهوام... قال الاتقانی: جمع الهوام  
 وهی الدابة من دواب الأرض و جمیع الهوام نحو البربوع وابن عرس والقنفذ مما یکون  
 سکناه الأرض والجدر مکروه أكله لأن الهوام مستخبثة وقد قال تعالیٰ: ﴿و یحرم علیهم  
 الخبائث﴾ ولأنها تتناول النجاسات فی الغالب وذلك من أسباب الکراهة... الخ. (حاشیة  
 الطحطاوی علی الدر المختار: ۱۵۵/۴، ط: کوئته، والعنای الهندیة: ۲۸۹/۵، والفقه الاسلامی وادلته: ۵۰۸/۳).

واللہ اعلم۔

## شیلک [SHELLAC] کھانے کا حکم:

سوال: کیڑے کوڑوں سے حاصل شدہ رطوبات کا کیا حکم ہے؟

ایک کثیر الاستعمال رطوبت شیلک [SHELLAC] ہے، ہماری تحقیق کے مطابق یہ رطوبت خالص کیڑے کی نہیں  
 بلکہ جس درخت پر یہ کیڑا ہوتا ہے اس درخت کے بعض اجزاء بھی اس میں شامل ہوتے ہیں۔

کیا خالص کیڑے کی رطوبت اور کیڑے کے اجزاء کے ساتھ مخلوط رطوبت میں کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

شیلک کے متعلق ضروری وضاحت:

شیلک [SHELLAC] ایک اجزائے ترکیبی ہے جو (lac) لاکھ نامی کیڑے کا لعاب ہے۔

لاکھ نامی کیڑا اپنا لعاب درختوں پر بناتا ہے اور یہ لعاب سخت مادہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اس سخت مادہ کو  
 جب درختوں سے اتارا جاتا ہے تو بعض اوقات لاکھ کے مرے ہوئے کیڑے اور اس کے انڈے بھی اس مادہ کے  
 ساتھ چپکے ہوئے ہوتے ہیں، پھر اس مادہ کو آگ پر پگھلانے کے بعد اس مواد کو فلٹر کیا جاتا ہے، اور ۹۰ فیصد تک  
 یقین ہوتا ہے کہ اس فلٹر شدہ مواد میں مذکورہ کیڑے کے اجزاء باقی نہیں رہے ہوں گے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ

پگھلانے کی وجہ سے ان مردہ کیڑوں کے جسم کا مادہ بھی اس مواد میں شامل ہو گیا ہو۔

کیا مذکورہ طریقہ سے حاصل شدہ مواد کا کھانا حلال ہے؟

☆ اس کیڑے کے مؤنث مادے میں ایک قسم کا پانی ہوتا ہے اسے (lace dye) لیس ڈائے کہتے ہیں یہ لیس ڈائے بھی کھانے کی چیزوں میں بطور رنگ استعمال ہوتا ہے، لیکن اس رطوبت سے رنگ بنانے کا خاص طریقہ ہے۔

اس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ رطوبت کیڑے سے نکلتی ہے تو اس کے ارد گرد ایک قسم کا غلاف / پردہ ہوتا ہے اسے پیسا جاتا ہے اور چھلنی کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے پھر بڑے بڑے ٹکڑوں میں رکھ کر بار بار دھویا جاتا ہے، پھر رنگ حاصل کیا جاتا ہے۔

یہ رنگ کھانے کی مختلف چیزوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً:

(الف) دوائیاں وغیرہ، گولی، کپسول وغیرہ پر یہ رنگ چڑھاتے ہیں تاکہ کھل نہ جائے۔

(ب) مٹھائیاں وغیرہ پر یہ رنگ محض زینت کے لیے لگایا جاتا ہے۔

(ج) پھل :- سیب وغیرہ کو چکانے کے لیے یہ رنگ استعمال ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب اس رنگ کے استعمال کا، اور اس سے تیار شدہ اشیاء کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

تنبیہ: ایک اندازہ کے مطابق شیلک کی سالانہ کھپت تقریباً پچاس ہزار ٹن ہے۔ اتنی کثرت سے دواؤں اور غذاؤں میں استعمال ہوتا ہے۔

کیا کیڑے مکوڑے سے حاصل شدہ اشیاء حلال ہیں یا حرام؟

فی زمانہ کیڑے مکوڑوں کو پیس کر اس سے حاصل شدہ رطوبت سے رنگ نکالا جاتا ہے اس رنگ کے استعمال کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

☆ کیڑے مکوڑوں سے حاصل شدہ رنگ جو اشیائے خوردنی میں استعمال ہوتا ہے، جس کو کوچینیل، کارمین

کہتے ہیں یہ کثیر الاستعمال ہے، اس کے بنانے کی ترکیب درج ذیل ہے:

کیڑے مکوڑوں کو ایلٹے ہوئے پانی یا تیز دھوپ میں ڈالتے ہیں، پھر انہیں خاص طریقہ پر خشک کیا جاتا



ہے یہاں تک کہ ان کے جسم کا ۳۰ فیصد حصہ باقی رہ جاتا ہے یہ اس وجہ سے کیا جاتا ہے تاکہ وہ سڑ نہ جائیں، اس طرح سے ایک کلورگ حاصل کرنے کے لیے ایک لاکھ پچپن ہزار (۱۵۵۰۰۰) کیڑوں کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مختلف طریقوں سے رنگ تیار ہوتے ہیں اب رنگ تیار ہونے کے بعد اس رنگ کے استعمال کا شرعاً کیا حکم ہے؟

**الجواب:** شیلک (SHELLAC) کے مذکورہ طریقہ سے حاصل شدہ مواد دواؤں اور غذاؤں میں استعمال کرنا حلال اور جائز ہے۔ نیز دیگر رطوبات کا استعمال کرنا بھی درج ذیل چند وجوہات کی بنا پر جائز ہے۔

(پہلی وجہ) حشرات الارض اور ان کی رطوبات کی حرمت کی اصل علت استقذار ہے، یعنی گھن محسوس ہونا اور طبائع سلیمہ کا ان سے نفرت کرنا۔ اور اتنی کثیر مقدار کے مادہ میں اتنی قلیل مقدار کیڑوں کا پکھل کر اس مادے میں مل جانا عرفاً مستحب (گھن) نہیں سمجھا جاتا، جب کہ ان کیڑوں کی حرمت کی دلیل ہی ان کا مستحب ہونا ہے اور جب حرمت کی دلیل ہی باقی نہیں رہی تو حرمت کا قول بھی شرعاً درست نہ رہا الا یہ کہ کوئی اور علت یعنی نجاست یا ضرر یا نشو و غیرہ ہو تو الگ مسئلہ ہے لیکن یہاں ندارد ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یا سلمان کل طعام وشراب وقعت فیہ دابة لیس لها دم فماتت فهو الحلال أكله وشربه وضوؤه“،... قال أبو أحمد: الأحادیث التي يروها سعيد الزبيدي أمتها ليست بمحفوظة. (رواه البيهقي في الكبرى: ۲۵۳/۱، وضعفه).

ورواه الدارقطني (۳۷/۱) وضعفه. قال الشيخ ابن الهمام في فتح القدير (۸۳/۱، ط: دار الفکر): والحديث مع هذا لا ينزل عن الحسن.

وللمزيد من البحث راجع: (البدرد المنير: ۴۵۵/۱، الحديث الرابع، والتلخيص الحبير: ۱۲۳/۱، ۱۳/۱، ونصب الرأية: ۱۱۵/۱).

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ جس کھانے یا پینے میں جانور (کیڑے، مکوڑے، مکھی، چمچھر وغیرہ جن

میں دم سائل نہیں ہے) اگر کر مر جائے تو اس طعام و مشروب کا کھانا پینا حلال ہے، اب ظاہر بات ہے کہ مرے ہوئے جانور کے کچھ اجزاء یقیناً کھانے، پینے میں گھل م گئے ہوں گے۔ لیکن چونکہ قلیل ہونے کی وجہ سے مستفاد نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہوا امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

وما لم یذبح ذبحاً شرعياً أو مات فهو حرام ولا یحل إلا میتان : السمک والجراد ،  
وفي معناهما ما یستحیل من الأطعمة کدود التفاح والخل والجبن فإن الاحتراز منہما غیر  
ممکن فأما إذا أفردت وأکلت فحکمها حکم الذباب والخنفساء والعقرب وکل مالیس له  
نفس سائلة لا سبب فی تحریمها إلا الاستقذار ولو لم یکن لکان لایکره فإن وجد شخص  
لا یستقذره لم یلتفت إلى خصوص طبعه فإنه التحق بالخباثت لعموم الاستقذار فیکره أکله  
کما لو جمع المخاط وشربه کره ذلك ولیست الکراهة لنجاستها فإن الصحیح أنها  
لا تنجس بالموت إذ أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم بأن یقل الذباب فی الطعام إذا  
وقع فیہ... وربما یكون حاراً ویكون ذلك سبب موته ولو تهرت نملة أو ذبابة فی قدر لم  
یجب إراقتها إذ المستقذر هو جرمه إذا بقی له جرم ولم ینجس حتی یحرم بالنجاسة وهذا  
یدل علی أن تحریمه للاستقذار . (احیاء علوم الدین : ۲ / ۹۳ ، اصناف الحلال ، ط: مصطفی البانی الحبشی).

امام غزالی کی عبارت سے بخوبی واضح ہوا کہ حشرات الارض کی حرمت کی علت فقط استقذار ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ رقمطراز ہے:

جاننا چاہئے کہ شریعت مطہرہ میں استعمال کے منع ہونے کی وجہیں چار ہیں: (۱) نجاست جیسے پیشاب  
پاخاند وغیرہ میں۔ (۲) مضر ہونا جیسے سکنیا میں اور (۳) استخاث یعنی طبیعت سلیمہ کا اس سے گھن کرنا جیسے کیڑے  
کوڑوں میں اور (۴) نشہ لانا۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ ص ۹۸، ط: دارالاشاعت)۔

دوسری جگہ مرقوم ہے:

اور جب خبیث اور غیر خبیث طباویں تو اگر استخاث باقی رہے تو حرمت کا وزنہ حلت کا حکم ہوگا، جیسے دیگ

میں مکھی پڑ جائے کہ اگر مکھی شور بے میں حل نہیں ہوگئی تو اس مکھی کا کھانا جائز نہیں اور اگر وہ گھل مل گئی تو ایک دیگ میں مکھی کامل جانا عرفاً مستحب نہیں لہذا وہ شور با حلال ہے حالانکہ اجزاء مکھی کے اس میں بالیقین موجود ہیں۔  
(بہشتی زیور، نواں حصہ ص ۱۰۸، ط: دارالاشاعت)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

العرق إذا تقاطر في العجين فالقليل منه لا يمنع الأكل . (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۳۹/۵)۔

البحر الرائق میں ہے:

وسئل (علی بن أحمد) عن عرق الآدمی ونخامته ودمعه إذا وقع فی المرقۃ أوفی الماء هل يأکل المرقۃ ویشرب الماء قال: نعم ، ما لم یغلب ویصیر مستقذراً طبعاً .  
(البحر الرائق: ۳۳۹/۸، ۳۳۹/۵، ۳۳۹/۵)۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیائے مستقذرہ کی قلیل مقدار جب کثیر مقدار شور بے یا پانی وغیرہ میں مخلوط ہو جائے تو عام طور پر مستقذر نہیں رہتی بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے اس کی وجہ سے اس شوربہ وغیرہ کا کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: کیڑوں کے لعاب سے بعض پیدا شدہ چیزیں جن سے استفادہ ار یعنی گھن نہ ہو حلال ہیں جیسے ابریشم، شکر تغال وغیرہ للنص علی حلۃ الحسل۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ ص ۱۰۳، ط: دارالاشاعت)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استنجاث ہے اور یہ قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہذا بڑی دیگ میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے۔  
(احسن الفتاویٰ: ۱۲۹/۸)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ شی مستقذر غیر کے ساتھ مل کر گھل جائے اور جسم باقی نہ رہے اور استفادہ ار بھی محسوس نہ ہو تو اس صورت میں اس کے حلال ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

ور نہ نہیں۔

(دوسری وجہ) دوسری وجہ یہ ہے کہ اس مادہ سے کیڑوں کا علیحدہ کرنا انتہائی مشکل ہے بنا بریں عموم بلوی کی وجہ سے شیلک ملی ہوئی غذا یا دوا کے استعمال کا حکم لگایا جائیگا۔  
ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: هل يحل أكل الدودة التي تكون في التفاح وغيره معه ؟

الاستبصار: نعم ، لتعسر الاحتراز منه ، وأما إذا أفردت وأكلت فحكمها حكم

الذباب ، كذا في مطالب المؤمنين . (نفع المفتی والسائل، ص ۳۷۹)۔

لیکن رائج قول کے مطابق روح پھونکے جانے کے بعد کیڑے کا کھانا جائز ہے۔ کما مر تفصیلہ۔  
فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

سن آدمي طحن في وقر حنطة لايؤكل ولا يؤكله البهائم بخلاف ما يقشر من جلدة

كفه قدر جناح الذباب أو نحوه واختلط بالطعام للضرورة . (الفتاویٰ الهندية: ۳۳۹/۵)۔

وفی البحر: واستدل مشايخنا أيضاً على أصل المسئلة بما عن سلمان رضی اللہ عنہ قال:

يا سلمان كل طعام وشراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فهو حلال أكله وشربه

ووضوؤه . (البحر الرائق: ۱/۱۶۱ بیروت)۔

فیض القدير میں ہے:

و جواز الشافعية أكل دود نحو الفأكة معها حياً وميتاً إن عسر تمييزه ولا يجب

غسل الفم منه وظاهر هذا الحديث أن السوس يطلق عليه اسم الدود وعكسه . (فیض

القدير: ۲۴۵/۵)۔

(تیسری وجہ) شہد کی مکھی پر قیاس کرتے ہوئے بھی شیلک کا استعمال جائز ہونا چاہئے، یعنی شہد کا

استعمال منصوص ہے اور عموماً جھتہ سے نکالتے وقت شہد کی مکھیوں کی کچھ نہ کچھ ریش بھی شامل ہوتی ہے جس کو شہد

کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، عام طور پر اس کا جدا کرنا مشکل ترین ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہوا احکام القرآن میں ہے:

قوله تعالى: ﴿ويخرج من بطونها شراب مختلف ألوانه فيه شفاء للناس﴾ فيه بيان طهارة العسل ومعلوم أنه لا يخلو من النحل الميت وفراخه فيه وحكم الله تعالى مع ذلك بطهارته فأخبر عما فيه من الشفاء للناس . (احکام القرآن للامام الحصاص: ۲/۲۷۳).

(چوتھی وجہ) حشرات الارض کی حرمت منصوص اور مدلل بدلیل مستقل نہیں ہے، بلکہ بعلت استحاث و استقذار حرام کہا گیا ہے۔ (روح المعانی: ۵/۶، وفتاویٰ الثانی: ۶/۳۰۵، سعید، والموسو: ۱۱/۲۵۳، واحکام القرآن للحصاص: ۳/۲۰۳)۔

چنانچہ مالکیہ وغیرہ کے نزدیک حلال ہے لہذا مجتہد فیہ مسئلہ میں بوقت ضرورت گنجائش ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو: مدونہ میں ہے:

ولقد سئل مالک عن شيء يكون في المغرب يقال له الحلزون يكون في الصحارى يتعلق بالشجر أيؤكل ؟ قال : أراه مثل الجراد ما أخذ منه حياً فسلق أو شوى فلا أدرى بأكله بأساً ، وما وجد منه ميتاً فلا يؤكل . (المدونة: ۱/۲۰۴، ط: دار الكتب العلمية بيروت).

قال في مواهب الجليل : قال مالک : حشرات الأرض مكروهة . (مواهب الجليل: ۴/۳۴۹).

قال في الذخيرة : ولا بأس بأكل خشاش الأرض وهو مما إذا ذكيت ذكاة الجراد وتوكل الضفادع... (الذخيرة: ۴/۱۰۳، ط: بيروت).

وفى التنف في الفتاوى : وأما حشرات الأرض فإنها محرمة في قول أبي حنيفة وأصحابه ومحللة في قول أبي عبد الله وسائر الناس إلا أنها مكروهة مثل الحية والضب... الخ. (التنف في الفتاوى، ص ۱۵۰، بيروت).

قال في المجموع : مذهب العلماء في حشرات الأرض... مذهبنا أنها حرام وبه قال جمهور العلماء منهم... أبو حنيفة وأحمد وداود وقال مالک : حلال . (المجموع: ۹/۱۶).

وفى المغنى لابن قدامة : من المستخبثات الحشرات كالديدان والجعلان وبنات

وردان والخنافس والفار والأوزاغ والحرباء... وبهذا قال أبو حنيفة والشافعي ورخص مالک وابن أبي ليلى والأوزاعی في هذا كله إلا الأوزاغ فإن ابن عبد البر قال هو مجمع على تحريمه وقال مالک : الحية حلال إذا ذکیت واحتجوا بعموم الآية المبيحة. (المغنی : ۶۴/۱۱).

وللاستزادة انظر : (حاشية الدسوقي : ۸۲/۱، بيروت، النجاشي والاكلي : ۱۲۲/۱، والفواكه الدواني : ۴۰۲/۱، دار الفکر).

(پانچویں وجہ) اگر اس میں انقلابِ حقیقت ہو جاتا ہے تو پھر اس کا داخلی استعمال بالکل جائز اور درست ہے، اور انقلابِ حقیقت کی تفصیلات جلائین کے مسئلہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ”آراء المتخصصین و المفتین فی تحقیق جلاتین“

### جلاٹین کا شرعی حکم ماہر اطباء کی تحقیقات کی روشنی میں

**سوال:** جلاٹین کی فیکٹری میں جلاٹین مختلف کھالوں سے بنائی جاتی ہے، جن میں تقریباً ۹۵/۹۰ فیصد ان حیوانات کی کھالیں ہوتی ہیں، جو شرعی طریقے پر ذبح نہیں کئے جاتے، اور ان کے تمام اجزاء غیر ماکول ہوتے ہیں، انہیں حیوانات کی کھالوں کو مختلف جگہوں پر مختلف مشینوں میں صاف کیا جاتا ہے، ان کے بال اتارے جاتے ہیں، ان کو چونے کے پانی میں رکھا جاتا ہے تاکہ وہ چمڑا بالکل صاف ہو جاتا ہے، پھر اس کو لوہے کے بڑے بڑے ٹینکوں میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے، پھر اس کو جما کر دھاگوں کی طرح اور پھر شکر کی طرح بنایا جاتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کیا اس قسم کی جلاٹین کو غذاؤں میں استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مسئلہ مذکورہ بالا کا مدار انقلاب عین اور تبدیل ماہیت پر ہے، اگر کھالوں اور ہڈیوں کو مراحل سے گزارتے وقت تبدیل ماہیت کا تحقق ہو جاتا ہے تو اس کا کھانا اور غذاؤں میں استعمال کرنا جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔ کیونکہ شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی چیز کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس چیز کی شناخت اور پہچان ہوتی ہے، وہی اس چیز کی حقیقت اور ماہیت ہیں۔

اور جلاٹین میں تبدیل ماہیت سے متعلق معاصرین اطباء کا اختلاف ہے۔ اکثر حضرات نے تحقیقات کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولا جن سے جلاٹین بنائی جاتی ہے، بلکہ وہ ایک نئی چیز میں تبدیل ہو جاتی ہے، اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش ہوگی۔ مگر بعض اطباء کی تحقیق یہ ہے کہ جلاٹین میں انقلاب عین نہیں پایا جاتا۔ بنا بریں اختلاف کے پیش نظر اس قسم کے

جلائین کے استعمال سے پڑنا اولیٰ اور احوط ہے۔

### انقلابِ عین اور تبدیلِ ماہیت کی حقیقت:

انقلابِ حقیقت کا مطلب فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی چیز کا پہلا مفہوم اور مصداق یا تو بالکل فنا ہو کر دوسرے مفہوم اور حقیقت میں بدل جائے، یا اس کے مفہوم اور حقیقت کے بعض اجزاء اور مخصوص آثار فنا ہو جائے، ملاحظہ ہو محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وتنفى الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟ فإن الملح غير العظم واللحم، فإذا صار ملحاً ترتب حكم الملح. ونظيره في الشرع: النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة، وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس، فتصير خلأً فيطهر، فعرفنا أن استحالة العين تستتبع زوال الوصف المترتب عليها. وعلى قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس. (فتح القدیر: ۲۰۰/۱، دار الفکر).

قال ابن رشد: إنه قد علم من ضرورة الشرع أن الأحكام المختلفة إنما هي لذوات المختلفة، وأن الخمر غير ذات الخل، والخل ياجمع حلال، فإذا انتقلت ذات خمر إلى ذات الخل، وجب أن يكون حلالاً كيفما انتقل. (بداية المجتهد: ۳۴۹/۱، کتاب الاطعمة). البحر الرائق میں ہے:

السابع: انقلاب العين فإن كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المملحة فتصير ملحاً يؤكل، والسارقين والعذرة تحترق فتصير رماداً تطهر عند محمد خلافاً لأبي يوسف وضم إلى محمد بأحنيقة في المحيط وكثير من المشايخ اختاروا قول محمد وفي الخلاصة وعليه الفتوى، وفي فتح القدیر: أنه المختار لأن الشرع رتب وصف النجاسة... وفي المجتبى جعل الدهن النجس في صابون يفتي بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتي به للبلوی. (البحر الرائق: ۲۲۷/۱، کوئٹہ).



نفع المفتی والسائل میں ہے:

المطهر الثامن، انقلاب العين: فالخمر إذا صار خلاً يطهر؛ لأنه شيء آخر. والخنزير والحمار وقع في المملحة صار ملحاً يطهر، كما في الهداية، هذا عندهما، وعند أبي يوسف: لا يطهر، كذا قال العيني عن الذخيرة، وفي رسائل الأركان: أما انقلاب العين فتطهر الخمر اتفاقاً بالتخليل، وفي غيرها خلاف، والفتوى على قول محمد انتهى، مختصراً، وفي خزانة الروايات عن التاتارخانية عن الظهيرية: العذرات إذا دفت في موضع حتى صارت تراباً، قيل: تطهر. انتهى. (نفع المفتی والسائل، ص ۱۴۳، ط: دار ابن حزم).

وفي إعانة الطالبين قال: المسك دم استحال طيباً، والعلقه والمضغة أصلهما وهو المنى، دم مستحيل، واللبن أصله دم. قلت: فدم الغزال الذي يخرج منه الطيب تغير إلى غير ما طبع الدم، فطبع الدم السيولة والرقه، كما تغير المسك إلى غير وصف الدم، فالدم لونه أحمر ورائحته غير رائحة المسك، وكذلك الطعم مختلف، ومثل هذا يقال في العلقه والمضغة، وفي اللبن، اهـ.

وكذلك قال أهل التفسير: قال ابن كثير في قوله تعالى: ﴿فانظر إلى طعامك وشرابك لم يتسنه﴾ [البقرة: ۲۵۹]، قال: فوجده طعامه لم يتغير منه شيء: لا العصير استحال، ولا التين حمض ولا انتن، اهـ.

وكذلك قال أهل الحديث، فقد قال ابن حجر في فتح الباري: تقريره أن اللبن خالط الفرث والدم، ثم استحال فخرج خالصاً طاهراً، اهـ. قلت: يشير إلى قول الله تعالى: ﴿نسقيكم مما في بطونه من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ [النحل: ۶۶].

يبين أن طبع اللبن غير طبع الفرث، وغير طبع الدم سواء من حيث الرقة والسيولة أو من حيث الرائحة والطعم وغيرهما. ومن هنا عرفنا أن التعريف المختار للاستحالة اصطلاحاً هو: تغير الشيء من طبعه ووصفه إلى طبع آخر ووصف آخر. (مأخوذ من مجلة

المجمع الفقہی الاسلامی، ص ۱۸۹-۱۹۰، الاستحالة واحکامها فی الفقہی الاسلامی).

مفتی تقی صاحب فرماتے ہیں:

الخمائر والجلالین المتخذة من الخنزیر: إن كان العنصر المستخلص من الخنزیر تستحیل ماہیته بعملة کیمیایة، بحيث تنقلب حقیقته تماماً، زالت حرمة ونجاسته، وإن لم تنقلب حقیقته بقي علی حرمة ونجاسته، لأن انقلاب الحقیقة مؤثر فی زوال الطہارة والحرمة عند الحنفیة. (بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة: ۱/۳۴۱، مکتبة دارالعلوم کراتشی).

للمزید من البحث راجع: (بدائع الصنائع: ۸۵/۱، سعید، و مجلۃ المجمع الفقہی الاسلامی، ص ۱۸۹، ۱۹۰، الاستحالة واحکامها فی الفقہی الاسلامی، و الموسوعة الفقہیة: ۲۷۸/۱۰، و الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱/۱۰۰، دارالفکر، و جدید فقہی تحقیقات، از اسلامک فکڈی انڈیا مرتبہ: حضرت مولانا قاضی جاہد الاسلام قاسمی، ط: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند).

انقلاب حقیقت سے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریر چشم کشا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے جیسے شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لکھڑا وغیرہ وغیرہ کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقتوں میں متبدل ہو گئے حقیقت بدل جانے کا حکم اسی وقت دیا جاسکتا ہے کہ حقیقت اولی منقلہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں پایا جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہو جاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہونا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجب انقلاب نہیں جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکائی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب پائیش ملا دیا جائے تو وہ پانی ناپاک ہے حالانکہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہو گا لیکن چونکہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لیے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چونکہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے

زیادہ اس لیے روٹی میں محسوس نہیں پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب۔

اسی طرح حقیقتِ مہلبہ کی بعض کیفیات غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں جیسے شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے یا صابون میں قدرے دسومت روغنِ نخس کی باقی رہتی ہے کیونکہ رقت حقیقتِ خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقتِ دہنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے، پس انقلابِ عین کی وجہ سے تبدل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے کیونکہ بسا اوقات انقلاب و اختلاط میں اشتباہ پیش آ جاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ واللہ الموفق۔ (کفایت المفتی: ۲/۳۳۳، ط: دار الاشاعت، کراچی)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہے:

تبدیل ماہیت کا بیان: تبدیل ماہیت سے احکام بھی بدل جاتے ہیں مثلاً انگور کا پانی پاک ہے لیکن جب کہ وہ ایک دوسری یعنی شراب بن گیا تو وہ نخس ہو گیا اور شراب جب پھر دوسری چیز بن گئی، یعنی سرکہ ہو گئی تو پاک ہو گئی۔ تبدیل ماہیت کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز سے ایسی دوسری چیز بن جائے جس کا حکم شی اول کے بالکل خلاف ہے، مثلاً ناپاک چیز ایک ایسی چیز کی طرف مستحیل ہو گئی کہ وہ چیز پاک ہے تو وہ ناپاک چیز پاک ہو گئی جیسے کھانا پاک ہے مگر جب مٹی ہو گیا تو مٹی ایک پاک چیز ہے تو وہ پاک ہو گیا، یا انڈا پاک ہے مگر خون بن گیا اور خون ایک ناپاک چیز ہے تو انڈا ناپاک ہو گیا اور جب اس خون کا مضغہ گوشت بن گیا تو گوشت پاک چیز ہے پھر پاک ہو گیا، اور اگر انقلاب ایسی چیز کی طرف ہوا جس کا حکم ویسا ہی ہے جیسا اس کا قبل انقلاب کے تھا تو وہ ہی حکم رہے گا پاک تھی تو پاک ناپاک تھی تو ناپاک مثلاً پاک ہڈی جل کر راکھ ہو گئی تو انقلاب تو ہوا مگر حکم وہی رہا کیونکہ راکھ بھی پاک ہے، اور اگر نطفہ خون بن گیا تو انقلاب تو ہوا مگر ناپاک کا ناپاک کی طرف اور حکم بدستور رہا، ہاں جب مضغہ گوشت بن گیا تو پاک ہو گیا کیونکہ مضغہ گوشت پاک ہے اور اگر انقلاب ہی نا تمام ہوا تو یعنی دوسری چیز مغائر شی اول کے نہیں بن گئی صرف ایک گونہ تبدیلی ہو گئی تو احکام نہ بدلیں گے جیسے ناپاک گیہوں کی روٹی پکائی کہ بجائے گیہوں کی صورت کے روٹی کی صورت پیدا ہو گئی لیکن یہ دوسری چیز بن جانا نہیں سمجھا جاتا۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ ص ۸۲، ط: دار الاشاعت)۔

لیکن علامہ شامیؒ نے انقلابِ حقیقت سے اشیاء کی طہارت کو عمومِ بلوی کے ساتھ خاص کر دیا ہے، یعنی جس چیز میں ابتلائے عام ہوگی وہاں تو طہارت کا حکم لگایا جائے گا لیکن جس چیز میں عام ابتلا نہ ہو تو وہاں طہارت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے:

قد ذکر هذه المسألة العلامة قاسم في فتاواه ، وذكر الأدلة على ذلك بما لا مزيد عليه ، وحقق ودقق كما هو دأبه رحمه الله تعالى ، فليراجع .

ثم هذه المسألة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوى واختاره أكثر المشايخ خلافاً لأبي يوسفؒ كما في شرح المنية والفتح وغيرهما . وعبرة المجتبی : جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمدؒ ، ويفتى به للبلوی ، ... وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو كلب في قدر الصابون فصار صابوناً يكون طاهراً لتبدل الحقيقة .

ثم اعلم أن العلة عند محمدؒ هي التغير وانقلاب الحقيقة وأنه يفتى به للبلوی كما علم مما مر ، ومقتضاه عدم اختصاص ذلك بالحكم بالصابون ، فيدخل فيه كل ما كان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه بلوی عامة ... (رد المحتار: ۱/ ۳۱۶، باب الانحاس، سعيد).

وقال في موضع آخر: وظاهره أن العلة الضرورة ، وصريح الدرر وغيرها أن العلة هي انقلاب العين ، لكن قدمنا عن المجتبی أن العلة هذه وأن الفتوى على هذا القول للبلوی، فمفاده أن عموم البلوی علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين فتدبر . (رد المحتار: ۱/ ۳۲۶، باب الانحاس، سعيد).

**جلائین کے استعمال میں عمومِ بلوی کی وضاحت:**

موجودہ دور میں جلائین کا استعمال کثرت سے ہو رہا ہے اور بے حد عام ہر کس و نا کس اس سے دوچار ہوتا ہے ہر ایک کو اس کے متعلق حلت و حرمت کا مسئلہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کا استعمال کس طرح عام ہے اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا آف برطانیہ کہتا ہے: جلائین کا استعمال جیلی والے گوشت، سوپ ٹافیاں وغیرہ

بنانے کے لیے شکل دئے ہوئے بیٹھے کھانوں مثلاً جیلی اور اس طرح کے دیگر کھانے اور جھاگ دار غذاؤں مثلاً آئس کریم اور پانی کے ساتھ مختلف قسم کے روغن اور پکنا بیوں کا مکچر بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔

اس کے متعلق دیگر واقفین اور ماہرین کے بیانات یہ ہیں:

سائنس دان افریقہ کی ایک مسلم تنظیم ”سائنس دان افریقہ میں جلیبی لکھا“ نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ مختلف مٹھائیوں اور دودھ سے بنی اشیاء میں اس کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ دیگر ماہرین کہتے ہیں کہ سر اور چہرہ میں لگائی جانے والی مختلف قسم کی کریم میں اور آرائشی مصنوعات میں جلائین کا استعمال ہوتا ہے۔ دواؤں کی طرف آئیے، تو چھ سو سے زائد ایسی دوائیں ہیں جن میں جلائین کا استعمال ہوتا ہے ان دواؤں میں کپسول اور کھانسی دور کرنے والی دوائیں زیادہ ہیں۔ ان کے علاوہ جلائین کا استعمال فوٹو گرافی کی فلم، کاغذ، رنگوں اور لیتھو گرافی (پتھر یا دھات سے چھپائی) کے لیے بھی کیا جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کی معلومات میں بتایا گیا ہے کہ جلائین کی بے شمار خصوصیات ہیں، جیسے جلیبی بنانا، کسی شے کو گاڑھا کرنا اور اس کو جمانا، فلم بنانے کے لیے اس کی شکل پذیری میں معاون ہونا، اور اشیاء کو گاڑھا کرنا، کے باعث درج ذیل صنعتوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے:

غذا (مٹھائیوں اور دودھ سے بننے والی اشیاء، گوشت کی مصنوعات وغیرہ)

دواؤں کی صنعت۔

فوٹو گرافی۔

بے شمار تکنیکی استعمالات۔

میڈیکل میں جلائین عام طور پر کپسول بنانے میں استعمال ہوتی ہے اس سے نرم اور سخت دونوں قسم کے کپسول بنائے جاتے ہیں ان کے علاوہ یہ پیسٹ سرکہ، کافی، کے بنانے میں بھی استعمال ہوتی ہے نیز مصنوعی جوس میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ (ڈاکٹر امجد علی جامعہ ہمدردی دہلی کی پیش کردہ تحقیق)۔

ایک اور وضاحت یہ ہے کہ ماہرین کے مطابق سخت قسم کے کپسول عام طور پر ہڈی اور خنزیر کے گوشت کی پرت سے بنائے جاتے ہیں، کیونکہ خنزیر کے گوشت سے بنی جلائین کپسول میں شفافیت اور لچک پیدا کرتی ہے یہ تو جلائین کے استعمال کی عمومیت ہوئی، ظاہر ہے کہ شاید ہی کوئی بچ جائے جسے جلائین کسی نہ کسی طور پر استعمال

کرنے کی نوبت نہ آئے ورنہ ہر ایک کا سابقہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے۔ (جدید فقہی تحقیقات، ص ۱۸۲ تا ۱۸۳)۔

ماہر اطباء کی تحقیق کا خلاصہ ملاحظہ کیجئے:

(۱) ڈاکٹر محمد اسلم پرویز:

کولاجن کا تعلق پروٹین کے خاندان سے ہے، اور پروٹین کی قسموں میں سے بھی ریشے کی پروٹین جو ہمارے پٹھوں میں پائی جاتی ہے، تمام ریڑھ دار جانور کے جسم میں موجود کل پروٹین کا ثلث کولاجن ہوتا ہے، جانوروں کے جسم سے زیادہ مقدار اسی پروٹین کی پائی جاتی ہے اس کے ریشے لیس دار ہوتے ہیں، یہ پانی میں نہیں گھلتے ہیں اور ناقابل ہضم ہوتے ہیں، دیگر پروٹین کی طرح یہ بھی ایمنو ایسڈس سے بنا ہے، ایمنو ایسڈس میں سے دو جس کا نام گلائین اور الائنین ہے ان کی جتنی مقدار کولاجن میں پائی جاتی ہے کسی اور پروٹین میں نہیں پائی جاتی، کولاجن میں پرولین نامی ایمنو ایسڈ کی مقدار بھی زیادہ ہے، کولاجن میں ایک ایمنو ایسڈ جس کا نام ہائڈروکسی پرولین ہے صرف کولاجن میں پایا جاتا ہے ایمنو ایسڈ صرف کولاجن اور الائنین نامی دوسرے ریشے دار پروٹین میں پایا جاتا ہے ہائڈروکسی پرولین کی وجہ سے ان میں سختی سی ہوتی ہے کولاجن میں جو ایمنو ایسڈ پائی جاتی ہے اس میں غذائیت بہت کم ہوتی ہے کولاجن کو تحلیل کر کے جلائین بنایا جاتا ہے اس تحلیل کو ہائیڈرولائسس کہتے ہیں یعنی تحلیل کا وہ خاص عمل جس میں پانی کا استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ لائسس کا مطلب ہے توڑنا اور ہائیڈرولک مطلب ہے پانی، یعنی پانی کی مدد سے کسی چیز کو تحلیل کرنا جلائین کی ظاہری ساخت، شکل، رنگت، ذائقہ، بو ہر چیز کولاجن سے مختلف ہوتی ہے، کیونکہ کیمیائی عمل سے گزرنے کے بعد اور تحلیل ہونے کے بعد ایک نئی چیز وجود میں آتی ہے، جلائین ایک الگ قسم کا کیمیائی مادہ اور پروٹین ہے جو کولاجن سے مختلف ہے، ایک سائنسی حقیقت ہے کہ جلائین کا مادہ اور جلائین بالکل الگ چیز ہے، کولاجن میں پائے جانے والا کوئی بھی مخصوص مادہ جلائین میں نہیں۔

(۲) ڈاکٹر عمر افضل:-

ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کیمیائی عمل سے گزرنے کے بعد تحلیل ہو کر فقط ایک سیال مادہ باقی رہتا ہے جو ٹخنڈا ہونے پر جمایا جاسکتا ہے۔ تیار شدہ جلائین میں نہ تو کسی جانور کی کھال یا اس کا اثر باقی رہتا ہے۔

(۳) ڈاکٹر اصغر علی:-

جلائین بنانے کے تین طریقے ہیں: (الف) سوکھی ہڈی یا کھال کو صاف کرنے کے بعد اس کو 5% HCl (ایک طرح کے تیزاب) میں دس سے پندرہ دن رکھا جاتا ہے تو ایک کیمیکل کی شکل اختیار کر لیتا ہے پھر اس کیمیکل کو چار، پانچ گھنٹے 10% Lime چونے میں رکھا جاتا ہے اس کے بعد چونے سے نکال کر اس کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں پھر خشک کر کے اس کی نمی کو اڑانے کے بعد پٹیس کر اس کا جلائین بناتے ہیں۔

(ب) بچھڑے کی کھال کو دھو کر 10% Lime چونے میں چھ سے بارہ گھنٹے تک رکھتے ہیں پھر چونے سے نکال کر اس کو گرم پانی میں ڈال کر دیتے ہیں، پھر مندرجہ بالا پہلے طریقہ کے مطابق جلائین بنالیتے ہیں۔

(ج) خنزیر کی کھال کو صاف کر کے دھو کر 5-1% HCl تیزاب میں دس سے تیس گھنٹے تک رہنے دیتے ہیں پھر مندرجہ بالا طریقہ سے جلائین حاصل کرتے ہیں۔ (مخص از جدید فقهی تہیات، ۱/ص ۹۵ تا ۹۵)۔

ہمیں ایک اور طبیب کی تحقیق موصول ہوئی جو عدم تبدل حقیقت کے قائل ہیں۔

(۴) جناب ڈاکٹر محمد انصار حسین صاحب:-

(جو کہ کھال کی نکلنا لوجی کے شعبہ سے متعلق ہیں) ان کی تحقیق کا خلاصہ حسب ذیل درج ہے:

(۱) کھال کے تین پرت (تہہ) ہوتے ہیں، پہلی پرت میں بال اور مسامات ہوتے ہیں اور یہ پرت

پوری کھال کا ایک فیصد ہوتی ہے۔

دوسری پرت کھال کی موٹائی کا ۹۸ فیصد ہوتی ہے، اسی پرت میں ایک خاص چیز ہوتی ہے جسے کولاجن

کہتے ہیں۔

تیسری پرت گوشت کی ہوتی ہے، اس میں رگیں، نسین اور پٹھے بھی ہوتے ہیں یہ پرت بھی کھال کا ایک

فیصد ہوتی ہے۔

(۲) کولاجن، ہی جلائین ہے۔ (۳) جلائین بنانے کے عمل میں تیزاب کا استعمال، چونے کے پانی میں

رکھنا، ابالنا، گرم کرنا، اور حجر کا عمل، یہ سب صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ مجموعی کھال میں کولاجن کے ساتھ جو غیر

کولاجن والے اجزاء ہیں یعنی خون، چربی اور ریشے وغیرہ دور کیے جائیں اور خالص کولاجن حاصل کیا جائے، یہی

خالص اور شفاف کولا جن کو جلائین کا نام دیا جاتا ہے۔

(۴) جلائین بنانے کا عمل ایک کیمیائی عمل ہے لیکن اس عمل کا اثر کولا جن سے متصل اشیاء پر ہوتا ہے اور انہیں زائل کیا جاتا ہے، نفس کولا جن پر اس کیمیائی تبدیلی کا اثر نہیں ہوتا۔... الخ۔ (مخلص از مقالہ: کولا جن جلائین اور تبدیلی ماہیت)۔

اطباء کی تحقیقات پر معاصر علمائے کرام کی آراء:

(۱) مولانا خالد سیف اللہ صاحب: بظاہر یہ صورت قلب ماہیت کی محسوس ہوتی ہے، اور تحلیل خمر پر اس کو قیاس کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ نہ صرف اس کے اوصاف بلکہ شکل و صورت میں بھی تبدیلی آچکی ہے۔

(۲) مولانا محمد عبید اللہ اسعدی صاحب: چڑایا ہڈی اگر خنزیر کا ہو تو محض پینے سے استعمال درست نہیں، دوسرے جانور کی ہڈی یا مدبوحہ چڑے کا استعمال درست ہے اگر جلائین میں چڑے سے کشید کی کوئی شکل ہو تو دباغت کے بعد درست ہو سکتی ہے اور اگر جلائین یوں بنایا جائے کہ ہڈی سوکھ جائے یا چمڑے کی دباغت کے بعد پھر ان کو گلا کر دوسری شکل میں کر دیا جائے تو یہ قلب ماہیت ہے، نیز گلا کر دوسری شکل میں کرنے میں دباغت یا سوکھنے کی قید بھی نہ ہوگی۔

(۳) مولانا اختر امام عادل: جلائین کا معاملہ بھی سوال نامہ کے مطابق قلب ماہیت کا معلوم ہوتا

ہے۔

(۴) مفتی جمیل احمد ندوی: جلائین بنانے کے طریقے جو ماہرین کی تحریروں سے معلوم ہوئے ان میں سے کسی بھی طریقہ پر انقلاب ماہیت کی تعریف صادق نہیں آتی عدم انقلاب ماہیت کے باوجود جلائین کی بعض صورتیں جائز ہیں:

(الف) خنزیر کے علاوہ جانور کی خشک ہڈی کا جلائین جائز ہے۔ خواہ مدبوح ہو یا مردار۔

(ب) مدبوح جانور کی تر ہڈی اور کھال کا جلائین جائز ہے۔



(ج) ماکول اللحم کی آنت کا جلائین استعمال کیا جاسکتا ہے۔

(۵) مولانا ارشاد الحق اعظمی: اگر جلائین نجس چیز سے بنا ہو تو اس میں دو پہلو ہیں: نمبر (الف)

جلائین اصلاً نجسہ اور چکنا مادہ ہے جو زندگی کی علامت اور نجاست کا محل ہے اور مخصوص عمل سے اس کو محفوظ کیا گیا اس پہلو کو بد نظر رکھتے ہوئے نجس اشیاء سے بنا ہوا جلائین ناجائز ہے۔

(ب) جلائین کی پوزیشن اس غلاظت سے زیادہ واضح ہے جوٹی اور پانی میں پڑ کر کچھڑ بن جائے اس پر

علماء نے پاکی کا حکم لگایا ہے اس لیے یہ پاکی کے احتمال سے خالی نہیں، پھر ابتلائے عام بھی ہے اس لیے استعمال کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

(۶) مولانا محمد مصطفیٰ عبدالقدوس ندوی: صورتِ مسئلہ میں ذکر کردہ صورتِ قلبِ ماہیت کے تحت

آئے گی، کیونکہ گلانے کے بعد چمڑا ہڈی کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے قلبِ ماہیت کے اسباب میں سے احراق بھی ہے۔

(۷) مولانا ابوالعاص و حیدی: یقیناً جلائین کا جو عمل ہے وہ قلبِ ماہیت کے تحت آئے گا۔

(۸) مولانا محمد ارشاد القاسمی: جلائین بنانے کے تین طریقے سوال میں مذکور ہیں، یہ فقہی اصول اور

جزئیات اور تعریفِ انقلاب میں پائے جانے کی وجہ سے انقلابِ ماہیت میں داخل ہیں اور ضرورتِ عامہ اور عمومِ بلوی کے پیش نظر اس کی نوعیتِ شکل، بو، مزہ، حالت اور کیفیت بدل جانے کی وجہ سے جائز ہے۔

(۹) مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی: سوال نامہ میں جلائین کی جیسی تصویر کشی کی گئی ہے اگر واقعہ میں ایسا ہی ہو تو

بلاشبہ یہ انقلابِ عین اور قلبِ ماہیت کے تحت آئے گا، اور اس کی بیچ اور اکل و شرب جائز ہوگا۔

(۱۰) مولانا محمد برہان الدین سنہلی: اس فن کے بعض ماہرین نے راقم کو جنوبی افریقہ میں جلائین

بنانے کی فیکٹری کا مشاہدہ کرایا کہ اس طریقہ سے اس کی حقیقت بدل جاتی ہے، لیکن وہاں کے بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ حقیقت نہیں بدلتی۔

(۱۱) مولانا زبیر احمد قاسمی: جلائین کی جو وضاحت اور تصویر کشی کی گئی اس کو قلبِ ماہیت اور تحولِ عین

کے تحت مانا جاسکتا ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر مولانا سلطان احمد اصلاحی: جلائین (ڈاکٹر اصغر علی صاحب کے مواد کی روشنی میں) استحالہ یا قلب

ماہیت کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے۔

(۱۳) مولانا اعجاز احمد قاسمی: جلائین کی جو صورت سوال نامہ میں بیان کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے

کہ مردار کے چمڑے ہانڈی کو عمل تدبغ، تطبیخ، تشمیس، گلانے کی تدبیر نیز کیمیائی عمل وغیرہ کے ذریعہ شئی کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے۔

(۱۴) مولانا خورشید احمد اعظمی: جلائین کے بارے میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس سے بظاہر تو

یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت بدل جاتی ہے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر بعض علماء کے نزدیک جلائین میں تبدیل ماہیت نہیں ہوتی۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی تحقیقات)۔

(۱۵) مفتی تقی صاحب کے تفصیلی فتوے کا خلاصہ یہ ہے ان کے نزدیک ہڈی کے جلائین کو انفر پر قیاس

کرتے ہوئے اس کا استعمال درست ہے، البتہ کھال کے جلائین میں تبدیل ماہیت ہوتی ہے یا نہیں؟ تردد ہے۔ (از فتویٰ مفتی تقی صاحب، ۱۴، سوال ۱۴۱، ۱۴۱ھ)۔

(۱۶) مفتی اشرف صاحب مفتی جامعہ محمودیہ اسپرنگ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں تبدیل ماہیت ہو جاتی

ہے۔ چنانچہ ان کے ایک تفصیلی فتوے کا خلاصہ حسب ذیل درج کیا جاتا ہے:

... بقول ماہرین کولاجن سے جلائین بننے میں طبعی و کیمیائی تبدیلی وجود میں آتی ہے اور جلائین ایک نیا

مرکب بنتا ہے جو کہ اپنی اصل یعنی کولاجن سے بالکل جدا ہوتا ہے۔

بی۔ ٹیس دوائی کی کمپنی کی ”الشفاء الطبی“ کی رپورٹ کے مطابق کھال اور جلائین اپنی اپنی طبعی و

کیمیائی خصوصیات اور ظاہری شکل میں بالکل ایک جیسے نہیں ہیں، جلائین اور کولاجن دونوں مختلف ہیں۔

غذائی مواد تیار کرنے والے ماہرین کے مطابق کولاجن سے جلائین بننے کے عمل میں پوری طرح تبدیل

ماہیت ہو جاتی ہے۔... اس لیے احقر کا رجحان اس طرف ہے کہ جلائین ظاہر اور حلال ہے، کیونکہ تبدیل ماہیت

کے ساتھ عموم بلوی بھی ہے۔

### اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا چودھواں فقہی سمینار مورخہ ۲۰-۲۲/ جون ۲۰۰۴ء کو ہندوستان کے علی اور تاریخی شہر حیدرآباد کی مشہور دینی درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام میں منعقد ہوا، اس سمینار میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء، ارباب افتاء، میڈیکل سائنس اور فارماوادیہ سازی کے ماہرین شریک ہوئے، جس میں کشمیر سے لے کر کیرالہ تک اور مشرقی ہندوستان سے لے کر وسطی ہندوستان تک ہر علاقہ کے مندوب موجود تھے، ہندوستان کے علاوہ کویت، سعودی عرب، ایران اور نیپال سے بھی اصحاب نظر علماء نے شرکت فرمائی۔ اس پس منظر میں جو قرار دادیں منظور ہوئیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ جلائین ایک نامیاتی (organic) مرکب ہے، جو ایک قسم کا پروٹین ہے، یہ جانوروں کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دیگر قسم کے پروٹین کولاجن (collagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے، جو کیمیائی اور طبعی طور سے کولاجن سے یکسر مختلف ایک نئی قسم کے پروٹین کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور خصوصیات میں بھی کولاجن سے جدا ہوتا ہے۔

۲۔ شریعت نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو ان کا سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی شے کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس شے کی شناخت ہوتی ہے، وہی اس شے کی حقیقت و ماہیت ہیں۔

اکیڈمی کے سامنے فنی ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلائین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلائین بنایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے استعمال کی گنجائش۔

ماہرین کی رائے میں اختلاف کے پیش نظر شرکائے سمینار میں سے مولانا بدر الحسن قاسمی نے حرام جانوروں کے اجزائے جسم سے حاصل شدہ جلائین کے استعمال سے گریز کرنے کو ترجیح دی۔

۳۔ فقہاء کے اختلاف اور غذائی اشیاء کی اہمیت و نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے سمینار مسلمان صنعت

کاروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلائین تیار کریں، تاکہ اس کے حلال و پاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ (ماخوذ از جدید فقہی تحقیقات، ص ۳۷-۳۸)۔

جلائین کے استعمال کا ایک دوسرا رخ:

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے جب جلائین کی فیکٹری میں جلائین تیار ہونے کے مراحل و کیمیائی عملیات کا مشاہدہ فرمایا تو تبدیل ماہیت میں شبہ و غلبان پیش آیا جس کی وجہ سے عدم جواز کا مفصل فتویٰ تحریر فرمایا۔ بعد ازاں جمیعت العلماء جنوبی افریقہ کے بعض ذمہ دار حضرات نے دوبارہ اس مسئلہ پر غور کرنے کی دعوت دی تو دوبارہ جلائین کے بارے میں تحقیق فرمائی، اس کی مختصر وضاحت حسب ذیل درج کی جاتی ہے:-

اکثر جانور غیر مسلم اہل کتاب کے ہاتھ مذبوح ہیں، اور اہل کتاب کے ذبائح اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیں بعض مشائخ کے نزدیک حلال ہیں (خنزیر کے استثناء کے ساتھ، نیز اگر کوئی سکھ یا مجوسی جانور کو ذبح کرے تو وہ یقیناً حرام ہے)، ہاں بعض کے نزدیک حرام ہیں، تو ان کے حلال ہونے میں شبہ ہوا، پھر فقہاء کی بعض عبارات سے جلائین میں تبدیل ماہیت معلوم ہوتی ہے، بعض مفتی حضرات نے جلائین میں حقیقت کی تبدیلی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جب کہ فقہاء کی دوسری عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ جلائین میں حقیقت نہیں بدلتی، تو اب تبدیل ماہیت میں شبہ ہوا، اگر ان دونوں شبہوں کو ملایا جائے تو فقہاء کی اصطلاح میں اس کو شبہۃ الشبہ کہتے ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ شبہ کا اعتبار ہے لیکن شبہۃ الشبہ کا اعتبار نہیں۔

مثلاً: فقہاء تحریر فرماتے ہیں کہ اگر دراہم راس المال منجل ہو اور زعفران مسلم فیہ مؤجل ہو تو یہ جائز ہے، حالانکہ دونوں کے موزون ہونے کی وجہ سے شبہۃ الربا یعنی نسبیہ حرام ہونا چاہئے، لیکن جواباً کہتے ہیں کہ چونکہ ربا صرف ایک علت یعنی قدر مؤجل میں شبہ علت ربا ہے، اور دونوں کے وزن کے معیار میں بہت فرق کی وجہ سے شبہ، شبہۃ الشبہ میں تبدیل ہو گیا، اور شبہ معتبر ہے، شبہۃ الشبہ معتبر نہیں، لہذا نسبیہ جائز ہوا۔ ملاحظہ کیجئے: (ہدایہ: باب الربا، ۷/۹)۔ قال: فتنزل الشبهة فيه إلى شبهة الشبهة وهي غير معتبرة.

پہلا مقدمہ (ذبائح اہل کتاب بلا تسمیہ بعض مشائخ کے نزدیک حلال ہیں، اگرچہ ہمارے نزدیک یہ قول مفتی نہیں ہے لیکن جلائین میں ابتلائے عام کی وجہ سے یہ قول کارآمد ہوگا) کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

علامہ ابن عبدالبرؒ نے ”الاستذکار“ میں اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے:

وقد أجمعوا في ذبيحة الكتابي أنها تؤكل وإن لم يسم الله عليها إذا لم يسم عليها غير الله. (الاستذكار: ۱/۲۱۷).

اگرچہ یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ کما مر فی الذبائح۔

قال ابن رشد الأندلسي في ”بداية المجتهد“ (۱/۳۳۰، الباب الخامس فيمن يجوز تذكيته ومن لا تحوز): إذا لم يعلم أن أهل الكتاب سموا الله تعالى على الذبيحة: فقال الجمهور: تؤكل، وهو مروي عن عليؓ، ولست أذكر في هذا الوقت خلافاً... الخ.

اس عبارت میں بھی جمہور کی طرف نسبت کرنے میں تسامح ہے۔

مزید براں امام نوویؒ نے بھی ”المجموع شرح المہذب“ (۹/۷۸، دارالفکر) میں جمہور کی طرف نسبت کی ہے۔ لیکن اس میں بھی تسامح ہوا ہے۔

مفتی رشید صاحب نے بھی جمہور کی طرف نسبت کی ہے۔ ملاحظہ ہوا حسن الفتاویٰ میں ہے: کتابی نے اللہ کا نام چھوڑا مگر غیر اللہ کا نام نہیں لیا تو اس کی حلت میں اختلاف ہے عندا لجمہور حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۳۶۶)۔

البحر الرائق میں ہے:

قال في العناية: الكتابي إذا أتى بالذبيحة مذبوحة أكلنا، فلو ذبح بالحضور فلا بد من الشرط وهو أن لا يذكر عليها غير اسم الله... وإن ذبح بين يديك فإن سمي الله تعالى لا بأس بأكلها وكذا إذا لم يسمع منه شيء. (البحر الرائق: ۸/۱۶۸، ۱۶۸، كوئته).

قرآن کریم سے بھی کتابی کے طعام اور ذبیحہ کا حلال ہونا معلوم ہوتا ہے: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم﴾ قال: أي مجاهد ذبيحتهم وهكذا قال إبراهيم وقال ابن عباسؓ: إنما أحلت ذبائح اليهود والنصارى من أجل أنهم آمنوا بالتوراة والإنجيل كذا في الدر المنثور. يادر ہے کہ آیت کریمہ: ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق﴾ سورۃ انعام

کی ہے جو مکی ہے اور مقدم ہے۔ اور آیت کریمہ: ﴿وَطَعَامَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ﴾ سورہ مائدہ کی ہے جو مدنی ہونے کے ساتھ مؤخر اور غیر منسوخ ہے۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ والحسن والشعبي لم ينسخ من المائدة شيء (درمنثور) وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ نسخ من هذه السورة آيتان: آية القلائد وقوله: فإن جاءوك فاحكم بينهم أو أعرض عنهم. (درمنثور).

خلاصہ یہ ہوا کہ وطعام الذین اوتوا الكتاب حل لکم غیر منسوخ ہے اور اس میں تسمیہ شرط نہیں ہے، جب کہ اس سے پہلے مسلمانوں کے شکار کا ذکر ہے اور اس میں تسمیہ کا ذکر موجود ہے: ﴿فَكُلُوا مِمَّا امْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ...﴾ اس آیت کریمہ سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ تسمیہ مسلمانوں کے لیے شرط ہے نہ اہل کتاب کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودی عورت زہر آلود کبری کا گوشت لے کر آئی اور اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا، یہ نہیں پوچھا کہ تم نے اس پر بسم اللہ پڑھی تھی یا نہیں؟

”أن يهودية أتت النبي صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة فأكل منها فجنى بها فقيل: ألا تقتلها قال: لا. (رواه البخاری: ۱/۳۵۶)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ذبائح کے حلال ہونے کے لیے تسمیہ شرط نہیں ہے۔ لیکن دوسری طرف اکثر علمائے احناف اور حنابلہ یہ فرماتے ہیں کہ کتابی کے لیے بھی تسمیہ شرط ہے۔

قال العلامة بدر الدين العيني في ”البنية“ (۱۰/۶۳۸ ط: رشديه): فلو ترك الكتابي التسمية عمداً أو ذبح وسمى باسم المسيح لم تحل ذبيحته بإجماع الفقهاء وأكثر أهل العلم.

نیز قاضی ثناء اللہ پانی پٹیؒ نے تفسیر مظہری میں، حضرت حکیم الامت نے امداد الفتاویٰ میں، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں، علامہ شامیؒ نے رد المحتار میں، ابن الملکؒ نے مدیۃ الصیادین میں، ابن قدامہؒ نے المغنی میں، نیز صاحب ہدایہ، صاحب لباب، صاحب الاختیار، وغیرہ اکثر فقہاء نے کتابی کے لیے تسمیہ کو مشروع قرار دیا ہے۔

حوالہ جات ماقبل میں کتاب الذبائح کے تحت ”بعضاً اہل کتاب کا حکم، اور کتابی کا بوقت ذبح تسمیہ کا حکم، ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اب شبہ ہوا کہ کتابی کا ذبیحہ بلا تسمیہ حلال ہے یا حرام؟ بنا بریں مشتبہ چیز سے اجتناب کرنا چاہئے۔

دوسرا مقدمہ (انقلاب عین میں شبہ) کے دلائل ملاحظہ ہو:

فقہاء کی چند عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ جلاثنین میں تبدیل مابیت نہیں ہے جن کا ذکر اس مفصل فتویٰ میں کیا گیا ہے جو چند سال پہلے جمعیت العلماء کے فرمانے پر لکھا گیا تھا، لیکن بعض عبارتوں سے جلاثنین میں حقیقت کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ نفع المفتی والسائل میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:

الاستفسار: اختلط الماء والتراب أحدهما نجس، فصار طيناً، هل يحكم بنجاسته

أم بطهارته؟

الاستبصار: فيه أقوال: والفتوى على الاختلاف في البناية للعيني: قيل: العبرة فيه

للماء، وقيل للتراب، وقيل للغالب، وقيل: أيهما كان طاهراً، فالطين طاهر؛ وبه قال الأكثر، وقيل: وإن كانا نجسين، فالطين طاهر، لأنه صار شيئاً آخر كالكلب والخنزير إذا صاراً ملحاً في المملحة، انتهى.

وفي خزانة الرويات عن التهذيب: إذا اختلطا وأحدهما نجس، بعضهم اعتبر

التراب، والصحيح أنها نجس. انتهى. وهكذا في فتاوى قاضیخان وفي الدر المختار: العبرة

للسطاهر من ماء وتراب، به يفتی. انتهى؛ وفي البحر الرائق: في البزازیة الفتوى على أن

العبرة للطاهر أيهما كان، فهو مخالف لتصحيح قاضیخان، انتهى. (نفع المفتی والسائل، ص: ۱۰۲،

ط: دارحزم).

وفي البزازیة قال: الماء والتراب إذا كان أحدهما طاهراً والآخر نجساً اختلطاً

وجعلاً طيناً اختار الفقيه أبو الليث أن العبرة للنجس ترجيحاً للحرمة وقال محمد ابن سلام:

العبرة للطاهر لأنه صار شيئاً آخر وهو قول محمد وقد ذكر أن الفتوى عليه. (الفتاوى البزازیة

علیٰ ہامش الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۳/۴، الثامن فیما یصیب الثوب).

وفی الأشباه: والتراب الطاهر إذا جعل طيناً بالماء النجس، أو عكسه، والفتویٰ علی

أن العبرة للطاهر أيهما كان. (الأشباه والنظائر: ۱/۲۳۱، القاعدة الرابعة: المشقة تحلب التيسير).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مٹی کے ساتھ ناپاک پانی بجائے تو طین بن جانے کو بعض فقہاء نے تبدیل حقیقت تسلیم کیا ہے اور اس کو ”کالکلب إذا صار ملحاً“ فرمایا، اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جلائین میں کھالوں کی کیمیائی تبدیلی مٹی کی تبدیلی سے بدرجہا زیادہ ہے، مزید یہ کہ مختلف کیمیکلز کے ملانے سے بھی حقیقت کی کیمیائی تبدیلی کا ہونا سمجھ میں آتا ہے جیسے ناپاک قلعی (رائنگا، tin) کو گلایا جائے تو بعض علماء کے نزدیک پاک ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو: (نفع المفتی والسائل، ص ۱۴۶، المطہر الثالث عشر، ط: دار ابن حزم)۔

یہ طہارت غالباً حقیقت کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ورنہ یہ کوئی کھال نہیں کہ دباغت سے پاک ہو گئی ہو۔

لہذا جلائین میں شہ، شہبہ، الشبہ میں تبدیل ہونے کی وجہ سے اس کے کھانے کی گنجائش ہوگی۔ نیز گانے پگھلانے کے ساتھ اگر کیمیکلز بھی ڈالا جائے تو اس سے حقیقت کی تبدیلی بہت قرین قیاس ہے، ہاں اگر گدھے کے گوشت کو گلایا جائے تو اس میں سوائے پکانے کے اور کوئی عمل نہیں ہوا، لیکن جلائین میں ایسا نہیں بلکہ جلائین صابون کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے یعنی مائع چیز میں کیمیکلز وغیرہ ڈال کر بجایا گیا، یا شراب میں سرکہ ڈال کر کچھ دیر کے بعد شراب سرکہ بن گئی، غرض یہ کہ جلائین میں آگ کے عمل کے ساتھ کیمیکلز بھی کام کرتا ہے، بنا بریں اس میں حقیقت کی کیمیائی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ہڈیوں کے جلائین کا حکم:

سوال: جو جلائین مردار جانوروں کی ہڈیوں سے بنائی جاتی ہے اس کا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قطع نظر اس سے کہ حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے یا نہیں، ماکول اللحم جانوروں کی ہڈیوں سے

بنائی ہوئی جلائین پاک اور حلال ہے، کیونکہ فقہاء کے نزدیک ہڈی ”مما لا تحلہ الحیاء“ میں سے ہے یعنی جس چیز میں حیات نہیں ہے اس میں موت بھی اثر نہیں کرتی، لہذا اس کو میتہ نہیں کہہ سکتے، چنانچہ فقہاء نے مردہ مرغی



کے انڈے اور مردہ گائے کے دودھ کو حلال فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

البيضة إذا خرجت من دجاجة ميتة أكلت، وكذا اللبن الخارج من ضرع الشاة الميتة كذا في السراجية . (الفتاوى الهندية: ۳۳۹/۵).

وقال الإمام الطحاويّ في ”مختصر اختلاف العلماء“ (۳۴۲/۳): قال أبو حنيفة: لبن الميتة وإنفتحها طاهران لا يلحقهما حكم الموت وقال أبو يوسف ومحمد والثوري: يكره اللبن لأنه وعاء نجس وكذلك الإنفحة إذا كانت مائعة فإن كانت جامدة فلا بأس وقالوا: جميعاً في البيضة إذا كانت من دجاجة ميتة فلا بأس بها وقال مالك: لا يحل اللبن في ضرع الميتة وقال الثوري: اللبن لا يموت ويكره لأجل أن وعائه ميتة... الخ. کبیری میں ہے:

البيضة إذا وقعت من الدجاجة في الماء أو في المرققة لا تفسده... وكذا الإنفحة وهي ما يكون في معدة الرضيع من أجزاء اللبن طاهرة عند أبي حنيفة لا تفسد الماء ولا غيره، وإذا خرجت من شاة ميتة سواء كانت جامدة أو مائعة . (شرح منية المصلي، ص: ۱۵۰، ط: سهيل اكيڊمي).

وفي مجمع الأنهر: وإنفحة الميتة ولبنها طاهر قال ابن الملك: إنفحة الميتة... كرش الجدي أو الحمل الصغير لم يأكل بعد، يقال لها بالفارسية: ”نخير، مای“ یعنی إنفحة الميتة جامدة كانت أو مائعة طاهرة عند الإمام وكذا لبنها . (مجمع الأنهر: ۶۴/۱).

وللمزيد راجع: (المبسوط للإمام السرخسی: ۵۲/۲۳، دار الفکر، والموسوعة الفقهية: ۳۸۸/۳۹، وفقه السنة، ص ۲۳، والفتاوی السراجیہ، ص، والفتاوی البزازیة علی هامش الہندیة: ۳۶۵/۶).

مزید تفصیلات آنے والے مسئلہ ”نخیر، آنخہ“ کے تحت ملاحظہ کیجئے۔ اور اگر حقیقت کی تبدیلی مسلم ہو جیسے ماقبل میں مفصل مذکور ہو تو پھر تبدیل ماہیت کی بنا پر بھی جائز اور درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ”أنفس البیان فی حکم الأجبان“

### پنیر مایہ (جبین، cheese) کھانے کا حکم

**سوال:** مینہ یا غیر شرعی طور پر مذبوح جانوروں کے انجھ [rennet] سے جو پنیر تیار کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم مدلل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الحزیل۔

**الجواب:** ماکول اللحم جانور اگر شرعی طور پر ذبح کیے گئے ہوں تو اس کے انجھ [rennet] کی پاکی میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس سے بنائے ہوئے پنیر کا کھانا بالاتفاق جائز اور درست ہے، البتہ مردار کے انجھ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مطلقاً حلال ہے اور صاحبینؒ نے جامد اور مائع کے مابین فرق کیا ہے کہ مائع نجس ہے اور جامد دھونے کے بعد طاهر اور پاک ہے۔

اور اکثر مشائخ حنفیہؒ نے امام صاحبؒ کا قول اختیار کیا ہے۔ علامہ شامیؒ، علامہ طحاویؒ، امام ابو بکر جصاصؒ نے تو صراحۃً امام صاحبؒ کے قول کو ترجیح دی ہے، ان کے علاوہ دیگر حضرات کے طرزِ عمل سے مترشح ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا مذہب مختار ہے۔

مثلاً: صاحب ہدایہؒ نے التحییس والمزید میں اور صاحب فتاویٰ ولوالحیہ نے اور صاحب خلاصۃ الفتاویٰ وغیرہ نے فقط امام صاحبؒ کے قول کو ذکر فرمایا ہے اور صاحبینؒ کے قول سے کوئی تعرض نہیں کیا یہ بھی علامتِ ترجیح ہے۔

ہمارے اکابر اور معاصرین علماء میں سے حضرت تھانویؒ، حضرت مفتی نظام الدینؒ، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، حضرت مفتی تقی وغیرہ حضرات نے بھی حلال ہونے کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے یا حلال فتویٰ پر دستخط فرمائے

عرب علماء میں سے مثلاً: شیخ عبداللہ بن عبدالعزیز بن باز، شیخ یوسف برقانی، شیخ عبدالرزاق صبی، شیخ ابوبکر الجزائری، شیخ احمد محمد عسال، شیخ عبدالحمید طہماز وغیرہ نے بھی حلت کا قول اختیار فرمایا ہے۔

مزید براں احادیث میں صراحتہ مذکور ہے کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی فیکٹری میں بنے ہوئے پنیر کو تناول فرمایا اور یہ دریافت نہیں فرمایا کہ مذبوح جانور کا ہے یا میتہ کا نیز مانع اٹھ سے بنا ہے یا جامد سے، بلکہ مطلقاً تناول فرمانے کی تصریح موجود ہے۔

حوالہ جات درج ذیل ملاحظہ کیجئے:

الجبن من مصادر لبن الحيوان المأكول، لقوله تعالى: ﴿نَسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بَطْنِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ۶۶]۔

قال الإمام أبو بكر الجصاص في كتابه "أحكام القرآن": قال أبو حنيفة: لبن الميته وإنفاحتها طاهران، لا يلحقهما النجاسة، وقال أبو يوسف ومحمد والثوري: يكره اللبن لأنه في وعاء نجس وكذلك الإنفحة إذا كانت مائعة، فإن كانت جامدة فلا بأس؛ وقال مالك وعبد الله بن الحسن والشافعي: لا يحل اللبن في ضرع الميته.

قال أبو بكر: اللبن لا يجوز أن يلحقه حكم الموت لأنه لا حياة فيه ويدل عليه أنه يؤخذ منها وهي حية فيؤكل، فلو كان مما يلحقه حكم الموت لم يحل إلا بذكاة الأصل كسائر أعضاء الشاة؛ وأيضاً في قوله تعالى:

﴿نَسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بَطْنِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ۶۶]۔

عام في سائر الألبان، فاقترض ذلك شئين: أحدهما: أن اللبن لا يموت، ولا يحرمه موت الشاة.

والثاني: أنه لا ينجس بموت الشاة، ولا يكون بمنزلة لبن جعل في وعاء ميت. (احکام

القرآن: ۱/ ۱۲۰، ۱۹، باب منفعة الميت ولبنها، ط: سهيل اكيدي).

پنیر کی حلت احادیث کی روشنی میں ہے:

(۱) روی ابن حبان فی صحیحہ (۵۲۴۱) بسندہ فقال: أخبرنا الحسن بن سفيان قال: حدثنا يحيى بن موسى البلخي (ثقة) قال: حدثنا إبراهيم بن عيينة (صدوق، صالح) قال: حدثنا عمرو بن منصور (ثقة) عن الشعبي (ثقة) عن ابن عمر رضي الله عنه قال: أتني النبي صلى الله عليه وسلم بجنبه من بؤك فدعا بسكين فسمى وقطع .

قال الشيخ شعيب الأرناؤوط: إسناده حسن .

وأيضاً رواه أبو داود (۳۸۲۱)، والبيهقي في الكبرى (۲۰۱۷۶)، وفي الصغرى (۳۹۹۷).

(۲) أخرج الإمام أحمد بن حنبل في مسنده (۲۷۵۵/۴۸۲/۴) بسنده، فقال: حدثنا أسود حدثنا شريك (سيء الحفظ) عن جابر (ضعيف) عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنه قال: أتني النبي صلى الله عليه وسلم بجنبه في غزاة فقال: أين صنعت هذه فقالوا: بفارس ونحن نرى أنه يجعل فيهما مئة فقال: اطعنوا فيها بالسكين واذكروا اسم الله وكلوا. ذكره شريك مرة أخرى فزاد فيه فجعلوا يضربونها بالعصي .

قال الشيخ شعيب الأرناؤوط: حسن لغيره، وهذا إسناده ضعيف، شريك سيئ الحفظ، وجابر - وهو ابن يزيد الجعفي - ضعيف. وأخرجه الطبراني (۱۱۸۰۷)، وابن عدى (۵۴۳ ۲)، والبيهقي (۶/۱۰) من طرق عن شريك بن عبد الله، بهذا الإسناد؛ وقرن الطبراني بشريك قيس بن الربيع (صدوق تغير لما كبر).

أخرجه الهيثمي في زوائد مسند أبي يعلى (۱۷۱۹/۲) بهذا الإسناد. والبوصيري في الزوائد (رقم: ۳/۳۶۳۵) وقال: مدار هذه الأسانيد على جابر الجعفي وهو ضعيف.

وقال الهيثمي: رواه أحمد والبخاري وقال: في غزوة الطائف وفيه جابر وقد ضعفه الجمهور وقد وثق وبقيّة رجال أحمد رجال الصحيح . (مجمع الزوائد: ۵/۴۳، باب ماجاء في الجبن، دار الفكر).

(۳) أخرج الطبراني في الأوسط (۱۵۷۴) قال: حدثنا أحمد قال: حدثنا محمد قال:

حدثنا المعافى بن عمران عن هشام بن سعد عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار عن ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن الجبن قال: "اقطع بالسكين واذكر اسم الله وكل". لم يرو هذا الحديث عن زيد إلا هشام ولا عن هشام إلا المعافى .

وأخرجه أيضاً البيهقي في شعب الإيمان (٥٩٥٤)، وأبو نعيم في الحلية (٢٩١/٨)، وابن الأثير في أسد الغابة (٤١٦/٣).

قال الهيثمي: فيه أحمد بن الفرج الحجازي، ضعفه محمد بن عوف وابن عدى، ووثقه ابن أبي حاتم، وبقية رجاله ثقات. (معجم الزوائد: ٤٣/٥، دار الفکر).

صحابہ کے آثار سے بھی حلت مستفاد ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا هشيم، قال: أخبرنا أبو حمزة، قال: سمعت ابن عباس ؓ وسئل عن الجبن؟ قال: ضع السكين فيه، واذكر اسم الله، وكل .

حدثنا هشيم، عن أبي حيان الأزدي، قال: سألت ابن عمر ؓ عن الجبن؟ فقال: ما يأتينا من العراق شيء هو أعجب إلينا منه .

حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن قرظة، قال: عمر ؓ: كلوا الجبن فإنه لبأ [أول اللبن في التاج] ولبن .

حدثنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن تملك، قالت: سألت أم سلمة؟ فقالت: ضعي فيه سكينك، واذكري اسم الله جل وعز، وكلّي .

حدثنا سلام، عن سعيد بن مسروق، عن منذر، عن ابن الحنفية، قالوا: كلوا الجبن عُرضاً . [قال في النهاية: "كل الجبن عُرضاً" أي اشتره ممن وجدته ولا تسأل عن عمله من مسلم أو غيره].

حدثنا يحيى بن سعيد، عن ابن عجلان، عن ربيعة، عن خالته، قالت: جاءنا جبن من العراق، فأرسلت إلى عائشة رضي الله تعالى عنها، فقالت: كلّي واطعميني .

حدثنا جریر، عن مغيرة، عن أم موسى، عن عليؑ، قال: إذا لم تدرؤا من صنعہ، فاذکروا اسم اللہ علیہ، وکلوه .

حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن شقيق، عن عمرو بن شرحبيل، قال: ذکرنا الجبن عند عمرؓ، فقلنا له: إنه يصنع فيه أنافع الميتة، فقال: سموا علیہ وکلوه . (روذا رواه عبد الرزاق فی مصنفه: ۵۳۷/۴، قال أحمد: هذا أصح حديث فی هذا الباب).

حدثنا وكيع، عن سفيان، عن جحش، عن معاوية بن قرة، عن الحسن بن عليؑ؛ أنه سئل عن الجبن؟ فقال: لا بأس به، صنع السكين، واذکر اسم اللہ علیہ وکل . [قال الهيثمي: ۵۶/۵: رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحيح].

حدثنا وكيع، عن أبي جعفر الرازي، عن الربيع، عن أبي العالية، عن سويد، غلام كان لسلمانؓ وأُنسى علیہ خيراً، قال: لما افتتحنا المدائن خرج الناس فی طلب العدو، قال: قال سلمانؓ: وقد أصبنا سلة، فقال: افتحوها فإن كان طعاماً أكلناه، وإن كان مالاً دفعناه إلى هؤلاء، قال: ففتحنها فإذا أرغفة حوارى، وإذا جنة وسكين، قال: وكان أول ما رأت العرب الحوارى، فجعل سلمانؓ يصف لهم كيف يعمل، ثم أخذ السكين وجعل يقطع، وقال: بسم اللہ کلوا. (مصنف ابن أبي شيبة: ۳۷۵/۱۲، ط: المجلس العلمي، ومصنف عبد الرزاق: ۵۳۸/۴-۵۴۰، المكتب الاسلامی، بیروت، والسنن الكبرى للبيهقي: ۶/۱۰، بیروت).

سنن کبریٰ میں ہے:

عن أنس بن مالكؓ قال: كننا نأكل الجبن على عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وبعد ذلك لا نسأل عنه. (السنن الكبرى للبيهقي: ۷/۱۰).

☆ أصح حديث فی هذا الباب حديث عمر بن الخطابؓ :

قال ابن أبي شيبة: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن شقيق، عن عمرو بن شرحبيل، قال: ذکرنا الجبن عند عمرؓ، فقلنا له: إنه يصنع فيه أنافع الميتة، فقال: سموا علیہ وکلوه . (رواه ابن أبي شيبة فی مصنفه: ۲۴۹۰۸/۱۰، عبد الرزاق فی مصنفه: ۵۳۷/۴).

قال القارئی : قال أحمد : أصح حديث في جبن المجوس هذا الحديث . (المروقة : ۸۰ / ۲ ، امدادیہ ، ملتان) .

قال ابن رجب الحبلی في جامع العلوم والحکم : قال الإمام أحمد : أصح حديث فيه هذا الحديث يعني جبن المجوس . (ص : ۲۸۴ ، دار المعرفة ، بیروت) .  
(و کذا فی المغنی لابن قدامة : ۸۹ / ۱) .

لیکن بعض آثار سے ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ ممانعت والی روایات ملاحظہ ہوں :  
مصنف عبدالرزاق میں ہے :

عبد الرزاق عن إسرائيل عن مجزأة بن زاهر عن عطاء البصري (وهو ابن عجلان ، منکر الحديث) ، قال : كنت عند ابن عمر رضی اللہ عنہما ... قلت : فالجبن ، قال : يؤتى به من العراق فتأكله ونطعمه غلماننا قلت : فإنهم يجعلون فيه الميتة قال : فإن علمت أن فيه ميتة فلا تأكله .  
(مصنف عبدالرزاق : ۵۴۱ / ۴ ، ۸۷۹۲) .

قلت : إسناده ضعيف .

عبد الرزاق عن معمر عن رجل (مجهول) أنه سأل سعيد بن المسيب عن الجبن فقال :  
إن علمت أن فيه ميتة فلا تأكله وإلا فسمّ وكل . (مصنف عبدالرزاق : ۵۴۱ / ۴ ، ۸۷۹۴) .  
قلت : إسناده ضعيف .

(۲) أخبرناه أبو بكر الأردستاني أنبأنا أبو نصر العراقي حدثنا سفيان الجوهري حدثنا علي بن الحسن الهلالي حدثنا عبد الله بن الوليد (قال ابن معين : لا يعرفه ولم اكتب عنه شيئاً) حدثنا سفيان حدثني إبراهيم العقيلي حدثني عمي ثور بن قدامة قال : جاءنا كتاب عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أن لا تأكلوا من الجبن إلا ما صنع أهل الكتاب . (رواه البيهقي في الكبرى : ۲۰۱۸۳ / ۶ / ۱۰) .

(۳) حدثنا عبيدة بن حميد ، عن منصور ، عن عبيد بن أبي الجعد ، عن قيس بن السكن ، قال : قال عبد الله : لا تأكلوا من الجبن إلا ما صنع المسلمون وأهل الكتاب . (رواه

ابن ابی شیبہ فی المصنف: ۱۲/۳۷۷/۲۴۹۰۰)۔

وأيضاً رواه البيهقي في الكبرى (۶/۱۰)، والطبرانی في الكبير (۸۹۸۰)، وقال الهيثمي:

رجاله ثقات . (مجمع الزوائد: ۵/۴۳، دار الفکر)۔

مذکورہ بالا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر اگرچہ سند اقویٰ ہے لیکن مقوف ہے اور مرفوع روایات سے علی الاطلاق حلت معلوم ہوتی ہے اس لیے مرفوعات کو ترجیح ہوگی۔

روایات کے درمیان تطبیق ملاحظہ ہو:

(۱) حلت مرفوع روایات سے ثابت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی تناول فرمایا۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ نے دونوں روایات کے مابین درج ذیل تطبیق دی ہے:

کراہت کی روایات اہل حجاز سے مروی ہے جن کا مجوسیوں سے کوئی تعلق نہیں، اس کے برخلاف حلت کی روایات اہل عراق سے مروی ہیں جو مجوسیوں کے علاقہ ہی میں رہتے تھے اور وہ ان کی مصنوعات کے بارے میں زیادہ باخبر تھے۔

(۳) ممانعت کے آثار اکثر سند اضعیف ہیں۔ اور حلت کی روایات سنداً صحیح ہیں۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سنداً صحیح ہے تو یہ احتیاط اور تقویٰ پر محمول ہوگی۔

(۵) جن صحابہ کرام سے ممانعت مروی ہے وہ اس کے میتہ ہونے کی بنیاد پر ہے، یعنی وہ حضرات اٹھ کے میتہ ہونے کے قائل تھے، اس کے برخلاف آثار سے ثابت ہے اور اکثر حضرات کا مسلک ہے کہ لبن میں حیات نہیں تو موت بھی حلول نہیں کرتی۔

وقد روي عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه قال: اللبن لا يموت . (اللاوسط لابن المنذر: ۲/۲۸۹)۔

وعن ربيع بن أنس عن أبي العالية قال: سأله عن الأنافح، فقال: إن اللبن لا يموت .

(مصنف عبدالرزاق: ۴/۵۳۹)۔

جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿مَنْ بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا...﴾ الخ کی تفسیر میں مفسرین نے

ذکر کیا ہے۔ بنا بریں ممانعت کی روایات ہماری بحث سے خارج ہوں گی۔



قال الإمام ابن تیمیة : الأظهر أن جبنهم (المجوس) حلال ، وأن إنفحة الميت ولبنها طاهر ، وذلك لأن الصحابة لما فتحوا بلاد العراق أكلوا جبن المجوس ، وكان هذا ظاهراً شائعاً بينهم ؛ وما ينقل عن بعضهم كراهة ذلك ففيه نظر ، فإنه من نقل بعض الحجازيين وفيه نظر ، وأهل العراق كانوا أعلم بهذا فإن المجوس كانوا ببلادهم ولم يكونوا بأرض الحجاز ، ويدل على ذلك أن سلمان الفارسي ؓ كان هونائب عمر بن الخطاب ؓ على المدائن وكان يدعو الفرس إلى الإسلام ، وقد ثبت عنه أنه سئل عن شيء من السمن والجبن والفراء؟ فقال : الحلال ما أحل الله في كتابه ، والحرام ما حرم الله في كتابه ، وما سكت عنه فهو مما عفا عنه . (رواه الترمذی: ۳۰۳/۱) .

وقد رواه أبو داود مرفوعاً إلى النبي صلى الله عليه وسلم ومعلوم أنه لم يكن السؤال عن جبن المسلمين وأهل الكتاب ، فإن هذا أمر بين ، وإنما كان السؤال عن جبن المجوس ، فدل ذلك على أن سلمان كان يفتي بحلها ، وإذا كان روى عن النبي صلى الله عليه وسلم انقطع النزاع بقول النبي صلى الله عليه وسلم . (مجموع الفتاوى: ۱۰۳/۲۱، ۱۰۴/۱۰ فصل في لبن الميتة وافتحتها) .

وينظر : (مجموع الفتاوى لابن تیمیة: ۱۰۲/۲۱، ودقائق التفسير لابن تیمیة: ۱۲/۲) .

قال الإمام أبو بكر الجصاص : فأباح النبي صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث (حديث ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم) أكل الجميع منه ، ولم يفصل بين ما صنع منه بإنفحة ميتة أو غيرها وقد روي عن علي وعمر وسلمان وعائشة وابن عمر وطلحة بن عبد الله وأم سلمة والحسن بن علي ؓ إباحة أكل الجبن الذي فيه إنفحة الميتة . (احکام القرآن: ۱/۱۲۰) .

کتب فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیے :

قال الإمام السرخسي في المبسوط : ولا بأس بالجبن وإن كان من صنعة المجوس لما روي أن غلاماً لسلمان رضي الله تعالى عنه أتاه يوم القادسية فيها جبن وخبز وسكين

فجعل يقطع من ذلك الجبن لأصحابه فيأكلونه... إلى قوله : ولأن الجبن بمنزلة اللبن ولا بأس بما يحلبه المجوس من اللبن إنما لا يحل ما يشترط فيه الذكاة إذا كان المباشر له مجوسياً أو مشركاً والذكاة ليست بشرط لتناول اللبن والجبن فهو نظير سائر الأطعمة والأشربة بخلاف الذبائح وهذا لأن الذكاة إنما تشترط فيما فيه الحياة ولا حياة في اللبن وقد بينا ذلك في النكاح... ألا ترى أن في الأصل اللبن إنما يخرج من موضع النجاسة قال الله تعالى : ﴿من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين﴾ [النحل: ٦٦] وعلى هذا إنفحة الميتة عند أبي حنيفة طاهرة مائعة كانت أو جامدة بمنزلة اللبن. (المبسوط: ٢٤/٥١ ط: دار الفكر بيروت).

مجمع الانهر میں ہے:

وإنفحة الميتة ولبنها طاهر قال ابن ملك: إنفحة الميتة... يقال لها بالفارسية : ”نیرمایہ“ یعنی إنفحة الميتة جامدة كانت أو مائعة طاهرة عند الإمام وكذا لبنها أما الإنفحة الجامدة فإن الحياة لم تحل فيها وأما المائعة واللبن فلأن نجاسة محلها لم يكن مؤثرة فيهما قبل الموت ولهذا لأن اللبن الخارج بين فرث ودم طاهر فلا تكون مؤثرة بعد الموت. (مجمع الانهر: ١/٩٦، دار الكتب العلمية).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

اختلف الفقهاء في الحكم بنجاسة إنفحة الميتة من الحيوان المأكول اللحم، حيث قد تستعمل في صناعة الجبن، وذلك على ثلاثة أقوال: أحدهما: لجمهور الفقهاء من المالكية والشافعية والحنابلة في ظاهر المذهب، وهو أنها نجسة...

والثاني: لأبي يوسف ومحمد صاحب أبي حنيفة وهو أنها إن كانت مائعة فهي نجسة لنجاسة وعائها، وإن كانت صلبة يغسل ظاهرها وتؤكل.

والثالث : لأبي حنيفة وأحمد في رواية عنه رجحها ابن تيمية وهو أنها طاهرة ، لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم لما دخلوا المدائن أكلوا الجبن ، وهو يعمل بالإنفحة التي تؤخذ من صغار المعز ، وذبا نجهم ميتة . (الموسوعة الفقهية: ۳۸۸/۳۹).

وقال الطحطاوي : ولبن وإنفحة... وقال أبو حنيفة : ليستا بمتنجستين ، لأن الموت لا يحلهما ،... وهو ظاهر المذهب . (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص ۱۶۹ ط: قديمي).

قال ابن عابدين الشامي : وكذا الإنفحة هو المختار ، وعندهما يتنجس وهو الاحتياط . (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۴۹/۱، قبيل كتاب الصلاة، سعيد).

وللمزيد من البحث راجع : (غنية المتملى فى شرح منية المصلی، ص ۱۵۰، فصل فى الانجاس ط: سهيل اكيڈمي، و الفتاوى الهندية: ۲۳/۱، والجوهرة النيرة: ۱/، و الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى الهندية: ۲۲/۳، و ۳۶۵/۶، و فتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ۱۲/۱ و ۲۱، و خلاصة الفتاوى: ۳۳/۱، و الفتاوى الولوالجية: ۳۸/۱، و الفتاوى التاتارخانية: ۲۲۳/۱، و كتاب التجنيس والمزید: ۲۳۵/۱، و احكام القرآن للامام الجصاص: ۱۲۰/۱، و بدائع الصنائع: ۱/۶۳، ۴۳/۵، و تبیین الحقائق: ۲۶/۱، و البحر الرائق: ۱/۱۱۲، و المحيط البرهانی: ۱/۱۳۳، و نفع المفتی والسائل، ص ۳۷۹، و ۱۱۳، و التفسير لابن كثير: ۲۱۹/۱، و البحر المحيط للزركشى: ۳/۳۵۶).

علامہ شامیؒ کی عبارت سے شبہ اور اس کا جواب:

بعض حضرات کو علامہ شامیؒ کی درج ذیل عبارت سے شبہ پیدا ہوا اس کی وضاحت ملاحظہ ہو:

قال فى الدر المختار : وكذا كل ما لا تحله الحياة حتى الإنفحة واللبن على الراجح . وفى رد المحتار : قوله على الراجح ، أى الذى هو قول الإمام ، ولم أر من صرح بترجيحه ، ولعله أخذه من تقديم صاحب الملتقى له وتأخيره قولهما كما هو عادته فيما يرجحه وعبارته مع الشرح : وإنفحة الميتة ولو مائعة ولبنها طاهر كالمذكاة خلافاً لهما لتنجيسهما بنجاسة المحل ، قلنا : نجاسته لا تؤثر فى حال الحياة إذ اللبن الخارج من بين فرث ودم طاهر ، فكذا

بعد الموت .

ثم اعلم أن الضمير في قول الملتقى ولبنها عائد على الميتة ، والمراد به اللبن الذي في ضرعها ، وليس عائداً على الإنفحة كما فهم المحشي حيث فسرها بالجلدة ، وعزا إلى الملتقى طهارتها لأن قول الشارح ولو مائة صريح بأن المراد بالإنفحة اللبن الذي في الجلدة ، وقوله لتنجيسها الخ ، صريح في أن جلدها نجسة ، وبه صرح في الحلية حيث قال بعد التعليل المار : وقد عرف من هذا أن نفس الوعاء نجس بالاتفاق ، ولدفع هذا الوهم غير العبارة في مواهب الرحمن فقال : وكذا لبن الميتة وإنفتحها ونجسها وهو الأظهر إلا أن تكون جامدة فتطهر بالغسل ، أفاد ترجيح قولهما وأنه لا خلاف في اللبن ، على خلاف ما في الملتقى والشرح فافهم . ( الدر المختار مع رد المحتار : ۲۰۶/۱ ، سعيد ) .

مواہب الرحمن کی عبارت لانے سے علامہ شامیؒ کا مقصود قول صاحبینؒ کو ترجیح دینا نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ معدے کی جلد کے نجس ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ، اور شارح ملتقی نے جو معدے کی جلد کی طہارت کی نسبت ماتن کی طرف کی ہے اس میں تسامح ہے نیز شارح ملتقی کو اس بارے میں وہم ہوا ہے ، جس کا ازالہ مواہب الرحمن کے طرز عبارت میں معمولی تغیر کی بنا پر ہو جاتا ہے ۔

مذکورہ توجیہ کی تائید علامہ شامیؒ کی دوسری عبارت سے ہوتی ہے جو فتاویٰ تاتارخانیہ سے نقل کی ہے اس میں اپنا رجحان ظاہر کرتے ہوئے امام صاحب کے قول کو مختار کہا ہے اور صاحبین کے قول کو احتیاط پر محمول کیا ہے ۔  
ملاحظہ ہو فرماتے ہیں :

وكذا الإنفحة وهو المختار ، وعندهما يتنجس ، وهو الاحتياط . ( الدر المختار مع

رد المحتار : ۳۴۹/۱ ، سعيد ) .

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ علامہ شامیؒ کا امام صاحبؒ کے قول کو مختار کہنا اس عبارت کے بعد ہے جس میں صاحبینؒ کے قول کی ترجیح کا شبہ ہوتا ہے ۔ یہ عبارت صفحہ ۲۰۶ پر ہے اور امام صاحب کے قول کو مختار کہنے کی عبارت صفحہ ۳۴۹ پر قبیل کتاب الصلاة مذکور ہے ۔

بعض اکابر کی عبارات ملاحظہ فرمائیے:  
بہشتی زیور میں ہے:

نیر مایہ پاک اور حلال ہے خواہ شتر اعرابی کا ہو یا کسی اور جانور ماکول اللہم کا، اس کی ماہیت یہ ہے کہ شیر خوار بچہ کو دودھ پلا کر فوراً ذبح کرتے ہیں اور اس کے پیٹ میں سے وہ دودھ نکال لیتے ہیں جو قدرے منجمد ہو جاتا ہے اس میں یہ اثر پیدا ہو جاتا ہے کہ سیال چیز کو جماتا ہے اور منجمد چیز کو پگھلاتا ہے اور اور بھی خواص پیدا ہو جاتے ہیں اور اسی سے جن یعنی نیر بنایا جاتا ہے اس کی حلت خلاف قیاس ہے کیونکہ مافی المعدہ گوہر کے حکم میں ہے لیکن جن کی حلت اور طہارت ثابت بالنص اور متفق علیہ ہے اس واسطے اس کو بھی حلال اور پاک کہا گیا جگال کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔ (بہشتی زیور، نو اہ حصہ ص ۱۱۰، دارالاشاعت)۔

دودھ کے ناپاک نہ ہونے کی علت اشرف الاحکام میں ملاحظہ ہو: (ص ۱۸۶، مردہ جانور کا دودھ حلال ہے)۔

فتاویٰ خلیلیہ میں ہے:

لبن مہیتہ میں بندہ ناچیز کو یہ شبہ پیدا ہوا تھا کہ جب مہیتہ تکمیل اجزا انہا نجس ہے تو اس کا دودھ بوجہ اتصال محل نجس جو ظرف ہے کیوں نجس نہیں ہوا؟...

بندہ نے یہ شبہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا، حضرتؒ نے غور و فکر کے بعد اس کا یہ جواب مرحمت فرمایا کہ چونکہ یہ ظرف عصبانی ہے لہذا وہ ناپاک نہیں ہوا۔ حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم، ص ۷۶، کتاب الطہارۃ، مکتبۃ الاشع)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

ممکن ہے کہ مایہ شتر اعرابی کو اس وجہ سے پاک کہا گیا ہے کہ جن پاک ہے تو اس کا پاک ہونا مایہ شتر اعرابی کے پاک ہونے کو مستلزم ہے، اور جن کا پاک ہونا قطعی اور مجمع علیہ ہے لہذا خلاف قیاس اس کو پاک کہا گیا۔ (فتاویٰ مظاہر العلوم، ص ۸۳)۔

منتخب نظام الفتاویٰ میں ہے:

کبیری کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو گائے کے بچے کے شکم

سے یا بکری وغیرہ کسی بھی ایسے جانور سے نکالا جاتا ہے، جس کا گوشت کھانا حلال ہے وہ انھیں اس جانور کے شکم سے شرعی طریقہ سے ذبح کرنے کے بعد نکالا جائے وہ بالاتفاق حلال اور پاک ہوتا ہے اور اس کا کھانا اور استعمال کرنا درست رہتا ہے، اور جو انھیں ماکول اللحم ہی جانور کے پیٹ سے نکال دیا جائے مگر بغیر شرعی ذبح کیے ہوئے (مردار) جانور سے تو صاحبینؒ کے نزدیک حلال تو ہوتا ہے مگر معدہ کی خارجی ناپاک رطوبت کی آمیزش کی وجہ سے ناپاک رہتا ہے، اگر خشک اور منجمد ہو تو دھو کر پاک و طہر بھی کیا جاسکتا ہے اور بعد از تطہیر استعمال بھی کیا جاسکتا ہے، اور اگر رقیق اور سیال ہے تو ناپاکی کے سراپت کر جانے کی وجہ سے اس کی تطہیر کی کوئی شکل مفید نہیں رہتی، اور اس کا استعمال درست نہیں ہوگا، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر حال میں اس کا استعمال درست رہتا ہے، اور رہے گا، کیونکہ وہ رطوبت امام صاحبؒ کے نزدیک ناپاک نہیں ہوتی، اور اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلے گا کہ از روئے فتویٰ اس کا استعمال جائز اور درست رہے گا، از روئے تقویٰ احتیاط افضل ہوگی۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۳/۱ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل میں مختلف فتاویٰ نقل کیے گئے ہیں: از ص ۴۲۱ تا ص ۴۴۵)۔

نیز جامعۃ الازہر کے صالح العود نے بنام ”صناعة الأجناب الحديث وحکم أكلها“ رسالہ تالیف فرمایا ہے اس رسالہ میں کتاب، سنت کے دلائل کے ساتھ معاصرین علماء کے فتاویٰ اور ان کے اقوال بھی نقل کیے ہیں۔ حلال کہنے والے مفتیان اور علماء کے چند اسماء درج ذیل ہیں:

- (۱) فتوى اللجنة الدائمة للبحوث العلمیة والإفتاء، للشیخ رئیس عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز۔ (المملکة العربیة السعودیة کا عام فتویٰ، اس پر چند علماء کے دستخط بھی موجود ہیں)۔
- (۲) مفتی جمہوریہ مصر العربیہ محمد سعید ططاوی کا فتویٰ، عموم بلوئی کی وجہ سے جواز کو ترجیح دی ہے۔
- (۳) فتویٰ مفتی عمان سعید عبد الحفیظ حجاوی، المفتی العام بالوكالة، المملکة الاردنیة الهاشمیة۔
- (۴) فتویٰ مفتی صلاح الدین قایا، مفتی استانبول، ترکیا۔
- (۵) فتویٰ دارالافتاء، دارالعلوم کراچی۔
- (۶) فتویٰ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔

(۷) شیخ یوسف برقانی۔

(۸) شیخ عبدالرزاق حلبي، مفتی الاحناف بإدارة جامع بنی امیہ دمشق۔

(۹) شیخ ابوبکر جابر الجزائری، المدرس بالمسجد النبوی الشریف۔

(۱۰) شیخ احمد محمد الحسین۔

(۱۱) شیخ عبدالحمید طہماز، فقیہ حنفی و مدرس التریبۃ الاسلامیۃ۔ (از ص: ۵۳۔ تا ص: ۸، ط: دارالکتب العلمیۃ

بیروت). واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ بالا رسالہ کے آخر میں خلاصہ لکھا ہے، اس خلاصہ کے آخر میں مذاہب اربعہ کی روشنی میں ایک نقشہ

بنایا ہے۔

ذیل میں اس رسالہ کا نقشہ ملاحظہ ہو:

## جدول یسین الجبن الحلال والجبن الحرام

نوع الجبن	محتواہ	حکمه شرعاً
حیوانی ماکول اللحم ومذبوح شرعاً	إنفحة حیوان ماکول ومذبوح	حلال بالإتفاق
حیوانی ماکول غیر مذبوح	إنفحة مبتة	علي الخلاف:- حلال عند أبي حنيفة وأحمد في إحدى الروایتين (هذا هو الزاجح عند الأحناف والحنابلة) - حرام عند مالك والشافعي وعند أحمد في الرواية الأخرى
نباتی	مستحدث نباتية	حلال بالإتفاق
مجهول الحال	مجهول	مباح (ای حلال) بالإتفاق
حیوان محرم الاکل (كالخنزير)	إنفحة خنزير	حرام بالاتفاق



## داخا اور حشیش کے استعمال کا حکم:

**سوال:** ماریوانا یا داخا کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ نیز حشیش کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** داخا اور حشیش کے استعمال کا حکم یکساں نہیں ہے بلکہ ان میں فرق ہے داخا اگر زیادہ یا معتد بہ مقدار میں استعمال کیا جائے جس میں نشہ کا اندیشہ اور ظن غالب ہو تو وہ حرام ہے اگرچہ نشہ توڑی دیر رہ کر جلدی ختم ہو جائے اور اگر معمولی اور قلیل مقدار میں لیا جائے تو تفصیل ہے کہ اگر لہو لعب اور مستی کے طور پر استعمال کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہوگا، البتہ طبی مقاصد کے لئے معمولی مقدار میں اس کے لینے کی گنجائش ہو سکتی ہے بشرطیکہ کوئی حاذق متقی مسلمان طبیب کے مشورہ سے ہو اور اس کا کوئی بدل بھی نہ ہو۔

حشیش کے بارے میں علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کا استعمال کسی بھی مقدار میں جائز نہیں ہے خصوصاً جبکہ ماہرین اور جدید تحقیقات کرنے والے کا کہنا کہ حشیش کے کوئی طبی منافع اور فوائد کا ثبوت اب تک نہیں ملا۔  
دلائل حسب ذیل ملاحظہ کیجئے:

القنب الہندی: ایک پودے کا نام ہے جس کے پھولوں اور پتوں سے مختلف مخدرات بنائے جاتے ہیں البتہ ان تمام مخدرات میں نشہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ ان میں نشہ کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے کثیر تفاوت پایا جاتا ہے ان میں سے دو معروف و مشہور ہیں:

(۱) ماریوانا جو بھنگ کے مشابہ ہے جنوبی افریقہ میں داخا کے نام سے مشہور ہے۔ اطباء کا کہنا ہے کہ داخا کا معمولی استعمال طبی اعتبار سے فوائد کثیرہ کا حامل ہے، اور کئی بیماریوں کا علاج ہے۔

(۲) حشیش مذکورہ پودہ کے پھولوں میں موجود دانوں کو سکھا کر بنایا جاتا ہے۔ سائنسی تحقیقات یہ بتلائی ہیں کہ اس میں بھنگ اور داخا سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ نشہ پایا جاتا ہے۔

المخدرات دمار للمجتمعات میں ہے:

المخدرة فی اللغة: الخدر هو ستر يعد للجارية فی ناحية البيت والخدر هو تورم العين أو ثقل فیها من قذى والخدره هی الظلمة الشدیدة. المخدر اصطلاحاً: هو کل ما

غطی العقل والحواس ولم يصحبه نشوة وسرور أما إن غيب العقل وصحب ذلك نشوة و سرور فهو المسكر . (المختارات دَمَار للمجتمعات لعبيد العصيمي، ص: ۱۰).

الدر المختار میں ہے:

(ويحرم أكل البنج والحشيشة) هي ورق القنب (والأفيون) لأنه مفسد للعقل ويصد عن ذكر الله وعن الصلاة ( لكن دون حرمة الخمر). وفي ردالمحتار: قوله ويحرم أكل البنج وفي القهستانى هو أحد نوعى شجر القنب حرام لأنه يزيل العقل وعليه الفتوى بخلاف نوع آخر منه فإنه مباح كالأفيون لأنه وإن اختل العقل به لا يزول وعليه يحمل ما فى الهدايه وغيرها من إباحة البنج كما فى شرح اللباب . أقول هذا غير ظاهر لأن ما يخل العقل لا يجوز أيضا بلا شبهة فكيف يقال: إنه مباح بل الصواب أن مراد صاحب الهداية وغيره إباحة قليله للتداوى ونحوه ومن صرح بحرمة أراد به القدر المسكر منه يدل عليه ما فى غاية البيان عن شرح شيخ الإسلام: أكل قليل السقمونيا والبنج مباح للتداوى وما زاد على ذلك إذا كان يقتل أو يذهب العقل حرام فهذا صريح فيما قلنا ... وفى أول طلاق البحر من غاب عقله بالبنج والأفيون يقع طلاقه إذا استعمله للهو وإدخال الآفات قصداً لكونه معصية . وإن كان للتداوى فلا لعدمها كذا فى فتح القدير وهو صريح فى حرمة البنج والأفيون لا للدواء وفى البزازیة والتعليل بنادى بحرمة لا للدواء كلام البحر: وجعل فى النهر هذا التفصيل هو الحق . والحاصل أن استعمال الكثير المسكر منه حرام مطلقاً كما يدل عليه كلام الغاية . وأما القليل فإن كان للهو حرم وإن سكر منه يقع طلاقه لأن مبدأ استعماله كان محظوراً وإن كان للتداوى وحصل منه اسكار فلا .

قوله وهي ورق القنب، قال ابن البيطار ومن القنب الهندى نوع يسمى بالحشيشة يسكر جداً إذا تناول منه يسيراً قدر درهم حتى أن من أكثر منه أخرجه إلى حد الرعونة وقد استعمله قوم فاختلت عقولهم وربما قتلوا . (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الاشربة: ۶ /

دوسری جگہ مرقوم ہے۔

وممن جزم بحرمة الحشيشة شارح الوهبانية في الحظر ونظمه فقال:

وأفتوا بتحريم الحشيش وحرقه ☆ وبتطليق محتش لزجر وقرروا

لبائعه التاديب والفسق البتوا ☆ وزندقة للمستحل وحرروا

علامہ شامیؒ اس عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

قوله وممن جزم الخ قد علمت إجماع العلماء على ذلك. (رد المحتار، کتاب

الاشربة: ۶/۴۶۱، سعید).

وللمزيد راجع: (شرح منظومة ابن وهبان، فصل من كتاب الكراهية: ۱۷۶/۲، وورد المختار،

مطلب في البنج والافيون والحشيشية: ۴/۴۲، سعید، وفتح القدير، كتاب الطلاق: ۳/۳۳۷، ۳۶، و رد

المختار، كتاب الطلاق: ۳/۳۳۹، سعید، و البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۳۸).

واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش في القرآن میں ہے:

نص كثير من الأطباء والعلماء بأحوال النبات على أن الحشيش مسكر منهم أبو عبد

اللہ محمد بن أحمد المالقي العشاب المعروف بابن البيطار وكمال الدين بن الواصل بل

حكي الزركشي إجماعهم على ذلك وكذلك الفقهاء صرحوا بأن الحشيش مسكر

وممن عده مسكر من غير الشافعية... ونقل الشيخ عبد الغني النابلسي الحنفی ذلك عن

كتاب تنوير الأبصار وجامع البحار من كتب الحنفية وعللو ذلك بأن السكر معناه تغطية

العقل ومنه قوله تعالى: لقالوا إنما سكرت أبصارنا أى غطيت وهذا المعنى موجود في

الحشيش. (واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش في القرآن لأبي الفضل عبد الله بن محمد، ص: ۷۳-۷۷).

وقال في مقام آخر: اتفق العلماء من المذاهب الأربعة على تحريمها (أى

الحشيش) إنما اختلفوا هل هي مسكرة او مخدرة؟ فالذين قالوا بالأول استدلو بحديث

كل مسكر حرام. والذين قالوا بالثاني استدلو بحديث. نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم

عن كل مسكر ومفتر. رواه أحمد وأبو داود من حديث أم سلمة رضى الله عنها بإسناد

حسن۔ قال العلماء: المفتر كل ما يورث الفتور والخدر في الأطراف وقال الزركشي: هذا الحديث أول دليل على تحريم الحشيشة بخصوصها فإنها إن لم تكن مسكرة كانت مفترية مخدرة.

والخلاصة: أن الأدلة على تحريم الحشيش خمسة:

الأول: حديث كل مسكر حرام. على القول بأنها مسكرة وهو مذهب الحنفية والشافعية والحنابلة أو حديث نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن كل مسكر ومفتر على القول بأنها مخدرة وهو الصحيح عند المالكية.

الثاني: الإجماع حكاه القرافي وابن تيمية وشمس الحق.

الثالث: أنها تصد عن ذكر الله وعن الصلاة فتكون في معنى الخمر من هذه الجهة ومعنى صدها أن تناولها لا يجوز له أن يصلي حتى يذهب أثرها من عقله ومن صلى قبل ذهاب أثرها فصلاحه لا تصح.

الرابع: أنها من الخبائث وهي محرمة بقوله تعالى ويحرم عليهم الخبائث.

الخامس: ما فيها من الضرر الحسى والمعنوى والقاعدة الشرعية أن ما فيه مضرة

فهو حرام لحديث لا ضرر ولا ضرار وهو حديث صحيح. (واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش من القرآن، ص ۸۱-۷۸).

کفایت المفتی میں ہے:

حرام اشیاء و دواء استعمال کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب کوئی مسلمان طبیب حاذق یہ کہہ دے کہ اب کوئی دوا نافع نہیں رہی۔ (کفایت المفتی: ۱۳۹/۹، ط: دارالاشاعت)۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (امداد الاحکام: ۳۱۸/۳، و فتاویٰ حقانیہ: ۴۰۱/۵، و کفایت المفتی: ۲۵۶/۹،

و فتاویٰ محمودیہ: ۳۸۱/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## فصل دوم

### احکام الشرب کا بیان

پانی پینے کے بعد کی دعا:

سوال: اگر کسی حدیث شریف میں صرف پانی پینے کی دعا وارد ہوئی ہو تو تحریر کیجئے؟

الجواب: بعض ضعیف اور مرسل روایات سے پانی پینے کے بعد درج ذیل دعا کا پڑھنا ثابت ہے:

”الحمد لله الذي سقانا عذبا فراتاً برحمته ولم يجعله ملحاً أجاجاً بذنوبنا“.

أخرجه الطبراني في الدعاء (۸۹۹) عن أبي جعفر مرسلًا.

و أبو جعفر وهو الباقر محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ؑ تابعي ثقة .

قلت: إسناده ضعيف ، والحديث مرسل . فيه جابر الجعفي وهو ضعيف .

وكذا رواه البيهقي في شعب الإيمان (۴۱۶۲) ، وابن أبي الدنيا في ”الشكر“ (۶۹) ،

وأبو نعيم في ”الحلية“ (۱۳۷/۸) وقال: غريب من حديث الفضيل وجابر وهو يزيد الجعفي

الكوفي وأبو جعفر هو محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب ؑ كذا رواه

مرسلًا . وأخرجه العراقي في ”تخريج الإحياء“ (۱۳۱۱) وقال: أخرجه الطبراني في الدعاء

مرسلًا من رواية أبي جعفر محمد بن علي بن الحسين .

ورواه ابن عبد الہادی فی ”أحادیث منتقاه“ (۳۳۸/۱) عن ابن جریج ، عن ابن خیشم مرفوعاً . و رجالہ ثقات ، لکنہ مرسل أيضاً ، وابن جریج مدلس وقد عنعنه .  
و ذکرہ الإمام السیوطی فی ”الجامع الصغیر“ (۶۷۲۸) وعزاه لأبی نعیم فی الحلیۃ ، و رمز لہ بالضعیف .

خلاصہ یہ ہے کہ پانی پینے کے بعد مذکورہ بالا دعا کا پڑھنا بعض ضعیف اور مرسل روایات سے ثابت ہے۔ اور تلقی بالقبول کی وجہ سے ضعیف حدیث قابل عمل اور لائق حجت ہے، نیز فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا فقہاء اور محدثین کے ہاں مشہور و معروف ہے۔  
ملاحظہ ہو قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

قد یحکم للحديث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول ، وإن لم یکن له إسناده صحیح قال ابن عبد البر فی ”الاستذکار“ لما حکى عن الترمذی أن البخاری صحح حدیث البحر [هو الطهور ماء] وأهل الحديث لا یصححون مثل إسناده ، لكن الحديث عندي صحیح لأن العلماء تلقوه بالقبول . قلت : والقبول یكون تارة بالقول ، وتارة بالعمل علیہ . (قواعد فی علوم الحدیث، ص ۶۰)۔

قال فی الدر المختار : فیعمل بہ فی فضائل الأعمال ، قال محشیہ ابن عابدین : لأجل تحسین الفضیلة المترتبة علی الأعمال . قال ابن حجر فی شرح الأربعین : لأنه إن کان صحیحاً فی نفس الأمر فقد أعطى حقه من العمل ، وإلا لم یترتب علی العمل بہ مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق للغير . (قواعد فی علوم الحدیث، ص ۹۲)۔ واللہ اعلم .

## پانی پینے کے چند آداب:

سوال: پانی پینے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ تین سانس سے پینا، سر ڈھانپ کر پینا، اور برتن میں سانس نہ لیتا یہ باتیں سنت ہیں یا نہیں؟ نیز پانی پینے کے آداب کیا ہیں؟

**الجواب:** علماء نے احادیث کی روشنی میں پانی پینے کے کچھ آداب بیان فرمائے ہیں، چند حسب ذیل

ملاحظہ کیجئے:

(۱) پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) تین سانس سے پینا۔

(۳) ہر مرتبہ ابتدا میں بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ کہنا۔

(۴) بیٹھ کر پینا۔

(۵) پانی پینے سے قبل برتن کو دیکھ لینا۔

(۶) برتن میں سانس نہ لینا۔

(۷) داہنے ہاتھ سے پینا۔

(۸) پانی چوس کر پینا، غٹ غٹ جانور کی طرح اتارنا مکروہ ہے۔

(۹) گلاس یا پیالے کے ٹوٹے ہوئے حصے کی طرف سے نہ پینا۔

(۱۰) پانی پینے کے بعد یہ دعا پڑھنا: ”الحمد لله الذي سقانا عذباً فرأنا برحمته ولم يجعله

ملحاً أجاجاً بذنوبنا“۔

سرڈھانکنے سے متعلق صراحۃً کہیں نظر سے نہیں گزرا لیکن اگر کھانا کھانے پر قیاس کرے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ مکشوف الراس کھانا کھانا جائز اور درست ہے، اس اعتبار سے مکشوف الراس پانی پینا درست ہے، مکروہ یا خلافِ اولیٰ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ثمامة بن عبد الله قال : كان أنس رضی اللہ عنہ يتنفس في الإناء مرتين أو ثلاثاً وزعم أن

النبي صلى الله عليه وسلم كان يتنفس ثلاثاً . (رواه البخاری ۲۰/۸۴۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے۔

عن عبد الله بن أبي قتادة عن أبيه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا

شرب أحدکم فلا يتنفس فی الإناء . (رواه البخاری : ۲ / ۸۴ ، باب النهی عن التنفس فی الإناء)۔

حضرت ابو قتادہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔

قال العلامة العینی: إن البخاری جعل الإناء فی الترجمة الأولى ظرفاً للتنفس، والنهی عنه لاستقذاره، وقال فی هذه الترجمة: الشرب بنفسین، فجعل النفس للشرب أن لا يقتصر علی نفس واحد بل يفصل بین الشربین بنفسین أو ثلاثة خارج الإناء، فبهذا ينتفی التعارض . (عمدة القاری: ۱۴/۶۲۶، دار الحديث، ممتان)۔

عن ابن شہاب: أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا شرب تنفس ثلاثة أنفاس ونهی عن العب نفساً واحداً ويقول: ”ذلك شرب الشيطان“۔ قال الإمام البيهقي: هذا مرسل . (اخرجه البيهقي في شعب الايمان برقم الحديث : ۵۶۱۰)۔

أخرج الإمام البيهقي في ”الآداب“ (۴۴۴)، بسندہ، عن أنس بن مالک ؓ: أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم کان إذا شرب تنفس ثلاثاً، ويقول: ”هو أهنا وأمرأ وأبرأ“۔ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طریقے سے پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

وروينا... عن ابن أبي الحسين أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: إذا شرب أحدکم فليمص مصاً ولا يعب عباً، فإن الكباد من العب“۔ (الآداب للإمام البيهقي، رقم: ۴۴۴)۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم پانی پیو تو چوس کر پیو، غٹ غٹ مت پیو، اس سے جگر کی بیماری ہوتی ہے۔

وعن ابن مسعود ؓ قال: كان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا شرب فی الإناء تنفس ثلاثة أنفاس، يحمد اللہ عز وجل في كل نفس، ويشكره في آخرهن . (عمل اليوم والليلة رقم: ۴۷۰، اسنادہ ضعیف، بحیث: معلى بن عرفان منكر الحديث)۔



حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے تو تین مرتبہ میں نوش فرماتے اور ہر مرتبہ میں الحمد للہ کہتے، اور آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا فرماتے۔

وعن نوفل بن معاوية الدؤلي رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب بثلاثة أنفاس، يسمي الله عز وجل في أوله، ويحمده في آخره. (عمل اليوم والليلة برقم: ۴۷۱).

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہتے تھے۔

فتاویٰ شامی میں ہے:

... إن السنة في شرب الماء المص. (فتاویٰ الشامی: ۷۶۶/۳، کتاب الایمان، سعید).

النتف في الفتاوى میں ہے:

وأما السنة ... والثاني عشر: شرب الماء بثلاثة أنفاس في موضع يكون يكون صلاحاً. (النتف في الفتاوى، ص ۱۵۸، کتاب الاطعمة، ط: بيروت).

زاد المعاد میں ہے:

وكان هديه الشرب قاعداً، هذا كان هديه المعتاد... وفي صحيح مسلم من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتنفس في الشراب ثلاثاً، ويقول: إنه أروى وأمرأ وأبرأ، الشراب في لسان الشارع وحملته الشرع: هو الماء، ومعنى تنفسه في الشراب: إبانته القدح عن فيه، وتنفسه خارجه، ثم يعود إلى الشراب، كما جاء مصرحاً به في الحديث الآخر: ”إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في القدح، ولكن ليبين الإناء عن فيه“. [خرج ابن ماجه: ۳۴۲۷، من حديث أبي هريرة مرفوعاً]... وللتسمية في أول الطعام والشراب، وحمد الله في آخره تأثير عجيب في نفعه واستمراءه، ودفع مضرته. (زاد المعاد: ۲۲۹/۴، ۲۳۲، فصل في هديه في الشرب وآدابه، ط: مؤسسة الرسالة).

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب میں ہے:

وروی ابن عدي عن أنس رضی اللہ عنہ أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب جرعة ، ثم قطع ، ثم سقى ، ثم جرع ، ثم قطع ، ثم سقى الثالثة ، ثم جرع ، ثم مضى فيه حتى فرغ منه ، فلما شرب حمد الله تعالى عليه . وروى ابن عدي أيضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال : ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم شرب شرباً قط إلا تنفس فيه ثلاثاً كلها يقول : بسم الله ، والحمد لله ... إذا علمت ذلك فينبغي لك الاقتداء بمعدن التقوى وينبوع الهدى ، ولا تشرب كشرب البعير ، بل تنفس خارج الإناء ثلاث مرات ، هذا هو المستحب المسنون ، وصفة ذلك كما قال الإمام المحقق أن تقول : بسم الله وتشرب ، ثم تبين الإناء عن فيك وتقول : الحمد لله وتنفس خارجة كما مر ، ثم تفعل الثانية والثالثة كذلك . (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب: ۲/ ۱۰۸ ط: بيروت).

مذکورہ بالا روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی نوش فرماتے تھے اور ہر مرتبہ ابتداء میں بسم اللہ اور انتہا میں الحمد للہ کہتے تھے۔

ولا تشرب من ثلثة الإناء أى الوعاء والثلثة الكسر... فيكره للشارب أن يقصد الثلثة فيشرب منها؛ لأنها محل اجتماع الوسخ لعدم التمكن من غسلها تماماً... ولأنه ربما لا يتمكن من حسن الشرب منها وربما انجرح بحددها ، ولأنه يقال : الردىء من كل شيء لاخير فيه . وأخرج أبو داود وابن حبان في صحيحه عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال : نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الشرب من ثلثة القدح وأن ينفخ في الشراب . (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب: ۲/ ۱۰۶).

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ برتن کے ٹوٹے ہوئے حصے کی طرف سے مشروب پینا مکروہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: (غذاء الالباب شرح منظومة الآداب: ۲/ ۱۰۵-۱۱۰ ط: دار الکتب

العمية ، بيروت ، وزاد المعاد: ۴/ ۲۲۹-۲۳۲ ، كان هديه في الشرب وآدابه ط: مع سمة الرسالة ، وشمائل كبرى ، جلد اول ، ص ۱۲۹-۱۳۰ ط: زمزم پبلشرز ، واسوئہ رسول اکرم ، ص ۱۳۳ ط: دار الاشاعت ، کراچی ، وسنت نبوی

اور جدید سائنس ، جلد اول ، ص ۱۲۹-۱۳۳ ط: ادارہ اسلامیات)۔ واللہ اعلم۔

**بوتل اور مشروب کے ڈبے سے پینے کا حکم:**

**سوال:** بوتل سے پانی پینا صحیح ہے یا مکروہ؟ نیز مختلف مشروب کے ڈبے ملتے ہیں، اسی طرح جو مشروب نکلی کے ساتھ آتے ہیں ان سے براہ راست پینا درست ہے یا نہیں؟ کیا یہ شرب من ثم السقاء کی ممانعت میں داخل ہے یا نہیں؟

**الجواب:** احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے سے منع فرمایا، شراح حدیث نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ چونکہ اندر کا حال معلوم نہیں ہے اس لیے نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے لہذا جن ڈبوں کے اندر کا حال معلوم نہیں ہوتا تو ان سے پینا مکروہ ہوگا، ہاں وہ بوتلیں جن کے اندر کی حالت باہر سے واضح طور پر نظر آتی ہے تو ان میں یہ وجہ نہیں تو ان سے پینا درست ہوگا، تاہم گرنے کا اندیشہ ہے، اس سے بچنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من فم القربة أو السقاء .

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الشرب من فی السقاء .  
وعن أبي سعيد الخدري يقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ينہی عن اختناث الأسقية . قال عبد اللہ قال معمر أو غيره هو الشرب من أفواہها . (بخاری شریف: ۸۴۱/۲، ط: فیصل).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولا يشرب بنفس واحد ، ولا من فم السقاء والقربة لأنه لا يخلو عن أن يدخل حلقه ما يضره كذا في الغياثية . (الفتاویٰ الہندیة: ۳۴۱/۵).

لیکن بعض روایتوں سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قلت: روي أحاديث تدل على جواز الشرب من فم السقاء؛ منها: ما رواه الترمذی من حديث عبد الرحمن بن أبي عمرة عن جدته كبشة قالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فشرب من في قربة معلقة، وقال: حديث حسن صحيح [رقم: ۱۸۹۲] ومنها: حديث أنس بن مالك رضي الله عنه رواه الترمذی في الشمائل: أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل وقربة معلقة فشرب من فم القربة.

ومنها: حديث عبد الله بن أنيس عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قام إلى قربة معلقة فخنثها ثم شرب من فمها، رواه الترمذی وأبو داود، وقد صح عن جماعة من الصحابة والتابعين فعل ذلك، فروى ابن أبي شيبة في المصنف عن ابن عباس رضي الله عنه أنه كان لا يرى بأساً بالشرب من في الإداوة، وعن سعيد بن جبيرة قال: رأيت ابن عمر رضي الله عنهما يشرب من في الإداوة، وعن نافع، أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يشرب من في السقاء، وعن عباد بن منصور قال: رأيت سالم بن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما يشرب من في الإداوة. (عمدة القاری: ۱/۶۲۴، ط: ملتان).

احادیث کے درمیان تطبیق:

فإن قلت: كيف يجمع بين هذه الأحاديث التي تدل على الجواز وبين حديثي الباب السليدين يدلان على المنع؟ قلت: قال شيخنا: لو فرق بين ما يكون لعذر كان تكون القربة معلقة ولم يجد المحتاج إلى الشرب إناء متيسراً ولم يتمكن من تناول بكفه فلا كراهة حينئذ، وعلى هذا تحمل هذه الأحاديث المذكورة، وبين ما يكون لغیر عذر فيحمل عليه أحاديث النهي. قيل: لم يرد حديث من الأحاديث التي تدل على الجواز إلا بفعله صلى الله عليه وسلم وأحاديث النهي كلها من قوله فهي أرجح. والله أعلم... وقال النووي: اتفقوا على أن النهي هنا للتنزيه لا للتحريم، قيل: في دعواه الاتفاق نظر... (عمدة القاری:

احادیث کے مابین تطبیق کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) ممانعت والی احادیث قوی ہیں جو کہ رائج ہیں۔

(۲) جواز والی احادیث عذر پر مبنی ہیں۔ یعنی کسی کو کوئی عذر ہو تو اس کے لیے اجازت ہے۔

(۳) امام نوویؒ نے فرمایا کہ علماء کا اتفاق ہے کہ نبیؐ تزییہی ہے نہ کہ تحریمی۔ یعنی ممانعت خلاف اولیٰ کے

قبیل سے ہے۔ لیکن علماء کے اتفاق کے دعوے کو علامہ عینیؒ نے محل نظر فرمایا ہے۔

ممانعت کی حکمتیں ملاحظہ فرمائیے:

ووجه الحکمة فی النهی ما قاله قوم من أنه لا يؤمن من دخول شيء من الهوام مع الماء في جوف السقاء فيدخل فم الشارب ولا يدري فعلى هذا لو ماء السقاء وهو يشاهد الماء الذي يدخل فيه ، ثم ربطه ربطاً محكماً ، ثم لما أراد أن يشرب حله فشرب منه لا يتناولہ النهی ، وقيل : ما أخرجه الحاكم من حديث عائشة ، رضي الله تعالى عنها ، بسند قوي بلفظ : نهى أن يشرب من في السقاء ، لأن ذلك ينتنه ، وهذا عام ، وقيل : إن الذي يشرب الماء من فم السقاء قد يغلبه الماء فينصب منه أكثر من حاجته فلا يأمن أن يشرب به أو تبطل ثيابه . وقيل : ينزل بقوة فيقطع العروق الضعيفة التي بإزاء القلب ، فربما كان سبباً للهلاك . (عمدة القاری: ۱۴/۶۲۵)۔

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وقيل : سبب النهی أنه يقدره على غيره . وقيل : إنه ينتنه . والكل ممكن ولا تراحم

فی الأسباب . وأما كون النهی للتزیه فلما ثبت عن كبشة بنت ثابت قالت : ... الخ . (تكملة

فتح الملہم: ۹/۴ ط: دارالعلوم کراچی)۔

ممانعت کی مختلف حکمتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) برتن سے کسی جانور کے پیٹ میں داخل ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۲) برتن میں محفوظ پانی میں بو محسوس ہوتی ہے۔

(۳) دوسرے ساتھی کے لیے باعثِ کلفت ہوتا ہے۔

(۴) حاجت سے زیادہ نکلنے سے تکلیف کا اندیشہ ہے۔

(۵) قوت کے ساتھ نکلنے سے نقصان کا اندیشہ ہے۔

پانی دیکھ کر پینے کا طبعی فائدہ:

سنت نبوی اور جدید سائنس میں ہے:

پانی میں ایسے کیڑے ہوتے ہیں جو اندر چلے جائیں تو جگر، معدے اور تلی کو نقصان پہنچاتے ہیں بعض طفیلی کیڑے ایسے ہوتے ہیں، اگر پانی کو دیکھ کر نہ پیا جائے تو وہ پانی کے ذریعے اندر چلے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ پانی میں بچھو کا چھوٹا سا بچہ تھا اب اگر وہ اندر چلا جاتا تو کیا کیفیت ہوتی۔

ملتان نشتر ہسپتال میں ایک نوجوان کا آپریشن ہوا اس کے معدے سے ایک کچھو نما بلائی ڈاکٹر نے کہا کہ یہ پانی کے ذریعہ اندر گئی تھی اور مریض بھی فوت ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کامیابی کی دلیل ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس: ۱/۱۳۰) واللہ اعلم۔

کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینے کا حکم:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانا کھانے کے درمیان یا بعد میں پانی پینا ثابت ہے یا نہیں؟

اطباء کہتے ہیں کہ کھانا کھانے کے آدھا گھنٹہ بعد پانی پینا چاہئے اگر کوئی شخص اس پر عمل کرے تو وہ سنت کے خلاف کام کرنے والا کہا جائیگا یا نہیں؟

الجواب: اطباء جو کہتے ہیں کہ کھانا کھانے کے آدھا گھنٹہ بعد پانی پینا چاہئے یہ سنت کے خلاف نہیں

ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی نوش نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ سیرت نگار حضرات نے کھانا کھانے کے فوراً بعد پانی پینے کو طبی اعتبار سے مکروہات میں شمار کیا ہے۔ ہاں تھوڑا بہت پانی پینا اس کے خلاف نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ ابن القیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

ولم یکن من ہدیہ أن یشرّب علی طعامہ فیفسدہ ، ولا سیما إن کان الماء حاراً أو بارداً ، فإنہ ردیء جداً ... ویکرہ شرب الماء عقیب الرياضة ، والتعب ، وعقیب الجماع ، وعقیب الطعام وقبلہ ، وعقیب الفاکھة ، وإن کان الشرب عقیب بعضها أسهل من بعض ... فهذا کله منافی لحفظ الصحة ، ولا اعتبار بالعوائد ، فإنها طبائع ثوان ... وأما ہدیہ فی الشراب ، فمن أكمل ہدی یحفظ بہ الصحة . ( زاد المعاد: ۴/ ۲۲۴ ط: مؤسسة الرسالة ) .  
شمال کبریٰ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد ( فوراً ) پانی نوش نہیں فرماتے تھے۔ ( مدارج صفحہ ۱۷۰ )۔  
کھانے کے بعد فوراً پانی پینا عمدہ اور ہضم کے لیے مضر ہے اس لیے تھوڑی دیر کے بعد پانی پینا چاہئے۔ ( شمال کبریٰ: ۱/ ۱۲۸، ط: زمزم پبلشرز )۔  
اسوۂ رسول اکرم میں ہے:

کھانے کے بعد پانی پینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے خصوصاً اگر پانی گرم ہو یا زیادہ سرد ہو کیونکہ یہ دونوں صورتیں بہت زیادہ نقصان دہ ہوتی ہیں، آپ ورزش کے بعد ٹکان ہونے پر اور کھانا پھل کھانے پر اور جماع یا غسل کے بعد پانی پینے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ ( اسوۂ رسول اکرم، ص ۱۳۳، ط: دارالاشاعت )۔  
واللہ اعلم۔

## کھڑے کھڑے پانی پینے کا حکم:

سوال: بعض فقہاء نے کھڑے کھڑے پانی پینے کو جائز اور بعض نے مکروہ تنزیہی لکھا ہے، ملا علی قاریؒ نے خلاف ادلیٰ فرمایا ہے۔ جب کہ مسلم شریف کی روایت میں کھڑے کھڑے پانی پینے پر قے کرنے کا حکم وارد ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: قیاماً پانی پینے کے بارے میں مختلف قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بعض روایات سے

ممانعت معلوم ہوتی ہے، اور بعض سے جواز مترشح ہوتا ہے۔ دونوں کے مابین علماء نے درج ذیل تطبیقات دی ہیں:

(۱) ممانعت والی احادیث کراہتِ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ پر محمول ہیں، بیان جواز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل فرمایا۔ یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے کہ کھڑے کھڑے پانی پینا زمانہ جاہلیت کی عادت ہو اس لیے ابتدا میں اس سے سخت ممانعت ہوئی اور قے کرنے کا حکم ہوا پھر بعد میں جب لوگ قاعداً پانی پینے کے عادی ہو گئے اور شرب قائماً کی کبھی ضرورت پڑتی ہے اور کبھی آسان ہوتا ہے اس لیے اس میں تخفیف کر دی گئی اور کراہتِ تنزیہی رہ گئی۔

(۳) جواز کی احادیث زیادہ قوی ہیں اس لیے رائج ہیں۔

(۴) ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں احادیث جواز اور عمل صحابہ کی وجہ سے۔

(۵) احادیث جواز منسوخ ہیں۔ لیکن یہ قول زیادہ صحیح نہیں کیونکہ بعد میں صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے۔

(۶) احادیث الٰہی ضرر طبعی پر محمول ہیں، اور احادیث الجواز اباحتِ شرعیہ پر۔

(۷) بعض علماء نے احادیث انہی پر کلام کیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے رد کیا ہے۔

(۸) جہاں بیٹھنے کے مواقع میسر ہوں وہاں کراہت ہوگی ورنہ بلا کراہت شرب قائماً جائز ہوگا۔

ممانعت والی روایات ملاحظہ ہوں:

عن قتادة عن أنس ؓ أن النبي صلى الله عليه وسلم زجر عن الشرب قائماً .

عن قتادة عن أنس ؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه نهى أن يشرب الرجل قائماً .

عن أبي غطفان المديني أنه سمع أبا هريرة ؓ يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

لا يشرب من أحد منكم قائماً فمن نسي فليستقي . (رواه الثلاثة مسلم: ۱۷۳/۲، باب في شرب قائماً ط: فيصل).

و عن أبي هريرة ؓ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو يعلم الذي يشرب

و هو قائم ما في بطنه لاستقاء ه . أخرجه أحمد في مسنده (۷۸۰۸) وابن حبان في صحيحه



(۵۳۲۴) . وقال شعيب الأرنؤوط: حديث صحيح .

جواز والی روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عبد الملك بن ميسرة عن النزال قال: أتى علي عليه السلام باب الرحمة فشرب قائماً فقال: إن ناساً يكره أحدهم أن يشرب وهو قائم وأني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فعل كما رأيتموني فعلت .

عن الشعبي عن ابن عباس عليه السلام قال: شرب النبي صلى الله عليه وسلم قائماً من زمزم . (رواهما البخاري: ۲/ ۸۴۰، باب الشرب قائماً، ط: فيصل).

وعن ابن عمر عليه السلام قال: كنا نأكل على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ونحن نمشي ونشرب ونحن قيام . رواه الترمذي (۱۸۸۰) وقال: هذا حديث صحيح . وأخرجه ابن ماجه وابن حبان في صحيحه .

وعن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عليه السلام قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشرب قائماً وقاعداً . رواه الترمذي (۱۸۸۳) وقال: هذا حديث حسن صحيح .

وحديث سعد بن أبي وقاص عليه السلام رواه الترمذي في الشمائل عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يشرب قائماً ، وإسناده حسن ، وحديث عائشة رضي الله عنها أخرجه النسائي من حديث مسروق عنها ، قالت: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يشرب قائماً وقاعداً ... الحديث . وحديث أنس عليه السلام رواه أحمد في مسنده: أن النبي صلى الله عليه وسلم دخل وقربة معلقة فشرب من فم القربة وهو قائم ... الخ . (عمدة القاري: ۴/ ۶۱۵، باب الشرب قائماً، ط: دار الحديث، مئتان) .

قال العلامة العيني: ثم كيفية الجمع بينهما على أقوال: أحدها: أن النهي محمول على التنزيه لا على التحريم ، وهو الذي صار إليه الأئمة الجامعون بين الحديث والفقه ... والرابع: تضعيف أحاديث النهي عن الشرب قائماً قاله جماعة من المالكية ... وفيه نظر .

والخامس : أن أحادیث النهی منسوخة... السادس : ما قاله ابن حزم أن أحادیث النهی ناسخة لأحادیث الشرب قائماً ، وقال النووي : الصواب أن النهی محمول على كراهة التنزیه ، وأما شربه قائماً فبیانه للجواز فلا إشکال ولا تعارض ، قال : وهذا الذي ذكرناه يتعين المصبر إليه ، قال : وأما من زعم نسخاً أو غيره فقد غلط غلطاً فاحشاً ، وكيف يصار إلى النسخ مع إمكان الجمع لو ثبت التاريخ ؟ وأنى له بذلك ... قلت : جزم النووي هنا بالكراهة ، وخالف ذلك في الروضة تبعاً للرافعي ، فقال : إن الشرب قائماً ليس بمكروه . (عمدة القاری: ۱/۶۱۶، ط: ملتان).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بالشرب قائماً . (الفتاویٰ الهندیة: ۵/۳۴۱).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

ولعل النهی لأمر طبي أيضاً كما مر في الشرب ... ولا بأس بالشرب قائماً . (فتاویٰ

الشامی: ۱/۱۳۰، سعید).

مراقی الفلاح میں ہے:

وأجمع العلماء على كراهته تنزیهاً لأمر طبي لا ديني ، وفي حاشية الطحطاوى : قوله وأجمع العلماء ... الخ ، لا تسلم حكاية الإجماع فإنه لما تعارضت الأحادیث الدالة على النهی ، والأحادیث الدالة على الفعل اختلف العلماء في المخلص من التعارض ، فمن قائل إن النهی ناسخ للفعل ، ومن قائل بالعكس ، ومن قائل إن النهی ليس للتحريم ، بل للتنزیه لأنه لأمر طبي لا ديني ، وفعله لبيان الجواز ذكره ابن أمير حاج . (حاشية الطحطاوى مع مراقی الفلاح، ص ۷۸، آداب الوضوء، قديمی).

تکملہ فتح الہدایہ میں ہے:

والمسلک الخامس : أن يجمع بين الأحادیث بأن النهی للتنزیه فلا يعارض أحادیث

الجواز ، وهو الذي اختاره أكثر الفقهاء من المذاهب الأربعة .

والمسلک السادس: أن يحمل النهي على الضرر الطبي، وأحاديث الجواز على الإباحة الشرعية، وإليه جنح الطحاوي... وإذا ثبتت أحاديث النهي فالمسلک الخامس أولى... والذي يظهر لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه: أن الكراهة في المواقع التي يتيسر فيها محل للجلوس، فأما إذا لم يتيسر، أو كان في الجلوس تكلف شديد، فلا كراهة أيضاً، ويحتمل أن تكون أحاديث الشرب قائماً متعلقة بمثل هذه المواقع... (تكملة فتح الملهم: ۱۱/۴-۱۲).

مزید ملاحظہ ہو: (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم: ۲۸۵/۵، ومکمل اکمال الاکمال: ۱۳۷/۷، وتکملة فتح الملهم: ۱۰/۴-۱۲، شرح مسلم للإمام النووي: ۱۷۳/۲، ط: فیصل ہوزاد المعاد: ۲۲۹/۴، ط: مؤسسة الرسالة، وفتاویٰ الشامی: ۱/۱۲۹-۱۳۰، سعید).

### پانی بیٹھ کر پینے کا طبی فائدہ:

اگر پانی بیٹھ کر پیا جائے تو جسم کی حاجت کے مطابق پانی جسم میں جاتا ہے اور اگر زیادہ پانی جسم میں چلا جائے جو جسم کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے اس کی وجہ سے ایک خطرناک مرض ہوتا ہے جسے استسقاء کہتے ہیں اور مریض کا تمام بدن پھول جاتا ہے۔ اگر پانی کھڑے ہو کر پیا جائے تو اس کی وجہ سے معدہ اور جگر کی ایسی بیماریاں پھیلتی ہیں جن کے علاج میں معالین عاجز آجاتے ہیں۔ نیز پاؤں پر ورم کا خطرہ رہتا ہے۔ (سنہ نبوی اور جدید سائنس ص ۱۳۱)۔ واللہ اعلم۔

### مشروبات و ماکولات میں پھونکنے کا حکم:

سوال: حدیث شریف میں پانی میں پھونکنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ کونسی حدیث ہے؟ اور کیا چائے اس میں شامل ہے یا نہیں؟ مینو اتوجروا۔

الجواب: پھونکنے کی ممانعت والی روایات درج ذیل ہیں:

عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النفخ في الشرب

... الخ. رواه الترمذی (۱۸۸۷) وقال: هذا حديث حسن صحيح. وابن حبان في صحيحه (۵۳۲۷) قال شعيب: إسناده صحيح.

وعن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النفع في الطعام والشراب. رواه أحمد في مسنده (۲۸۱۷). قال شعيب الأرناؤوط: إسناده صحيح على شرط البخاري.

وعن عبد الله بن أبي قتادة، عن أبيه؛ أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن النفع في الإناء. رواه ابن أبي شيبة في مصنفه (۲۹۹/۱۲). وابن ماجه عن ابن عباس رضی اللہ عنہ (ص ۲۴۵). وعن مولاة لثوبان، قالت: أتيت ثوبان بشراب فنفخت فيه، فأبى أن يشرب. (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۹۸/۱۲).

و عن القاسم بن مسلم مولى الحسن بن علي، قال: استسقى علي رضی اللہ عنہ، فأتته بشراب فنفخت فيه، فأبى أن يشربه، وقال: اشربه أنت. (ابن أبي شيبة: ۲۹۹/۱۲).

یہ روایات تمام قسم کے مشروبات و ماکولات کو شامل ہیں البتہ انہی ادب اور سلیقہ پر محمول ہے تاکہ دوسرے شخص کو گھن محسوس نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ پھونک ممنوع ہے جس میں آواز ہو۔

چائے میں پھونکنے کا مقصد اس کی تبرید اور ٹھنڈا کرنا ہوتا ہے اور جس چائے کو آدمی پیتا ہے اسی میں پھونکتا ہے تو اس میں دوسرے کی کراہت یا گھن کی کوئی بات نہیں ہوتی اس لیے یہ جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہاں اگر پھونکنے کے بعد دوسرے کو اس کے پینے سے نفرت ہو تو پھونکنا مکروہ ہوگا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ خود پینے کی صورت میں بھی پھونکنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ اس میں منہ کے کچھ جراثیم شامل ہو جاتے ہیں جس کے پینے سے ضرر لاحق ہو سکتا ہے۔

ادجز المسالک میں ہے:

ومحل هذا إذا أكل وشرب مع غيره أما لو أكل وحده أو مع أهله أو من يعلم أنه لا يتقذر شيئاً مما يتناوله فلا بأس، قال الحافظ: والأولى تعميم المنع. (او جز المسالك: ۱۶ ۳۲۳،

ط: دارالقلم دمشق).

التمہید میں ہے:

إنما نهى عن التنفس في الإناء لأدب المجالسة لأن المتنفس في الإناء قل ما يخلو أن يكون مع نفسه ريق ولعاب ومن سوء الأدب أن يشرب ثم يناول جليسه لعابه ألا ترى أنه لو عمد إلى الإناء فشرب منه ثم تغل فيه وناوله جليسه أن ذلك مما تقدره النفوس وتكرهه وليس من أفعال ذوى العقول فكذلك من تنفس في الإناء لأنه ربما كان مع تنفسه أكثر من التغل من لعابه ، والله أعلم . (التمہید لابن عبد البر: ۱/۳۹۸ ط: مؤسسة القرطبة).

المستثنى شرح الموطا میں ہے:

نهى صلى الله عليه وسلم عن النفخ في الشراب حملاً لأمنه على مكارم الأخلاق ؛ لأن النافخ في آنية الماء يجوز أن يقع من ريقه فيها شيء مع النفخ فيتقدره الناظر ويفسده عليه . (المتقى: ۴/۳۲۸).

قال المناوى في فيض القدير: ومحل ذلك إذا أكل مع غيره فإن أكل وحده أو مع من لا يتقدر منه شيئاً كزوجته وولده وخادمه وتلميذه فلا بأس . (فيض القدير: ۶/۴۲۰ ط: بيروت). (و كذا في شرح ابن بطلال: ۶/۷۹ ط: مكتبة الرشد، وعمدة القارى: ۱۴/۶۲۶، دار الحديث ملتان).

المحيط البرهانی میں ہے:

ولا ينفخ في الطعام والشراب ؛ لأن ذلك يسوء الأدب . (المحيط البرهانی: ۸۹/۶، الفص الثاني عشر في الكراهية في الاكل).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

وعن الثاني أنه لا يكره النفخ في الطعام إلا بما له صوت نحو أف وهو محمل النهي . (فتاویٰ الشامی: ۳۴۰/۶، سعيد).

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ويرى أبو يوسف من الحنفية: أنه لا يكره النفخ في الطعام إلا ما له صوت مثل أف

وهو تفسير النهي . (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۴/۴۱).

(و كذا في الفتاوى الهندية: ۳۳۷/۵). واللہ اعلم۔

## گرم طعام یا مشروب استعمال کرنے کا حکم:

**سوال:** بہت گرم کھانا یا مشروب کا کیا حکم ہے؟ اگر مکر وہ ہے تو گرم چائے پینے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** بعض احادیث اور کتب فقہ سے گرم کھانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ تیز گرم کھایا جائے کہ ہاتھ، منہ وغیرہ جلے اور تکلیف ہو، لیکن ہلکا گرم کھانا جائز اور درست ہے، خصوصاً وہ اشیاء جن کی لذت ہی گرم ہونے میں ہے مثلاً چائے، کافی، پلاؤ، نہاری وغیرہ تو ان اشیاء کو ہلکا سا گرم استعمال کرنا بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درج ذیل روایات سے تیز گرم کھانے کی ممانعت مترشح ہوتی ہے۔

عن خولة بنت قيس وكانت تحت حمزة بن عبدالمطلب قالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فجعلت له خريزة فقدمتها إليه فوضع يده فيها فوجد حرها فقبضها فقال: يا خولة لا نصبر على حر ولا برد يا خولة إن الله أعطاني الكوثر وهو نهر في الجنة وما خلق أحب إلي من يرد من قومك يا خولة رب متخوض في مال الله ومال رسوله فيما اشتهدت نفسه له النار يوم القيامة. رواه الطبراني في الكبير (۵۸۸) وفي رواية له عنها... قالت: فقتربت له عصيدة في تور فلما وضع يده فيها احترقت فقال: حس ثم قال: إن ابن آدم إن أصابه حر قال: حس وإن أصابه برد قال: حس. (رقم: ۵۸۹).

قال الهيثمي: رواه كله الطبراني بأسنادين ورجال أحدهما رجال الصحيح. (مجمع

الزوائد: ۲۰/۵، ط: دار الفكر).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم أتى بصحفة تفور فأسرع يده ثم

رفع يده فقال: إن الله عز وجل لم يطعمنا ناراً. رواه الطبراني في الصغير والأوسط (۷۰۱۲)

وفیه عبد اللہ بن یزید البکری ضعفہ أبو حاتم وبقیۃ رجالہ ثقات. (مجمع الزوائد: ۲۰/۵، ط: دار الفکر).

وعن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبردوا بالطعام فإن الطعام الحار غير ذي بركة. (رواه الطبرانی فی الاوسط، رقم: ۶۲۰۹).

وإسناده ضعيف لضعف عبد الله بن يزيد البكري. وأخرجه الحاكم في المستدرک (۱۱۸/۴) عن جابر رضی اللہ عنہ.

وللمزيد راجع: (كشف الخفاء: ۳۶۸/۲، وتخریج الاحیاء لعراقی: ۱/۴۵، ط: الرياض).

فیض القدیر میں ہے:

قوله ”أبردوا بالطعام... فيكره استعمال الحار لخلوه عن البركة ومخالفته للسنة بل إذا غلب على ظنه ضرره حرم. (فیض القدیر برقم: ۵۰).

ہلکا گرم کھانے کے جواز کی روایت ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوماً بطعام سخن، فأكل، فلما فرغ قال: ”الحمد لله ما دخل بطني طعام سخن منذ كذا وكذا. (رواه ابن ماجه، ص ۳۰۶).

وفی الزوائد: إسناده حسن وسويد مختلف فيه.

ابن ماجہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم کھانا تناول فرمایا اور اس کو نعمت فرمایا۔ دوسری روایت میں ہے کہ چند صحابہ نے گرم کھانا تناول فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: بينا أنا وأبو طلحة الأنصاري رضی اللہ عنہ وأبي بن كعب رضی اللہ عنہ أتيناً بطعام سخن فأكلناه... الخ. (شرح معانی الآثار: ۱/۶۹).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

ومن السنة أن لا يأكل من وسط القصعة... ولا يأكل الطعام حاراً ولا يشمه. (فتاویٰ

الشامی: ۳۴۰/۶، سعید). (و کذا فی الفتاویٰ الهندیة: ۳۳۷/۵، المحيط البرہانی: ۸۹/۶، الفصل الثانی عشر فی الکراهیة فی الاکل).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

گرم کھانا جو برداشت نہ ہو سکے اس سے منع کیا گیا ہے، اور جو برداشت ہو سکے اس سے منع نہیں کیا گیا، ورنہ روٹی، سالن، چائے سبھی گرم کھائی جاتی ہیں اور ٹھنڈا کرنے سے اس کی لذت اور خاصیت میں فرق آ جاتا ہے یہی حال چائے کا ہے، ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ چائے نہیں رہے گی، بلکہ شربت بن جائے گی، شروع حدیث سے یہی تفصیل مستفاد ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹۰/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کچھ گرم ہو تو مکروہ نہیں، ہاں زیادہ گرم ہو تو مکروہ ہے، مگر جو چیز ایسی ہو کہ سرد ہو جانے سے اس کا فائدہ یا ذائقہ ختم ہو جائے تو مکروہ نہیں ہے، جیسے چائے، کافی وغیرہ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۴۶۸/۵، ط: دیوبند)۔  
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

حدیث میں ”أبردوا بالطعام“ اس سے معلوم ہوا کہ بہت گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی اس لیے خلاف اولیٰ ہے مگر ناجائز نہیں کہہ سکتے اور چائے یا اور ایسی چیزیں جن سے مقصود ہی گرمی حاصل کرنا ہے اس سے مستثنیٰ ہیں، بلکہ درحقیقت اس حدیث کے مفہوم میں داخل ہی نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، جلد دوم، ص ۸۰)۔  
شامل کبریٰ میں ہے:

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرم کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ وہ مناسب ہو جائے (یعنی کھانے کے لائق ہو جائے)۔ (کنز العمال ۱۸۸/۱۹)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (گرم) کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے یہاں تک کہ اس سے بھاپ نکل جائے۔ یعنی ایسا گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو۔ (جمع الفوائد، مجمع: ۲۷/۵)۔

ایسا تیز گرم کھانا جس سے بھاپ نکل رہی ہو اور ہاتھ اور منہ کے جلنے یا تکلیف کا اندیشہ ہو کھانا ممنوع ہے پھر یہ کہ ایسے کھانے میں لذت بھی نہیں حاصل ہوتی، کیوں کہ منہ جلنے کی وجہ سے انسان جلد لگنا چاہے گا۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا ٹھنڈا ہونے دو اس میں



برکت زائد ہوتی ہے۔ (کنز العمال: ۱۹/۱۷)۔

حضرت اسماءؓ کے پاس جب (گرم) شہید لایا جاتا تو اسے ڈھانک رکھنے کا حکم دیتیں، تو اسے ڈھک دیا جاتا، یہاں تک کہ اس کی بھاپ ختم ہو جاتی اور یہ کہتیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ یہ (ٹھنڈا کر کے) کھانا بڑی برکت کا باعث ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۳۶۸)۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ گرم کھانا نہیں کھانا چاہئے، گرم آجائے تو اسے ٹھنڈا ہونے دینا چاہئے۔ گرم سے مراد وہ گرم ہے جو منہ اور ہاتھ کو تکلیف دے اسی وجہ سے آپ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے آگ نہیں کھلائی، اس سے تیز گرم کا مفہوم واضح ہے۔ البتہ چائے اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا گرم ہی پینا نافع ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوا کہ معتدل گرم کھانا ممنوع نہیں چنانچہ جو کھانے گرم ہی لذیذ ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ، پنہاری وغیرہ ان کو معتدل گرم کھانا خلاف سنت نہ ہوگا۔ (شمال کبریٰ: ۱/۳۴-۳۵)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حرام خوراک والے جانور کے دودھ کا حکم:

**سوال:** بعض کسان لوگ گایوں کو شراب ملی ہوئی گھاس کھلاتے ہیں، پھر دودھ نکال کر فروخت کرتے ہیں کیا ایسا دودھ خرید کر پینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی دودھ ناپاک ہوگا یا پاک؟ بیوقوف جروا۔

**الجواب:** کسانوں کا گایوں کو اس طرح شراب ملا کر گھاس کھلانا مکروہ ہے لیکن اس کی وجہ سے دودھ میں کوئی خرابی نہیں آتی، تبدیل ماہیت کی وجہ سے دودھ حلال اور پاک ہے، اس کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز اور درست ہے۔

حرام اور ناپاک چیز جانور کو کھلانا منع ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

الاستفسار: هل يجوز أن يسقى الفرس خمراً؟

الاستبصار: لا يجوز؛ في مطالب المومنين: ولا يسقى الصبي والدابة والذمي خمراً

والإثم على من سقاها، كذا في جوامع الفقہ، انتهى... ثم إن كان لا بد من سقى الخمر

فرساً لا يشربه بل يضع الخمر بين يديه ليشربه ، كما أن لا ينبغي أن يؤكل الميتة الكلب إلا بأن يضع الميتة بين يدي الكلب ، يأكله بنفسه كما في مطالب المومنين . (فتاویٰ اللکنوی، ص ۴۷۱، ۴۷۲ ط: دار ابن حزم).

لیکن بعض فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ناپاک پانی جانوروں کو پلا سکتے ہیں۔  
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفي خزانة الفتاوى : لا بأس بأن يسقى الماء النجس للبقرة والإبل والغنم .  
(البحر الرائق: ۱/۲۵، ط: کوئٹہ).

مزید دیکھئے: (الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الہندیة: ۴/۸۲، والمحیط البرہانی: ۶/۱۰۳).

اگر کسانوں کو ضرورت ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔  
دودھ تبدیل ماہیت کی وجہ سے بلا کراہت حلال اور طیب ہے۔ ملاحظہ ہو:

الاستفسار: الدودة المتولدة من العذرة ، هل هي نجسة ؟

الاستبشار : لا ، فی خزانة الروایات : الدودة إذا تولدت من النجاسة ، قال  
السرخسی: "إنها ليست بنجسة ، من الخلاصة انتهى . فإن قلت: كيف تكون طاهرة  
وأصلها أعنى العذرة نجسة ، قلت: لا يلزم من كون ما خلق منه نجساً كون ما خلق نجساً  
... (فتاویٰ اللکنوی، ص ۱۰۳، ط: دار ابن حزم).

قال ابن حجر في فتح الباری : تقريره أن اللبن خالط الفروث والدم ، ثم استحال  
فخرج خالصاً طاهراً ، ۱. قلت: يشير إلى قول الله تعالى: ﴿نَسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بَطْنِهِ مِنْ بَيْنِ  
فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ [النحل: ۶۶].

یہاں کہنا ہے کہ اللبن غیر طبع الفروث ، وغیر طبع الدم سواء من حيث الرقة والسيولة أو  
من حيث الرائحة والطعم وغيرهما . ومن هنا عرفنا أن التعريف المختار للاستحالة  
اصطلاحاً هو : تغير الشيء من طبعه ووصفه إلى طبع آخر ووصف آخر . (ماخوذ من مجلة  
المجمع الفقہی الاسلامی، ص ۱۸۹-۱۹۰، الاستحالة واحکامها فی الفقہی الاسلامی).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس جانور کو ناجائز پتے کھلائے اس کے دودھ اور گوشت کا حکم:

الجواب: بغیر اجازت مالک کے پتے توڑنا اور فروخت کرنا منع ہے، لیکن جس جانور کو یہ پتے کھلائے اس کا دودھ، گوشت حرام نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۸۵/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

### اجنبی عورت کا جھوٹا پینے کا حکم:

سوال: کیا مرد اجنبی عورت کے بچے ہوئے کھانے یا پینے کو کھا، پی سکتا ہے، اسی طرح عورت اجنبی مرد کے بچے ہوئے کھانے، پینے کو کھا، پی سکتی ہے یا نہیں؟ اگر تبرک کی نیت سے ہو اور خوفِ فتنہ بھی نہ ہو کیا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو شریعت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: عام طور پر فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ استلذاز کے اندیشہ کی وجہ سے اجنبی کا جھوٹا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

نعم يكره سورها للرجل كعكسه للاستلذاز واستعمال ريق الغير وهو لا يجوز. وفي رد المحتار: أي في الشرب لا في الطهارة، بحر، قال الرملي: ويجب تقيده بغير الزوجة والمحارم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲۲۲/۱، سعيد).

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وكرهه سؤر المرأة للأجنبي كسؤره لها ليس لعدم طهارته بل للاستلذاذ كذا في

النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۲۳).

البحر الرائق میں ہے:

صرح في المجتبى من باب الحظر والإباحة: أنه يكره سور المرأة للرجل وسوره

لہا۔ (البحر الرائق: ۱/۲۶، کوئٹہ)۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویکروہ أن يشرب غيره إن وجد منه لذة إلا الزوجين۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،

ص ۲۹، قدیمی)۔

فقہاء کی عبارات پر غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حصول لذت اور خوفِ فتنہ کی وجہ سے اجنبی کا جھوٹا مکروہ ہے لیکن اگر یہ علت نہ ہو بلکہ تبرک مقصود ہو تو اجازت ہوگی، مثلاً کوئی عورت اپنے شیخ کا بچا ہوا برکت استعمال کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔ احادیث میں چند نظائر موجود ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام بخاریؒ نے باب الصعید الطیب وضوء المسلم کے تحت ایک طویل حدیث نقل فرمائی ہے، اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت کے توشہ داں سے سب صحابہ نے پانی پیا اور استعمال کیا اور اس سے زیادہ پانی دیکر اس عورت کو رخصت کیا۔ ملاحظہ ہو:

عن عمران ؓ قال: كنا في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم... فقال: اذهبا فابتغيا الماء فانطلقا فتلقيا امرأة بين مزادتين أو سطيطيتين من ماء على بعير لهما... قال: فاستنز لهما عن بعيرها ودعا النبي صلى الله عليه وسلم بإناء ففرغ فيه من أفواه المزادتين... ونودي في الناس اسقوا واسقوا فسقى من شاء واستقى من شاء وكان آخر ذلك أعطى الذي أصابته الجنابة إناء من ماء... (رواه البخاری: ۴۹/۱، باب الصعید الطیب وضوء المسلم)۔

(۲) غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابرؓ نے کھانا تیار کیا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو دعوت دی تھی، جب سب کھانے سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پس ماندہ کھانا حضرت جابرؓ کی اہلیہ کو دیدیا اور فرمایا: ”کلی هذا واهدی فإن الناس أصابهم مجاعة“۔ (رواه البخاری: ۵۸۸/۲، باب غزوہ الخندق وہی الاحزاب)۔

(۳) ہجرت کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام معبد کی بکری سے دودھ نکالا اور سب سے پہلے اسی کو پلایا پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔

ملاحظہ ہو مستدرک حاکم کی روایت میں ہے:

... فندعا بماناء یربض الرھط فحلب فیہ ثجا حتی علاہ البھاء ثم سقاھا حتی رویت  
وسقی أصحابہ حتی رووا وشرب آخرھم صلی اللہ علیہ وسلم... (مستدرک  
حاکم: ۳/۹۲۶/۴، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم: ۳۶۰۵، ومعرفة الصحابة لابی نعیم: ۲/۸۷۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## چائے کی پیالی میں چمچی ہلانے کا طریقہ:

**سوال:** لوگوں کی عادت ہے کہ پیالی میں شکر ڈال کر پیالی میں چمچی کو چلاتے ہیں، اگر کوئی شخص مغرب  
کی طرف منہ کئے ہوئے ہو تو چمچی جنوب کی طرف چلانا بہتر ہوگا یا شمال کی طرف؟

**الجواب:** اس مسئلہ میں صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرتا تاہم اسلامی خط لکھنے پر قیاس کرتے ہوئے  
جنوب کی جانب چلانا چاہئے جیسے خط لکھنے والے دائیں جانب سے یعنی دائیں ہاتھ کے قریب سے شروع کرتے  
ہیں اور بائیں جانب تک لے جاتے ہیں، مغرب کی طرف متوجہ آدمی جنوب کی طرف لے جاتا ہے، پھر قلم کو  
دائیں جانب لاکر پھر دائیں جانب سے شروع کرتے ہیں، چمچی میں بھی یہی مناسب ہوگا، باقی جائز دونوں طرف  
سے ہے، سائنس دان زمین کی حرکت کے بھی اسی طرح قائل ہیں، اور طواف کرتے ہیں تو اسی طرح چلتے ہیں جو  
کہ نبوی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## گیس والے مشروبات پینے کا حکم:

**سوال:** کاربن ڈائی آکسائیڈ ایک گیس (ہوائے بسیط) ہے جو کوکا کولا وغیرہ مشروبات میں مستعمل  
ہے۔ یہ درج ذیل دو طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے:

(۱) کیمیکل کے ذریعہ سے۔

(۲) شراب بنانے کے ذریعہ سے۔

عام طور پر کیمیکل ہی سے یہ گیس حاصل ہوتی ہے لیکن آج کل اس کی قلت کی وجہ سے دوسرے طریقہ بنانے کا ارادہ ہے۔

اس طریقہ کو سمجھنے کے لیے جمعیۃ المفسنین کے بعض شرکاء اور حلال اداروں کے بعض نمائندے اس کا معائنہ کرنے گئے، جو طریقہ ان کو سمجھایا گیا اس کا مختصر بیان مزید ضروری وضاحت کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) گیہوں کو پانی کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔

(۲) جامد ذرات (بھوسہ) کو نکالا جاتا ہے۔

(۳) ایک بڑے ٹینک میں اس کو اُبالا جاتا ہے اور ایک قسم کی جڑی بوٹی (hops) اس میں ملائی جاتی

ہے جس کے تین کام ہیں:

(الف) اس میں کڑواہٹ پیدا کرتی ہے۔

(ب) اس میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔

(ج) مضر ذرات کو ختم کرتی ہے۔ مثلاً بیکٹیریا وغیرہ۔

(۴) پھر اس کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔

(۵) اس نشاستہ میں قدرتی طور پر چینی ہوتی ہے، سائنسی و کیمیائی اصطلاح میں یہ کاربن، ہائیڈروجن

اور آکسیجن کا مجموعہ ہوتا ہے یا اس نشاستہ میں یہ مذکورہ چیزیں بھی پائی جاتی ہیں، اس لیے اس نشاستہ کو کاربن

ہائیڈریٹ بھی کہتے ہیں، اس نشاستہ میں خمیر (yeast) ملا کر خمیر کے مشین میں اس کو جوش دیا جاتا ہے، یہ عمل

تقریباً بارہ ایام تک جاری رہتا ہے، yeast تدریجاً پورے نشاستہ پر عمل کرتی ہے اور بارہ دن میں پورے نشاستہ

کی چینی کو دو چیزوں میں منتقل کر دی ہے: (۱) الکحول۔ (۲) کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO<sub>2</sub> گیس)۔ الکحول مانع

یا جامد شکل میں ہوتا ہے اور وہ برتن میں باقی رہتا ہے جب کہ کاربن ڈائی آکسائیڈ اوپر اڑ جاتی ہے چونکہ وہ گیس کی

شکل میں ہوتی ہے اس لیے اس گیس کو دوسرے ذرائع کے ذریعہ محفوظ کیا جاتا ہے۔ یہ گیس نہ تو الکحول سے حاصل

ہوتی ہے اور نہ yeast کا بخار (steam) ہے۔ بلکہ نشاستہ میں موجود چینی کی پیداوار ہے۔

نوٹ: (۱) کمپنی کا ارادہ ہے کہ اس طرح کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کا ۵۰ فیصد استعمال کیا جائے۔

(۲) صفائی کے بعد شراب کا ۰۰۰۰۰۰۲ فیصد (دس کروڑ میں سے دو حصے) اثر اس میں رہتا ہے۔

(۳) آج کل جو گیس استعمال ہو رہی ہے وہ کیمیکل والی گیس ہے۔

(۴) یہ شراب گیہوں اور جو سے بنتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس گیس کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جن مشروبات مثلاً کوکا کولا وغیرہ میں یہ گیس استعمال کی جائے گی ان مشروبات کا استعمال کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** گیس والے مشروبات میں جو گیس شراب سے بنائی جاتی ہے، اس کی نظیر فقہاء کے کلام

میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ نجاست کے بخارات اور دھواں اصح قول کے مطابق ناپاک نہیں ہے تو جو گیس شراب سے کشید کیا گیا ہے وہ بھی ناپاک نہیں ہوگا اس لیے اس کا استعمال جائز ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

إذا مرت الريح بالعذرات وأصاب الثوب المبلول يتنجس إن وجدت رائحة النجاسة وما يصيب الثوب من بخارات النجاسة لا يتنجس بها وهو الصحيح هكذا في الظهيرية ، دخان النجاسة إذا أصاب الثوب أو البدن الصحيح أنه لا ينجسه هكذا في السراج الوهاج ، وفي الفتاوى : إذا أحرقت العذرة في بيت فعلا دخانه وبخاره إلى الطابق و انعقد ثم ذاب أو عرق الطابق فأصاب ماؤه ثوباً لا يفسده استحساناً ما لم يظهر أثر النجاسة . (الفتاوى الهندية: ۱/ ۴۷)۔

جب ہوا گندگی اور پاخانہ سے گزر جائے اور گیلے کپڑے کو لگے تو اگر نجاست کی بدبو محسوس ہو تو کپڑا ناپاک ہو جائیگا، اور اگر کپڑے کو نجاست کے بخارات لگے اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اور یہی صحیح روایت ہے، نجاست کا دھواں جب کپڑے یا بدن کو لگ جائے تو صحیح یہ ہے کپڑا اور بدن ناپاک نہیں ہوں گے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے، اور فتاویٰ میں ہے کہ اگر کسی مکان میں پاخانہ جلایا جائے اور اس کا دھواں یا بخارات کسی اینٹ یا شیشہ یا چھت کو لگ جائے اور جم جانے کے بعد پگھل جائے یا اس پر تری پیدا ہو جائے اور کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، جب تک نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو جائے اور یہ استحسان ہے۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(و بخار نجس) فی الفتح مرت الريح بالعدرات وأصاب الثوب إن وجدت رائحتها تنجس لكن نقل في الحلية أن الصحيح أنه لا ينجس وما يصيب الثوب من بخارات النجاسة قبل: ينجسه وقيل: لا وهو الصحيح وفي الحلية: استنجى بالماء وخرج منه ريح لا ينجس عند عامة المشايخ وهو الأصح وكذا إذا كان سراويله مبتلاً. (فتاوى الشامی: ۳۲۵/۱، سعید).

مذکورہ بالا عبارت میں علامہ شامیؒ نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر گندگی سے ہوا گزر کر کپڑے کو لگ جائے اور کپڑے سے بدبو محسوس بھی ہو تب بھی کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، نیز اگر شلوار تر ہو اور ہوا خارج ہو جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔  
حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(قوله و بخار نجس) القول بعفوه هو الصحيح... ولو استنجى بالماء ولم يمسحه حتى فسا اختلف المشايخ فيه وعامتهم على أنه لا ينجس... وفيه: دخان النجاسة إذا أصاب الثوب أو البدن فيه اختلاف والصحيح أنه لا ينجسه. (حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۱۶۱، کوثر).

شراب کو سرکہ بنانے کے لیے رکھنے کا حکم:

شراب سے گیس یا سرکہ بنانا احناف کے نزدیک جائز ہے اور اس نیت سے شراب رکھنا بھی جائز ہے، مزید یہ ہے کہ قیثریوں میں کارکنان اور قیثری کے مالکان بھی غیر مسلم ہیں جو شراب کے احکام کے پابند نہیں ہیں۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو أمسك الخمر في بيته للتخليل جاز ولا يائمه. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۷۳).

ہدایہ میں ہے:



كما إذا ورثهما ثم إن كان خمراً يخللها وإن كان خنزيراً يسيبه . (الهداية: ۵۹/۳).

البحر الواقع میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت يعني خل الخمر فلا فرق في ذلك بين أن يتخلل بنفسه أو يخلل بالقاء شيء فيه كالملح أو الخل أو النقل من الظل إلى الشمس أو بإيقاد النار بالقرب منها . (البحر الرائق: ۲۱۹/۸، کوئٹہ).

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کو سرکہ بنانے کی نیت سے گھر میں رکھنا جائز ہے پھر چاہے وہ خود بخود سرکہ بن جائے یا سرکہ بنانے کے مختلف طریقے استعمال کیے جائے مثلاً اس میں نمک ڈالنا، سائے سے دھوپ میں منتقل کرنا یا اس کے قریب آگ جلادینا وغیرہ، یہ سب باتیں جائز ہیں۔

بنا بریں شراب سے کشید کیا ہوا بخارنا پاک نہیں ہے، ہاں چونکہ شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش نکالنا مشکل ہے اس لیے احتیاط بچنے میں ہے لیکن ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بجائے ”کوکا کولا“ کے دوسرے مشروبات پی لیا کریں جن کے اجزاء معلوم ہوں کیونکہ کوکا کولا کے بعض اجزاء معلوم بھی نہیں ہیں لہذا ایسی مشتبہ و مشکوک چیزوں سے بچنا چاہئے۔

بعض مفتی حضرات نے درج ذیل تحقیق فرمائی ہے:

کاربن ڈائی آکسائیڈ (CO<sub>2</sub>) گیس نہ بذاتِ خود نجس ہے اور نہ ہی متنجس ہے، کیونکہ یہ نہ خود شراب (خمر) ہے، نہ شراب کا دھواں یا بخار، نیز الکحول کے ساتھ اس کا مس بہت ہی قلیل عرصہ کے لیے ہوتا ہے جو کہ کالعدم کے درجہ میں ہے، پھر ابتدا میں جو الکحول کا اثر آتا ہے وہ بھی قلیل یعنی ہزار میں سے دو حصے (0.2%) پھر وہ بھی دوبارہ صفائی کے بعد دس کروڑ میں دو حصے (0.000002%) رہ جاتا ہے، شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

جب کہ سرکہ میں ایک فیصد سے تین فیصد تک اور ڈبل روٹی (Bread) میں ہزار میں سے پانچ حصے اور رائج کوکا کولا میں دس لاکھ میں سے ایک حصہ الکحول کا اثر ہوتا ہے۔ سرکہ شراب سے وجود میں آتا ہے لیکن اس میں شراب کے اثرات و خاصیات نہیں ہوتیں اس لیے وہ طہر اور حلال ہے۔

جانور سے جو دودھ اور شہد حاصل ہوتا ہے اس پر غور کریں کہ وہ کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمایا ہے: ﴿مَنْ بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّرْبِ﴾ اور ﴿يَخْرُجُ مِنْ بَطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلَفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ [النحل: ۱۰] یہ دونوں چیزیں طاهر اور حلال ہیں۔  
 فقہاء نے رتھ جو کہ ناقض للوضو ہے اس کو نجس قرار نہیں دیا، اگر یہ رتھ گیلیے کپڑے سے مس کرے تو وہ کپڑا نجس نہیں ہوگا، حتیٰ کہ نجاست سے اٹھنے والے بخارات بھی کسی چیز کو نجس نہیں کرتے، یہی صحیح قول ہے۔  
 (عیانیہ، کفایہ۔ در مختار: ۱/۲۳۸، سعید)۔

بہشتی زیور میں ہے:

اگر ناپاک پانی کی بھاپ بدن کو لگی تو بدن کو ناپاک جب کہیں گے جب کہ کوئی قطرہ پانی کا بدن سے ٹپکے ورنہ صرف بھاپ کی حرارت لگنے سے نجاست کا فتویٰ نہیں دیا جائیگا، جیسے نجاست کی بدبودار غ میں پہنچنے سے کوئی حکم نہیں ہوتا، علیٰ ہذا اگر بدن میں یا کپڑوں میں نجاست کے دھوئیں یا بھاپ کی بدبو آجائے تو نجاست کا حکم نہیں ہوگا۔ (بہشتی زیور، طبعی جوہر، حصہ نم: ۷۸۳)۔

لہذا شراب بنانے کے عمل کے دوران جو کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل ہوتی ہے وہ نجس نہیں ہے اور اگر اسے پاک و حلال طعام یا مشروب کے ساتھ ملایا گیا تو وہ طعام یا مشروب طاهر و حلال رہے گا۔  
 یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ بحث جس کاربن ڈائی آکسائیڈ کے بارے میں ہو رہی ہے وہ شراب کی اس فیکٹری سے حاصل کی جائیگی جہاں شراب جو (شعیر) سے بنائی جاتی ہے فقہاء احناف کے ہاں یہ معروف ہے کہ جو سے بننے والی شراب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجس نہیں ہے، عموم بلوئی اور کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے غیر عنب و تمر سے بننے والے الکحول کے نجس نہ ہونے کا فتویٰ حضرت تھانویؒ کے زمانہ سے معروف و مشہور ہے۔

چنانچہ حضرت تھانویؒ امداد الفتاویٰ میں فرماتے ہیں:

اسپرٹ اگر عنب و زبیب و رطب و تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے لہذا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں لہذا اتفاق۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۱۳۷، بہشتی زیور، طبعی جوہر، حصہ نم: ۱۰۲)۔

وفی الہدایۃ: وقال فی الجامع الصغیر: وما سوی ذلک من الأشرۃ فلا بأس بہ

قالوا: هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفة... وعن محمد أنه حرام ويحد شاربه... وكان أبو يوسف يقول: ما كان من الأشربة يبقى بعد ما يبلغ عشرة أيام ولا يفسد فإنه أكرهه ثم رجع إلى قول أبي حنيفة. (الهداية: ۴/ ۴۹۵، كتاب الاشربة، ط: شركة علمية، ملتان).

والله ﷻ اعلم۔

**سرکہ اور زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ اور ان کا حکم:**

**سوال:** ایک کمپنی ہے جو بیلسمک (balsamic) نامی سرکہ بناتی ہے، یہ سرکہ انگور کی شراب سے بنایا جاتا ہے، نیز مذکورہ کمپنی زیتون کا تیل بھی بناتی ہے، دونوں کے بنانے کا طریقہ حسب ذیل ہے:

**سرکہ بنانے کا طریقہ:**

لکڑی کے بڑے برتن جو مکے کی شکل میں ہوتے ہیں ان کو اور لینس طریقہ کے مطابق تیار کرتے ہیں۔ (یہ اور لینس طریقہ سرکہ بنانے کا پرانا فطری طریقہ ہے) پھر ان برتنوں کو اسٹیل کے طاق میں رکھتے ہیں، پھر کیبنٹ سوگن ریڈ وائن (cabernet sauvignon red wine) جو انگور سے بنی ہوئی سرخ شراب ہوتی ہے اس کے ساتھ انگور کا شیرہ جو سڑنے کے قریب ہوتا ہے ملا دیا جاتا ہے، اس کے بعد برتنوں میں بھر کر سرکہ بنانے کی غرض سے چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ تقریباً دس ہفتوں کے بعد سارا الکحول سرکہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، تو اس سرکہ کو لکڑی کے برتنوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ پرانا ہونے کے بعد اس میں اچھی خوشبو پیدا ہو جائے، اس کے بعد بوتلوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

**زیتون کا تیل بنانے کا طریقہ:**

زیتون کے پھلوں کو مشین میں ڈال کر زائد چیزوں کو صاف کیا جاتا ہے پھر پھلوں کو صاف پانی سے دھوئے کے بعد ایک خاص قسم کی (hommer crusher) مشین میں نچوڑا جاتا ہے، پھر ملیسنگ بن (malaxing bin) [ایک قسم کی مشین ہے جس کے ذریعہ پھلوں سے تیل علیحدہ ہو جاتا ہے] میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر پمپ کے ذریعہ منتقل

کر کے اسے ایک مشین میں ڈال کر صاف کیا جاتا ہے، ان سب مراحل سے گزرنے کے بعد ٹینکوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ اس میں ذائقہ پیدا ہو جائے، اس کے بعد بوتلوں میں فروخت کیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طریقہ سے بنایا ہوا سرکہ اور زیتون کا تیل مذاہب اربعہ کی روشنی میں حلال ہے یا نہیں؟ یعنی ان کا داخلی استعمال جائز ہو گا یا نہیں؟ نیز مذکورہ فیکٹری کو حلال کا سرٹیفکیٹ دیا جاسکتا ہے؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** جمہور فقہاء کے ہاں اگر شراب خود بخود سرکہ بن جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر سرکہ بنا دیا جائے تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے احناف اور مالکیہ کے ہاں ظاہر اور حلال ہے مگر شافعیہ اور حنبلیہ کے یہاں اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ ہاں شافعیہ میں سے ابن حجرؒ نے جائز کہا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ایک روایت جواز کی ہے۔

احناف کے دلائل ملاحظہ ہوں:

ہدایہ میں ہے:

وَإِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حُلَّتْ سِوَاءَ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا أَوْ بِشَيْءٍ يَطْرَحُ فِيهَا وَلَا يَكْرَهُ تَخْلِيلُهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَكْرَهُ التَّخْلِيلَ وَلَا يَحِلُّ الْخَلُّ الْحَاصِلُ بِهِ إِنْ كَانَ التَّخْلِيلُ بِالْقَاءِ شَيْءٍ فِيهِ قَوْلًا وَاحِدًا. (الهداية: ۴/۴۹۹).

البحر الرائق میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت يعني خل الخمر فلا فرق في ذلك بين أن يتخلل بنفسه أو يخلل بالقاء شيء فيه كالملح أو الخل أو النقل من الظل إلى الشمس أو بإيقاد النار بالقرب منها. (البحر الرائق: ۸/۲۱۹، کوئٹہ).

(و کذا فی الفتاوی الشامی: ۶/۴۵۱، سعید، و الفتاوی الہندیة: ۵/۴۱۰).

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

تاڑی یا شراب کو اگر سرکہ بنالیا جائے اور حقیقت بدل جائے تو اس کا کھانا درست ہے: الخمر إذا خللہ بعلاج الملعح أو بغیره ، یحل عندنا أکله ، عالمگیری۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۱۷۹، جامعہ فاروقیہ)۔  
فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اصل وجہ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تولاً وفعلاً اس کو حلال فرمایا "لما روی مسلم فی صحیحہ عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً نعم الإدام الخل وفی سنن ابن ماجہ عن أم سعید: اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِی الْخَلِّ وَلَمْ یَفْتَقِرْ فِیْهِ الْخَلُّ" (زاد المعاد فی ذکر الادویۃ والاغذیۃ: ۴/۱۵۱)، باقی عقلی حکمت سودہ بھی ظاہر ہے کہ سرکہ پر جو مختلف قسم کے انقلابات آتے ہیں ان سے اس میں انقلاب ماہیت پیدا ہو جاتا ہے تمام خواص و آثار بدل جاتے ہیں تو حکم شرعی بھی بدل جاتا ہے جیسے ہوا اگر پانی بن جائے تو اس سے وضو جائز ہو جاتا ہے پیاس اس سے بجھ جاتی ہے نجاست جل کر اگر خاک ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ (امداد المستعین، جلد دوم ص: ۸۰۵، دارالاشاعت)۔

**مذہب مالکیہ کے دلائل:**

بدلیۃ الجہتہ میں ہے:

واختلفوا إذا قصد تخليلها على ثلاثة أقوال : التحريم ، والكراهية ، والإباحة .  
وسبب اختلافهم معارضة القياس للأثر واختلافهم في مفهوم الأثر ، وذلك أن أبا داود خرج من حديث أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن أبا طلحة سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن أيتام ورثوا خمرأ ، فقال : اهرقها ، قال : أفلا أجعلها خلأ ؟ قال : فمن فهم من المنع سد ذريعة حمل ذلك على الكراهية ، ومن فهم النهي لغیر علة قال بالتحريم ، ويخرج على هذا أن لا تحريم أيضاً على مذهب من يرى أن النهي لا يعود بفساد المنهى ، والقياس المعارض لحمل الخل على التحريم أنه قد علم من ضرورة الشرع أن الأحكام المختلفة إنما هي للدوات المختلفة ، وأن الخمر غير ذات الخل ، والخل بإجماع حلال ، فإذا انتقلت ذات الخمر إلى ذات الخل وجب أن يكون حلالاً كيفما انتقل . (بدایۃ المجتہد: ۱/۳۴۸، کتاب الاطعمۃ

والاشربة، ط: دارنشرالکتب الاسلامیہ).

مذہب شافعیہ کے دلائل:

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

وأما إذا خللت بوضع شيء فيها فمذهبنا أنها لا تطهر وبه قال أحمد ... (المجموع شرح المذهب: ۲/ ۵۷۸، ط: دارالفکر).

مذہب حنابلہ کے دلائل:

الموسوعة الفقهية میں ہے:

ذهب الحنفية والمالكية، وهو رواية عن أحمد إلى أن نجس العين يطهر بالاستحالة ... وكذلك الخمر إذا صارت خلأ سواء بنفسها أو بفعل إنسان أو غيره، لا انقلاب العين، ولأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، فينتفى بانتفائها، فإذا صار العظم واللحم ملحاً أخذوا حكم الملح؛ لأن الملح غير العظم واللحم. ونظائر ذلك في الشرع كثيرة. (الموسوعة الفقهية: ۱۰/ ۲۷۸، وزارة الاوقاف).

المجمع الفقهي الإسلامي کے مجلہ میں ہے:

إذا خللت الخمرة بطرح شيء فيها، أو قصد تخليلها، فاختلف فيها الفقهاء... القول الثاني: يحل تخليل الخمرة بطرح شيء فيها وتطهر به. وبه قال الحنفية، قول لمالك نقله أشهب عنه، وقول لأحمد، وهو المفهوم من مذهب البخاري وابن حجر والقرطبي وبه قال أبو الدرداء والثوري والأوزاعي والليث بن سعد... واستدل أصحاب القول الثاني - هم الحنفية - على قولهم بجواز تخليل الخمرة وأنها تحل وتطهر به، بما يلي:

(۱) قوله تعالى: ﴿وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ [الاعراف: ۱۵۷] والخل من الطيبات.

(۲) أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أَيُّمَا إِهَابٍ دَبِغَ فَقَدْ طَهَرَ كَالْخَمْرِ يَحِلُّ

فِيحِلُّ". (رواه البيهقي في الكبرى عن أم سلمة).

(۳) أن أبا الدرداء رضی اللہ عنہ كان يأكل المرى الذي يجعل فيه الخمر، ويقول: ذبحته الشمس والملح. [قال ابن حجر: المرى: يعمل في الشام يؤخذ الخمر فيجعل فيه الملح والسمك ويوضع في الشمس فيتغير عن طعم الخمر].

(۴) بالقياس ، فقالوا: ثم مارويناه أقرب إلى الصحة ؛ لأنه شبه دبغ الجلد بالتخليل ، والدبغ يكون يصنع العباد لا بطبعه ، فعرفنا أن المراد التخليل الذي يكون يصنع العباد ، والمعنى فيه أن هذا صلاح لجوهر فاسد ، فيكون من الحكمة والشرع أن لا ينهى عما هو حكمة ...

ومن هنا أقول: بأننا رأينا ستة من أكابر الفقهاء فيهم البخاري وابن حجر وابن الجوزي والطحاوي والقرطبي وابن رشد، إضافة إلى جميع الفقهاء الحنفية، وقول لمالك وقول في مذهب أحمد، وغيرهم ممن قدمنا في عرض الأقوال كل هؤلاء يرون أن التحليل أولى من التحريم في هذه المسألة ....

قلت: هذا هو الذي أرجحه ، وهو أن الخمر إذا قصد تخليلها أو خللت بطرح شيء فيها أنها تطهر، بعد ذهاب الخمرية وانتقالها إلى حالة التخليل ، وصارت خلاً ... ومن هنا فإنه يسع أصحاب معامل الخمر أو من يعمل الخمر لنفسه أن يحولوا معاملهم وخمورهم إلى ما فيه فائدة وحلال دون أن يريقوا هذه الخمر التي عندهم . والله تعالى أعلم . (ملخص من مجمع الفقهي الاسلامي: ص ۱۹۳-۲۰۷، ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء).

شراب سے سرکہ بنانا احناف کے نزدیک جائز ہے اور اس نیت سے شراب رکھنا بھی جائز ہے، اور مسلمان کی ملکیت میں شراب آجائے تو واجب الارقہ نہیں، نیز فیکٹریوں میں کارکنان اور فیکٹری کے مالکان بھی غیر مسلم ہیں جو شراب کے احکام کے پابند نہیں ہیں۔ ہاں مسلمان کے لیے شراب خریدنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولو أمسك الخمر في بيته للتخليل جاز ولا يأثم . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۷۳).

ہدایہ میں ہے: کما إذا ورثهما ثم إن كان خمراً يخللها وإن كان خنزيراً يسيبه . (الهداية: ۵۹/۳)۔  
البحر الرائق میں ہے:

وخل الخمر سواء خللت أو تخللت يعني خل الخمر فلا فرق في ذلك بين أن يتخلل بنفسه أو يخلل بالقاء شيء فيه كالملح أو الخل أو النقل من الظل إلى الشمس أو بإيقاد النار بالقرب منها . (البحر الرائق: ۲۱۹/۸، کوئٹہ)۔ (وكذا في الفتاوى الشامى: ۴۵۱/۶، سعيد، و الفتاوى الهندية: ۴۱۰/۵)۔  
مبسوط میں ہے:

فأما بيع الخمر من المسلم فباطل والثلث غير مستحق له بل هو واجب الرد على من أخذ منه . (المبسوط للامام المرحوم: ۴۹/۲، دار الفکر، بدائع الصنائع: ۱۲۸/۵، سعيد)۔  
فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والثالث: أنه يحرم تملكها وملكها بالبيع والهبة وغيرهما مما للعباد فيه صنع . (الفتاوى الهندية: ۴۱۰/۵)۔  
ہدایہ میں مرقوم ہے:

وانتقال الملك إلى الآمر أمر حكومي فلا يمتنع بسبب الإسلام كما إذا ورثهما ثم إن كان خمراً يخللها وإن كان خنزيراً يسيبه . (الهداية: ۵۹/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زیتون کے تیل کا حکم:

زیتون کا تیل بنانے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا اس کے مطابق زیتون کا تیل استعمال کرنا جائز اور درست ہے، کیونکہ اس طریقہ میں کوئی چیز خلاف شریعت نہیں ہے اور نہ کوئی چیز حرام یا ناپاک استعمال کی جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔  
حقہ پینے کا شرعی حکم:

سوال: کیا حقہ پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو مع الکرہت یا بلا کرہت؟ بینوا تو جروا۔



**الجواب:** آج سے تقریباً ۴۰۰ سال پہلے کفار نے حقہ کو ایجاد کیا تھا، پھر یہ بہت ہی عام ہو گیا، زمانہ ماضی میں حقہ بعض بیماریوں کا علاج سمجھا جاتا تھا، لیکن فی زمانہ لوگ اس کو بطور فیشن شوقیہ استعمال کرتے ہیں، چنانچہ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ نشہ آور ہے جیسا کہ اس کی بعض قسمیں نشہ آور ہیں تو اس کا استعمال ناجائز ہے لیکن اگر نشہ آور نہیں ہے تو اس کا استعمال مکروہ ہوگا، اگر کوئی شخص اس کا عادی ہو تو اس پر لازم ہے کہ مسجد یا محفل وغیرہ میں جانے سے قبل اچھی طرح منہ کی صفائی کر لے، تاکہ انسان اور ملائکہ کو اس کی بدبو سے تکلیف نہ ہو۔

حدیث شریف میں آتا ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس بدبودار پودے میں سے کچھ کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کیونکہ فرشتوں کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا ، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنسان . (رواه مسلم: ۲۰۹/۱)۔  
فتاویٰ شامی میں ہے:

قال الإمام العینی<sup>۲</sup> فی شرحہ علی صحیح البخاری، قلت: علۃ النهی أذی الملائكة وأذی المسلمین ، ولا یختص بمسجدہ علیہ الصلاۃ والسلام ، بل الكل سواء لروایۃ مساجدنا بالجمع ، خلافاً لمن شد ، ویلحق بما نص علیہ فی الحدیث كل ماله رائحة كريهة ما کولاً أو غیرہ ... (فتاویٰ الشامی: ۱/۶۶۱، احکام المساجد، سعید)۔

تاہم حقہ پینے کی عادت بنانا مکروہ شدید ہے کیونکہ اس میں درج ذیل نقصانات ہیں:

(۱) پیپھڑے اور بدن کے دیگر اعضاء کے لیے ضرر رساں ہے۔

(۲) آدمی کے حواس میں کدورت آ جاتی ہے۔

(۳) منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔

(۴) اہل نار کے ساتھ تہبہ ہے، کیونکہ اس میں منہ اور ناک سے دھواں نکلتا ہے۔

(۵) حقہ کے عادی اس کو برا نہیں سمجھتے، اس سے برائی کی نفرت دل سے ختم ہو جاتی ہے۔



بیاریوں کے پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

☆ شیشہ سے نکلنے والے دھوئیں میں بہت سے زہریلے مادے ہوتے ہیں۔ مثلاً:

-lesenic, lead, cobalt

☆ دیر تک استعمال کرنے کی صورت میں chronic obstructive pulomanary

بیاری ہو سکتی ہے۔

تحقیق کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آج کل ایسے فلیور (flavour) (جس میں تمباکو ہوتا ہے) بھی بنائے جاتے ہیں جس میں تمباکو بالکل نہیں ہوتا اگر یہ بات صحیح ہو اور مستعمل مکونات حلال ہو اور ان میں نقصان بھی نہ تو ایسے فلیور کا استعمال خلافِ اولیٰ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس فلیور میں تمباکو ہو اور نقصان دہ ہو تو اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے، البتہ جس فلیور میں تمباکو بالکل نہ ہو بلکہ دوسری جائز اور حلال اشیاء ہوں تو اس استعمال خلافِ اولیٰ ہوگا۔  
فقہاء کے کلام سے چند عبارات ملاحظہ کیجئے:

وفي فتاوى أبى الليث ذكر شمس الأئمة إذا كان يخاف على نفسه من أكل الطين  
بأن كان يورث علة لا يباح له أكل الطين وكذا كل شيء أكله يورث ذلك . (البحر الرائق: ۸/  
۲۶۰، ط: كويت).

وفي الدر المختار: التنن الذي حدث وكان حدوثه بدمشق في سنة خمسة عشر بعد  
الألف... وفي رد المحتار: قوله والتنن، أقول: قد اضطربت أراء العلماء فيه فبعضهم قال  
بكرهه وبعضهم قال بحرمة وبعضهم بإباحته وأفرده بالتأليف وفي شرح الوهبانية  
للشربلالي:

ويمنع من بيع الدخان وشربه ☆ وشاربه في الصوم لا شك يفطر

قلت: وألف في حله أيضاً سيدنا العارف عبد الغنى النابلسي رسالة سماها الصلح بين  
الأخوان في إباحة شرب الدخان... الخ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۴۵۹، سعيد).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۰/۱۰۷، وزارة الاوقاف، الكويت، وحکم الدین فی عادة التدخين، للشیخ طارق الطواری، الاستاذ بكلية الشريعة، جامعة الكويت، ورساله تباً کو اور اسلام، از مولانا حفظ الرحمن اعظمی ندوی، ط: بیت العلم ٹرسٹ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## الکحول کا شرعی حکم:

**سوال:** الکحول کا کیا حکم ہے؟ اس کو استعمال کرنا، اسی طرح اس کی بیع و شراء جائز ہے یا نہیں؟ آج کل اس میں ابتلائے عام ہے لہذا تفصیلی جواب مرحمت فرمائے؟ بینو اتو جروا۔

**الجواب:** جو الکحول یا اسپرٹ، منقّی، انگور، یا کھجور کی شراب سے بنایا گیا ہو وہ بالاتفاق ناپاک ہے، اس کا استعمال اور اس کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔

وہ الکحول یا اسپرٹ جو مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً جو، آلو، شہد وغیرہ کی شراب سے بنایا گیا ہو اس کی نجاست اور حرمت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی اتنی مقدار حلال ہے جس سے نشہ نہ ہو۔ جب کہ اس کو صحیح مقصد کے لیے استعمال کیا جائے، طرب اور لہو لعب کے طور پر نہ ہو۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک تھوڑی مقدار بھی ناجائز ہے، عام حالات میں فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے مگر اسپرٹ میں عموم بلوئی کی وجہ سے شیخین کے قول کے مطابق گنجائش ہے۔

نیز جن صورتوں میں الکحول یا اسپرٹ کے استعمال کی اجازت ہے ان صورتوں ان کی بیع و شراء کی بھی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

وقال فی الجامع الصغير وما سوى ذلك من الأشرطة فلا بأس به قالوا : هذا الجواب على هذا العموم والبيان لا يوجد في غيره وهو نص على أن ما يتخذ من الحنطة والشعير والعسل والذرة حلال عند أبي حنيفة ولا يحد شاربه عنده وإن أسكر منه... وعن محمد أنه حرام... وكان أبو يوسف يقول... ثم رجع إلى قول أبي حنيفة وقوله الأول مثل قول محمد

... قال: ونبیذ العسل والتین ونبیذ الحنطة والذرة والشعیر حلال وإن لم یطبخ وهذا عند  
أبی حنیفة<sup>ؒ</sup> وأبی یوسف<sup>ؒ</sup> إذا كان من غیر لہو و طرب . (الہدایة: ۴/ ۴۹۶، ۴۹۷، کتاب الاشربة).

تکملہ فتح الملہم میں ہے:

و بیع الأشربة المحرمة أو المسكرة منعقد عندهم مع الکراهة . والظاهر أن هذه  
الکراهة إنما ثبتت إذا تعاطاه الرجل لغرض غیر مشروع ، وأما إذا تعاطاه لغرض مشروع ،  
کالدواء ، والضماد وغیره فیما يجوز استعماله فیہ ، فالظاهر أن لا کراهة أيضاً . وإنما نبهت  
على هذا لأن ” الکحول ” المسکرة (Alcohols) اليوم صارت تستعمل فی معظم الأدوية  
ولأغراض کیمیائیة أخرى ، ولا تستغنی عنها کثیر من الصناعات الحديثة ، وقد عمت بها  
البلوی ، واشتدت إلیها الحاجة ، والحکم فیها على قول أبی حنیفة<sup>ؒ</sup> سهل ، لأنها إن لم تكن  
مصنوعة من النبیء من ماء العنب ، فلا یحرم بیعها عنده ، والذي ظهر لی أن معظم هذه  
الکحول لا تصنع من العنب ، بل تصنع من غیرها ، وراجعت له دائرة المعارف البریطانیة  
المطبوعة : ۱۹۵۰م (۱/ ۵۴۴) فوجدت فیها جدولاً للمواد التي تصنع منها هذه الکحول ،  
فذكر فی جملتها العسل ، والدبس ، والحب ، والشعیر ، والجودار ، وعصیر أناناس (التفاح  
الصوری) ، والسلفات ، والکبریتات ، ولم یدکر فیہ العنب والتمر .

فالحاصل أن هذه ” الکحول ” لو لم تكن مصنوعة من العنب والتمر ، فبیعها  
لأغراض الکیمیائیة جائز باتفاق بین أبی حنیفة<sup>ؒ</sup> وصاحبه ، وإن كانت مصنوعة من التمر  
أو من المطبوخ من عصیر العنب ، فکذلک عند أبی حنیفة<sup>ؒ</sup> ، خلافاً لصاحبه ، ولو كانت  
مصنوعة من العنب النبیء فبیعها حرام عندهم جمیعاً ، والظاهر أن معظم ” الکحول ”  
لا تصنع من عنب ، ولا تمر ، فینبغی أن يجوز بیعها لأغراض مشروعة فی قول علماء الحنفیة  
جمیعاً . (تکملة فتح الملہم: ۱/ ۵۵۱، حکم الکحول المسکرة).

علامہ محمد بن نجیح المطعی مفتی الدیار المصریہ (۱۲۷۱-۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں:

وما كان مستحضرًا من الثمار والحبوب والأخشاب فهو طاهر، وهذا الصنف هو الرائج والغالب استعماله في المتجر على ما بلغنا ممن بحثوا عنه .

بقی ما لو أضافوا السبیرتو علی الأدوية ، وعلی الروائح العطریة کالکلونیا، لإصلاحها فهل یعفی عنه؟ فنقول : أما السبیرتو المأخوذ من الأشياء الطاهرة کالحبوب والأخشاب ، فالأدوية والروائح العطریة المخلوطة به طاهرة . ( الفتاویٰ للامام العلامة محمد بن بحیت المطیعی مفتی الدیار المصریة، ص ۱۹، ط: دارالصدیق لعبروم).

امداد الفتاویٰ میں ہے:

اسپرٹ اگر عنب وزہیب و رطب و تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے لہذا اختلاف ورنہ گنجائش نہیں لہذا اتفاق۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/۱۳۷، ۲/۲۰۹)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:

الکحول اصل میں شراب کے جوہر کو اور تلچھٹ کو کہتے ہیں... دواؤں میں عام طور پر اسپرٹ ڈالی جاتی ہے اور اسپرٹ کا ان چار شرابوں کی جنس سے ہونا ضروری نہیں جو نجس العین ہوتی ہیں بلکہ گڑ وغیرہ سے بھی بن جاتی ہے، لہذا جب تک دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے کہ یہ اسپرٹ جو اس دوا میں پڑی ہوئی ہے وہ انہی شرابوں کا جوہر یا تلچھٹ ہے جو نجس العین ہوتے ہیں اس وقت تک اس اسپرٹ کو ناپاک و نجس نہیں کہہ سکتے اور اس کا استعمال کرنا یا ان دواؤں کا استعمال کرنا جس میں یہ اسپرٹ پڑی ہو نا جائز و حرام نہیں کہہ سکتے۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ ص ۳۶۱)۔

نظام الفتاویٰ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بہار بعدہ محرمہ کے علاوہ سے بنایا گیا ہو تو اس میں گنجائش ہے۔ کتاب الفتاویٰ میں ہے:

... اور جو الکحول اگر کے علاوہ کسی اور چیز سے حاصل کیا گیا ہو، ازراہ نشہ اس کا استعمال کرنا بھی حرام ہے، دوا کے طور پر ظاہر ہے کہ اس کا استعمال بدرجہ اولیٰ جائز ہے... (کتاب الفتاویٰ: ۲/۲۰۷)۔

انعام الباری میں ہے:

الکھول کے بارے میں فتویٰ یہ ہے کہ یہ نجس نہیں ہے اور اس کی بیچ جائز ہے اس لیے کہ اس کا استعمال بھی ممکن ہے جیسے دو اور غیرہ کے اندر استعمال کیا جاتا ہے یا دوسرے سائنٹیفک اغراض کے لیے اسی سے روشنائی بناتے ہیں اور خوشبو کے اندر بھی ڈالی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ، اس واسطے اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ (انعام الباری: ۲۱۲/۶)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید معاملات کے شرعی احکام: ۱/۹۶-۹۸، و کتاب الفتاویٰ: ۶/۲۰۶-۲۰۷، و مکملہ

فتح الہم: ۳/۵۹۹-۶۰۸، باب تحریم الخمر، و اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۱/۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثٌ ضَیْفِ إِبْرَاهِیْمَ الْمَكْرُمِیْنِ إِذْ دَخَلَا عَلَیْهِ  
 فَقَالَا: سَلَامًا، قَالَ: سَلَامٌ قَوْمٍ مُّنْكَرُونَ، فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ  
 بِعَجَلٍ سَعِیْنٍ، فَتَرَبَّهٖ إِلَیْهِمْ قَالَ: أَلَا تَأْكُلُونَ؟﴾

[سورة الذاریات]

عن ابن عمر ؓ قال: تعلّم عمر بن الخطاب ؓ البقرة فی اثنتی  
 عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً.  
 (شعب الایمان).

## باب..... ﴿۲﴾

# احکام الضیافة

## کا بیان

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
 أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدينة  
 نحر جزوراً أو بقرۃ (بخاری شریف).



## باب ..... ﴿۲﴾

### ضیافت و مہمانی کے آداب و احکام کا بیان

ختم قرآن کے موقع پر دعوت کا حکم:

سوال: ختم قرآن کے موقع پر دعوت کا کیا حکم ہے؟ اور اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ختم قرآن کے موقع پر دعوت طعام اور اجتماعی دعا دونوں احادیث سے ثابت ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ ختم فرمائی تو اونٹ ذبح فرمایا اور دعوت فرمائی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (۱۸۰۵) بسنده عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: تعلم

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ البقرة في اثنتي عشرة سنة، فلما ختمها نحر جزوراً.

(۲) علامہ ابن طولون نے ”فص الخواتم في ما قيل في الولائم“ میں حفظ قرآن کے موقع پر

دعوت کرنے اور اس میں لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں چند روایات نقل کی ہیں۔ ملاحظہ ہو فص الخواتم میں ہے:

”الاحتفال بحذاق الصبيان“: وروی الدورى في جزءه عن أبي بكر الهذلي قال: سألت

الحسن يعني البصري وعكرمة عن الصبي نبتت أسنانه فينثر عليه الجوز، فقالا: حلال.

وعن یونس بن عیینہ قال: طرق ابن لعبد اللہ بن الحسن فقال عبد اللہ: إن فلاناً قد حدّق والمعلم يطلب، قال: فماذا یرید؟ أعطه درهماً. قال: سبحان اللہ! قال: فأعطه درهمین. قال: إنه لا یرضی! فقال الحسن رضی اللہ عنہ: کانوا إذا حدّق الغلام قبل الیوم نحرُوا جزوراً، واتخذوا طعاماً.

وعن بن سلمة عن حمید قال: کانوا یستحبون إذا جمع الصبی القرآن أن یدبح الرجل الشاة ویدعو أصحابه. (فص الخواتم فیما قبل فی الولاتم، ص ۹).

حدّاق/ حدّاقہ: ہی الإطعام عند ختم القرآن. ویقال للیوم الذی یختتم فیہ القرآن هذا یوم حدّاقہ. وكذا إذا تعلم الآداب، وكذا إذا نبتت أسنان الصغیر، ونحو ذلك.

ختم قرآن کی دعوت کو حدّاق کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں جب بچہ بولنا شروع کرے اس وقت کی دعوت کو حدّاق/ حدّاقہ کہتے ہیں۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عبد اللہ بن یسار: أنه کان لأبی مسعودؓ صبیان فی الكتاب فأرادوا أن ینتھبوا علیہم فاشتری لهم جوزاً بدرهمین وکره أن ینتھبوا مع الصبیان. فقد یجوز أن یکون ذلك علی الخوف منه علیہم من النهبة لا لغیر ذلك. (شرح معانی الآثار للامام الطحاوی، رقم: ۴۱۱۲).

عن خالد بن سعید: أن غلاماً من الكتاب حدّق فأمر أبو مسعودؓ فاشتری لصبیانہ بدرهم جوزاً وکره النهب. (السنن الکبری للامام البیہقی، رقم: ۱۵۰۷۲، باب ماجاء فی الشارفی الفرح).

طحاوی شریف اور بیہقی سنن کبریٰ دونوں کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدریؓ کے ہاں کتب میں کچھ بچوں نے حفظ کیا یا قرآن میں مہارت حاصل کی تو حضرت ابو مسعودؓ نے ان کے لیے کچھ اخروٹ خریدے اور تقسیم کیے کیونکہ ان کے نزدیک لٹانا مکروہ تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ختم قرآن کے موقع پر کچھ دعوت کا انتظام کرنا درست ہے۔

دعوتِ طعام کی مختلف اقسام:

قال الكرمانی: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: - الوليمة للعرس والخرس للولادة والعدار للختان والوكيرة للبناء والنقعة لقدم المسافر من النقع وهو الغبار والوضيمة للمصيبة والعقيقة لتسمية الولد يوم السابع والمأدبة للطعام المتخذ للضيافة بلاسبب وكلها مستحبة إلا الوليمة فإنها تجب عند قوم. (حاشية البحاری باختصار: ۷۷۶/۲).

کھانا کھلانے کی بہت سی اقسام ہیں۔ ملاحظہ ہو مجلہ المآثر میں ہے:

ہمارے علمائے اسلام، فقہاء اور شراح حدیث نے دعوت اور ولیمہ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اہتمام سے اس کو ذکر کیا ہے کہ چند خاص مناسبتوں و مواقع پر عہد قدیم سے دعوتوں کا سلسلہ چلا آ رہا ہے حتیٰ کہ عربی میں ہر موقع و مناسبت کی دعوت کے لیے عنوان بھی الگ الگ ہے، اگرچہ تعداد میں کچھ اختلاف ہے۔ فقہائے احناف میں امام طحاوی و شامی وغیرہ نے گیارہ قسم کی دعوتیں نقل کی ہیں، جب کہ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ وغیرہ نے آٹھ کا تذکرہ کیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں سے بعض اقسام کا ذکر کر رہا ہے۔ (مجلہ ص ۴۸) دعوت کی چند اقسام کو اس جملہ میں جمع کیا گیا ہے:

”أنعموا أمحًا“۔ (اچھے آدمی کو کھانا کھلا کر اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو)۔

۱: إعدار: ختنہ کی دعوت:۔ اسے عذیرہ بھی کہتے ہیں۔ بچوں کے ختنہ کی دعوت کو اعداء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ نے مستحب فرمایا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے: عن نافع قال: كان ابن عمر رضی اللہ عنہما يطعم علي ختان الصبيان. (رقم: ۱۷۴۵۱). اور جن حضرات نے منع کیا ہے ان کے قول کو حافظ ابن حجرؒ نے بچیوں کے ختنہ پر محمول فرمایا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ختنہ کی دعوت فی نفسہ مستحب اور سلف صالحین سے ثابت ہے لیکن اس کا التزام اور پابندی اور اس کو سنت سمجھنا درست نہیں۔ مزید دیکھئے: (اعلاء السنن ۱۱/۱۷، مجلہ المآثر ص ۵۰-۵۵)۔

ن: نقیعة: سفر سے واپسی کی دعوت۔ یہ لفظ ”نقع“ سے مأخوذ ہے، جو غبار کے معنی میں ہے۔

ع: عقیقة: ولادت کے ساتویں دن کی دعوت۔

ع: عتیرة: اوائل رجب کا ذبیحہ اور دعوت، جو قبل الاسلام غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔ اسلام میں

اللہ کے لئے ہو گیا پھر بعد میں اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔

م : مائدة / مأدبة : دوست و احباب کے لیے عام دعوت جس کا کوئی خاص سبب نہ ہو یا یہ کہ دوسرے اسباب دعوت نہ ہوں۔

و : ولیمہ : نکاح کے بعد زوجین کی ملاقات کی مناسبت سے دعوت۔ (یہ دعوت مننون ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد سوم، باب الولیمہ)۔

و : وکبرۃ : نئے مکان کی دعوت۔

و : وضمیمۃ : کسی مصیبت کے موقع کی دعوت (ہمدردوں و پڑوسیوں وغیرہ کی طرف سے)۔

م : الملاک : عقد نکاح کے موقع کی دعوت۔

خ : الخرس : ولادت کی دعوت۔

اقسام دعوت کی مختصر وضاحت :

☆ نقیعة کی تعیین کے بارے میں دو قول ہیں : یصنعها القادم من السفر أو تُصنع له .

یعنی جو کھانا آدمی سفر سے واپس آنے پر لوگوں کے لئے تیار کرے۔ یا لوگ اس کے لئے تیار کریں۔

بعض کہتے ہیں : جو کھانا مسافر تیار کرے اسے نقیعہ کہتے ہیں اور جو کھانا لوگ مسافر کی آمد پر بنائیں اسے

تحفہ کہتے ہیں۔ (فتح الباری : ۲۴۱/۹)۔

سفر سے واپسی کے موقع پر دعوت سے متعلق بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک سفر سے واپسی پر اونٹ یا گائے ذبح فرمائی۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے :

باب الطعام عند القدوم وکان ابن عمر رضی اللہ عنہما یفطر لمن یغشاه ، قال : حدثنی محمد

أخبرنا وکیع عن شعبة عن محارب بن دثار عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدينة نحر جزوراً أو بقرة . (بخاری شریف : ۴۳۴/۱ ،

رقم : ۳۰۸۹)۔

☆ عتیرہ منسوخ ہے۔ ملاحظہ ہو صحیحین کی روایت میں ہے :

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا فرع ولا عتيرة ... والعتيرة

فی رجب . (بخاری ۲/ ۸۲۲ باب العتيرة. مسلم ۲/ ۱۵۹ باب الفرع والعتيرة).

☆ مادبہ میں علماء نے یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

نَقَرَى: اِنْ كَانَتْ لِقَوْمٍ مَخْصُوصِينَ. وَجَفَلَى: اِنْ كَانَتْ عَامَةً.

طرفہ بن عبد اپنی قوم کی تعریف میں کہتے ہیں:

نَحْنُ فِي الْمَشْتَاةِ نَدْعُو الْجَفَلَى ☆ لَا تَرَى الْآدِبَ فِينَا يَنْتَقِرُ

یعنی جب ہماری قوم کا کوئی آدمی (موسم سرما میں) دعوت دیتا ہے تو سب کو بلاتا ہے۔ دعوت دینے والا آدمی کبھی خاص دعوت نہیں کرتا۔ (فتح الباری ۱/ ۲۴۱-۲۴۲۔ دیوان طرفہ بن العبد ص ۲۹)۔

مَادِبَةٌ: دوست و احباب کو بغیر کسی ظاہری سبب کے کھانے کے لئے جمع کرنا۔ یہ مستحب ہے، اور متعدد

روایات و واقعات میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بطورِ ”مشت نمونہ از خروارے“ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: إِنَّهُ نَائِمٌ، وَقَالَ

بَعْضُهُمْ: إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ، فَقَالُوا: إِنْ لَصَاحِبُكُمْ هَذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوا لَهُ مَثَلًا ...

فَقَالُوا: مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَادِبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ

الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَادِبَةِ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَادِبَةِ. (رواہ

البخاری: ۱۰۸۱/۲، الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ).

اس حدیث شریف میں کھانے کی عام دعوت کے لئے آدمی کو بھیج کر لوگوں کو بلانے کا ذکر ہے، جس کا کوئی ظاہری

سبب نہیں۔

(۲) مسلم شریف کی روایت ہے:

قال (عبد اللہ بن رباح): وَقَدْتُ وَفُودًا إِلَى معاوية رضی اللہ عنہ، وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ، فَكَانَ

يَصْنَعُ بَعْضَنَا لِبَعْضِ الطَّعَامِ، وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، مِمَّا يَكْثُرُ أَنْ يَدْعُونَا إِلَى رَحْلِهِ. فَقُلْتُ: أَلَا

أَصْنَعُ طَعَامًا فَأَدْعُوهُمْ إِلَى رَحْلِي، فَأَمَرْتُ بِطَعَامٍ يُصْنَعُ، ثُمَّ لَقِيتُ أَبَا هُرَيْرَةَ مِنَ الْعَشِيِّ فَقُلْتُ: الدَّعْوَةُ عِنْدِي اللَّيْلَةَ، فَقَالَ: سَبَقْتَنِي؟ قُلْتُ: نَعَمْ، فَدَعَوْتَهُمْ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ ﷺ: أَلَا أَعْلِمُكُمْ بِحَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، ثُمَّ ذَكَرَ فَتُح مَكَّةَ. (رواه مسلم: ۱۰۲/۲، باب فتح مكة).

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بہت کثرت سے اپنے ساتھیوں کی دعوت کیا کرتے تھے اور ایک دن عبداللہ بن رباع نے ساتھیوں کی دعوت کی، چنانچہ ابو ہریرہ ﷺ نے بھی کھانے میں شرکت کی اور پھر انہیں فتح مکہ کا قصہ سنایا۔

(۳) صحیحین کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو شعیبہ ﷺ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دیگر چار صحابہ کی دعوت فرمائی۔

عن أبي مسعود الأنصاري ﷺ قال: كان من الأنصار رجل يقال له: أبو شعيب، وكان له غلام لحام، فقال: اصنع لي طعاماً أدعو رسول الله صلى الله عليه وسلم خامس خمسة، فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم خامس خمسة، فتبعهم رجل... الحديث. (رواه البخاري ۸۱۷/۲، الرجل يتكلف الطعام لإخوانه، و مسم: ۱۷۶/۲، ما يفعل الضيف إذا تبعه غير من دعاه صاحب الطعام).

(۴) مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پڑوسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط لگائی کہ میرے ساتھ حضرت عائشہؓ کو بھی دعوت ہے؟ اس نے دو مرتبہ انکار کرنے کے بعد تیسری مرتبہ میں حضرت عائشہؓ کو بھی دعوت دی۔

حدیث شریف یہ ہے:

عن أنس ﷺ أن جارا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فارسياً كان طيب المرق، فصنع لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم جاء يدعوه، فقال: وهذه؟ لعائشة، فقال: لا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا، فعاد يدعوه... قال: نعم، في الثالثة. (رواه مسلم: ۱۷۶/۲).

(۵) متعدد روایات میں یہ مضمون بکثرت وارد ہوا ہے کہ جب تمہیں تمہارا بھائی دعوت دے تو اسے قبول

کرو، اس لئے کہ یہ فائدہ سے خالی نہیں۔ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تب بھی دعوت قبول کرے۔  
اس حدیث سے دلالت الھس کے طور پر اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ اس زمانے میں دوستوں کو دعوت دینے کا رواج تھا۔

نیز صحابہ کرام کا دعوت کرنا اور اسے قبول کرنا بھی متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

(۶) عن أبي وائل قال: ما شهد عبد الله مَجْمَعاً ولا مأذبةً فيقوم حتى يحمّد ويصلي

على النبي صلى الله عليه وسلم. (مصنف ابن أبي شيبة ۱۵/۳۸۰/۴۲۹، من كان يصلي على النبي ﷺ ويحمّد الله قبل أن يقوم من مجلسه).

امام بخاری نے الادب المفرد میں مآذیۃ سے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے۔

☆ اہل میت کے واسطے کھانا بھیجنا پڑوسیوں اور اہل قرابت کے لئے مستحب ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن جعفر ؓ قال: لما جاء نعي جعفر ؓ قال النبي صلى الله عليه وسلم:

اصنعوا لأهل جعفر طعاماً، فإنه قد جاءهم ما يشغلهم. (رواه الترمذی ۱/۱۹۵، ما جاء في الطعام يصنع لأهل الميت).

ابن ماجہ میں ہے:

قال: لما أصيب جعفر ؓ رجع رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى أهله فقال: إن

آل جعفر قد شغلوا بشأن ميتهم فاصنعوا لهم طعاماً. قال عبد الله (أحد الرواة): فما زالت

سنة حتى كان حديثاً فترك. (سنن ابن ماجہ: ۱۱۵، في الطعام يعث إلى أهل الميت).

شامی میں ہے:

قال في الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأبعد تهينة طعام لهم،

يشبعهم يومهم وليلهم لقوله صلى الله عليه وسلم: ”اصنعوا لآل جعفر طعاماً... حسنة

الترمذی وصححه الحاكم. (رد المحتار: ۲/۲۴۰، سعيد).

وللمزيد راجع: (رد المحتار: ۶/۶۶۵، سعید، و الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۶۷ و ۳۴۴/۵، و فتح القدیر: ۱۴۲/۲، دار الفکر).

نیز اہل میت کا اپنے اہل و عیال اور جنازہ میں شرکت کے لئے جو رشتہ دار وغیرہ آئے ہوں، ان کے لئے کھانا پکانا جائز ہے بشرطیکہ کھانے کی عام دعوت نہ ہو، کھانا متوسط درجے کا ہو اور کسی دن کی تخصیص نہ ہو۔ اس کے بارے میں مدلل و مفصل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/۵۸-۶۱)۔

☆ ”ملاک“ کا دوسرا نام بعض نے ”شندخیمہ“ ذکر کیا ہے۔

نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ جائز ہے، لیکن اس کی عادت نہ بنانا چاہئے، نیز اگر شادی میں شرکت کے لئے آنے والے رشتہ داروں کے لئے کھانا بنایا جائے تو درست ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۳/۶۳۶-۶۳۸)۔

مذکورہ بالا اقسام کے علاوہ درج ذیل قسموں کا ذکر بھی ملتا ہے:

(۱) قوی: ما یُصنع للضيف.

(۲) السُّلفَة واللُّهُنَة: وہ مختصر کھانا جو دوپہر کے کھانے سے پہلے کھایا جائے، یا اصل کھانا تیار ہونے

سے پہلے تھوڑا سا کھانا کھایا جائے۔

کھانے کی ان اقسام کو بعض علماء نے اشعار میں جمع کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (رد المحتار ۶/۱۶، نقل عن حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ۴/۱۰)۔

اسی طرح ”قص الخواتم فیما قبل فی الولائم“ کے آخر میں علامہ ابن طولونؒ نے مختلف علمائے کرام کے ۸، منظومے ذکر فرمائے ہیں، جو کھانے کی مذکورہ اقسام کے بیان پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا منظومہ حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

☆ إن الولائم عشرة مع واحد ☆ من عدها قد عز في أقرانه

☆ فالخرس إن نفست، كذاك عقيقة ☆ للطفل، والإعذار عند ختانه

☆ ولحفظ قرآن وآداب لقد ☆ قال: الحذاق لحذقه وبيانہ



ثم الملاك لعقده ووليمة ☆ في عرسه ، فاحرص على اعلانه  
وكذاك مأدبة بلا سب يرى ☆ ووكيرة لبنائه لمكانه  
ونقبة لقدمه ، ووضيمة ☆ من اقرباء الميت أو جيرانه  
ولأول الشهر الأصم عتيرة ☆ جاءت هديت كذا للرفعة شانه  
مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

(شرح النووي على مسلم: ۴۵۸/۱، باب صداق المرأة، وفتح الباری: ۲۴۱/۹-۲۴۲، وعمدة  
القاری: ۱۱۱/۱۴، ورد المحتار: ۱۶/۶، و الموسوعة الفقهية الكويتية، مادة: دعوة، و فقه اللغة للثعالبي ص:  
۲۸۷، الباب الرابع والعشرون، ط: بيروت، والتعريفات الفقهية، ص: ۲۴۰، ط: بيروت، ورد المحتار: ۱۶/۶،  
سعيد، والتمهيد لابن عبد البر: ۱۸۲/۱۰، ومحة المآثر للشيخ المحدث حبيب الرحمن  
الاعظمی، ص: ۴۸-۵۱). واللہ اعلم۔

## ختم القرآن کے موقع پر اجتماعی دعا کا ثبوت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن پاک ختم فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے اجتماعی دعا فرماتے تھے۔  
ملاحظہ ہو: المعجم الكبير میں ہے:

عن ثابت ، أن أنس بن مالك رضي الله عنه كان إذا ختم القرآن جمع أهله وولده فدعا لهم.  
(المعجم الكبير للطبرانی برقم: ۶۷۴).

قال الهيثمي: رواه الطبراني ورجاله ثقات. (مجمع الزوائد، باب الدعاء عند ختم القرآن).

عن إبراهيم التيمي، قال: قال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: من ختم القرآن فله دعوة  
مستجابة، قال: فكان عبد الله إذا ختم القرآن جمع أهله ثم دعا وأمنوا على دعائه. (اخرجه  
القاسم بن سلام في فضائل القرآن برقم: ۸۷، باب فضل ختم القرآن).

وعن أبي قلابة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”من شهد خاتمة القرآن  
كان كمن شهد الغنائم حين تقسم، ومن شهد فاتحة القرآن كان كمن شهد فتحاً في سبيل

اللہ“، قال: وقال المری، عن قتادة: كان بالمدينة رجل يقرأ القرآن من أوله إلى آخره على أصحاب له، فكان ابن عباس رضی اللہ عنہما يضع عليه الرقباء، فإذا كان عند الختم جاء ابن عباس رضی اللہ عنہما فشهدده. (اخرجه أيضاً القاسم بن سلام في فضائل القرآن، رقم: ۸۶).

و عن مجاهد قال: كانوا يجتمعون عند ختم القرآن ويقول: الرحمة تنزل. (قيام رمضان لمحمد بن نصر المروزي، ص ۸۹).

عن الحكم عن مجاهد قال: بعث إلي قال: إنما دعوناك إنا أردنا أن نختم القرآن وأنه بلغنا أن الدعاء يستجاب عند ختم القرآن قال: فدعوا بدعوات. (رواه الدارقطني، رقم: ۳۴۸۲، قال حسين سليم اسد: اسناده صحيح، والبيهقي في شعب الايمان، رقم: ۱۹۰۹).

وعن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: له عند ختم القرآن دعوة مستجابة وشجرة في الجنة. (اخرجه البيهقي في شعب الايمان، رقم: ۱۹۲۰).  
کنز العمال میں ایک روایت مذکور ہے:

و من ”مسند أنس بن مالك رضی اللہ عنہ“ عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا ختم جمع أهله ودعا“، ابن النجار. (کنز العمال: ۳۴۹/۲، ۴۲۱۹).

ويستحب له أن يجمع أهله وولده عند الختم ويدعو لهم، كذا في المنابع. (الفتاوى الهندية: ۳۱۷/۵).

امام قرطبی فرماتے ہیں: قلت: ويستحب له إذا ختم القرآن أن يجمع أهله. (الجامع لاحکام القرآن: ۲۵/۱، مقدمة). واللہ اعلم۔

نئے مکان کی خوشی میں دعوت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نئے مکان کی خوشی میں دعوت کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** نئے مکان کی خوشی میں دعوت کرنے کا ثبوت بعض روایات سے ملتا ہے، البتہ اس کو مسنون نہیں سمجھنا چاہئے۔

أخرج الطبراني في الأوسط (۳۹۴۸) بسنده عن مجاهد عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: الوليمة حق وسنة فمن دعى فلم يجب فقد عصى الله ورسوله والخرس والإعذار والتوكير أنت فيه بالخيار قال: قلت: إني والله لا أدري ما الخرس والإعذار والتوكير قال: الخرس: الولادة، والإعذار: الختان، والتوكير: الرجل يبنى الدار وينزل في القوم فيجعل الطعام فيدعوهم فهم بالخيار إن شاء واجاؤوا وإن شاء واقعدوا. لم يرو هذا الحديث عن إسماعيل بن أمية إلا يحيى بن عثمان التيمي تفرد به الصلت بن مسعود.

قال الهيثمي: يحيى بن عثمان التيمي وثقه أبو حاتم الرازي وابن حبان وضعفه البخاري وغيره وبقيّة رجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۵۲/۴، دال الفکر).  
قال الإمام الطحاوي: وكانت الوليمة صفاً من الأطعمة؛ لأن في الأطعمة أصنافاً سواها نحن ذاكروها في هذا الباب إن شاء الله. وهو ما سمعت أحمد بن أبي عمران يقول: كانت العرب تسمى الطعام الذي يطعمه الرجل إذا ولد له مولود: طعام الخرس، وتسمى طعام الختان طعام الإعذار، يقولون: قد أعد على ولده، وإذا بنى الرجل داراً أو اشتراها فأتعّم قيل: طعام الوكيرة، أي من الوكر، وإذا قدم من سفر فأتعّم قيل: طعام النقيعة... (مشكل الآثار: ۳۷/۷، ۲۰۰۸).

علامہ سخاویؒ المقاصد الحسنہ میں ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

حدیث: ”من سر فليولم“ ہو کلام صحیح، والوائثم مشروعة عند التزوج ووكيرة الدار والقُدوم من سفر وجملّة مما نظم ونثر. (المقاصد الحسنه، رقم ۱۱۳۱).

قال الكرمانی: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: – الوليمة للعرس والخرس للولادة والعدار للختان والوكيرة للبناء... (حاشية البحاری باختصار: ۷۷۶/۲).

علامہ ظفر احمد عثمانی اعلاء السنن میں المغنی سے نقل فرماتے ہیں:

فحكم الدعوة للختان وسائر الدعوات غير الوليمة أنها مستحبة ، لما فيها من إطعام الطعام والإجابة إليها مستحبة غير واجبة ، وهذا قول مالک والشافعيّ وأبي حنيفة وأصحابه... قلت: وكل ذلك موافق لمذهبنا معشر الحنفية ، وما كان خلافاً نبهت عليه كما ترى ، والله أعلم. (اعلاء السنن: ۱۶/۱، تفصيل احكام الوليمة واقسامها ادارة القرآن).

یعنی ولیمہ کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اور ان کا قبول کرنا بھی مستحب ہے، یہی امام مالک و امام شافعی و امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔... یہ سب ہم احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ جہاں کوئی بات مذہب کے خلاف تھی وہاں میں نے تنبیہ کر دی ہے۔

شافعی علماء میں سے شیخ الاسلام زکریا الانصاری اسنی المطالب (۳/۲۲۳، ط: بیروت) میں اور شیخ محمد الخطیب الشربینی مغنی المحتاج (۳/۲۳۵، ط: دار الفکر) میں اقسام دعوت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”والکل مستحب“۔

نیز افتتاح مسجد یا نئے مکان یا دیگر خوشی کے موقع پر صلحا کو دعوت دینا اور ان سے تبرک حاصل کرنا احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرني محمود بن الربيع أنه عقل رسول الله صلى الله عليه وسلم وعقل مجة مجها في وجهه من بئر كانت في دارهم فزعم محمود أنه سمع عتب بن مالک الأنصاري وكان ممن شهد بدراً مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كنت أصلي لقومي بني سالم وكان يحول بيني وبينهم وإذا جاءت الأمطار يشق علي اجتيازه قبل مسجدهم فجئت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت له: إني أنكرت بصري... فوددت أنك تأتي فتصلي من بيتي مكاناً أتخذه مصلي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سأفعل فغدا علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبو بكر رضي الله عنهما بعد ما اشتد النهار... فصلي ركعتين ثم سلم فسلمنا حين سلم وحبسته على خزيمة تصنع له فسمع أهل الدار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتي فثاب رجال منهم حتى كثر الرجال في

البيت... الخ. (رواه البخاری: ۱/۱۵۸، باب صلاة النوافل، ط: فیصل).

قال العلامة العيني: ذكر ما يستفاد منه وهو خمسة وخمسون فائدة... العشرون: التبرك بآثار الصالحين... الثلاثون: صنع الطعام للكبير عند آتيانه لهم وإن لم يعلم بذلك. (عمدة القاری: ۵/۵۵۸، ط: ملتان). واللہ اعلم۔

## درسِ نظامی سے فراغت پر دعوت کا حکم:

**سوال:** اکثر مدارس میں دورہ حدیث کے طلباء سال کے آخر میں دعوت کرتے ہیں، یہ دعوت برضا و رغبت ہوتی ہے بلا کسی اخلاقی جبر کے، کوئی بھی اس کو شریعت کا حصہ نہیں سمجھتا، کیا شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟  
بینوا بالدلیل تو جروا بالاجر الجزیل -

**الجواب:** خوشی کے موقع پر دعوت کرنا احادیث سے ثابت ہے، اور درسِ نظامی سے فراغت بھی باعثِ مسرت ہے، لہذا سوال میں مذکورہ شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے۔ اور دعوت قبول کرنا مستحب ہے۔ ہاں فخر و ریا اور نمود و شہرت اور اسراف سے بچنا چاہئے۔ نیز نہ کرنے والوں پر طعن و تشنیع نہ ہو اور اس کو رسم و رواج کا درجہ دیکر ضروری نہ سمجھے۔  
احادیث سے چند نظائر ملاحظہ کیجئے:

أخرج مسلم (۱۴۲۹) بسنده عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه كان يقول عن النبي صلى الله عليه وسلم: إذا دعا أحدكم أخاه فليجب عرساً كان أو غير نحوه .

والأمر بالإجابة محمول على الاستحباب. (اعلاء السنن: ۱۷/۱۱).

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب سورہ بقرہ ختم فرمائی تو اس کی خوشی میں اونٹ ذبح فرمایا اور دعوت فرمائی۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) أخرج الإمام البيهقي في شعب الإيمان (۱۸۰۵) بسنده عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: تعلم

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ البقرة في اثنتي عشرة سنة ، فلما ختمها نحر جزوراً .

(۲) علامہ ابن طولون نے ”فص السخاوم في ما قيل في الولائم“ میں حفظ قرآن کی خوشی کے موقع پر دعوت کرنے اور اس میں لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں چند روایات نقل کی ہیں جن کا تذکرہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

عن عبد الله بن رباح قال : وفدت وفود إلى معاوية رضی اللہ عنہ وذلك في رمضان فكان يصنع بعضنا لبعض الطعام وكان أبو هريرة رضی اللہ عنہ مما يكثر أن يدعونا إلى رحله فقلت : ألا أصنع طعاماً فأدعوهم إلى رحلي فأمرت بطعام يصنع ثم لقيت أبا هريرة رضی اللہ عنہ من العشي فقلت : الدعوة عندى الليلة فقال : سبقتني فقلت : نعم ، فدعوتهم . (اخرجه مسلم برقم : ۱۷۸۰) .

وعن أبي العالية ؛ أن أبا موسى نحر جزوراً فأطعم أصحابه ، ثم قاموا يصلون بغير ظهور ... (مصنف ابن أبي شيبة : ۵۱۶/۴۶/۱) .

علاوہ ازیں ذخیرہ احادیث میں دعوت طعام کی بہت ساری روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت طعام پیش کی آپ تشریف لے گئے ، نیز صحابہ آپس میں بھی دعوت کرتے تھے ، ماقبل میں اقسام دعوت میں ”مادہ“ کے تحت کچھ روایات گزر چکی ہیں ان کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ، مکرار سبب طوالت ہے۔

☆ شیخ محمد عابد سندھی انصاریؒ نے فتح الباری کو ایک جلد میں اور صحاح ستہ کو ایک جلد میں لکھا تو اظہار خوشی میں علماء اعیان کی دعوت فرمائی۔ دیکھئے: (الامام الفقیہ الحدیث شیخ محمد عابد الانصار، ۱۳۵، ۲۲۵؛ بقلم اشغ سائد بکد اش)۔

☆ شیخ الاسلام علامہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری کی تکمیل فرمائی تو بڑے علماء کی دعوت فرمائی۔

وقد أولم عند ختمه وليمة حضرها وجوه المسلمين ، أنفق فيها ۵۰۰ دينار . (مقدمة بوغ المرام، ص ۶) .

وفی ”السلوک لمعرفة دول الملوك“ للمقرئ (۴۲۸/۳) : وفي يوم السبت ثامنہ : جمع المحافظ قاضی القضاة شهاب الدين شيخ الإسلام أبو الفضل أحمد بن حجرؒ ،

أعيان الدولة ، وفيهم المقام الناصري محمد ولد السلطان وغيره من الأمراء ، وكتائب السر ، وناظر الجيش ، والوزير ، والقضاة وشيوخ العلم في عامة طلبه العلم وغيرهم ، فاجتمعوا بأعلا الخمس الوجوه من أرض التاج خارج القاهرة ، وكان الوقت شتاء والأرض مخضرة بأنواع الزراعات ، والخيول على مرابط ربيعها ، وقدم لهم من أنواع الحلوات ألوان الأطعمة الفاخرة ما يحل وصفه ويكثر مقداره ، وقد أكمل تصنيف كتاب فتح الباري بشرح صحيح البخاري في عشرين مجلدة ، ثم قرئ من آخره مجلس خفيف ، وقام بعد ختمه الشعراء ... الخ .

اعلاء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ولیمہ (مشہور کے قول کے مطابق سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے) کے علاوہ بقیہ تمام دعوتیں خواہ ختنہ کی ہو یا کوئی اور، سب کا حکم یہ ہے کہ مستحب ہیں اور ان کا قبول کرنا بھی مستحب ہے، یہی امام مالک و امام شافعی و امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ (اعلاء السنن: ۱۱/۷۷، ط: ادارة القرآن)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حج کے سفر سے واپسی پر دعوتِ طعام کا حکم:

**سوال:** حاجی لوگ جب حج سے واپس آتے ہیں تو ان کی تشریف آوری پر لوگ دعوت کرتے ہیں شرعاً اس کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد کے سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ یا گائے ذبح فرمائی، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حج کے سفر سے واپسی پر حج کی خوشی کی وجہ سے دوست و احباب اور اہل قرابت کے لیے کچھ دعوت کا انتظام کرنا درست ہے۔ لیکن فحشو و مبالغہات اور شہرت سے احتراز لازم ہے۔ نیز اس کو رسم و رواج کا درجہ دیکر ضروری بھی نہ سمجھا جائے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب الطعام عند القدوم وکان ابن عمر رضی اللہ عنہ یفطر لمن یغشاه ، قال : حدثنی محمد أخبرنا وکیع عن شعبة عن محارب بن دثار عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدينة نحر جزوراً أو بقرة . (بخاری شریف: ۱/۴۳۴، رقم: ۳۰۸۹)۔

قال الكرمانی: قالوا: والضيافة ثمانية أنواع: - الوليمة للعرس والخرس للولادة والعدار للختان والوكيرة للبناء والنعقة لقدم المسافر من النقع وهو الغبار والوضيمة للمصيبة والعقيقة لتسمية الولد يوم السابع والمأدبة للطعام المتخذ للضيافة بلاسبب وكلها مستحبة إلا الوليمة فإنها تجب عند قوم . (حاشية البخاری باختصار: ۲/۷۷۶)۔

نعقة کی تعیین کے بارے میں دو قول ہیں: یصنعها القادم من السفر أو تُصنع له۔ یعنی جو کھانا آدمی سفر سے واپس آنے پر لوگوں کے لئے تیار کرے۔ یا لوگ اس کے لئے تیار کریں۔ بعض کہتے ہیں: جو کھانا مسافر تیار کرے اسے نعقة کہتے ہیں اور جو کھانا لوگ مسافر کی آمد پر بنائیں اسے تحفہ کہتے ہیں۔ (فتح الباری: ۹/۲۴۱)۔

فتاویٰ فریدیہ میں ہے: جب ریاد اور فخر و مباہات سے خالی ہو تو اس ذبح میں کوئی حرج نہیں بلکہ مسنون ہے، لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذبح حین قدم و كانت الصحابة رضی اللہ عنہم یطعمون علی زائرهم عند القدوم۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۳/۲۷۰)۔ مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۵۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طفلی کا دعوت میں شریک ہونے کا حکم:

سوال: طفلی بغیر بلائے دعوت میں شریک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بغیر بلائے دعوت میں شریک ہونا ناجائز ہے، الا یہ کہ اس کے اور داعی کے درمیان بے تکلفی ہو تو گنجائش ہے۔ نیز کھانے سے پہلے صاحب خانہ سے اجازت حاصل کر لی تب بھی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ



ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعوت میں شریک ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میزبان سے اجازت طلب فرمائی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یا أبا شعیب أن رجلاً تبعنا فإن شئت أذنت له وإن شئت تركته قال: لا بل أذنت له. (متفق علیہ).

ممانعت والی روایت ملاحظہ ہو:

عن نافع قال: قال عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من دعي فلم يجب فقد عصى الله ورسوله ومن دخل على غير دعوة دخل سارقاً وخرج مغبراً. (رواه ابوداود، رقم ۳۷۴۳، باب ما جاء في اجابة الدعوة).

وقال الإمام أبوداود: أبان بن طارق، مجهول.

قال الإمام ابن الجوزی فی الضعفاء (۱۰/۱۷/۱): أبان بن طارق: قال أبوزرعة: مجهول. وقال ابن عدی: له حدیث واحد منکر لا یعرف إلا به، وهو: "من دخل بغير دعوة... الخ". قال المحشي: والحدیث ضعیف، والبلية فيه من درست بن زیاد. (انظر: العراقي فی المغنی: ۲/۱۰، تذكرة الموضوعات للفتنی ۶۷، والفوائد المجموعة للشوكاني ۸۶).

قال العراقي في تخريج الإحياء (۱۳۲۷) حدیث: من مشى إلى الطعام لم يدع إليه مشى فاسقاً وأكل حراماً. أخرجه البيهقي من حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا نحوه وضعفه. وللمزيد راجع: (الفوائد المجموعة للشوكاني، ص ۸۶، رقم ۷۶، وتذكرة الموضوعات للعلامة الفتني، ص ۶۷). خلاصہ یہ ہے دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

حدیث کی شرح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

(دخل سارقاً) لأنه دخل بغير إذنہ فأنم كما يأنم السارق في دخول بيت غيره (خرج مغبراً) أي ناهباً غاصباً یعنی وإن أكل من تلك الضيافة فهو كالذي يغير أي يأخذ مال أحد غصباً والحاصل أنه صلى الله عليه وسلم علم أمته مكارم الأخلاق البهية ونهاهم عن شمائل الدنيا فإن عدم إجابة الدعوة من غير حصول المعذرة يدل على تكبر النفس

والرعونة وعدم الألفة والمودة والدخول من غير دعوة يشير إلى حرص النفس ودناءة  
الهمة وحصول المذلة والمهانة فالخلق الحسن هو الاعتدال بين الخلقين المذمومين .  
(مرقاۃ المفاتیح: ۶/۲۵۵، باب الولیمة).

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قال القاضی عیاض: فیہ تحریم طعام الطفلیین . وقال أصحاب الشافعی: لا يجوز  
التطفل إلا إذا كان بينه وبين صاحب الدار انبساط ... الخ. (عمدة القاری: ۸/۳۴۵، کتاب البیوع).  
اسی طرح ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

وإن من تطفل فی الدعوة كان لصاحب الدعوة الاختیار فی حرمانه فإن دخل بغير  
إذنه كان له إخراجہ وإن من قصد التطفل لم يمنع ابتداء لأن الرجل تبع النبی صلی اللہ  
علیہ وسلم فلم یرده لا حتمال أن تطیب نفس صاحب الدعوة بالإذن له وینبغي أن یكون  
هذا الحدیث أصلاً فی جواز التطفل لكن یقید لمن احتاج إلیه ...

قال الكرمانی: واستدل به علی منع استتباع المدعو غیره إلا إذا علم من الداعی  
الرضا بذلك. وأن الطفلی یأكل حراماً ... لا يجوز التطفل إلا إذا كان بینہ وبين صاحب  
الدار انبساط. (فتح الباری ۹/۵۶۰-۵۶۱، کتاب الاطعمه باب الرجل یتکفل الطعام لآخره). واللہ اعلم.

**تمام انواع طعام دسترخوان پر بہ یک وقت رکھنے کا حکم:**

**سوال:** مہمانوں کو کھانا کھلانے کے عموماً دو طریقے رائج ہیں: (۱) تمام انواع کے کھانوں کو ایک ساتھ  
دسترخوان پر رکھ دیا جاتا ہے۔ (۲) یکے بعد دیگرے لایا جاتا ہے۔ ان دونوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ بہتر  
اور مناسب ہے، کتب فقہ کی روشنی میں تحریر کیجئے؟

**الجواب:** بہتر اور مناسب یہ ہے کہ جملہ انواع طعام کو دسترخوان پر بہ یک وقت رکھ دیا جائے تاکہ  
مہمان کو جو پسند ہو وہ کھالے، مزید انتظار کرنے کی ضرورت نہ پڑے، الا یہ کہ ایسا کھانا ہے جو بعد میں کھایا جاتا

ہے، مثلاً آئیں کریم، فالودہ وغیرہ ہوں تو ان کو بعد میں لایا جائے۔  
ملاحظہ ہو تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال العلامة الزمخشري في ربيع الأبرار من باب الطعام وألوانه ما نصه : كانت سنة السلف أن يقدموا جملة الألوان دفعة لياكل ما يشتهي. ثبت بهذا أن تقديم الألوان جملة من سنة السلف كما هو عادة العرب وما يفعله الأروام من تقديم الألوان واحداً بعد واحد مستدلين بما روي أنه عليه الصلاة والسلام كان لا يجمع بين لونين ، فيجاء عنه بأنه ما كان يجمع بين لونين في لقمة واحدة بدليل ما ذكره أيضاً في ربيع الأبرار من الباب المزبور عن عائشة رضي الله تعالى عنها ما كان يجتمع لوانان في لقمة في فم رسول الله صلى الله عليه وسلم إن كان لحماً لم يكن خبزاً وإن كان خبزاً لم يكن لحماً . (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۳۵۹/۲ ط: كوثه). (و كذا في الدرر المباحة في المحظور والاباحة للشيخ خليل بن عبدالقادر الشيباني النحلاوي، ص ۳۴، دار ابن حزم).

قوت القلوب میں شیخ ابوطالب مکی فرماتے ہیں:

وقد كان من سنة المتقدمين أن يقدموا جملة الألوان في مكان واحد مما يشتهي، وليكون ما تقدم معلوماً لهم وقال لهم إذا لم يكن عنده إلا لون واحد: ليس يحضر إلا هذا ليستوفوا منه ولا يتطلعوا إلى غيره كان صواباً، حدثني بعض شيوخنا عن شيخ له قال: قدم إلى بعض أهل الشام لوناً من طبيخ فقلت له عندنا بالعراق يقدم هذا اللون آخر الألوان فقال لي: هكذا هو عندنا بالشام، قال: فاستحييت إذ لم يكن عنده غير ذلك اللون، وقال لي آخر: كنا في جماعة عند رجل فجعل يقدم إلينا ألوان الرؤوس منها منها طبيخاً وقديداً فجعلنا نقصر في الأكل نتوقع بعده الألوان وجمالاً أوجدياً، قال: فجاءنا بالبطست ولم يقدم غيرها،... قال: فبتنا تلك الليلة جوعاً. (قوت القلوب: ۳۰۸/۲ بیروت). (و كذا في احياء علوم الدين:

ولا بأس بأكل الفالودج والأطعمة النفيسة وعن النبي صلى الله عليه وسلم أنه أكل الرطب مع البطيخ وأكل عمر رضي الله تعالى عنه البطيخ مع السكر. (البحر الرائق: ۲۱۰/۸، بيروت).

فتاویٰ تارخانہ میں ہے:

ولا بأس بأكل الفالودج والأطعمة الشبيهة لما روي عن الحسن أنه كان على مائدته ومعه مالك بن دينار فتأتي بالفالودج. (الفتاوى التاتارخانية: ۱۸/۱۴۴، دیوبند، وکذا فی الفتاویٰ الہندیۃ نقلاً عن الفتاویٰ الظہیریۃ: ۳۴۱/۵، باب فی الکراہیۃ فی الاکل).

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

دستر خوان پر تمام انواع یکشت رکھنا بہتر ہے۔

تمام کو یکشت رکھنا بہتر ہے سلف اور عرب کا یہی معمول تھا اور یکے بعد دیگرے رکھنا رومیوں کا معمول ہے۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۲۶۹/۲)۔ واللہ اعلم۔

”اکل طعامکم الأبرار“ دعا کا حکم:

سوال: کھانے کے بعد یہ دعا ”اکل طعامکم الأبرار وصلت علیکم الملائکۃ، وأفطر عندکم الصائمون“ کسی کے ہاں بوقت افطار پڑھی جائے گی یا بغیر افطار کے بھی اس دعا کا پڑھنا جائز ہے؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ افطار کے ساتھ خاص ہے۔ بیذا تو جروا۔

الجواب: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بوقت افطار پڑھی تھی، اور دوسری بعض روایات سے بغیر افطار کے پڑھنا بھی ثابت ہے، ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ بلا افطار کے بھی یہ دعا عام دعوتوں میں جائز ہے، لیکن چونکہ عام روایات میں افطار کا ذکر ہے اس وجہ سے یہ دعا بوقت افطار پڑھی جانی چاہئے۔ وہ روایات ملاحظہ ہوں جن میں افطار کا ذکر موجود ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أفطر عند أهل

بیت قال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وتنزلت عليكم الملائكة. (رواه ابویعلیٰ فی مسنده، قال حسین اسلم: رجالہ رجال الصحیح رقم ۴۳۲۰).

عن عبد الله بن الزبير رضی اللہ عنہ قال: أفطر رسول الله صلى الله عليه وسلم عند سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فقال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة. (رواه ابن ماجه، رقم: ۱۷۴۷، نفی الزوائد فی اسنادہ مصعب بن ثابت عن عبد اللہ بن الزبیر ضعیف، قال الالبانی: صحیح دون قوله افطر رسول الله صلى الله عليه وسلم). (والبيهقي في الصغرى، رقم: ۱۳۹۶، وفي الكبرى، رقم: ۸۳۹۳، والطبراني في الأوسط، رقم: ۳۰۱، وفي الدعاء، رقم: ۹۲۲، والدارمي، رقم: ۱۷۷۲، وابن حبان في صحيحه، رقم: ۵۲۹۶، قال الشيخ شعيب: صحيح بشواهده وهذا سند ضعيف، وأحمد في مسنده، رقم: ۱۲۱۷۷، والبزار في مسنده، رقم: ۱۷۵، وعبد بن حميد، رقم: ۱۲۳۴، وابن أبي شيبة في مصنفه، رقم: ۹۸۳۸، والنسائي في الكبرى، رقم: ۶۸۷۴).

وہ روایات جن میں افطار کا ذکر موجود نہیں ہے:

عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أكلوا عند أهل بيت قال: أفطر عندكم الصائمون وأكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة. (رواه أبویعلیٰ فی مسنده، رقم: ۴۳۱۹، قال حسین اسلم آمد فی تعلیقاتہ: رجالہ رجال الصحیح).

عن أنس رضی اللہ عنہ أو غيره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استأذن على سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ فقال: السلام عليكم ورحمة الله، فقال: سعد وعليك السلام ورحمة الله ولم يسمع النبي صلى الله عليه وسلم حتى سلم ثلاثاً ورد عليه سعد ثلاثاً ولم يسمعه فرجع النبي صلى الله عليه وسلم واتبعه سعد فقال: يا رسول الله بأبي أنت وأمي ما سلمت تسليمة إلا هي بأذني ولقد رددت عليك ولم أسمعك أحببت أن أستكثر من سلامك ومن البركة ثم أدخله البيت فقرب له زبيباً فأكل نبي الله صلى الله عليه وسلم فلما فرغ قال: أكل طعامكم الأبرار وصلت عليكم الملائكة، وأفطر عندكم الصائمون. (رواه احمد في مسنده رقم ۱۲۳۰۶، قال الشيخ شعيب: اسنادہ صحیح علی شرط الشيخین). (وأيضاً رواه أبو داود، رقم: ۳۸۵۶، وعبد الرزاق في مصنفه، رقم: ۷۹۰۷، والبيهقي في الشعب، رقم: ۵۶۴۸).

ملا علی قارئیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دعاء عام ہے، افطار کے ساتھ خاص نہیں ہے اور افطار کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے، پھر دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے کہ دونوں کو الگ الگ واقعہ پر محمول کریں۔ ملاحظہ ہو:

وأما قوله وأفطر عندكم الصائمون، فدعاء لأن مجرد الإخبار به لا يفيد فائدة تامة مع أن الظاهر أنه ما كان وقت الإفطار ولا ينافيه تقييده في رواية بقوله إذا أفطر عند قوم دعا لهم بل فيه تأييد له فأمل، غاية أنه قيد واقعي لا احترازي... ويمكن الجمع بتعدد القضية . (المروقة : ۲۰۷/۸ ط: ملتان).

الاذکار میں ہے:

قال النووي في الأذكار : فهما قضيتان جرتا لسعد بن عباد وسعد بن معاذ رضي الله تعالى عنهما . (الأذكار، ص ۲۸۳، باب دعاء المدعو والضيف لاهل الطعام اذا فرغ من اكله).

امام نوویؒ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں قضیے علیحدہ ہیں لہذا دونوں مقام پر عمل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ امام نوویؒ نے ”الأذکار“ میں دونوں جگہ مستقل باب قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ص ۲۳۳، پرفرماتے ہیں: باب ما يقول إذا أفطر عند قوم۔ اور دوسری جگہ ص ۲۸۲، پرفرماتے ہیں: باب دعاء المدعو والضيف لأهل الطعام إذا فرغ من أكله .

وقال المناوي في فيض القدير : ولا مانع من التعدد . (رقم: ۱۳۱۰).

تاہم اکثر محدثین نے جو باب قائم کیا ہے وہ افطار سے متعلق ہے، چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

قال في ابن ماجه : باب في ثواب من فطر صائماً . اس باب میں حضرت سعد بن معاذ کی وہ روایت نقل کی ہے جس میں افطار کا لفظ ہے۔ (ابن ماجہ، ص ۱۳۵).

قال في سنن الدارمي : باب دعاء الصائم لمن يفطر عنده . افطار والی روایت نقل کی ہے۔ (سنن الدارمی: ۴/۴۰).

وقال في السنن الكبرى للبيهقي : باب ما يدعو به الصائم لمن أفطر عنده ، افطار والی روایت نقل کی ہے۔ (السنن الكبرى للبيهقي: ۴/۲۴۰).

وقال فی عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی : باب ما یقول إذا أفطر عند قوم .

وفی مصنف ابن أبی شیبۃ : ما قالوا فی الصائم إذا أفطر ، ما یقول . (رقم: ۹۸۳۸) .

وفی مصنف عبد الرزاق : باب من فطر صائماً . حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی

ہے جس میں افطار کا ذکر نہیں ہے۔ (۷۹۰۷/۳۱۱/۴)۔

وفی السنن الکبریٰ للنسائی : الدعاء لمن أفطر عنده . (۲۰۲/۴) . وغیرہ۔

اس کے برخلاف بعض محدثین نے مطلق باب قائم کیا ہے۔

چنانچہ امام ابوداؤد فرماتے ہیں : باب ما جاء فی الدعاء لرب الطعام إذا أكل عنده .

(رقم: ۳۸۵۶) . حضرت سعد بن عبادہ کی روایت نقل ہے۔

صحیح ابن حبان میں فرماتے ہیں : ذکر إباحة دعاء الضيف للمضيف بغیر ما وصفنا عند

فراغه من الطعام ، لیکن اس باب کے تحت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی افطار والی روایت ذکر کی ہے۔

(۱۰۷/۱۰۲۶/۱ ، باب الضیافة)۔

امام بیہقی شعب الایمان میں فرماتے ہیں : الدعاء لرب الطعام .

خلاصہ یہ ہے کہ اکثر حضرات نے دونوں کو الگ تسلیم کیا ہے دونوں مقام پر اس دعا کے پڑھنے کی اجازت

دی ہے، لہذا کسی کے ہاں افطار کے بعد یا بغیر افطار کے عام دعوت کے بعد دونوں مواقع پر پڑھنا جائز اور درست

ہے، البتہ عام دعوتوں میں یہ دعا بھی احادیث سے ثابت ہے:

”اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاعْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ“ . رواہ مسلم . (رقم: ۲۰۴۲) .

واللہ ﷻ اعلم۔

دعا ”اللَّهُمَّ أَطْعَمْ مِنْ أَطْعَمِي“ کا حکم:

سوال: دعا کے الفاظ: ”اللَّهُمَّ أَطْعَمْ مِنْ أَطْعَمِنَا وَاسْقِ مِنْ سَقَانَا“ کا مطلب یہ ہے کہ: اے

اللہ! جس نے مجھے کھلایا اور پلایا آپ اس کو کھلا دو اور پلا دو، عام طور پر لوگ دعاؤں میں ماضی کے معنی لیتے ہیں

یعنی جس نے مجھے کھلایا آپ اس کو کھلا دو، لیکن مسلم شریف کی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مستقبل کے لیے ہیں، یعنی مطلب یہ ہوگا: اے اللہ جو مجھے کھلائے اس کو آپ کھلا دو اور جو مجھے پلائے اس کو آپ پلا دو۔ مسلم شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن المقداد قال: أقبلت أنا وصاحبان لي وقد ذهبت أسماعنا وأبصارنا من الجهد فجعلنا نعرض أنفسنا على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس أحد منهم يقبلنا فأتينا النبي صلى الله عليه وسلم فانطلق بنا إلى أهله فإذا ثلاثة أعنز فقال النبي صلى الله عليه وسلم: احتلبوا هذا اللبن بيننا قال: فكنا نحتلب فيشرب كل إنسان منا نصيبه ونرفع للنبي صلى الله عليه وسلم نصيبه قال: فيجيء من الليل فيسلم تسليماً لا يوقظ نائماً ويسمع اليقظان قال: ثم يأتي المسجد فيصلّي ثم يأتي شرابه فأتاني الشيطان ذات ليلة وقد شربت نصيبي فقال: محمد يأتي الأنصار فيتحفونه ويصيب عندهم ما به حاجة إلى هذه الجرعة فأتيها فشربتها فلما أن غلّت في بطني وعلمت أنه ليس إليها سبيل قال: ندمنى الشيطان ... قال: فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فسلم كما كان يسلم ثم أتى المسجد فصلى ثم أتى شرابه فكشف عنه فلم يجد فيه شيئاً فرفع رأسه إلى السماء فقلت الآن يدعو علي فأهلك، فقال: اللهم أطعم من أطعمني واسق من سقاني ... الخ. (رواه مسلم: ۱۸۴/۲، باب إكرام الضيف وفضل إثارته: ط: فيصل). بينوا توجروا.

**الجواب:** حدیث شریف کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ مستقبل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور برتن میں دودھ نہیں پایا تو فرمایا جو مجھے کھلائے آپ اس کو کھلا دیں اور جو مجھے پلائے اے اللہ آپ اس کو پلا دیں۔

شرح حدیث نے بھی یہی مستقبل والی توجیہ ذکر فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہوا مام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فيه دعاء للمحسن والخدام وللمن سيفعل خيراً. (الشرح الكامل على صحيح مسلم: ۱۸۴/۲،



اکمال المعلم میں ہے:

والدعاء بأن يطعم الله من يطعمه ويسقى من سقاه . (اکمال المعلم : ۱/ ۵۴، دار الوفاء).

المفہم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم میں ابوالعباس قرطبی فرماتے ہیں:

و”سقاني“ بمعنى يسقيني، و”من أطعمني“ بمعنى: يطعمني، لما فهم المقداد منه الدعاء، وطلب أن يفعل الله ذلك معه في الحال؛ عرف الله يجيبه، ولا يرد عوته، لاسيما عند شدة الحاجة، والفاقة، فقام لينظر له شيئاً تكون به إجابة دعوته. (المفہم : ۵/ ۳۳۳).

البتہ حدیث شریف کے الفاظ میں ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، ”و العبرة لعموم الألفاظ“ لہذا ماضی کا معنی لینا بھی درست ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے ”الاذکار“ میں اس روایت کو: ”باب دعاء الإنسان لمن سقاه ماء أو لبناً“ کے تحت ذکر کیا ہے۔

نیز ”الفتوحات الربانية على الأذكار النووية“ میں حدیث کے الفاظ کی شرح بھی ماضی کے صیغہ کے مطابق کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

قوله أطعم، أي أوزق، من أطعمني أي تسبب لإطعامي... من سقاني وفيه الدعاء لمن صنع معروفاً مع الإنسان . (الفتوحات الربانية : ۵/ ۲۵۴، ط: احیاء التراث العربی). واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہندو کے ارسال کردہ کھانے کا حکم:

سوال: اگر کوئی ہندو مسلمان کے گھر کھانا بھیجے تو کیا اسے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اسے کیا کرنا چاہئے؟ منہا سوال یہ ہے کہ ہندو لوگ گائے کے پیشاب کی تعظیم کرتے ہیں اور بعض ہندو اس کو کھانے میں بھی ڈالتے ہیں۔ بیوا تو جروا۔

الجواب: (الف) جب کوئی تعلق والا آپ کے ہاں کھانا یا کوئی تحفہ بھیجے تو اس کو قبول کرنا چاہئے۔

(باء) قبول کرنے بعد جب یقین ہو جائے کہ اس کھانے میں گائے کا پیشاب ڈالا ہے تو پھر اس کا کھانا

نا جائز ہے، ہاں محض ظن کی وجہ سے کھانا ناجائز نہیں ہوتا، جب صحابہ کرام ؓ نے پیر سے متعلق یہ اشکال ظاہر کیا کہ ”شاید یہ مردار جانور سے بنایا گیا ہو“ ”نحن نرى أنه يجعل فيها ميتة“ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فقال: اطعموا فيها بالسكين واذكروا اسم الله واكلوا۔ یعنی شاید کا اعتبار نہیں کیا۔ پھر وہ کھانا خود کھائے یا کسی اور کو دیدے، دونوں باتیں درست ہیں۔

(ج) اگر کسی غیر مسلم کے ہاں سے گوشت آجائے تو اس کا کھانا درست نہیں، الا یہ کہ اس نے کسی قابل اعتماد مسلمان کی دکان سے گوشت خریدا ہو تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔

عام طور پر ہندو مسلمانوں کے احوال کو جانتے ہیں اس لیے تعلقات کی بنا پر جو کچھ بھیجتے ہیں وہ حلال اور پاکیزہ ہوتا ہے۔

روى البيهقي في مسنده الكبرى (٢٨٥/٩)، بسنده عن علي ؓ قال: لا بأس بطعام المجوس إنما نهى عن ذبائحهم .  
البحر الرائق میں ہے:

ولا بأس بطعام المجوس كلها إلا الذبيحة . (البحر الرائق: ٢٣٢/٨، بيروت).  
عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة فإن ذبيحتهم حرام... ولا بأس بالذهاب إلى ضيافة أهل الذمة هكذا ذكر محمد... ويكره الأكل والشرب في أواني المشركين قبل الغسل ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلًا وشاربًا حراماً وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا علم فلا يجوز أن يشرب ويأكل منها قبل الغسل .  
(الفتاوى الهندية: ٣٤٧/٥).

علامہ حنفیؒ فرماتے ہیں: ولا بأس بطعام المجوس وأهل الشرك ما خلا الذبائح فإن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا يأكل ذبائح المشركين وكان يأكل ما سوى ذلك من طعامهم . (المبسوط: ٥٠/٢٤، ط: بيروت).

حدیث شریف میں آتا ہے ایک یہودی عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت ہدیہ میں دیا آپ نے اسے قبول فرمایا۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ہندوؤں کے یہاں دہی، چوڑا، دال، بھات کھانا جب تک ناپاکی کا علم نہ ہو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۵/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عاشورا کے دن ضیافت کا حکم:

**سوال:** عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت کرنا اور عام مہمانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے، نیز عام مہمانی کی بھی وسعت میں داخل ہے اور اس سے بھی حدیث شریف میں بیان کردہ فضیلت حاصل ہوگی۔  
اس مسئلہ سے متعلق تفصیلی بحث فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد اول ص ۴۱۴ پر ملاحظہ کیجئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عاشورا کے دن دیگر اشیاء میں وسعت کا حکم:

**سوال:** عاشورا کے دن اپنے اہل و عیال پر وسعت کرنے میں کھانے کے علاوہ کپڑے وغیرہ داخل ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** فقہاء نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ عاشورا کے دن اہل و عیال پر وسعت کرنے میں کھانے کے علاوہ کپڑے وغیرہ بھی داخل ہے۔  
ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

وقد رأيت لبعض العلماء كلاماً حسناً محصله: أنه لا يقتصر فيه على التوسعة بنوع واحد بل يعمها في المأكول والملابس وغير ذلك وأنه أحق من سائر المواسم بما يعمل

فیہا من التوسعات الغیر المشروعة فیہا کالأعیاد ونحوہا۔ (فتاویٰ الشامی: ۶/ ۴۳۰، سعید)۔

واللہ اعلم۔

## عاشورا کا کھانا رات میں کھلانے کا حکم:

**سوال:** عام طور پر عاشورا کے دن روزہ ہوتا ہے تو رات میں کھانا کھلایا جاتا ہے، تو کیا عاشورا کے دن مغرب کے بعد کھانا کھلایا جائے تو برکات اور فضیلت حاصل ہو جائے گی یا نہیں؟

**الجواب:** حدیث شریف کے الفاظ یوں ہیں: ”من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ سائر السنۃ“ چونکہ دن میں روزہ رکھنا مستحب ہے اور کھانے پینے میں رات ماقبل دن کی تابع ہوتی ہے افطاری دن کا کھانا ہے جو مغرب کے بعد کھایا جاتا ہے اس لیے رات کا کھانا سابقہ دن کا تابع ہوا اگر کوئی یہ کہے: ”واللہ اکلت العشاء یوم الخمیس“ اور اس نے جمعرات کو مغرب کے بعد کھانا کھایا تو عرفاً حائث نہیں ہوگا، لہذا مغرب کے بعد طعام بھی دن کے مستحبات میں شامل ہے۔

نیز دن میں دو کھانے ہیں غذا اور عشاء: غذا صبح کے کھانے کو اور عشاء شام کے کھانے کو کہتے ہیں اگرچہ مغرب کے بعد کھایا جائے۔

بخاری شریف میں ہے:

وإن أباکر تعشی عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم لبث حیث صلیبت العشاء ثم رجع فلبث حتی تعشی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (رواہ البخاری: ۱/ ۸۵)۔

حدیث بالا میں مذکور ہے کہ شام کا کھانا جو عصر کے بعد کھایا جاتا ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عشاء کے بعد کھایا، اس سے واضح ہوا کہ شام کا کھانا رات کو کھایا جائے وہ بھی دن ہی کا کھانا سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے مغرب کے بعد کھانا کھانے میں بھی وہ فضیلت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اشکال اور جواب:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حدیث شریف: ”من وسع علی عیالہ یوم عاشوراء وسع اللہ علیہ

سائر سنتہ “ کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے اہل و عیال پر عاشورا کے دن فراخی کرے گا اللہ تعالیٰ پورا سال اس پر فراخی کریں گے، اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ یوم عاشورا کھانے پینے کا دن ہے، جب کہ صحیح حدیث کی روشنی میں عاشورا کا دن روزے کا دن ہے، اب ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب: (۱) پہلا جواب یہ ہے کہ اس کی بعض روایات میں نفقہ میں وسعت کا ذکر ہے، جو اہل و عیال کو نقدی یا جنس کی شکل میں دے سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

من وسع علی عیالہ فی النفقة یوم عاشوراء... الخ. (مشکاة المصابیح، باب فضل الصدقة: ۱/۱۷۰، ط: قدیمی کتب خانہ) میں نفقہ کا لفظ مذکور ہے، اور سب سے اچھا ہد یہ یہ ہے کہ کسی نقدی یا جنس کی صورت میں دے، جو کسی وقت بھی کام آ سکتا ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یوم عاشورا میں یوم کے دو معنی ہیں: (الف) سورج کے طلوع سے لے کر غروب آفتاب تک۔ (ب) پورے چوبیس گھنٹے کا دن۔ شریعت کی نظر میں یوم جمعہ طلوع آفتاب سے نہیں بلکہ جمعرات کے غروب آفتاب سے لے کر جمعہ کے غروب آفتاب تک ہے، اس لیے جس کا اشتغال شب جمعہ یا جمعہ کے دن ہو دونوں کے لیے جمعہ کی فضیلت ہے، پیر کے دن کا بھی یہی حال ہے، تو اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو دسویں کی رات کو جو عاشورا سے پہلے ہے کھانا وغیرہ کھلا دے تو وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہے اور اس کے ساتھ بھی وسعت کا وعدہ ہے۔

اس معنی کی تائید عبدالملک بن حبیب المالکی کے درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے:

لا تنس لا ینسک الرحمن عاشوراء ☆ واذکرہ لا زلت فی الأخیار مذکوراً  
قال الرسول صلاة اللہ تشملہ ☆ قولاً علیہ وجدنا الحق والنوراً  
من بات فی لیل عاشوراء ذاسعة ☆ یکن بعیشہ فی الحول محبوراً  
فارغب فدیتک فیما فیہ رغبا ☆ خیر الوری کلہم حیاً ومقبوراً

ترجمہ: آپ عاشورا کو نہ بھولیں، اللہ تعالیٰ جو رحم والا ہے آپ کو نہیں بھولے گا۔

اللہ تعالیٰ کو یاد کرو آپ ہمیشہ متقیوں میں مشہور اور مذکور ہوں گے۔

رسول اللہ جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت محیط ہو۔

(انہوں) نے ایسا قول فرمایا جس پر ہم نے حق اور نور پایا۔

جو عاشورا کی رات کو فراخی کرے گا۔

اس کی معیشت پورے سال خوبصورت و مزین ہوگی۔

میں آپ پر قربان ہوں آپ اس چیز میں رغبت کریں جس کی ترغیب

اس نبی نے دی ہے جو تمام لوگوں میں حیا و میتا بہتر ہیں۔

مذکورہ بالا اشعار میں فراخی کا ذکر رات کو ہے اور شاعر ائمہ مالکیہ میں ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر فراخی سے کھلانا پلانا مراد ہو اور یوم سے دن ہی مراد ہو تو جو نابالغ یا روزہ نہ

رکھنے والے ہیں ان پر فراخی کا روزہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ فراخی سے مراد فراخی کے اسباب کا مہیا کرنا ہے اگرچہ کھانا پینا آئندہ رات

کو ہو۔

(۵) پانچواں جواب وہ ہے جو ابتدا میں گزرا کہ رات ما قبل دن کے تابع ہے۔

الغرض شریعت رحمت ہے تو ان جوابات کی روشنی میں اگر کوئی نقدی یا جنس دے، یا عاشورا کی رات میں کھانا کھلا

دے، یا دن میں نابالغ وغیرہ کو دیدے یا عاشورا کے دن پکا کر رات کو کھلا دے، حدیث ان سب کو شامل ہو جائے

گی۔ مزید ملاحظہ ہو: (الباقیۃ الخالیہ ص ۲۰۷، افادات الشیخ محمد یونس شیخ الحدیث، جامعہ سہارنپور)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عاشورا کی شیرینی کھانے کا حکم:

سوال: محرم کے مہینہ میں ہندوستان میں حضرت حسین علیہ السلام کے نام پر جلوس نکالتے ہیں، اس میں عام

طور پر شیعہ لوگ ہوتے ہیں، لیکن آج کل ہمارے لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں، یہ لوگ جلوس کے ساتھ ایک وافر

مقدار میں کھانے کی چیزیں لے کر چلتے ہیں، یہ اشیائے خوردنی، فقیر، امیر ہر ایک کو دیتے ہیں اور تقسیم کرتے ہیں،

اور ان کا کہنا ہے کہ اس تقسیم میں ہم صرف حضرت حسین علیہ السلام کے ایصالِ ثواب کی نیت کرتے ہیں، تو کیا ان اشیاء کا

کھانا جائز ہو گا یا نہیں؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** اگر یہ اشیائے خوردنی حضرت حسین ؑ کے نام پر ہوں تو ان کا کھانا ناجائز ہے، اور اگر فقط ایصالِ ثواب کے لیے ہوں تو ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحب کام ہے، ایصالِ ثواب جس کو چاہے جس وقت چاہے بلا کسی التزام تاریخ و مہینہ وغیرہ کے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے، [ہاں عاشورا کے دن خاص کر دینا بلا دلیل ہے] اہل سنت والجماعت کے نزدیک مرحومین کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے، اور فقراء کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے، مالدار بھی کھا سکتے ہیں لیکن ثواب کم ملے گا اس میں ہدیہ کا پہلو ہے۔

البتہ عبادات میں اپنی طرف سے اوقات اور کیفیات کا تعین کرنا بدعت ہے آج کل اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں، لہذا ان دنوں میں خصوصیت کے ساتھ شرعی کی تقسیم وغیرہ سے احتراز واجب اولیٰ ہے۔

مزید براں اکثر شیعہ کے عقائد حد کفر تک پہنچ چکے ہیں، لہذا ان کی طرف سے ایصالِ ثواب کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور ان کی چیزوں کے کھانے سے بچنا چاہئے۔ نیز اس قسم کے جلوس میں شرکت کرنا بھی ناجائز ہے۔ ایصالِ ثواب سے متعلق بخاری شریف کی روایت ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس ؓ أن سعد بن عبادۃ ؓ توفیت أمہ و هو غائب عنها، فقال: یا رسول اللہ! إن أمی توفیت وأنا غائب عنها أینفعها شیء إن تصدقت به عنها قال: نعم، قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخرّاف صدقة علیها. (بخاری شریف: ۱/۳۸۶).

قال السیوطی فی شرح الصدور فی باب ما ینفع المیت فی قبره: عن ابن عمر ؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إذا تصدق أحدکم بصدقة تطوعاً فلیجعلها عن أبویہ فیکون لهما أجرها ولا ینقص من أجره شیء. (شرح الصدور، ص ۳۰۰، بیروت).

قال فی البحر: والأصل فیہ أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذکراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غیر ذلك عند أصحابنا بالکتاب والسنة. (البحر الرائق: ۳/۱۰۵، باب الحج عن الغير، وكذا فی فتاوی الشامی: ۲/۲۴۳، سعید، و الهدایة:

عبادات میں اپنی طرف سے ایام اور کیفیات کا تعین مخصوص ثواب کے ساتھ بدعت ہے۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي ولا تختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الأيام إلا أن يكون في صوم يصومه أحدكم . (رواه مسلم: ۱/۳۶۱/۱۱۴۴).

الاعتصام میں امام شاطبی فرماتے ہیں:

و منها التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة . (الاعتصام: ۱/۲۹، دار الكتب العلمية).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد اول ص ۲۳۴-۲۳۵)۔

ایصالِ ثواب کا کھانا اغنیاء کے کھانے کا حکم:

ایصالِ ثواب کا کھانا فقراء کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے مالدار بھی کھا سکتے ہیں لیکن ثواب کم ملے گا اس میں ہدیہ کا پہلو ہے۔ ملاحظہ ہو طحاوی علی الدر میں ہے

الصدقة على الغنى هبة والهبة للفقير صدقة . (حاشية الطحاوی علی الدر المختار: ۴/۳۳۶)۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے:

سوال: اپنے بزرگوں کی ارواح کو ایصالِ ثواب منظور ہے کوئی شئی اپنے یا رواجب اغنیاء کو کھلا کر ایصالِ ثواب کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اغنیاء ایسی شئی کے کھانے سے خطا وار تو نہیں ہوں گے۔

جواب: غنی کو ایسا طعام صدقہ نفل کا مکروہ تنزیہی ہے اور ثواب پہنچتا ہے مگر فقیر کے کھانے سے کم۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۸۰)۔

اور باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: ... صدقہ نفل خواہ ایصالِ ثواب میت کا ہو، خواہ ارواحِ مشائخ کرام و انبیاء علیہم السلام یا کسی وجہ کا صدقہ نفل ہو، یہ سب ایک حکم رکھتے ہیں، کہ غنی کو مکروہ تنزیہی ہیں، نہ حرام۔ قال فی الهدایة: ولا تدفع إلى غنی الخ. ترجمہ: ہدایہ میں کہا ہے: صدقات غنی کو نہ دیئے جائیں۔ مراد اس سے زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ ہے۔ قال فی فتح القدیر: وكذا يجوز النفل للغنی، پس ذی مقدرت اگر غنی ہے تو



اس کو..... ثواب کا کھانا حرام نہیں، اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے... (باقیت فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۰۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ غنی کے لیے ایصالِ ثواب کا کھانا جائز ہے، ہاں ثواب میں کم ہے اسی کو مکروہ تنزیہی کہا ہے یعنی چونکہ میت کو ثواب پہنچانا مقصود ہے اور غنی کو کھلانے میں ثواب کم ہے لہذا یہ خلافِ اولیٰ ہوا۔  
احسن الفتاویٰ میں ہے:

شیعہ زندیق ہیں، لہذا ان سے کسی قسم کا تعلق جائز نہیں، ان کے گھر سے کوئی چیز کھانا غیرتِ ایمانیہ کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ بوقتِ ضرورتِ شہیدہ گنجائش ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۲۲/۸)۔  
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ان ردافض سے پوری احتیاط برتی جائے، یہ سنی لوگوں کو بخش کھانا ثواب اور ضروری سمجھتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴/۱۸، جامعہ فاروقیہ)۔  
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: بعض ملکوں میں یہ رواج ہوتا ہے کہ دس محرم میں مٹھائی وغیرہ کھانے کی چیزیں مسجد میں لا کر یا گھر میں تقسیم کی جاتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟  
الجواب: یہ کوئی شرعی چیز اور قرآن وحدیث سے ثابت نہیں، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۴/۳، جامعہ فاروقیہ) واللہ اعلم۔

## حرام آمدنی والے کی دعوت قبول کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کی آمدنی حرام سے ہے، تو اس کے گھر دعوت کھانے اور اس کی طرف سے ہدیہ قبول کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: بصورتِ مسئلہ شخص مذکور کی کمائی اگر غالب حلال ذرائع سے ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا اور ہدیہ قبول کرنا جائز اور درست ہے۔ نیز اگر غالب حرام ہے لیکن حلال مال سے دعوت و ہدیہ دیتا ہے اور اس کے قول پر اعتماد بھی ہے تو دعوت و ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال... لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۴۲).

المحيط البرهانی میں ہے:

وفي عيون المسائل: رجل أهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب ماله من حرام لا ينبغي أن يقبل ويأكل من طعامه ما لم يخبر أن ذلك المال حلال استقرضه أو ورثه، وإن كان غالب ماله من حلال فلا بأس بأن يقبل ما لم يتبين له أن ذلك من الحرام؛ وهذا لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام وتخلو عن كثيره، فيعتبر الغالب وينى الحكم عليه. (المحيط البرهانی: ۶/۱۱۰، الفصل السابع عشر في الهدايا والضيافات).

(و کذا فی الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۵/۷۸، و الاشباہ والنظائر: ۱/۳۴۳، و المبسوط: ۱۰/۱۹۷).

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں، اپنے اخراجات کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اور اس کی بات پر اعتماد دے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اور حلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ (جواہر الفتاویٰ: ۳/۲۹۶) واللہ اعلم۔

اجتماعات میں مہمانی کا کھانا فروخت کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے یہاں تبلیغی اجتماعات میں ہم اپنا کھانا تھوڑے سے نفع پر فروخت کرتے ہیں۔ جب کہ بعض مرتبہ دوسرے حضرات کی طرف سے کھانے کی کچھ اشیاء بطور مہمانی مفت اجتماعات میں دی جاتی ہیں،

تاکہ لوگوں کی مہمانی کی جائے، تو کیا اس طرح کے کھانے کو فروخت کر کے اس کا پیسہ دیگر اخراجات میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کھانا خریدنے والے کو کسی وقت میں کھانا نہیں ملا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ بیڑا تو جروا۔

**الجواب:** تبلیغی اجتماعات میں کھانا فروخت کرنا جائز اور درست ہے، اگرچہ باہر سے ہدایا بھی آتے ہیں، کیونکہ اکثر و بیشتر کچا غلہ یا اشیائے خوردنی باہر سے بطور ہدیہ حاصل ہوتی ہیں ان کو تیار کرنے کے اخراجات اجتماعات کے منتظمین حضرات ادا کرتے ہیں، لہذا ان اخراجات کی قیمت وصول کرنا جائز اور درست ہے۔

پھر بہت سی مرتبہ کھانے کی ایک دو چیزیں ہدیہ میں آتی ہیں اس کے ساتھ دیگر اشیاء ملا کر کھانا پکا یا جاتا ہے ان کی قیمت وصول کرنا بھی جائز اور درست ہے۔

پھر جو قیمت حاصل ہوتی ہے اس سے متعلق اجتماع کے منتظمین حضرات کو اختیار ہے دوسرے اخراجات وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں۔

ہاں اگر کھانا کم ہو جائے اور پیسہ ادا کرنے والوں کو نہ پہنچے تو ان سے معافی مانگی جائے اور دوسرے وقت میں جلد آنے کو کہا جائے، اور اگر معاف نہ کریں تو ایک وقت کے کھانے کی رقم ان کو واپس کر دی جائے۔

فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کو زیادہ اجرت پر دے تو زیادتی اس صورت میں حلال ہوگی جب کہ کرایہ کی جنس مختلف ہو یا اس میں کچھ خرچہ وغیرہ کر دیا ہو تو زیادہ کرایہ لینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله لو أصلح فيها شيئاً ، بأن جصصها أو فعل فيها مسنة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما في المبسوط . (رد المحتار: ۶ / ۲۹ ، معید).

وفی الہندیۃ: ولو زاد فی الدار زیادة کما لو تد فیہا وتدأ أو حفر فیہا بشراً أو طیناً أو أصلح أبوہا أو شیئاً من حوائطہا طابت لہ الزیادة . (الفتاویٰ الہندیۃ: ۴ / ۴۲۵).

مذکورہ عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرے کی چیز میں کچھ اصلاح اور مرمت کر کے اس کے عوض کرایہ

میں زیادہ وصول کر سکتے ہیں، اسی طرح مہمانی کے کھانے یا اشیائے خوردنی کو تیار کرنے کا خرچہ یا اور چیزیں ملائی گئی ہیں ان کی قیمت بصورتِ ثمن وصول کر سکتے ہیں۔

پھر یہ قیمت بھی ایک قسم کا چندہ اور اجتماع کے امور میں معاونت کی غرض سے لی جاتی ہے، جس میں تسامح چلتا ہے۔ اس وجہ سے بھی اس کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بینک ملازم کی دعوت قبول کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص بینک یا انشورنس کمپنی میں ملازمت کرتا ہے، وہ اگر کسی کو دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرنا جائز اور درست ہو گا یا نہیں؟ بیوقوف جروا۔

**الجواب:** بینک اور انشورنس کمپنی کی وہ ملازمت جو خالص سودی حساب کتاب اور لین دین سے متعلق ہو، ناجائز ہے، اور اس کی تنخواہ بھی حلال نہیں ہے، لہذا ایسے ملازم کے گھر کھانا، اس کی دعوت قبول کرنا یا اس سے ہدیہ قبول کرنا درست نہیں، ہاں اگر معلوم ہو جائے کہ ضیافت یا ہدیہ حلال مال سے ہے تو درست ہے۔

لیکن اگر اس کی ملازمت بینک میں خالص سودی معاملہ کی نہیں ہے بلکہ چوکیداری، جاروب کشی، ڈرائیونگ وغیرہ غیر سودی معاملہ سے متعلق ہے یا کسی اسلامی شعبہ میں ملازمت کرتا ہے تو پھر اس کے گھر کھانا جائز ہے۔

نیز آج کل بینک میں سودی لین دین کے علاوہ درآمدات اور برآمدات، بجلی، ٹیلیفون وغیرہ کے بل ادا کیے جاتے ہیں، یعنی حلال کاروبار بھی ہوتا ہے، لہذا بینک کو خالص سودی کاروبار کی جگہ سمجھنا مشکل ہے۔

تاہم بینک ملازم کی دعوت قبول کرنے سے اجتناب اولیٰ ہے لیکن بالکل حرام اور ناجائز بھی نہیں ہے۔

لاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموكله وکاتبه

وشاہدہ وقال: ہم سواہ۔ (رواہ مسلم: ۲۷/۲، کتاب المساقات والمزارعة باب الربا)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو دکھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور یہ فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔  
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

أكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه وإن كان غالب ماله حلالاً لا بأس بقبول هديته والأكل منها كذا في الملتقط . (الفتاوى الهندية: ۵/۳۴۳).  
اسلام اور جدید معاشی مسائل میں ہے:

بینک کی تنخواہ یا حرام آمدنی سے تحفہ یا دعوت قبول کرنا۔ اس میں اصل قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر آمدنی اگر حرام ہو تو پھر اس مال سے ہر چیز لینا حرام ہے۔ خواہ تنخواہ ہو، پیسے ہوں لیکن بینک میں جو روپیہ ہوتا ہے وہ اکثر حرام کا نہیں ہوتا اس میں اصل سرمایہ ہوتا ہے۔ بینک کے مالکین اور دوسرے ڈپازٹرز کے پیسے ہوتے ہیں اکثریت ان کی ہے، لہذا اکثریت مال حرام کی نہیں ہے، اس لیے اگر کوئی کام جائز کر کے اس کے پیسے لیے جائیں تو جائز ہے۔ (اسلام اور جدید معاشی مسائل: ۱۳۶/۴)۔

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، جلد پنجم، ص ۶۷۳-۶۷۶)۔

جواہر الفتاویٰ میں ہے:

جس شخص کا ذریعہ آمدنی حرام ہے... مثلاً بینک کی ملازمت، انشورنس کی ملازمت، سینماؤں کی آمدنی، گانے والوں کی آمدنی، فوٹو گرافروں کی آمدنی، اگر اس کا کوئی حلال ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کے یہاں کھانا پینا، اس کا ہدیہ، تحفہ وصول کرنا اور استعمال کرنا ناجائز و حرام ہے، الا یہ کہ وصول کرنے والا خود مستحق زکوٰۃ و صدقہ ہو تو پھر گنجائش ہوگی، البتہ جس شخص کے ذرائع آمدنی حلال و حرام دونوں طرح کے ہیں تو اس میں تفصیل ہے، اگر حلال آمدنی اور حرام آمدنی اس کے پاس الگ الگ ہیں، اپنے اخراجات کھانے، پینے، لباس وغیرہ میں حلال آمدنی استعمال کرتا ہے اور اس کی بات پر اعتماد ہے تو اس کے یہاں کھانا، پینا جائز ہے اور حلال مال سے کہہ کر اگر ہدیہ تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز ہے۔ اور مخلوط ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا۔ (جواہر الفتاویٰ: ۹۲۶/۳)۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:

...سود کے اختلاط کو حرمت میں اثر ہے، پس اگر نصف یا زائد سود ہے تو سب حرام ہے اور اگر نصف سے کم ہے تو حلال ہے۔ (امداد الفتاویٰ: ۱۱۹/۴)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عورتوں کی محفل (بے بی شاوور) میں شرکت کا حکم:

**سوال:** مجھے ایک تقریب بے بی شاوور (baby shower) میں شرکت کرنے کا دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ بے بی شاوور یہ ایک خاص عورتوں کی محفل ہوتی ہے جو کہ خاندان کی کسی حاملہ عورت کے لیے منعقد کی جاتی ہے جس میں اس کی قریبی رشتہ دار خواتین اور سہیلیاں شرکت کرتی ہیں، اس محفل میں عورتیں حاملہ کو اس کے بچہ کے لیے ہدایا پیش کرتی ہیں، اور یہ ہدایا تمام عورتوں کے سامنے کھولے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ کس نے کیا ہدیہ پیش کیا، کبھی کبھار تفریح اور دل لگی کے لیے بعض کھیل بھی کھیلے جاتے ہیں، مثلاً حاملہ سے کہا جاتا ہے کہ ہدایا کھولنے سے پہلے انکل سے بتاؤ اندر کیا ہے، اگر اندازہ صحیح ہوتا ہے تو ہدیہ پیش کرنے والی عورت کو کسی قول یا فعل پر آمدمہ کیا جاتا ہے، ورنہ حاملہ کو کسی فعل یا قول پر آمدمہ کیا جاتا ہے، ہدایا کھولنے کے بعد سب ساتھ مل کر کھانا کھاتی ہیں، اور بات چیت کرتی ہیں۔

یاد رہے کہ سب کے سامنے ہدایا کھولنے کا مقصد کسی کی تحقیر نہیں ہوتی، بلکہ باہمی دل لگی مقصود ہوتی ہے۔ مذکورہ محفل اور اس جیسی دیگر تقریبات اگرچہ مغربی تہذیب کی ایجاد ہیں اور غیر مسلموں کا شعار ہیں، لیکن ہمارے مسلمان معاشرے میں بہت عام ہو چکی ہیں، بلکہ معاشرے کا ایک حصہ بن چکی ہیں جن سے اجتناب بہت مشکل ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ تقریب و محفل میں شرکت کا شرعی حکم کیا ہے ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ دعوت نامہ ایک قریبی رشتہ دار کی طرف سے ہوتا ہے جس کو رد کرنے میں ان کی ناراضگی کا اندیشہ ہے جو کہ باہمی قطع تعلق کا باعث بن سکتا ہے۔ بیوقوف جروا۔

**الجواب:** مذکورہ بالا تقریبات اور رسومات میں درج ذیل مفاسد و خرابیاں ہیں:

- (۱) فاسقات اور کافرات کے طور و طریقہ کے ساتھ مشابہت ہے۔
- (۲) ہدایا کے لین دین کو ضروری سمجھنا۔ اگر کوئی خالی ہاتھ چلی جائے تو عیب سمجھا جائیگا۔
- (۳) ہدایا میں برابری نہ ہونے پر دل میں ناراضگی، اگر ایک نے زیادہ ہدیہ دیا اور پھر اس کو کم ملا تو دل میں خفگی ہوگی۔

- (۴) مسلمان عورتوں کو اپنی صلاحیتیں اچھے کاموں میں لگانی چاہئے، ان فضولیات سے بچنا چاہئے۔
- (۵) ہنسی مذاق میں حد سے تجاوز ہوگا، جو نامناسب ہے، اکثر غیبت بھی ہوتی ہوگی۔
- (۶) حاملہ کا حمل کوئی دکھانے کی چیز نہیں کہ اس کے لیے محفل منعقد کی جائے۔
- (۷) کبھی ایسے فعل کی ترغیب دی جاتی ہے جو اسراف میں داخل ہوتا ہے، مثلاً پورا ایک کھاؤ، جب کہ اس کا کھانا مشکل ہے، اور احادیث میں تقلیل طعام کی ترغیب ہے۔
- (۸) دیندار گھرانوں میں اس کا رواج ہو جائے تو دوسرے لوگ حد سے بہت تجاوز کریں گے۔
- (۹) اس میں تصبیح اوقات ہے۔
- (۱۰) اس میں تکبر، فخر اور نمائش وغیرہ ہیں۔

(۱۱) برقی آلہ (X-ray مشین) کے ذریعہ بچہ کا مذکر یا مؤنث ہونا معلوم کر کے مہمانوں کو اس کی اطلاع دینا تا کہ اسی کے موافق ہدایا، تحفے وغیرہ پیش کریں، بالکل درست نہیں ہے، اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔ نیز اطباء کی تحقیق کے مطابق مذکورہ مشین کا استعمال بچہ اور ماں دونوں کے لیے نہایت مضر ہے۔ خلاصہ یہ ہے مذکورہ بالا مفاسد کی بنا پر اس قسم کی محفلوں سے اجتناب کرنا ضروری ہے، اگر قطع تعلق کا اندیشہ ہو تو شرکت کے بعد اس کی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے، اور دین کی بات محفل میں چلائے اور دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے اصلاح کی کوشش کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عن جابر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال:  
”لکل داء دواء فإذا أصیب دواء الداء برأ  
بإذن اللہ عز وجل“.

(رواہ مسلم).

## باب ..... ﴿۳﴾

# احکام التداوی

عن أنسمة بن شریک قال: أقییت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، وأصحابہ کأنما علی رؤوسهم الطیر فسلمت ثم قعدت فجاء الأعراب من هاهنا وهاهنا فقالوا: یا رسول اللہ أنت تداوی قال: ”تداووا فإن اللہ عز وجل لم یضع داء إلا وضع له دواء غیر واحد التهرم“.

(رواہ ابو داود).



## علاج و معالجہ کے شرعی احکام

علاج کرانے کا شرعی حکم:

**سوال:** اگر کوئی شخص بیمار ہے تو اس بیماری سے صحت یابی کے لیے علاج معالجہ کرنا شرعاً لازم ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ شخص علاج نہ کرائے اور اسی بیماری کی وجہ سے اس کا انتقال ہو جائے تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

**الجواب:** علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سنت عمل ہے لیکن چونکہ سبب یقینی نہیں ہے اس وجہ سے لازم اور ضروری نہیں ہے، بایں وجہ اگر کوئی مریض علاج نہ کرائے اور اسی بیماری میں اس کا انتقال ہو جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

البتہ آج کل بعض معالجات تقریباً یقینی ہو چکے ہیں، جن سے مریض کے شفا یاب ہونے کا یقین یا ظن غالب ہوتا ہے، لہذا اگر مسلمان ماہر طبیب بتلا دے کہ علاج کرانے میں شفا تقریباً یقینی ہے تو پھر علاج کرنا لازم ہوگا، بشرطیکہ اس کے اخراجات کا بار قابل برداشت ہو، ورنہ ضروری نہیں ہے۔

جس علاج و معالجہ سے شفا یاب ہونا یقین کے درجہ میں ہو اس کا اختیار کرنا ضروری ہونے کی نظر فقہاء کے

کلام میں ملاحظہ فرمائیے:

ملاحظہ ہو فتاویٰ النوازل میں ہے:

ولو مرض ولم يعالج حتى مات لم يَأثم بخلاف الجائع إذا لم يأكل حتى مات بالجوع

يَأثم به . (فتاویٰ النوازل، ۲۰۰، کتاب الکراهية، ط: آرام باغ کراچی)۔

معلوم ہوا کہ کھانا حیاتِ انسانی کے بچاؤ کا یقینی سبب ہے جس کے ترک پر گتہ نگار ہوتا ہے تو اسی طرح ترکِ علاج جس سے شفا یقینی یا ظنِ غالب کے درجہ میں ہو گتہ نگار ہوگا۔ ہاں عام حالات میں علاجِ مسنون ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

مرض أو رمد فلم يعالج حتى مات لا يَأثم كذا في المتنقط ، والرجل إذا استطلق بطنه أو رمدت عيناه فلم يعالج حتى أضعفه ذلك وأضناه ومات منه لا إثم عليه فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة حتى مات حيث يَأثم والفرق أن الأكل مقدار قوته مشبع يمين فكان تركه إهلاكاً ولا كذلك المعالجة والتداوي كذا في الظهيرية . (الفتاوى الهندية: ۳۵۵/۵، الباب الثامن عشر في التداوي)۔

فتاویٰ برازیہ میں ہے:

امتنع عن الأكل حتى مات جوعاً أثم وإن عن التداوي حتى تلف مرضاً لا لأن عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون . (الفتاوى البرازية على هامش الفتاوى الهندية: ۳۶۷/۶، نوع في التداوي)۔

وفى الهندية : ولو جاع ولم يأكل مع قدرته حتى مات يَأثم . (الفتاوى: ۳۳۸/۵، الباب الحادي عشر في الكراهية)۔

محیط برہانی میں ہے:

وفى النوازل: الرجل اذا ظهر به داء، فقال له الطبيب: قد غلبك الدم فأخرجه ، فلم يخرجه حتى مات لا يكون مأخوذاً ؛ لأنه لا يعلم يقيناً أن الشفاء فيه، وفيه أيضاً: استطلق بطنه أو رمدت عينه ، فلم يعالج حتى أضعفه ومات بسببه لا إثم عليه ؛ فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة على الأكل حتى مات فإنه يَأثم ، والفرق: أن الأكل قدر قوته فيه شفاء يتعين ، فإذا تركه صار مهلكاً نفسه ، ولا كذلك المعالجة . (المحيط البرهاني: الفصل التاسع

عشر فی التداوی من کتاب الاستحسان: ۱۱۷/۶۔ (و کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۵۴/۵، الباب الثامن عشر فی التداوی)۔

بعض صورتوں میں علاج ومعالجہ وجوب کے درجہ میں ہے۔ ملاحظہ ہونے لاشکلات میں ہے:

فإذا حصل الظن الغالب أن الشفاء يحصل بالتداوي وفي تركه يكون خوف الموت يكون التداوي واجباً وتركه معصية... أصيب أحد بمرض عضال لا دواء له حسب تقديرات الأطباء ولكنه ليس مهلكاً على الفور ثم أصابه مرض آخر والمرض الجديد خطير ومهلك عند الأطباء ولكن الظن الغالب أن الشفاء يحصل به حيث أن الطب الجديد قد أدرك علاجه، فإن قام الطبيب بمعالجته تبقى حياته ولو تركه وشأنه يموت بناء على الظن الغالب ففي هذه الحال القول إن العلاج مباح محض وليس في تركه معصية استناداً إلى قول الفقهاء وعباراتهم العامة ليس صحيحاً بل الحق أن استعمال الدواء لحفظ النفس يكون واجباً وتركه معصية في هذه الحال. (فقه المشكلات، بحوث فقهية مختارة، ص ۱۸۲-۱۸۴، ط: إدارة القرآن)۔

علاج ومعالجہ سے متعلق چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

عن جابر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: لكل داء دواء فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن اللہ عز وجل. (رواه مسلم، رقم: ۲۲۰۴، باب لكل داء دواء واستحباب التداوی)۔  
أن عاصم بن عمر بن قتادة حدثه أن جابر بن عبد اللہ عاد المقع ثم قال: لا أبرح حتى تخرجني فاني سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: إن فيه شفاء. (رواه مسلم، رقم: ۲۲۰۵)۔

عن أسامة بن شريك رضی اللہ عنہ قال: أتيت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وأصحابه كأنما على رؤوسهم الطير فسلمت ثم قعدت فجاء الأعراب من هاهنا وهاهنا فقالوا: يا رسول اللہ أنت دأوى قال: تدأوا فإن اللہ عز وجل لم يضع داء إلا وضع له دواء غير واحد اللهم... (رواه ابوداود، واستناده صحيح، رقم: ۳۸۵۵، باب في الرجل يتداوى بوابن ماجه، رقم: ۳۴۳۶، والترمذی

رقم: ۲۰۳۸، قال: هذا حديث حسن صحيح، وغيرهم من المحدثين).

قال الإمام النووي: في هذا الحديث (أى: حديث جابر رضي الله عنه): لكل داء دواء... الخ) إشارة إلى استحباب الدواء، وهو مذهب أصحابنا وجمهور السلف وعامة الخلف... وفيه رد على من انكر التداوى من غلاة الصوفية وقال: كل شيء بقضاء وقدر، فلا حاجة إلى التداوى، وحجة العلماء هذه الأحاديث، ويعتقدون أن الله هو الفاعل، وأن التداوى أيضاً من قدر الله، وهذا كالأمر بالدعاء، وكالأمر بقتال الكفار وبالتحصن ومجانبة الإلقاء باليد إلى التهلكة، مع أن الأجل لا يتغير، والمقادير لا تتأخر ولا تتقدم عن أوقاتها، ولا بد من وقوع المقدرات. (تكملة فتح الملهم: ۴/ ۳۳۴).

قال الملا على القاري بعد نقل كلام النووي ما نصه: وحاصله أن رعاية الأسباب بالتداوى لا ينافي التوكل كما لا ينافي دفع الجوع بالأكل وقمع العطش بالشرب ومن ثم قال المحاسبى: يتداوى المتوكل اقتداءً بسيد المتوكلين. (المرقاة: ۸/ ۳۴۰، ط: امداديه ملتان).

ملا قاریؒ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ علاج و معالجہ کے اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں ہے، اور محاسبی نے تو کیا یہی خوب فرمایا کہ متوکل شخص سید التوکلین کی اقتداء میں علاج کرائے۔ واللہ عز وجل اعلم۔

## عجوة سے زہر کا علاج کرنے کا حکم:

سوال: احادیث میں عجوة کو زہر کا علاج بتلایا گیا، کیا زہر کھانے کے بعد عجوة سے علاج ہو سکتا ہے یا اگر کوئی عجوة کھاتا ہو تو اس پر زہر اثر نہیں کرے گا؟ بینوا تو جروا۔

الجواب: بندہ عاجز کا خیال یہ ہے کہ کھجور مقوی اجزاء پر مشتمل ہے اس میں ہر قسم کا وٹامن موجود ہے اور عجوة کھجوروں میں اعلیٰ درجہ کے مقوی اجزاء موجود ہیں اور اس پر دوام کرنے سے قوت مستحضرہ آتی ہے اور صبح نہار منہ استعمال کرنے سے اس کی قوت دو بالا ہو جاتی ہے کیونکہ پیٹ خالی ہوتا ہے مزید براں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے اس کی تاثیر میں اضافہ ہو جاتا ہے تو فضا میں جو ہر پیلے اثرات، جراثیم اور وائرس پھیلتے ہیں تو ان

کھجوروں کے کھانے سے وائرس والی بیماریوں کے اثرات سے آدمی محفوظ رہیگا، نیز سحر بھی ضعیف آدمی پر اثر کرتا ہے قوت والے آدمی پر زیادہ اثر نہیں کرتا، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ اثر ہوا تھا وہ اس وجہ سے کہ سحر کی تاثیر کا پتہ چل جائے اور اس سے بچنے کی تدبیر کی جائے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت واضح ہو جائے کہ آپ معبود نہیں ہیں، بہر حال اس حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ کھجوریں کھا کر زہر کا انجکشن لگوا دے تو اثر نہیں کریگا۔

عجوة کھجور کی فضیلت میں چند روایات ملاحظہ فرمائیے:

عن عامر بن سعد بن أبي وقاص عن أبيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أكل سبع تمرات مما بين لابتيها حين يصبح لم يضره سم حتى يمسي. وفي رواية عنه يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من تصبح بسبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سم ولا سحر. (رواهما مسجم، رقم: ۲۰۴۷، و البخاری: ۸۱۹/۲، باب العجوة).

وعن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن في عجوة العالية شفاء أو أنها ترياق أول البكرة. (رواه مسجم، رقم: ۲۰۴۸).

وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم. (رواه الترمذی، رقم: ۲۰۶۶، وقال: هذا حديث حسن).

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس نے صبح میں سات عجوة کھجوریں کھائیں، اس کو اس دن زہر اور جادو بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ جنت کا پھل ہے اور زہر تک کے لیے شافی ہے۔

حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے علامہ عینی فرماتے ہیں:

وقال الخطابي: كونها عوذة من السحر والسم إنما هو من طريق التبرك لدعوة سلفت من النبي صلى الله عليه وسلم فيها، لا أن من طبع التمر ذلك. وقال النووي: تخصيص من عجوة المدينة وعدد السبع من الأمور التي علمها الشارع ولا نعلم نحن

حکمتها فيجب الإيمان بها وهو كأعداد الصلوات ونصب الزكاة ، وقال المظهر: يجوز أن يكون في ذلك النوع منه هذه الخاصية... وعن شهر بن حوشب عن أبي سعيد رضي الله عنه وأبي هريرة رضي الله عنه رفعاه: العجوة من الجنة وفيها شفاء من السم... وقال الطيبي: في قوله صلى الله عليه وسلم: من عجوة المدينة تخصيص المدينة أما لما فيها من البركة التي حصلت فيها بدعائه ولأن تمرها أوفق لمزاجه من أجل قعوده بها. (عمدة القاري: ٤/١٤٦، باب العجوة، ط: دار الحديث، ملتان).

تکملہ فتح الہام میں ہے:

وقد وجهه بعضهم بأن السم والسحر إنما يضران لبرودتهما، فإذا داوم الرجل على التصبح بالعجوة تحكمت فيه الحرارة، فتقاوم برودة السم، وأطال في ذلك عياض، كما في شرح الأبي، وقال ابن القيم: والتمر في الأصل من أكثر الثمار تغذية لما فيه من الجوهر الحار الرطب، وأكله على الريق يقتل الديدان لما فيه من القوة الترياقية، فإذا أديم أكله على الريق جفف مادة الدود وأضعفه وقتله. (تكملة فتح المهم: ٤/٥٢، باب فضل تمر المدينة).

وللمزيد راجع: (فتح البازي: ١٠/٢٣٨-٢٤٠، باب الدواء بالعجوة للسحر، والمرقاة: ٨/١٧٤، ط:

امدادیہ، ملتان، الطب النبوی، ص ۲۸۹). واللہ اعلم۔

## مریض سے آلات تنفس ہٹانے کا حکم:

سوال: بعض مرتبہ قریب المرگ اشخاص پر مصنوعی آلات سلگا کر ان کے دل کی حرکت کو جاری رکھا جاتا ہے، اگر یہ آلات ہٹا دئے جائیں تو دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے اور وہ مردہ کی طرح ہو جاتا ہے بلکہ مر جاتا ہے تو کیا ان مصنوعی آلات کا ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ قتل کے حکم میں ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

الجواب: بصورتِ مسئلہ مریض سے مصنوعی آلات کا ہٹانا جائز اور درست ہونے یا نہ ہونے کی

تفصیل درج ذیل تحقیق کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے:

(۱) اطباء کے نزدیک جب تنفس اور حرکتِ قلب مکمل طور پر ختم ہو جائے یا دماغ (cerebrum) اور جذعِ المخ (brain stem) اپنے افعال ختم کر دے تو اس کو (brain death) دماغی موت کہتے ہیں۔

اعضائے ریئہ میں دماغ کا بڑا اہم مقام ہے دماغ نہ صرف سارے عصبی نظام کو کنٹرول کرتا ہے بلکہ تنفس اور حرکتِ قلب بھی اس کے تابع ہے۔

عصبی نظام کے چار حصے ہیں:-

(الف) المخ (cerebrum) عصبی نظام کا بڑا حصہ اس پر مشتمل ہے، یہاں سے سوچ، یادداشت، احساس، حسیت، جسم کے مختلف اعضاء کی حرکت اور دوسرے ایسے کام کا صدور ہوتا ہے جو انسان جاگتے ہوئے اپنی مرضی سے انجام دیتا ہے۔

(ب) المخیخ (cerebellum) عصبی نظام کا دس فیصد حصہ اس پر مشتمل ہے، یہ جسم کے توازن کو برقرار رکھتا ہے۔

(ج) جذعِ المخ (brain stem): یہ دماغ کو حرام مغز سے ملاتا ہے، اس کا کام تنفس، حرکتِ قلب اور فسادِ خون کو کنٹرول کرنا ہے۔

(د) حرام مغز (spinal cord): جسم انسانی کے احساس اور حرکت کا پیغام یہاں سے دماغ کو منتقل ہوتا ہے۔

چنانچہ حیثیت کی موت واقع ہو جائے تو انسان کا غیر عادی طور پر زندہ رہنا ممکن ہے لیکن اگر جذعِ المخ کی موت واقع ہو جائے تو یہ حقیقی موت کہلائے گی جس کی ظاہری علامات میں سے چند مندرہ ذیل ہیں:

(۱) آنکھوں کی پتلیوں کا بے حس و بے حرکت ہو جانا اور نور کا چلا جانا۔

(۲) دورانِ نفس کا مکمل طور پر بند ہو جانا۔

(۳) حرکتِ قلب کا مکمل طور پر بند ہو جانا، اس کے علاوہ طبی آلاتِ جدیدہ سے موت کا تعین اور یقین

ہونا وغیرہ۔

لیکن فقہاء کے نزدیک روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام موت ہے، یعنی اعضائے جسم میں حیات

وزندگی باقی نہ رہے۔

احادیث میں اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے جہاں مومن دکافر کی موت کے احوال مذکور ہیں۔ مثلاً مومن کی روح جسم سے آسانی کے ساتھ نکلتی ہے اور کافر کی روح سخت تکالیف کے ساتھ، اس سے واضح ہوتا ہے کہ جسم سے روح کی مفارقت کا نام موت ہے، لہذا اس صورت کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء کے نزدیک مریض کے احوال کے پیش نظر تین صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) آلات تنفس سے مریض اپنی طبعی حالت پر آجائے یعنی حرکت معمولہ پر آجائے اس صورت میں آلات تنفس علیحدہ کر دئے جائیں کیونکہ مریض خطرے سے محفوظ ہو گیا۔

(۲) آلات کے باوجود حرکت بند ہو جائے اور سانس بھی بند ہو جائے، چونکہ مریض کی مکمل طور پر موت واقع ہو گئی، لہذا اکثر آلات تنفس ہٹانے کو کہے گا۔

(۳) دماغی موت کی علامات ظاہر ہو جائیں مثلاً مکمل بے ہوشی اور بے حس و حرکت ہونا وغیرہ لیکن آلات تنفس کے ذریعہ مصنوعی طور پر قلب کی حرکت اور سانس جاری کر دیا جائے یہ تیسری صورت محل نظر ہے۔

تاہم شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو جس شخص کے اندر مندرجہ ذیل علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر ہو جائے تو وہ مردہ تصور کیا جائیگا:

(الف) حرکت قلب اور سانس مکمل طور پر بند ہو جائے اور ماہر اطباء یہ کہہ دیں کہ اب ان کی واپسی ناممکن ہے۔

(ب) دماغ کے تمام وظائف معطل ہو جائیں اور ماہر اطباء کے کہنے کے مطابق اس کی دماغی موت واقع ہو جائے۔

ایسی صورت میں آلات تنفس کو ہٹانا جائز اور درست ہے، اور اس شخص کو مردہ تصور کریں گے اور مردوں کے احکام جاری ہوں گے۔ کذا فی فقہ النوازل۔

(۲) دوسری وجہ: ماہر طبیب نے مشورہ دیا کہ مریض خود بخود زندہ نہیں رہ سکتا ہے صرف آلات ہی کے ذریعہ حرکت جاری ہے تو مصنوعی آلات کو ہٹانا درست ہے اور یہ قتل کے حکم میں بھی نہیں ہے کیونکہ مصنوعی



آلات وغیرہ علاج و معالجہ میں داخل ہیں اور علاج و معالجہ خود کوئی فرض یا واجب نہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس سے شفا یابی کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔ ورنہ واجب ہے اور ترک کرنے پر گتھگار ہوگا، مگر آفتاً۔ لیکن صورت مسئلہ میں تو علاج ہے ہی نہیں بلکہ موت تقریباً یقینی ہے۔

محیط برہانی میں ہے:

وفی النوازل: الرجل اذا ظهر به داء، فقال له الطبيب: قد غلبك الدم فأخرجه، فلم يخرجه حتى مات لا يكون مأخوذاً؛ لأنه لا يعلم يقيناً أن الشفاء فيه، وفيه أيضاً: استطلق بطنه أو رمدت عينه، فلم يعالج حتى أضعفه ومات بسببه لا إثم عليه؛ فرق بين هذا وبينما إذا جاع ولم يأكل مع القدرة على الأكل حتى مات فإنه يأثم، والفرق: أن الأكل قدر قوته فيه شفاء يتعين، فإذا تركه صار مهلكاً نفسه، ولا كذلك المعالجة. (المحيط البرهاني: الفصل التاسع عشر في التداوى من كتاب الاستحسان: ۶/۱۱۷). (و كذا في الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۴، الباب الثامن عشر في التداوى). وللإستزادة انظر: (فتاوى قاضیبحان عی ہامش الہندیہ: ۳/۴۰۳، و الفتاوی السراجیہ، ص ۳۳۲). وفي الكيسانيات في الجراحات المخوفة والقروح العظيمة والحصاة الواقعة في المثانة ونحوها إن قيل: قد ينجو وقد يموت أو ينجو ولا يموت يعالج وإن قيل لا ينجو أصلاً لا يداوى بل يترك كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۰).

فقہ المشکلات میں ہے:

أما الصورة الأخيرة وهي التي يبقى فيها التنفس بأجهزة النعاش الصناعية فالظاهر أنه تكلف محض وحياة اصطناعية، فلسنا مكلفين بإبقائها شرعاً، فيجوز نزع مثل تلك الأجهزة والآلات. (فقہ المشکلات، ص ۱۸۵، مرتبہ: قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب).

(۳) تیسری وجہ: قریب المرگ کے ساتھ شریعت کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے پاس لیس شریف پڑھی جائے تاکہ موت آسان ہو اور سکرآت کی تکالیف سے جلد از جلد چھٹکارا مل جائے۔ معلوم ہوا کہ قریب المرگ کی موت کی آسانی کی صورتیں پیدا کرنا مطلوب ہے اور آلات ہٹانا بھی اسی طرح ہے۔

ملاحظہ ہوا بن کثیر فرماتے ہیں:

قال بعض العلماء: من خصائص هذه السورة أنها لا تقرأ عند أمر عسير إلا يسره الله تعالى، وكان قراءتها عند الميت لتنزل الرحمة والبركة وليسهل عليه خروج الروح. والله أعلم. قال الإمام أحمد: حدثنا أبو المغيرة حدثنا صفوان كان المشيخة يقولون: إذا قرئت يعني يس عند الميت خفف الله عنه بها. (تفسير ابن كثير: ۶۱۹/۳).

الدر المنثور میں ہے:

أخرج ابن مردويه والديلمي عن أبي الدرداء رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما من ميت يقرأ عنده يس إلا هون الله عليه. وأخرج أبو الشيخ في فضائل القرآن والديلمي من حديث أبي ذر رضي الله عنه مثله. وأخرج ابن سعد وأحمد في مسنده عن صفوان بن عمرو قال: كانت المشيخة يقولون... وأخرج البيهقي في شعب الإيمان عن أبي قلابة قال: من قرأ يس غفر له، ومن قرأها عند طعام خاف قلته كفاه، ومن قرأها عند ميت هون الله عليه، ومن قرأها عند امرأة عسر عليها ولدها يسر عليها، ومن قرأها فكأنما قرأ القرآن إحدى عشرة مرة، ولكل شيء قلب وقلب القرآن يس... (الدر المنثور: ۳۹، ۳۸/۷).

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

ابو ذر رضي الله عنه سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس یاسین پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے۔ (رواہ الدیلمی وابن حبان، مظہری)۔ (معارف القرآن: ۷/۳۶۳)۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

هو استحسان بعض المتأخرين (أى قراءة سورة الرعد) لقول جابر رضي الله عنه أنها تهون عليه خروج روحه. (فتاوى الشامى: ۱۹۱/۲، سعيد).

التلخيص الحبير میں ہے:

في فتح العزيز شرح الوجيز... استحباب بعض التابعين قراءة سورة الرعد...

والمبہم المذكور هو أبو الشعثاء جابر بن زيد صاحب ابن عباس رضی اللہ عنہ، أخرجه أبو بكر المروزي في كتاب الجنائز له و زاد فإن ذلك تخفيف عن الميت. (التلخيص الحبير: ۱۱۳/۵).

(۳) چوتھی وجہ: مصنوعی آلات کا لگانا خود ایک احسان کا معاملہ ہے اور ہٹا دینا یہ ترک احسان ہے

اور قاعدہ ہے: ”ترک الإحسان لا یكون إساءة“ یعنی احسان ترک کرنا کوئی برائی نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو قواعد الفقہ میں ہے:

ترک الإحسان لا یكون إساءة : فمن مر بامرأة وصبي في المفازة وهو يقدر على

نقله إلى العمران فلم يفعل لم یکن ضامناً شيئاً من بدله . (قواعد الفقہ، ص ۷۰).

المجمع الفقہی الاسلامی کا فیصلہ:

المجمع الفقہی الاسلامی نے اس موضوع پر غور کیا کہ یقینی طبی علامات کے ذریعہ کیا موت کا یقین ہو سکتا ہے،

اور شدید نگہداشت کی حالت میں مریض کے جسم سے لگے ہوئے زندہ رکھنے کے آلات کو ہٹا لینے کا کیا حکم ہے؟

اجلاس میں سعودی عرب کی وزارت صحت کی جانب سے نیز ماہر اطباء کی طرف سے زبانی اور تحریری

بیانات و آراء پر غور کیا گیا، اجلاس میں اسلامک فقہ اکیڈمی جدہ کے اجلاس منعقدہ عمان اردن میں اس بابت کیے

گئے فیصلہ نمبر (۵) مورخہ ۱۹۸۶ء کو بھی پیش نظر رکھا گیا۔

موضوع کے تمام پہلوؤں پر غور و خوض کرنے کے بعد مجمع الفقہی نے درج ذیل فیصلے کیے:

جس مریض کے جسم سے زندگی جاری رکھنے کے آلات لگے ہوں، اگر اس کے دماغ کی کارکردگی مکمل

طور پر بند ہو جائے اور تین ماہر و واقف کارڈاکٹر اس بات پر متفق ہوں کہ اب یہ کارکردگی دوبارہ بحال نہیں ہو سکتی

ہے تو اس مریض کے جسم سے لگے ہوئے آلات ہٹا لینا درست ہے، خواہ ان آلات کی وجہ سے مریض میں حرکت

قلت اور نظام تنفس قائم ہو، البتہ مریض کی موت شرعاً اس وقت سے معتبر مانی جائے گی جب ان آلات کے

ہٹانے کے بعد قلب اور تنفس اپنا کام بند کر دیں۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، مرحب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

صاحب، ص ۱۸۵، ادارۃ القرآن)۔ واللہ اعلم۔

## إلقاء الأضواء على زرع الأعضاء

### اعضاء کی پیوند کاری کا شرعی حکم

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے فحول و مفتیان ذوی العقول اس مسئلہ میں کہ: اگر کسی شخص کی بنائی ختم ہو رہی ہو یا دونوں گردے فیل ہو رہے ہوں یا کسی اور عضو کی ضرورت ہو تو دوسرے انسان کا عضو اس کو لگایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا بالأجر الجزیل -

**الجواب:** مسئلہ مذکورہ بالا میں علمائے کرام کا اختلاف ہے بعض حضرات بہ چند شرائط اس کے جواز کے قائل ہیں، اور بعض منع فرماتے ہیں۔ ہر ایک کے دلائل درج ذیل ملاحظہ فرمائیے:

عدم جواز والوں کے دلائل:-

مانعین کی پہلی دلیل اور اس کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو معزز و کرم بنایا ہے انسان کے جسم کو قطع و برید کرنے کی صورت میں اور اس کے اعضاء کے استعمال کرنے کی صورت میں اس کی اہانت کا پہلو مضمر ہے، اور چونکہ حرمت و اعزاز میں زندہ مردہ دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ ہے اس لیے زندہ یا مردہ کسی کا عضو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

ولقد کرّمنا بنی آدم و حملناهم فی البر والبحر . (سورة بنی اسرائیل، الآية: ۷۰).

حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواصلة والمستوصلة

والواشمة والمستوشمة . (صحیح مسلم: ۲/۲۰۴، ط: فیصل).

اس حدیث شریف کے ذیل میں امام نووی رقمطراز ہے:

وقد فصله أصحابنا فقالوا: إن وصلت شعرها بشعر آدمي فهو حرام بلا خلاف سواء كان شعر رجل أو امرأة وسواء شعر المحرم والزوج وغيرهما بلا خلاف لعموم الأحاديث ولأنه يحرم الانتفاع بشعر آدمي وسائر أجزائه لكرامته بل يدفن شعره وظفروه وسائر أجزائه . (الشرح الكامل للإمام النووي: ۲/۲۰۴).

دوسری حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حياً . (رواه ابو داود برقم: ۳۳۰۷، وابن ماجه برقم: ۱۶۱۶، وغيرهما).

اسی طرح فقہائے کرام انسانی اکرام و اعزاز کی وجہ سے انسانی اعضاء سے انتفاع اور اس کی تجارت سے منع کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

لا يجوز بيع شعر الإنسان ولا الانتفاع به لأن آدمي مكرم لا مبتذل ولا يجوز أن يكون شيء من أجزائه مهاناً مبتذلاً . (الهداية: ۳/۳۹).

شرح السیر الکبیر میں ہے:

والآدمي محترم بعد موته على ما كان عليه في حياته فكما لا يجوز التداوي بشيء من آدمي الحي إكراماً له فكذلك لا يجوز التداوي بعظم الميت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كسر عظم الميت ككسر عظم الحي . (شرح السیر الکبیر: ۱/۹۰).

وللاستزادة انظر: (بدائع الصنائع: ۵/۳۳۱، سعيد، والعناية مع الهداية: ۸۲/۱ ط: رشیدیہ، والفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۵۴).

مجاہدین حضرات نے مذکورہ بالا دلائل کے درج ذیل جوابات دیے ہیں:

جدید فقہی مباحث میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ ملاحظہ ہو:

اعضاء کی پیوند کاری کے مسئلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں: (۱) ترقی یافتہ موجودہ دور میں اعضاء کی

پیوند کاری کا طریقہ اہانتِ انسانی میں داخل ہے یا نہیں؟

(۲) انسانی جان کے تحفظ کے لیے اہانتِ محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ پہلی بات سے متعلق عرض ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے انسان کو کرم و محترم ضرور قرار دیا ہے، اسی وجہ سے اس کی اہانت کو جائز قرار نہیں دیا، لیکن کتاب و سنت نے تکریم و اہانت کے سلسلہ میں کوئی بے چلک حدود مقرر نہیں کی ہیں، اور اہل علم کی نظر میں یہ امر مخفی نہیں ہے کہ نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہوا اور قطعی فیصلہ نہ کیا ہو انسانی عرف و عادت ہی سے اس کی توضیح ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مختلف فقہاء کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال الفقهاء أيضاً كل ما ورد به الشرع مطلقاً ولا ضابط له فيه ولا في اللغة يرجع فيه إلى العرف كالحز في السرقة .

پھر اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ عرف و عادت کی بعض صورتیں زمانہ و علاقہ کی تبدیلی کی وجہ سے بدلتی رہتی ہیں۔ امام ابو اسحاق طرابلسی فرماتے ہیں:

والمبتدلة منها ما يكون متبدلاً في العادة من حسن إلى قبيح وبالعكس مثل كشف الراس فإنه يختلف بحسب البقاع في الواقع فهو لذوى المروءات قبيح في البلاد المشرقية وغير قبيح في البلاد المغربية فالحكم الشرعي يختلف باختلاف ذلك فيكون عند أهل المشرق قاذواً في العدالة وعند أهل المغرب غير قاذح . (الموافقات: ۴۸۹/۲، ط: دار ابن عفاں).

فقہاء نے اجزائے انسانی سے انتفاع کو بے شک منع کیا ہے لیکن یہ ممانعت اس لیے بھی تھی کہ اس زمانہ میں انسانی اعضاء سے انتفاع کو اس کی توہین تصور کیا جاتا تھا اور اُس دور میں ایسے طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزاء سے انتفاع کیا جاسکے ہمارے زمانے میں اس عمل کو انسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا اگر کوئی شخص اپنا عضو کسی اور کو دیدے تو وہ نہ خود اپنی اہانت کا احساس کرتا ہے نہ لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں، بلکہ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور یہ انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

پس موجودہ زمانہ میں اجزاء انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں ہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے اس لیے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہئے۔

(۲) انسانی تحفظ کے لیے اہانت محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لیے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

علامہ سمرقندیؒ نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لیے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

لو أن حاملًا ماتت في بطنها ولد يضطرب فإن كان غالب الظن أنه ولد حي وهو في مدة يعيش غالباً فإنه يشق بطنها لأن فيه إحياء الآدمي فترك تعظيم الآدمي أهون من مباشرة سبب الموت . (تحفة الفقهاء: ۳/۳۴۵)۔

محقق ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: إبطال حرمة الميت لصيانة حرمة الحي يجوز . (فتح القدیر: ۲/۱۴۲، مدار الفکر)۔ یعنی مردہ کی حرمت کا ابطال زندہ کی حرمت کی حفاظت کی خاطر جائز ہے۔

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۲۰۳، بیروت، المكتبة الإسلامية: ۱/۱۵۷، ۵/۳۶۰، بدائع الصنائع: ۵/۱۳۰، مسعید، و تحفة المملوك، ص ۲۳۹، بیروت، مجمع الانهر: ۱/۲۷۶، بیروت، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۶/۱۲۰، و الكويت)۔

ماں کی موت ہو جائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے، تو فقہاء نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لیے ترک کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

لأن ذلك تسبب في إحياء نفس محترمة بترك تعظيم الميت فالإحياء أولى . (البحر الرائق: ۸/۲۰۵، کوئٹہ)۔

علامہ ابوبکر کاسانیؒ فرماتے ہیں:

لأننا ابتلينا ببليتين فنختار أهونهما وشق بطن الميتة أهون من إهلاك الولد الحي .

(بدائع الصنائع: ۱۳۰/۵، سعید).

یعنی ایک طرف مردہ کی تعظیم و تکریم کا پہلو ہے تو دوسری طرف زندہ کی جان خطرہ میں ہے تو انہوں نے البتین کو اختیار کرتے ہوئے زندہ کی جان بچانے کی فکر کی جائے گی۔ اگرچہ مردہ کے کسی جز کا اتلاف لازم آئے۔  
الموسوعہ میں اس کو جوہور فقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الحامل إذا ماتت وفي بطنها جنين حي يشق بطنها، ويخرج ولدها، لأنه استبقاء حي ياتلاف جزء من ميت . (الموسوعة: ۱۶/۱۲۰، ط: وزارة الاوقاف).  
نیز فقہاء نے اسی اصول سے متعلق ایک دوسرے مسئلہ سے بحث کی ہے کہ مضطر کسی مردہ انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

چنانچہ حسن علی شاذلی نے اپنی کتاب ”حکم نقل أعضاء الإنسان في الفقه الإسلامي“ میں اس مسئلہ کو بعنوان ”حکم الانتفاع بميتة الإنسان“ (از ص ۵۰ تا ۵۴) بڑی تفصیل سے واضح کیا ہے اور مذاہب اربعہ کی روشنی میں احکام بیان فرمائے ہیں، تفصیل کے لیے اصل کتاب کی مراجعت مفید ہوگی۔ البتہ مختصر خلاصہ حسب ذیل درج ہے:

... وإن وجد معصوماً ميتاً لم يبح أكله في قول أصحابنا (أى الحنابلة) وقال الشافعي وبعض الحنفية يباح، وهو أولى، لأن حرمة الحي أعظم، ...

الترجيح: والذى أرجحه هو جواز الانتفاع بأجزاء الأدمى الميت عند الضرورة، سواء كان معصوماً أو غير معصوم، إحياء للنفس الأدمية ومداً لأسباب البقاء لها، ... وبخاصة أن النفس الميتة إن لم ينتفع بها تحللت وصارت تراباً... فإنقاذ نفس حية بشيء من نفس ميتة حفاظ على النفس، وإحياء لها، هو هدف مشروع، ومصلحة مقررة شرعاً ومعتد بها فضلاً عن أن رعاية مصلحة الحي في امتداد حياته، أولى من رعاية مصلحة الميت في عدم المساس بجسمه، إذ جسمه إلى تحلل وإلى فناء. (حکم نقل أعضاء الإنسان في الفقه الإسلامي، ص ۵۲ و ۵۴).



مفتی بغداد علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

واستدل بعموم الآية على جواز أكل المضطر مينة الخنزير والآدمي ، خلافاً لمن منع ذلك . (روح المعاني: ۴۲/۲).

علامہ سید احمد طحاویؒ فرماتے ہیں:

قوله لحم الإنسان ، لأن لحم الإنسان حرام لحق الشرع وحق العبد والصيد حرام لحق الشرع لا غير فكان أخف زيلعي ، قال في النهر والكلام فيما هو الأولى حتى لو تناول من لحم الإنسان جاز أبو السعود . (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۵۲۸/۱).

(وكذا في فتح المعين لابی السعود: ۵۳۴/۱، والنهر الفائق لسراج الدين ابن نجيم: ۱۴۲/۲).

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض فقہائے احناف نے اجازت دی ہے یہ اس وجہ سے کہ زندہ کی حرمت مردہ سے بڑھ کر ہے۔

لیکن بعض دوسرے حضرات نے مضطر کے لیے مردوں کا گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے اس کی علت کرامت بنی آدم ذکر فرمائی ہے۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو انہیں فقہاء نے بچے کی حیات کے لیے ماں کا شکم چاک کرنے، دوسرے کا مال نگل جانے پر اس کو چاک کرنے، نیز زائد انگلی کاٹنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں سے بعض میں تو کوئی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ تزیین کے قبیل سے ہے۔ نیز کسی مردہ انسان کے اعضاء کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور اس کو گائے کے گوشت کی طرح پکا کر کھانا علامہ شامیؒ کے نزدیک کرامت کے خلاف ہے لیکن کسی مردہ کے کسی عضو کو آپریشن کے ذریعہ احترام اور احتیاط کے ساتھ علیحدہ کر کے دوسری جگہ لگانا یہ کرامت کے خلاف ہونا محل نظر ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ويقدم الميتة على الصيد والصيد على مال الغير ولحم الإنسان ، وقيل : والخنزير ؛ ولو الميت نبياً لم يحل بحال . وفي رد المحتار : قوله ولحم الإنسان أى لكرامته ، ولأن الصيد يحل في غير الحرم أو في غير حالة الإحرام ، والآدمي لا يحل بحال . (الدر المختار مع

رد المحتار: ۲/۵۶۲، ۵۶۳، سعید).

وينظر: (التحرير المختار على رد المحتار: ۲/۱۶۵، سعید، وتبيين الحقائق: ۲/۶۸، ط: امدادیہ، ملتان، والفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۳۶۰، والدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۳۸، سعید، وبدائع الصنائع: ۵/۱۳۰، سعید).

حدیث شریف ”لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ... الخ“ کا جواب:

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں اجزاء انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزیین اور آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

اسی طرح وہ حدیث ”کسر عظم الميت ککسر عظم الحي“ عام حالات پر محمول ہے جب کہ کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو۔... اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اجزاء انسانی سے انتفاع کی حرمت پر کوئی صریح اور غیر محتمل نص موجود نہیں ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۲۱۱)۔

اسی طرح دکتور رفائی عبید فرماتے ہیں:

أما حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ”کسر عظمة الميت ککسره حیاً“ فمعناه أن للمیت حرمة وکرامة کحرمة الحي، فلا یعتقدی شخص آخر علی جسم هذا بکسر عظمه لغير مصلحة، وکذلك بغير إذن من الميت أو ورثته أو الولی فهذا فیہ ابتذال ومهانة للمیت لغير مصلحة واجحة. وجاء فی سبب هذا الحديث أن الحفار الذی کان یحفر القبر أراد کسر عظم إنسان دون أن تكون هناك مصلحة. (البیان فی التبرع بعضو من الاعضاء، للشیخ صفوت جوده احمد، ط: مکتبة القاهرة، ص ۳۹).

(۲) مانعین کی دوسری دلیل اور اس کا جواب:

انسان اپنے اعضاء کا مالک نہیں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم... ومن قتل نفسه بشي عذب به فی نار جهنم... و یؤخذ منه أن جناية الإنسان علی نفسه کجنايته علی غيره فی الإثم لأن نفسه لیست ملكاً له مطلقاً بل هی لله تعالیٰ فلا یتصرف فیها إلا بما أذن له فیہ. (فتح الباری: ۱۱/۵۳۹، ط: لاہور).

عن جابر رضی اللہ عنہ أن الطفيل بن عمرو الدوسي رضی اللہ عنہ أتى النبي صلى الله عليه وسلم... فلما هاجر النبي صلى الله عليه وسلم هاجر إليه الطفيل بن عمرو رضی اللہ عنہ وهاجر معه رجل من قومه فاجتروا المدينة فمرض فجزع فأخذ مشاقص له فقطع بها براحمه فشخت يده حتى مات فرآه الطفيل بن عمرو رضی اللہ عنہ في منامه فرآه وهيئته حسنة ورآه مغطياً يديه فقال له: ما صنع بك ربك فقال: غفر لي بهجرتي إلى نبيه صلى الله عليه وسلم فقال: ما لي أراك مغطياً يديك قال: قيل لي: لن نصلح منك ما أفسدت... الخ. (رواه مسلم برقم: ۱۱۶).

فتح الباری کی عبارت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح زندہ انسان کی قطع و برید ناجائز ہے اسی طرح مردہ انسان کی قطع و برید بھی ناجائز ہے نیز انسانی جسم و اعضاء کے ذریعہ تدوی اور علاج بھی ناجائز ہے۔

الجواب: اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جسم انسانی میں وہ تصرفات جو محض زیب و زینت کے لیے ہوں یا بلا کسی ضرورت شدیدہ کے ہوں اور ان میں ہلاکتِ نفس کا قوی اندیشہ ہو تو وہ ناجائز ہیں۔

جب کہ فقہائے کرام کی بیان کردہ جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ بوقتِ ضرورت انسان کے جسم میں تصرف کیا جاسکتا ہے۔

(۱) جنین کی حیات کے آثار پر حاملہ عورت کا شکم چاک کرنا۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۲) کوئی شخص کسی کے قیمتی مال کو نگل کر مر گیا تو اس کا شکم چاک کرنے کے بارے میں دو قول ہیں، ابن ہمامؒ نے چاک کرنے والے قول ترجیح دی ہے۔

ولو بلع مال غیرہ ومات هل يشق قولان والأولى نعم، ففتح. قوله والأولى نعم، لأنه وإن كان حرمة الآدمي أعلى من صيانة المال لكنه أزال احترامه بتعديه كما في الفتح. (الدوا المختار مع رد المحتار: ۲/۲۳۸، سعيد، وفتح القدير: ۲/۱۴۶، دار الفکر).

(۳) فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی زائد انگلی یا عضو نکل آئے تو اس کو کاٹ سکتا ہے بشرطیکہ ہلاکت کا خطرہ نہ ہو۔ ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصيبو: إن كان الغالب على من

قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك .  
(الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۰).

بظاہر اس جزئیہ سے محض زینت کے لیے اپنے جسم میں تصرف کا جواز معلوم ہوتا ہے تو ضرورت یا حاجت شدیدہ کے وقت تصرف بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

پھر خود فتح الباری کی عبارت ”فلا يتصرف فيها إلا بما أذن له فيه“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصرف ممنوع ہے جس میں فائدہ نہ ہو اور ہلاکت کا اندیشہ ہو۔

مزید براں مائتین میں سے اکثر حضرات خون دینے کے قائل ہیں، بلکہ اب اس پر قریب قریب اتفاق ہو چکا ہے حالانکہ جزء انسانی سے انتفاع کو مطلقاً ”توہین انسانی“ باور کیا جائے تو اس کو کبھی ناجائز کہنا چاہئے کیونکہ جزء انسانی ہونے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات نے دونوں میں فرق کیا ہے کہ خون دودھ کی طرح ہے لیکن یہ محل نظر ہے، دودھ حلال طیب ہے جب کہ خون ناپاک و نجس ہے۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث: ۲۰۶، ۲۰۷)۔

اور یہ بات کہ انسان اپنے جسم کا خود مالک نہیں لہذا بالکل تصرف نہیں کر سکتا اس سے متعلق بعض حضرات نے درج ذیل جواب دیا ہے۔

ولا يقال: إن جسد الإنسان ليس ملكاً له، وإنما هو ملك لله تعالى، ومادام الأمر كذلك فلا يصح للإنسان أن يتصرف فيما لا يملكه بالبيع ولا بالتبرع. فالكون كله ملك لله تعالى وليس جسد الإنسان وحده، ومع ذلك فقد أباح الله سبحانه للناس أن يتصرفوا فيما يملكه عز وجل بالطريقة التي ترضيه، ولا شك أن فضيلة الإيثار ودفع الأذى عن الغير على رأس الفضائل التي يحبها الله عز وجل، ويكافي أصحابها بما يستحقونه من ثواب جزيل. (البيان في التبرع بعضو من الأعضاء، ص ۳۸، ط: مكتبة القاهرة).

ويستمر المؤيدون فيقولون: إن الذي لا يملكه الإنسان ولا يملك التصرف فيه هو حياته وروحه وليس جسده... لذلك فإنه يحرم عليه الانتحار ولا يجوز له إلقاء نفسه في

التهلكة إلا للضرورة قصوى وهدف اسمی مثل الجهاد فی سبیل اللہ والدفاع عن النفس.  
(نقل الاعضاء الآدمية بین التحليل والتحریم، ص ۸).

إن قضية التبرع مبنية على إسقاط العبد حقه في العضو والحق أعم من الملك فإذا انتفت ملكية الإنسان لبدنه وأعضائه لانتهى حقه فيها والتبرع بالعضو ليس من قبيل التملك حتى يشترط الملكية بل من قبيل التنازل عن الحق وهو لا يستلزم الملكية . (رد شبه المجيزين لنقل الاعضاء من الناحيتين الدينية والطبية، ص ۳۵).  
حدیث شریف میں ہے:

عن شيبان قال: سمعت الحسن يقول: إن رجلاً ممن كان قبلكم خرجت به فرحة فلما آذته انتزع سهماً من كنانته فنكأ فلم يرقأ الدم حتى مات قال ربكم: قد حرمت عليه الجنة ثم مديده إلى المسجد فقال: أي والله لقد حدثني بهذا الحديث جندب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في هذا المسجد . (رواه مسم برقم: ۱۱۳).

قال الإمام النووي: هذا محمول على أنه نكأها استعجالاً للموت أو لغير مصلحة فإنه لو كان على طريق المداواة التي يغلب على الظن نفعها لم يكن حراماً . (الشرح الكام على صحيح مسلم: ۷۲/۱).

مانعین کی تیسری دلیل اور اس کا جواب:

فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ مضطر کے لیے کسی دوسرے زندہ انسان کے عضو کو اس کی اجازت سے کاٹ کر کھانا جائز ہے اسی طرح مکہ کا بھی یہی حکم ہے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

أما النوع الذي لا يباح ولا يرخص بالإكراه أصلاً فهو قتل المسلم بغير حق سواء كان الإكراه ناقصاً أو تاماً لأن قتل المسلم بغير حق لا يحتمل الإباحة بحال... وكذا قطع عضو من أعضائه... ولو أذن له المكروه عليه... لا يباح له أن يفعل لأن هذا مما لا يباح

بالإباحة ولو فعل فهو آثم. (بدائع الصنائع: ۱۷۷/۷، سعید).

علامہ سرحدیؒ فرماتے ہیں:

لأن حرمة الأعضاء كحرمة النفس ألا ترى أن المضطر كما لا يباح له قتل الإنسان لياكل من لحمه لا يباح له قطع عضو من أعضائه. (المبسوط: ۸۸/۲۴، دار الفکر).

عالمگیریؒ میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل اقطع يدي وكلها أو قال اقطع مني قطعة وكلها لا يسعه أن يفعل ذلك ولا يصح أمره به كما لا يسع للمضطر أن يقطع قطعة من نفسه فيأكل كذا في فتاوى قاضی خان. (الفتاوى الهندية: ۳۳۸/۵).

مذکورہ عبارات فقہیہ کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مضطر کے لیے دوسرے کے عضو کو لینا ناجائز ہے۔

الجواب: مولانا خالد سیف اللہ صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: لیکن ضروری ہے کہ فقہاء کی اس طرح کی تعبیر کو ہم اس زمانہ میں موجودہ زمانہ کی تحقیق اور انکشاف کے تناظر میں دیکھیں پیوند کاری کے طریقے میں ہلاکت یا ضرر شدید کا اندیشہ نہیں اور کسی کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھانے میں ہلاکت یا ضرر شدید کا قوی اندیشہ ہے نیز اپنے اعضاء سے خود انقاع درست ہے لیکن بعض فقہاء نے مضطر کے لیے خود اپنے جسم کے کسی حصے سے گوشت کھانے کو بھی منع کیا ہے، جیسا کہ ہندیہ کی عبارت سے واضح ہے۔

این قدمہ نے اس کی علت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے:

ولنا أن أكله من نفسه ربما قتله فيكون قاتلاً لنفسه ولا يتيقن حصول البقاء بأكله. (المغنی: ۷۹/۱۱، دار الفکر). مستفاد از (جدید فقہی تحقیقات: ۲۱۰/۵)۔

صاحب محیط نے بھی اس کی علت کو ذیل کے الفاظ میں واضح کیا ہے:

وفي فتاوى أبي الليث: رجل مضطر لا يجد ميتة خاف الهلاك، فقال له رجل: اقطع يدي وكلها، أو اقطع مني قطعة وكلها لا يسعه ذلك؛ لأنه ربما يؤدى إلى إتلافه. (المحيط

البرہانی: ۱۲۷/۶، برشیدیہ)۔

(۴) مانعین کی چوتھی دلیل اور اس کا جواب:

انسانی اعضاء مال ہی نہیں کہ اس کا ہبہ یا اس کی وصیت کرنا جائز اور درست ہو۔

ملاحظہ ہو صاحب بدائع الصنائع فرماتے ہیں:

ومنها أن يكون مالاً متقوماً فلا يجوز هبة ماليس بمال أصلاً كالحر... (بدائع الصنائع:

۱۱۹/۶، سعید)۔

اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ انسانی اعضاء کا مال نہ ہونا یہ مطلق نہیں بلکہ بعض جگہوں میں شریعت نے اس

کو مال تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولأبي حنيفة أن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال فيجوز فيها البذل بخلاف

الأنف. (الهداية: ۱۵۸/۳)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو قال: اقطع يدي فقطع لاشيء عليه بالإجماع لأن الأطراف يسلك بها مسلك

الأموال وعصمة الأموال تثبت حقاً له فكانت محتملة للسقوط بالإباحة والإذن كما لو

قال: أتلف مالي فأتلفه. (بدائع الصنائع: ۲۳۶/۷، سعید)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

شریعت نے بعض مواقع پر انسانی وجود اور انسانی اعضاء کو مستقوم (قابل قیمت) مانا ہے اور یہ اس وقت

ہے جب کوئی انسان ہلاک کر دیا جائے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دیا جائے اس کو اصطلاح شرع میں دیت کہتے ہیں

اس پر بھی اتفاق ہے کہ آزاد انسان کے پورے وجود کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی انسانی جسم کے مختلف اجزاء میں

بال اور دودھ بھی دو چیزیں تھیں جن سے گذشتہ زمانہ میں انتفاع کیا جاتا تھا، بال جس کا عموماً آرائش اور زیبائش

کے لیے کیا جاتا تھا فقہاء نے اس کی خرید و فروخت کو بھی منع کیا ہے... علامہ شامیؒ نے بالوں کی طرح ناخنوں کی

خرید و فروخت کو بھی منع کیا ہے۔

و کذا بیع ما انفصل عن الآدمی کشعر و ظفر لأنه جزء الآدمی ولذا وجب دفعه .

لیکن دودھ کی خرید و فروخت میں فقہاء کے اندر اختلاف ہے۔

**مذہب احناف:**

لم یجوز بیع لبن المرأة لأنه جزء الآدمی وهو بجميع أجزائه مکرم عن الابتذال بالبیع

(البحر الرائق: ۸۷/۶، کوئٹہ)۔

**مذہب شافعیہ:**

بیع لبن الآدمیات جائز عندنا لا کراهة فيه . (المجموع: ۲۵۴/۹، دار الفکر)۔

**مذہب مالکیہ:**

فروع: ... و یجوز بیع لبن الآدمیات لأنه طاهر منتفع به ، وأجازہ أيضاً الشافعی وابن

حنبل ومنعه أبو حنیفة . (مواہب الحلیل بشرح مختصر الحلیل: ۶۶/۶)۔

**مذہب حنبلیہ:**

فأما بیع لبن الآدمیات فقال أحمد: أكرهه واختلف أصحابنا في جوازہ فظاهر كلام

الخرقي جوازہ لقوله "وكل ما فيه منفعة" وهذا قول بن حامد والشافعی وذهب جماعة من

أصحابنا إلى تحريم بيعه وهو مذهب أبي حنیفة ومالك... والأول أصح لأنه لبن طاهر

منتفع به فجاز بيعه كلبن الشاة ولأنه یجوز أخذ العوض عنه في إجارة الظئر فأشبهه المنافع

... وسائر أجزاء الآدمی یجوز بيعها فإنه یجوز بیع العبد والأمة... وحرم بیع العضو

المقطوع لأنه لا نفع فيه . (المغنی: ۳۲۹/۴)۔

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک عضو انسان کسی حد تک مال شمار ہوتا ہے علاوہ ازیں احناف

کے نزدیک اگرچہ مال نہیں لیکن یہاں مسئلہ اضطرار یا حاجت شدیدہ کا ہے لہذا اضطرار یا حاجت شدیدہ کے وقت

"الضرورات تبیح المحظورات" کے تحت بہ چند شرائط کسی کو اپنا عضو دینا جائز ہوتا چاہئے۔



يقول فضيلة الشيخ منصور الرفاعي عبيد : يجوز أن يتبرع إنسان حي بجزء من جسده لا يترتب على اقتطاعه ضرر به متى كان ذلك في صالح الشخص المنقول إليه وببده ، خاصة إذا ما أشار بذلك طبيب ، وبحيث لا يؤثر العضو الذي يتبرع به المسلم إلى عجزه أو تشويبه لما جاء في فقه الزيدية والشافعية أنهما يجيزان أن يقطع الإنسان الحي جزءاً من نفسه ليأكله عند الضرورة بشرط ألا يجد مباحاً ولا محرماً آخر يأكله ويدفع به مخمصته ، وأن يكون الضرر الناشئ من قطع جزئه أقل من الضرر الناشئ من تركه الأكل .  
(البيان في التبرع بعضو من الأعضاء، ص: ۳۹).

ويقول صفوت جودة أحمد : حكم التبرع بعضو من الأعضاء :

...و يرى جمهور الفقهاء أن التبرع بعضو أن بجزء من إنسان حي لإنسان آخر مثله جائز بشروط من أهمها: أن يصرح الطبيب أو الأطباء الثقة بأن نقل هذا العضو من شخص إلى آخر لا يترتب عليه ضرر بليغ بالشخص المتبرع، وإنما يترتب عليه حياة الشخص المتبرع له ، أو إنقاذه من مرض غُضال .

وهذا هو الرأي الراجح ، لأن التبرع قلما يصدر عن الإنسان إلا في أشد حالات الضرورة وقلما يكون إلا لشخص عزيز على هذا الإنسان المتبرع ، ولأن المتبرع ما فعل ذلك إلا بقصد تقديم منفعة عظيمة لغيره مبتغياً بها وجه الله تعالى . (البيان في التبرع بعضو من الأعضاء، ص: ۳۸).

اعضاء کی خرید و فروخت کے بارے میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں:

احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری ایسے اعضاء کو خرید کرنا جائز ہوگا جیسا کہ فقہاء نے بوقت ضرورت رشوت دینے یا سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایسے اعضاء کی خرید و فروخت دونوں درست ہوگی، اس سلسلہ میں ابن قدامہ کی یہ عبارت اور اس کا عموم قابل لحاظ ہے کہ:  
”وسائر أجزاء الآدمی يجوز بيعها فإنه بيع العبد والأمة“.

آگے چل کر ابنِ قدامہ نے گوشت سے تراشے گئے عضو کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے مگر یہ اس لیے نہیں کہ انسانی اجزاء سے انتفاع جائز نہیں بلکہ اس لیے کہ اس وقت انسانی اعضاء سے انتفاع ممکن نہیں تھا۔ و حرم بیع العضو المقطوع لأنه لا نفع فيه۔ (جدید فقہی تحقیقات: ۲۱۳/۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت عضو کے بہہ کرنے کی گنجائش ہے البتہ وصیت کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ وصیت میں فی الحال مضطر موجود نہیں ہے بلکہ موہوم ہے، الا یہ ہے کہ مضطر معلوم ہو تو اس میں ضرورت متحقق ہو سکتی ہے۔

مانعین کی پانچویں دلیل اور اس کا جواب:

بعض اعضاء مثلاً بینائی کے ختم ہونے سے اضطرار کی حالت نہیں پائی جاتی لہذا اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے؟

فالنسوة: بلوغه حداً إن لم يتناول الممنوع هلك أو قارب وهذا يبيح تناول الحرام. والحاجة: كالجائع الذي لو لم يجد ما يأكله لم يهلك غير أنه يكون في جهد ومشقة وهذا لا يبيح الحرام ويبيح الفطر في الصوم.

والمنفعة: كالذي يشتهي خبز البر ولحم الغنم والطعام الدسم.

والزينة: كالمشتهي بحلوى والسكر.

والفضول: التوسع بأكل الحرام والشبهة. (غمر عيون البصائر شرح الاشباه والنظائر: ۲۵۲/۱،

ادارة القرآن).

الجواب: بعض مرتبہ حاجت کو ضرورت کا درجہ دیدیا جاتا ہے۔ کیونکہ بینائی میں جسم کے اہم نفع کو

لوٹا ہے۔

چنانچہ شیخ احمد زرقا فرماتے ہیں:

قاعدة: الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة أو خاصة “والظاهر أن ما يجوز للحاجة

إنما يجوز فيما ورد فيه نص يجوز أو تعامل أو لم يرد فيه شيء منهما ولكن لم يرد فيه نص

یمنعہ بخصوصہ و كان له نظیر فی الشرع يمكن إلحاقه به وجعل ما ورد في نظيره وارداً فيه .... أو كان لم يرد فيه نص يجوزُه أو تعامل ولم يرد فيه نص يمنعه ولم يكن له نظير جائز في

الشرع يمكن إلحاقه به ولكن كان فيه نفع ومصلحة . (شرح القواعد الفقهية، ص: ۲۰۹).

مانعین کی چھٹی دلیل اور اس کا جواب:

”الضرر لا يزال بمثله“ قاعدہ یہ ہے کہ ایک ضرر کو اس جیسے دوسرے ضرر سے زائل نہیں کیا جاتا ہے۔  
الضرر لا يزال بالضرر، فإذا كان المريض المطلوب نقل العضو له يعافي من الضرر قطعاً فإن المتبرع بذلك العضو سيصاب بالضرر حتماً... لأنه إذا كان متبرع بإحدى كليتيه مثلاً وعلى افتراض عدم حدوث أية مضاعفات له بعد العملية الجراحية فإنه سيفقد نصف الطاقة الإجمالية لِكُلِّيتَيْهِ وهذا بالتأكيد ضرر قادح ومؤكد . (نقل الاعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم، ص: ۶).

الجواب: اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں ضرر یکساں نہیں ہیں بلکہ ایک اشد ہے اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ ”الضرر الاشد يزال بالضرر الأخف“۔ یعنی ضرر شدید کو ضرر خفیف سے دور کیا جائیگا۔  
چنانچہ شیخ احمد زرقا فرماتے ہیں:

الضرر لا يزال بمثله ولا بما هو فوقه بالأولى بل بما هو دونه هذه المادة تصلح أن تكون قيداً للمادة : الضرر يزال ... (شرح القواعد الفقهية، ص: ۱۹۵، دارالعلم).

پھر مجوزین نے خود جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ عضو دینے والے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عضو دینے کے بعد فی الحال یا آئندہ کسی مشکل کا سامانہ کرنا پڑے ورنہ ناجائز ہوگا۔

ألا يتعرض المتبرع لضرر يؤديه كلياً أو جزئياً في الحال أو المال .

لیکن یہ کہنا کہ جو اعضاء وہیں مثلاً گردے تو ایک دینے سے ضرور نقصان ہوگا یہ بات محل نظر ہے۔

مانعین کی ساتویں دلیل اور اس کا جواب:

سد الذرائع، یعنی آئندہ ضرر عظیم اور اعضائے انسانی کی تجارت کا دروازہ نہ کھل جائے، اس وجہ سے منع کیا جائے گا۔

وإذا كان الحكم الشرعي في أمر ما بالإباحة ولكنه عند التطبيق سيؤدي إلى ضرر يفوت الفائدة المعتبرة من ورائه. امتنع ذلك الحكم كراهة أو تحريماً وفي هذا فإن امتهان كرامة الإنسان ونشوء سوق لتجارة أعضاء الآدمية بكل ما يستتبعه من تداعيات بمثل خطر أشديداً وضرراً بليغاً بالمجتمع المسلم قاطبة يوجب تعطيل أية إباحة لنقل الأعضاء على فرض صحتها. (نقل الأعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم: ۶/۱).

الجواب: اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ مجوزین نے بھی تجارت کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ بوقت ضرورت یہ شرط لگا دی ہے کہ یہ محض تبرع ہونا چاہئے۔

أن يكون النقل تبرعاً ودون أي مقابل مادي حتى بعيداً عن البيع والشراء وحتى لا يتحول جسد الإنسان الذي كرمه الله تعالى إلى قطع غيار تباع في الأسواق.

ہاں اگر کوئی تبرع نہ ملے تو بوقت مجبوری صرف خریدنا جائز ہوگا بیچنا کسی حال میں جائز نہیں، علاوہ ازیں پیوند کاری کا مسئلہ مسلمان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ غیر مسلم بھی اس کے حاجت مند ہوتے ہیں وہ ہم سے فتویٰ نہیں پوچھیں گے، اور وہ اس طریقہ علاج کو استعمال کرتے ہیں، لہذا مسلمان کو اجازت نہ دینے کی صورت میں بھی یہ مذکورہ خطرہ لاحق ہے۔

مجوزین کے دلائل ملاحظہ فرمائیے:

دلیل (۱): قال الله تعالى: ﴿وَمِنْ أَحْيَاها فَكُنْما أَحْيا الناس جميعاً﴾ [سورة المائدة: ۳۲]۔

المراد من إحياء النفس تخليصها عن المهلكات... (تفسير الرازي: ۵/۲۱۹، دار الفکر)۔

قال العلامة الآلوسي: و من أحياها أى تسبب لبقاء نفس واحدة موصوفة بعدم ذكر من القتل والفساد... أو استفادها من سائر أسباب الهلكة بوجه من الوجوه. (روح

دلیل (۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وما جعل علیکم فی الدین من حرج﴾ [سورۃ الحج: ۷۸]۔

اُی فی جمیع امورہ... من حرج اُی ضیق بتکلیف ما یشتد القیام بہ علیکم۔ (روح المعانی: ۱۷/ ۴۷، مؤسسة الرسالة)۔

دلیل (۳): عن اُبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما أنزل اللہ داء إلا أنزل

لہ شفاء۔ (رواہ البخاری: ۲/ ۸۴۷، ط: فیصل)۔

عن عبد اللہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إن اللہ عز وجل لم یزل داء

إلا أنزل لہ شفاء علمہ من علمہ وجہلہ من جہلہ۔ (مسند احمد: ۷/ ۲۷۱، مؤسسة الرسالة)۔

دلیل (۴): یہ علاج بھی تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جس کی علماء نے بہ چند شرائط اجازت دی ہے۔

قال فی الدر المختار: وجوزوہ فی النہایۃ بمحرم إذا أخبرہ الطیب مسلم أن فیہ

شفاء ولم یجد مباحاً یقوم مقامہ (قوله وجوزوہ فی النہایۃ) ونصہ وفی التہذیب: یجوز

للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی إذا أخبرہ طیب مسلم أن شفاثہ فیہ ولم یجد من

المباح ما یقوم مقامہ۔ (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۸۹، سعید، ۵/ ۲۲۸، مطلب فی التداوی

بالمحرم بوالفتاویٰ الہندیۃ: ۳۵۰/۵)۔

دلیل (۵): پیوند کاری سے علاج مضطر کے قبیل سے ہے اور اس کے بارے میں تفصیل ماقبل میں گزر چکی

ہے۔

دلیل (۶): ”الضرورات تبیح المحظورات“ قاعدے کے تحت جائز ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج کل اس طرح کے علاج کی شدید ضرورت ہے ورنہ انسان سخت مصیبت میں مبتلا

ہو سکتا ہے یا اس کی موت واقع ہو سکتی ہے، لہذا اس طرح کا علاج و معالجہ بھی جائز ہونا چاہئے، مزید یہ کہ آئے دن

مختلف قسم کی نئی نئی بیماریاں جنم لے رہی ہیں، پھر انسانی غذا میں ملاوٹ کی وجہ سے انسانی جسم بہت نحیف اور کمزور

ہو چکے ہیں اور یہ علاج معاشرہ کی ایک عام ضرورت بن چکا ہے، لہذا موجودہ دور کے علمائے کرام کو مزید غور

کرنے کی ضرورت ہے۔

اعضاء کی پیوند کاری اکابرین کے فتاویٰ کی روشنی میں:  
فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

کسی فوت شدہ انسان کا جگر، آنکھ، دل وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے ہیں، اور ایسی وصیت بھی جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳۶/۱۸، فاروقیہ)۔

نیز فتاویٰ رحیمیہ (۲۸۵/۵، دیوبند)، اور آپ کے مسائل اور ان کا حل (۳۵۱/۴) میں بھی ناجائز لکھا ہے۔  
فتاویٰ حقانیہ میں لکھا ہے کہ... متاخرین فقہاء نے حالت اضطرار شدیدہ کے وقت مخصص قرار دیا ہے۔  
(فتاویٰ حقانیہ: ۳۹۷/۲)۔

”نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے“ میں مرقوم ہے:

۴۔ اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کوپورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کر کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لیے مباح ہوگا۔

۵۔ اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔ (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۴۳-۱۴۴، ط: ایف ایس ایسٹرن و کنڈانی اہم فقہی فیصلے، ص ۱۳۳: کراچی)۔

عصر حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

لیکن مصالح کے پیش نظر اور موجودہ سرجری میں غیر معمولی ترقی ہو جانے کے بعد اعضاء کی پیوند کاری کی افادیت تقریباً یقینی ہو جانے کی وجہ سے موجودہ زمانہ کے فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (عمر حاضر کے فقہی مسائل ص ۸۸، ۸۹، از مولانا بدر الحسن قاسمی)۔

المجمع الفقہی الاسلامی کے فیصلے:

... اس موضوع پر بحث و مناقشہ کے بعد اجلاس کا خیال ہے کہ قائلین جواز کے استدلالات ہی رائج ہیں، اس لیے اجلاس درج ذیل فیصلے کرتا ہے:

اول: کسی زندہ انسان کے جسم سے کوئی عضو لینا اور اسے دوسرے انسان کے جسم میں لگا دینا جو اس کا ضرورت مند ہو اپنی زندگی بچانے کے لیے یا اپنے بنیادی اعضاء کے عمل میں سے کسی عمل کو واپس لانے کے لیے جائز عمل ہے، جو عضو دینے والے کی نسبت سے کرامت انسانی کے منافی نہیں ہے، دوسری طرف عضو لینے والے کے حق میں نیک تعاون اور بڑی مصلحت کا کام ہے، جو ایک مشروع اور قابل تعریف عمل ہے بشرطیکہ درج ذیل شرائط موجود ہوں:

(۱) عضو کے لینے سے اس کی عام زندگی کو نقصان پہنچانے والا ضرر نہ لاحق ہوتا ہو کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ کسی نقصان کے ازالہ کے لیے اسی جیسے یا اس سے بڑے نقصان کو گوارا نہیں کیا جائے گا، اور چونکہ ایسی صورت میں عضو کی پیشکش اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف ہوگا، جو شرعاً ناجائز ہے۔

(۲) عضو دینے والے نے رضا کارانہ طور پر اپنی خواہش سے بغیر کسی دباؤ کے دیا ہو۔

(۳) ضرورت مند مریض کے علاج کے لیے عضو کی پیوند کاری، ہی طبی نقطہ نظر تنہا ممکن ذریعہ رہ گیا ہو۔

(۴) عضو لینے اور لگانے کے عمل کی کامیابی غالباً یا عادتاً یقینی ہو۔

دوم: مندرجہ ذیل صورتیں بدرجہ اولیٰ جائز شمار کی جائیں گی:

(۱) کسی مردہ انسان کا عضو دوسرے ضرورت مند انسان کے تحفظ کے لیے حاصل کیا جائے، بشرطیکہ جس کا عضو لیا جا رہا ہے وہ مکلف ہو اور اپنی زندگی میں اس کی اجازت دے چکا ہو۔

(۲) کسی ماکول اللحم اور ذبح شدہ جانور یا بوقت ضرورت دوسرے جانور کا عضو خنزیر کے علاوہ کسی

ضرورت مند انسان میں پیوند کاری کے لیے لیا جائے۔

(۳) انسانی جسم سے کوئی حصہ لینا تا کہ اسی انسان کے جسم میں پیوند کاری کی جائے، مثلاً کھال یا ہڈی کا کوئی ٹکڑا لے کر جسم کے کسی دوسرے مقام پر بوقت ضرورت لگایا جائے۔

(۴) معدنی یا کسی اور دھات کے مصنوعی ٹکڑے کو کسی مرض کے علاج کے لیے انسان کے جسم میں لگایا جائے جیسے جوڑوں اور قلب کے والوو وغیرہ کے لیے استعمال کیا جائے۔

یہ چاروں حالتیں سابقہ شرائط کے ساتھ اکیڈمی کی رائے میں جائز ہیں۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۷، ۱۵۸، مرتب: مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب، ط: ادارۃ القرآن)۔

### بعض من أجاز نقل الأعضاء :

قوار هیئة كبار العلماء فی المملكة العربیة السعودیة .

فتویٰ لجنة الإفتاء فی المملكة الأردنیة الهاشمیة .

فتویٰ لجنة الإفتاء الجزائریة .

فتویٰ لفضیلة مفتی جمہوریة مصر العربیة .

و غیرہم من الفتاویٰ والآراء الفقہیة لبعض الفقہاء المعاصرین . (المأخوذ من رد شبه

المحیزین لنقل الأعضاء من الناحیتین الدینیة والطبیة، للشیخ محمود محمد عوض سلامة).

### اعضاء کی پیوند کاری کی تفصیلی بحث کا خلاصہ:

☆ اعضاء کی پیوند کاری کے بارے میں مفتی حضرات کی دورائے ہیں، ضرورت کے وقت ان مفتی حضرات کی رائے کو لے سکتے ہیں جو جواز کے قائل ہیں، لیکن ان تفصیلات و شرائط کی رعایت ضروری ہے جو مجوزین نے ذکر فرمائی ہیں۔

☆ اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے لیے جو طبی طریقہ ایجاد و رائج ہوا ہے اس میں تو بین انسانیت نہیں

ہے۔

☆ بوقت ضرورت اعضاء خرید کیے جاسکتے ہیں۔



☆ اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

☆ اعضاء انسانی کی وصیت ناجائز ہے۔ اور شرعاً اس وصیت کا اعتبار نہیں ہے۔

☆ اعضاء کی پیوند کاری کا مقصد مریض کی جان بچانا یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو جیسے یتانی۔

مزید تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب و رسائل ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

(جدید فقہی مسائل، جلد: ۵، و جدید فقہی مباحث، جلد: ۱، و حکم نقل اعضاء الانسان فی الفقہ الاسلامی،  
لشیخ حسن علی الشاذلی، و اعضاء انسانی کی پیوند کاری، و انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید، و احسن الفتاویٰ، جلد: ۸،  
توقیع الاعیان علی حرمة ترقیع الانسان، و الاستنساخ البشري بین الاباحۃ و التحريم فی ضوء الشریعة مع بیان  
موقف الہیئات الدولۃ المعاصرۃ، و رابطہ علم اسلامی کا مجلہ ۲۰۹ء مطابق ۱۴۳۰ھ، و رد شبہ المجیزین لنقل  
الاعضاء من الناحیتین الدینیۃ و الطبیۃ، لشیخ محمود محمد عوض سلامة، و تعریف اهل الاسلام بان نقل  
العضو حرام للشیخ الغماری، و البیان فی التبرع بعضو من الاعضاء للشیخ صفوت جودۃ احمد، و جدید فقہی  
تحقیقات، جلد: ۵، و نظام الفتاویٰ، جلد: ۱، و مصر حاضر کے فقہی مسائل، از مولانا بدر الحسن قاسمی، و نئے مسائل اور علمائے ہند کے  
فیصے، و مجلہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاضی: ۱/۱۶۹-۲۴۸، اعضاء کی پیوند کاری)۔ واللہ اعلم۔

## قلب کی پیوند کاری کا حکم:

سوال: کیا قلب کی پیوند کاری (heart transplant) جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر اختلاف ہے تو دونوں فریق کے دلائل بھی پیش کیجئے، اور مفتی رضاء الحق صاحب جس قول کو ترجیح دیتے ہیں اس کو بھی درج کیجئے؟  
بیوا تو جروا۔

الجواب: جانتا چاہئے کہ اعضاء انسانی کی پیوند کاری کے سلسلہ میں علمائے کرام کے درمیان دو مختلف نظریات اور مذاہب پائے جاتے ہیں، بعض حضرات اس کے عدم جواز کے قائل ہیں اور دیگر حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، فی زمانہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے تحقیق ضرورت اور مختلف دلائل کی روشنی میں اس کے جواز کو ترجیح دی ہے، فریقین کے دلائل کی تفصیلات ماقبل میں گزر چکی ہیں، وہاں ملاحظہ کر لی جائیں۔

البتہ ایک آدمی کے قلب کو نکال کر دوسرے کو لگانا اس شخص کو قتل کرنے کے مترادف ہے لہذا دل کی پیوند کاری کی اجازت نہیں دی جاسکتی، دل و دماغ کے علاوہ ایسے اعضاء کی پیوند کاری جس پر اس کی زندگی موقوف نہ ہو ان میں اختلاف کی گنجائش ہے، مثلاً آنکھ، ایک گردہ وغیرہ اس کے متعلق مجوزین کے قول پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر مرنے کے بعد فوراً اطباء کے کہنے کے مطابق دماغی موت واقع ہو جانے کے بعد نکالا جائے جس میں قتل کا شبہ نہ ہو تو پھر مجوزین کے قول کے مطابق قلب کی پیوند کاری کی اجازت ہوگی جیسا کہ فی زمانہ مروج ہے۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (مجلہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ: ۱/۱۶۹-۲۳۸، اعضاء کی پیوند کاری)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## گردہ منتقل کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کے دونوں گردے خراب ہو چکے ہیں، کیا یہ شخص اعضاء کی پیوند کاری کرا کر یعنی دوسرے آدمی کا گردہ لگا کر اپنی زندگی کی بقا کا سامان کر سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اعضاء کی پیوند کاری سے متعلق علماء کے درمیان اختلاف ہے تاہم مجوزین کے قول پر ان کی بیان کردہ شرائط و قیودات کے ساتھ عمل کر کے گردہ تبدیل کرانے کی اجازت ہوگی۔ دلائل کے لیے ہمارا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ کر لیا جائے۔

نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (مجلہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ: ۱/۱۶۹-۲۳۸، اعضاء کی پیوند کاری)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## آنکھ کی پتلی منتقل کرنے کا حکم:

**سوال:** میں ایک خاتون ہوں، میری بینائی تقریباً ختم ہو چکی ہے اور اطباء کا کہنا ہے کہ اگر علاج نہ کرایا

گیا تو میں بالکل ناپسند ہو جاؤں گی۔ اطباء کا کہنا ہے کہ مجھے آنکھوں کی روشنی حاصل کرنے کے لیے کورنیل گرافٹ (corneal graft) کرانا پڑیگا۔

اس علاج کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

یہ انتقالی آپریشن ہوتا ہے، ایک آدمی کا عضوی یعنی آنکھ کی پتلی دوسرے کی آنکھ میں ڈالی جاتی ہے۔ یہ آنکھ کی پتلی ایک ایسے شخص کی آنکھ سے لی جاتی ہے جس نے یہ وصیت کی ہو کہ میرے مرنے کے بعد میری آنکھ کی پتلی کسی اور میں استعمال کی جائے، موصی کی موت کے بعد ایک خاص مدت کے لیے اس پتلی کو آنکھوں کے بینک میں رکھ کر اس کی نگرانی کی جاتی ہے۔

مریض میں منتقل کرنے سے پہلے پتلی کا اچھی طرح جائزہ لیتے ہیں کہ صحیح اور مفید ہے یا نہیں اور مریض کی آنکھ میں منتقل کرنے سے کسی قسم کی بیماری تو منتقل نہیں ہوگی۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں کہ آیا اس قسم کے علاج کی اجازت ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

**الجواب:** بعض علماء اور مفتیان کے نزدیک اس کی گنجائش ہے آپ ان کے فتوے پر عمل کر سکتے ہیں۔ فریقین کے دلائل کی تفصیل ماقبل تفصیلی فتوے میں ملاحظہ فرمائیں، ہاں اس قسم کی وصیت کرنا جائز اور درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**ہڈی کا مغز منتقل کرنے کا حکم:**

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں:

ہڈی میں جو مغز ہے اس کا ٹرانسپلانٹ (bone marrow transplant) جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** انسانی اعضاء سے انتفاع اور اس کی پیوند کاری سے متعلق علماء کی آراء مختلف ہیں، ہاں بوقت

ضرورت شدیدہ مجوزین کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## جانور کے عضو سے پیوند کاری کا حکم:

**سوال:** کسی معذور یا بیمار شخص کو حیوانات کے اعضاء بوقت ضرورت لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بینو

تو جروا۔

**الجواب:** کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لیے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے غیر حیوانی اجزاء کا استعمال جائز اور درست ہے نیز ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال ”جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو شرعی طریقہ پر ذبح کیے گئے ہوں“ جائز ہے۔

اسی طرح جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کیے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال بھی بوقت ضرورت جائز اور درست ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔ ہاں بوقت اضطرار اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

قال فی الفتاویٰ الہندیۃ: وقال محمد: ولا بأس بالتداوی بالعظم إذا کان عظم شاة أو بقرة أو بعبیر أو فرس أو غیرہ من الدواب إلا عظم الخنزیر والآدمی فإنه یکرہ التداوی بہما فقد جوز التداوی بعظم ماسوی الخنزیر والآدمی من حیوانات مطلقاً من غیر فصل بینما إذا کان الحيوان ذکياً أو میتاً ویسماً إذا کان العظم رطباً أو یابساً وما ذکر من الجواب یجری علی إطلاقہ إذا کان الحيوان ذکياً لأن عظمہ طاهر... وأما إذا کان الحيوان میتاً فإنما یجوز الانتفاع بعظمہ إذا کان یابساً ولا یجوز الانتفاع إذا کان رطباً. (الفتاویٰ الہندیۃ: ۳۵۴/۵)

درمختار میں ہے:

و ما طهر به أى بدباغ طهر بذكاة على المذهب . (الدر المختار: ۲۰۵/۱، سعید).

فتاویٰ الشامی میں ہے:

والحاصل أن ذكاة الحيوان مطهرة لجلده ولحمه إن كان الحيوان مأكولاً وإلا فإن كان نجس العين فلا تطهر شيئاً منه وإلا فإن كان جلده لا يحتمل الدباغة فكذلك لأن جلده حينئذ يكون بمنزلة اللحم وإلا فيطهر جلده فقط ... (فتاویٰ الشامی: ۲۰۵/۱، سعید).

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

تبادلہ اعضاء انسانی کی تین صورتیں:۔ ایک صورت جو زمانہ قدیم سے جاری ہے وہ تو یہ ہے کہ انسان کے عضو کا بدل جملہ اعضاء یا نباتات وغیرہ سے تلاش کیا جائے اور فنی مہارت کے ذریعہ اس کو کارآمد و مفید بنایا جائے جیسے مصنوعی دانت، مصنوعی آلہ سماعت وغیرہ... دوسری صورت یہ ہے کہ حیوانات کے اعضاء سے یہ کام لیا جائے یہ بھی قدیم زمانہ سے جاری تھا... یہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی، اجتماعی، ہر حیثیت سے بے خطر بے ضرر ہیں... زمین کی تمام مخلوقات معدنیات، نباتات حیوانات کو انسان اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس فائدہ کے لیے ان چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر، کوٹ پیس کر بلکہ جلا کر اور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ، جلد ہفتم، ص ۵۱-۵۳)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: جانور کی آنکھ انسان کو لگانا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۳۶/۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فتنی مباحث، جلد اول، نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۴۳، و عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۸)۔ واللہ اعلم۔

دندان سازی کے لیے جانور کی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: جب آدمی بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اس کے مسوڑے کی ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں، اور کمزوری کی وجہ سے یا کسی بیماری یا دیگر وجوہات کی بنا پر وہ ہڈیاں نہ تو حقیقی دانتوں کو برداشت کر سکتی ہیں اور نہ

مصنوعی دانتوں کو، لہذا ان ہڈیوں کو مضبوط بنانے کے لیے اطباء نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جانور کی ہڈی یا اس کے مغز سے مسالا تیار کر کے، اس کے ذریعہ مسوڑوں کو مضبوط بناتے ہیں، پھر دانتوں کو جمانا ممکن ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس طریقہ سے جانوروں کی ہڈیاں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جانوروں کی ہڈیوں سے فائدہ اٹھانا جائز اور درست ہے۔ چاہے وہ جانور شرعی طریقہ پر ذبح کیے گئے ہوں یا ذبح نہ کیے گئے ہوں۔ کیونکہ ہڈیوں میں حیات نہیں ہے لہذا موت بھی حلول نہیں کرتی۔  
ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولا بأس ببيع عظام الميتة وعصبها... والانتفاع بذلك كله لأنها طاهرة لا يحلها الموت لعدم الحياة. (الهداية: ۳/۵۵).  
بدائع الصنائع میں ہے:

وأما عظم الميتة وعصبها وشعرها... فيجوز بيعها والانتفاع بها عندنا. (بدائع الصنائع: ۱۴۲/۵).  
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

... حیوانات کے اعضاء سے یہ کام لیا جائے یہ بھی قدیم زمانہ سے جاری تھا... یہ دونوں صورتیں دینی، دنیوی، شخصی، اجتماعی، ہر حیثیت سے بے خطر بے ضرر ہیں... زمین کی تمام مخلوقات معدنیات، نباتات حیوانات کو انسان اپنے فائدہ کے لیے استعمال کرتا ہے اور اس فائدہ کے لیے ان چیزوں کو کاٹ چھانٹ کر، کوٹ پیس کر بلکہ جلا کر اور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کر سکتا ہے۔ (جواہر الفقہ، جلد ہفتم، ص ۵۱-۵۳)۔

مزید ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث، جلد اول، نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۴۳، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۸)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دندان سازی کے لیے انسانی ہڈی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: آج کل جبروں میں مصنوعی دانت جمائے جاتے ہیں جن کو بار بار نہیں نکالا جاتا، اور ان کو

جمانے کے لیے انسانی ہڈیوں سے مسالا تیار کیا جاتا ہے، کیا اس طرح دانتوں کو جمانے کے لیے انسانی ہڈیوں کا مسالا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** انسانی اعضاء کو بطور تدوی استعمال کرنے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے، مجوزین نے بھی بدرجہ مجبوری جان بچانے کی غرض سے اجازت دی ہے جب کہ صورتِ مسئلہ میں کوئی مجبوری نہیں ہے نیز جانوروں کی ہڈیوں سے بھی کام چل سکتا ہے بلکہ چل رہا ہے لہذا انسانی ہڈی استعمال کرنا ناجائز ہے۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## اسقاطِ حمل کی چند صورتیں مع احکام:

**سوال:** کیا اسلام میں اسقاطِ حمل جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اسقاطِ حمل کی چند صورتیں ہیں ان کے احکام بھی مختلف ہیں۔ تفصیل درج ذیل ملاحظہ ہو:-  
**پہلی صورت:** فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔  
اور حمل میں نفخِ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنا بریں، چار ماہ بعد باتفاق علماء اسقاطِ حمل جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے۔

**دوسری صورت:** اعضاء کی تخلیق کے بعد اور نفخِ روح سے پہلے بھی صحیح قول کے مطابق اسقاط کی اجازت نہیں ہے، البتہ اس صورت میں بھی اگر عورت کی جان خطرہ میں ہو تو اسقاط کی اجازت ہوگی۔

**تیسری صورت:** حملِ شکی و صورت والا ہو جانے کے بعد بلا عذر شرعی اس کا اسقاط جائز نہیں ہے، خواہ اعضاء کی تخلیق ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، البتہ اگر کوئی شرعی عذر ہے یا طبی آلات کے ذریعہ یہ یقین ہو جائے کہ اس حمل کے ذریعہ پیدا ہونے والا بچہ کسی خطرناک موروثی مرض، کوئی خلقی نقص اور جسمانی اعتبار سے غیر معتدل ہو گا یا ماں کی جان کا خطرہ ہو یا ماں کی جسمانی صحت یا دماغی توازن کے متاثر ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا اور اس قسم

کے شرعی اعذار کی وجہ سے تخلیق سے قبل اسقاط کی اجازت ہوگی۔  
ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

نقل بعضهم أنه اتفق العلماء على أن نفخ الروح لا يكون إلا بعد أربعة أشهر أي عقبها كما صرح به جماعة وعن ابن عباس ؓ أنه بعد أربعة أشهر وعشرة أيام وبه أخذ أحمد ولا ينافي ذلك ظهور الخلق قبل ذلك لأن نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق وتام الكلام في ذلك مبسوط في شرح الحديث الرابع من الأربعين النووية فراجعوه. (فتاوى الشامى: ۳۰۶/۱، مطلب في احوال السقط واحكامه، سعيد).

وفيه أيضاً: وفي الذخيرة: لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفخ مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث. (فتاوى الشامى: ۳۷۴/۶، سعيد).

وفى الدر المختار: ويكره أن تسقى لإسقاط حملها وجاز لعذر حيث لا يتصور. وفى رد المحتار: قوله ويكره، أى مطلقاً قبل التصور وبعده على ما اختاره فى الخانية كما قدمناه قبيل الاستبراء وقال إلا أنها لا تأثم أثم القتل، قوله وجاز لعذر، كالمرضعة إذا ظهر بها جيل وانقطع لبنها وليس لأبى الصبى ما يستأجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا: يباح لها أن تعالج فى استئزال الدم ما دام الحمل مضغة أو علقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين وجاز لأنه ليس بآدمي وفيه صيانة الآدمي الخانية، قوله حيث لا يتصور، قيد لقوله وجاز لعذر والتصور كما فى القنية أن يظهر له شعر أو أصبع أو رجل أو نحو ذلك. (فتاوى الشامى: ۴۲۹/۶، سعيد) وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۱۳/۴.

حاشية الطحطاوى میں ہے:

وإن أرادته قبلها (أى قبل نفخ الروح) اختلف المشايخ فيه منهم من قال: لا بأس به لأنه إذا كان قبلها فالإلقاء ما فى رحمها وعزل الماء سواء والعزل مباح فكذا هذا وكان الفقيه



علي بن موسى يكرهه فإن مآل الماء بعد ما وقع في الرحم الحياة ولا يحتاج إلى صنع أحد وإذا كان مآله الحياة كان له حكم الحياة كما في بيض صيد الحرم. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۲۱۲/۴، كتاب الحظروالاباحة).

عالمگیری میں ہے:

وفى اليخيمة سألت على بن أحمد عن إسقاط الولد قبل أن يتصور فقال: أما فى الحرة فلا يجوز قولاً واحداً... امرأة مرضعة ظهر بها حمل وانقطع لبنها وتخاف على ولدها الهلاك وليس لأبى هذا الولد سعة حتى يستأجر الظئر يباح لها أن تعالج فى استئزال الدم ما دام نطفة أو مضغة أو علقة لم يخلق له عضو. (الفتاوى الهندية: ۳۵۶/۵).

فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

امراة عالجت في إسقاط ولدها لم تأثم ما لم يستين شيء من خلقه. (الفتاوى السراجية، ص: ۲۹۸).

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (شرح منظومة ابن وهبان: ۱۷۰/۲، الوقف الدینی، دیوبند، و جدید فقہی مباحث، مرتب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، جلد اول، ص ۳۷۹، ۳۷۷، ط: ادارۃ القرآن، اسلامی فقہ: ۲۲۹/۲-۲۳۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## ناقص الخلق جنین کے اسقاط کا حکم:

سوال: اگر ڈاکٹریہ کہدے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ناقص الخلق ہے یا زندہ رہنے کے قابل نہیں تو کیا آپریشن کے ذریعہ اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: ناقص الخلق جنین کے اسقاط کی چند صورتیں، ان میں جواز و عدم جواز کی تفصیل فقہ اکیڈمی کے فیصلے کے تحت ملاحظہ فرمائیے:

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اجلاس میں اس موضوع پر ماہر اطباء اور ارکان کی آراء پر غور اور مباحثہ کے بعد اکثریت کی رائے سے

درج ذیل فیصلہ کیا گیا:

اگر حمل ایک سو بیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل بچہ ناقص الخلقہ ہے، البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لیے یقیناً خطرناک ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لیے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقہ ہو یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہ گزرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہو رہی ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقہ ہے جو ناقابل علاج ہے، اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھروالوں کے لیے الم رساں رہے گا تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی سفارش کرتا ہے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۲۳۵)۔

مزید ملاحظہ ہو: (حلال و حرام، ص ۳۱۰، وجدید فقہی مباحث: ۱/۳۰۶-۳۱۱، ۳۷۰، و کذا فی مجلہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاضی: ۱/۳۷۰-۳۷۳، اعضاء کی بیوند کاری)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**ماں کے ضرر کی وجہ سے اسقاط کا حکم:**

**سوال:** ایک عورت سخت بیماری کی وجہ سے چار ماہ سے پہلے اسقاط کراتی ہے کیا مجبوری کی وجہ سے چار ماہ قبل اسقاط کی اجازت ہے یا نہیں؟ نہ کرنے کی صورت میں ماں کو جان کا شدید خطرہ ہے۔

**الجواب:** اعضاء کی تخلیق کے بعد اور جان پڑنے سے قبل بھی صحیح قول کے مطابق اسقاط جائز نہیں ہے، البتہ ماں کی جان جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہوگی۔ جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں مرجائے اور اس کے نکالنے کا راستہ نہ ہو اور نہ نکالنے کی صورت میں ماں کی جان

جانے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں ماں کی جان بچانے کی غرض سے بچہ کو کاٹ کاٹ کر نکال لینا جائز ہے۔

وفی السوائد : امرأة حامل اعترض الولد في بطنها ولا يمكن إلا بقطعه أرباعاً ولو لم يفعل ذلك يخاف على أمه من الموت فإن كان الولد ميتاً في البطن فلا بأس به وإن كان حياً لا يجوز لأن إحياء نفس بقتل نفس أخرى لم يرد في الشرع. (البحر الرائق: ۸/۲۳۳).

(وکنذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۵/۳۶۰، و المسحیط البرہانی: ۶/۱، الفصل الثالث والعشرون، وتحتفہ الملوک، ص: ۲۳۹، بیروت، و مجلہ فقہ اسلامی، مرتب قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاضی: ۱/۳۷۰-۳۷۳، اعشاء کی بیعت کاری)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

**تو امین میں سے ایک کے مرنے پر اسقاط کا حکم:**

**سوال:** پانچ ماہ کی حاملہ عورت کو اگر ڈاکٹر کہہ دے کہ آپ کے پیٹ میں دو بچے ہیں جن میں سے ایک مردہ ہے اگر اسقاط نہ کرایا تو دوسرا بھی مر جائے گا یا بوقت ولادت ماں کی زندگی خطرے میں رہے گی، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

اور حمل میں نفخ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنا بریں، چار ماہ بعد باتفاق علماء اسقاط جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ”یختار اھون البلیتین“ اور ”لو کان أحدھما أعظم ضرراً من الآخر فإن الأشد بزال بأخف“ ان جیسے مسلمہ اصول کے پیش نظر عورت کی جان بچانے کی غرض سے اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے، اس لیے عورت کی جان کا ضیاع ضرر عظیم ہے اور جنین کا وجود غیر متیقن، اس لیے ایک عورت کا وجود مشاہد ہے اور جنین کا وجود غیر مشاہد، عورت کا وجود متیقن ہے اور جنین کا وجود غیر متیقن، اس لیے ایک مشاہد اور متیقن وجود کو بچانے کے لیے ایک غیر مشاہد اور غیر متیقن وجود کو ضائع کیا جاسکتا ہے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۰)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنین کے سر میں پانی کی وجہ سے اسقاط کا حکم:

**سوال:** ایک عورت کے پیٹ میں حمل ہے اس پر چھ ماہ گزر چکے ڈاکٹر کہتا ہے کہ بچے کے سر میں پانی ہے اس کا اسقاط کرنا چاہئے، ماں کو کوئی تکلیف نہیں ہے، شرعاً اسقاط کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ نفع روح کے بعد جنین کا اسقاط بالاجماع حرام ہے، مزید براں ماں کو فی الحال کوئی تکلیف نہیں ہے، لہذا محض ڈاکٹر کے کہنے پر اسقاط جائز نہیں ہوگا۔  
ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وفي الذخيرة: لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفع فيه الروح لا يباح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفع مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث. (فتاوى الشامی: ۶/۳۷۴، سعید).  
جدید فقہی مباحث میں ہے:

اسقاطِ حمل کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے ہمیں اس کے دو مرحلوں پر غور کرنا چاہئے: ایک صورت یہ ہے حمل میں جان پیدا ہو چکی ہے، حدیث کے مطابق استقرارِ حمل کے چار ماہ یعنی ۱۲۰ دن بعد روح پیدا ہوتی ہے، غالباً علم الجنین کے جدید ماہرین بھی اس کی تائید کرتے ہیں، روح پیدا ہونے کے بعد اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے، احمد علیش مالکی فرماتے ہیں:

والتسبب في إسقاطه بعد نفع الروح فيه محرم إجماعاً وهو من قتل النفس. (فتح العنی المالك: ۱/۳۹۹).

اور فتاویٰ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ میں ہے:

إسقاط الحمل حرام بإجماع المسلمين وهو من الوأد الذي قال تعالى فيه: ﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾. (۳۱۷/۴). واللہ اعلم۔

بچہ کے معذور ہونے پر اسقاط کا حکم:

**سوال:** ایک عورت کے پیٹ میں چھ ماہ کا حمل ہے، مختلف ڈاکٹروں نے بتلایا کہ بچہ تقریباً معذور ہے اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے، پھرنے کے بالکل قابل نہیں ہوگا، اور بھی مختلف عوارض لاحق ہیں، اس کی ماں کو بھی خطرہ جان ہے، اس حالت میں اسقاط کی اجازت ہے یا نہیں؟

**الجواب:** اگر ڈاکٹروں کا اتفاق ہو کہ بچہ معذور ہوگا اور ماں کو جان کا خطرہ ہے تو اس صورت میں اسقاط کی گنجائش ہونی چاہئے۔ لیکن نفخ روح کے بعد اکثر حضرات نے اسقاط کی اجازت نہیں دی۔ جدید فقہی مباحث میں ہے:

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ حمل میں جان پڑ جانے کے بعد بالاتفاق جائز نہیں ہے۔

اور حمل میں نفخ روح کا مرحلہ ۱۲۰ دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے بنا بریں، چار ماہ بعد باتفاق علماء اسقاط جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت کی صحت بالکل خراب ہو جائے اور ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسقاط کے بغیر اس کی جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ”یختار اھون البلیتین“ اور ”لوکان اھدھما اعظم ضرراً من الآخر فیان الاشد یزال بأخف“ ان جیسے مسلمہ اصول کے پیش نظر عورت کی جان بچانے کی غرض سے اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۰)۔

مکہ مکرمہ کی اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اجلاس میں اس موضوع پر ماہر اطباء اور ارکان کی آراء پر غور اور مباحثہ کے بعد اکثریت کی رائے سے درج ذیل فیصلہ کیا گیا:

اگر حمل ایک سو بیس (۱۲۰) دنوں کا ہو تو اس کا اسقاط جائز نہیں، خواہ طبی تشخیص سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل بچہ ناقص الخلقت ہے، البتہ اگر ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ سے یہ ثابت ہو رہا ہو کہ حمل کا باقی رہنا ماں کی زندگی کے لیے یقیناً خطرناک ہے تو ایسی صورت میں بڑے نقصان کے ازالہ کے لیے بچہ کا اسقاط جائز ہے خواہ وہ ناقص الخلقت ہو یا نہ ہو۔

اگر حمل پر ایک سو بیس دن نہ گزرے ہوں اور ماہر قابل اعتماد اطباء کی کمیٹی کی رپورٹ اور تجرباتی وسائل اور آلات کے ذریعہ فی تحقیقات کی بنیاد پر یہ ثابت ہو کہ بچہ خطرناک طور پر ایسا ناقص الخلقت ہے جو ناقابل علاج ہے، اور اگر وہ باقی رہ کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لیے الم رساں رہے گا، تو ایسی صورت میں والدین کے مطالبہ پر اس کا اسقاط جائز ہے، اجلاس اس فیصلہ کے ساتھ ہی اطباء اور والدین سے اس معاملہ میں اللہ کا خوف اور احتیاط ملحوظ رکھنے کی سفارش کرتا ہے۔ (عمر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۲۳۵)۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۰۶-۳۱۱، و کتاب الفتاویٰ: ۶/۲۲۳-۲۲۴، ط: زمزم)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## حمل بالزنا کے اسقاط کا حکم:

**سوال:** ایک غیر شادی شدہ لڑکی نے غلطی سے کسی لڑکے سے زنا کیا اور حمل ٹھہر گیا، اور اس حمل پر پانچ ماہ گزر چکے، اب عار سے بچنے کے لیے حمل کا اسقاط کرانا چاہتی ہے کیا اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ مینو تو جروا۔

**الجواب:** فقہاء کے ہاں چار ماہ سے قبل حمل کا اسقاط مختلف فیہ ہے لیکن فقہ اکیڈمی کے اجلاس میں صحیح قول کے مطابق ناجائز کہا گیا ہے اور چار ماہ بعد تو بالا جماع حرام اور ناجائز ہے۔ اس میں ولد الزنا اور غیر ولد الزنا کا فرق نہیں ہے۔

ملاحظہ ہوشامی میں ہے:

وفی الذخيرة: لو أرادت إلقاء الماء بعد وصوله إلى الرحم قالوا: إن مضت مدة ينفع فيه الروح لا يساح لها وقبله اختلف المشايخ فيه والنفع مقدر بمائة وعشرين يوماً بالحديث. (فتاویٰ الشامی: ۶/۳۷۴، سعید)۔

جدید فقہی مباحث میں ہے:

اگر حمل بالزنا بالرضا کے نتیجہ میں ہو (تو مطلقاً) یا (اور زنا بالجبر ہو) اس حمل پر ۴ ماہ گزر چکے ہوں تو ان

حالتوں میں اسقاط کی اجازت نہیں۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۳، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## زنا بالجبر کی وجہ سے اسقاط کا حکم:

**سوال:** کیا زنا بالجبر کی وجہ سے اسقاطِ حمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** زنا بالجبر کی صورت میں بچہ کے اعضاء بننے اور روح پڑنے سے پہلے اسقاط کی اجازت ہے لیکن اعضاء بننے اور روح پڑنے کے بعد اجازت نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو جدید فقہی مباحث میں ہے:

اس سلسلہ میں اتنی بات واضح رہے کہ حمل اگرچہ زنا سے ہو وہ محترم ہے اور اس کا خود کوئی قصور نہیں ہے، اسی وجہ سے صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ حمل بائزنا کا اسقاط بھی جائز نہیں ہے۔

وهذا الحمل محترم لأنه لا جناية منه ولهذا لم يجز إسقاطه . (الهداية: ۲/۳۱۲، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، والبحر الرائق: ۳/۱۱۴، دار المعرفۃ، بیروت، وتبيين الحقائق: ۱۱۳/۲)۔  
لیکن چونکہ اس زمانہ میں زنا کی کثرت ہے اگر اسقاط کی اجازت نہیں دیتے ہیں تو بہت سی کنواری لڑکیاں ازدواجی زندگی کی دولت سے ہمیشہ کے لیے محروم رہیں گی، اسی وجہ سے محشی ہدایہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:

وأما في زماننا يجوز وإن استبان الخلق وعليه الفتوى . (حاشية هداية: ۲/۳۱۲)۔  
ہدایہ اور اس کے حاشیہ دونوں کی عبارت کی روشنی میں میری رائے یہ ہے کہ اگر زنا بالجبر کے نتیجہ میں حمل ٹھہرا ہو اور اس حمل پر چار ماہ نہ گزرے ہوں اور وہ عورت کنواری ہو تو اس صورت میں اسقاط کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ وہ بچاری ایک غیر ارادی فعل کی وجہ سے ازدواجی زندگی کی نعمت سے ہمیشہ کے لیے محروم نہ ہو اور اگر حمل زنا بالرضا کے نتیجہ میں ہو یا اس حمل پر چار ماہ گزر چکے ہوں تو ان حالتوں میں اسقاط کی اجازت نہیں۔ (جدید فقہی مباحث: ۱/۳۷۳، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## آنکھوں میں لیزر آپریشن کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کی آنکھوں کی بینائی انتہائی کمزور ہے، بینائی کو ٹھیک کرنے کے لیے لیزر آپریشن کرانا چاہتا ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** بینائی کا کمزور ہونا آنکھوں میں عیب ہے اور ازالہ عیب کے لیے آپریشن کرنا جائز ہے، لہذا آنکھوں میں لیزر آپریشن کرنا جائز اور درست ہوگا۔  
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصير: إن كان الغالب على من قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك .  
(الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۰) واللہ تعالیٰ اعلم۔

## عورت کا دودھ استعمال کرنے کا حکم:

**سوال:** علاج کے لیے عورت کا دودھ آنکھوں میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** عورت کا دودھ استعمال کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات منع کرتے ہیں اور بعض ضرورت کی وجہ سے اجازت دیتے ہیں۔ لیکن آج کل آنکھوں کے علاج کے لیے قسم قسم کی حلال دوائیاں بکثرت موجود ہیں، ان کو استعمال کیا جائے، بلکہ فی زمانہ اطباء عورت کے دودھ سے شفا کو تسلیم بھی نہیں کرتے ہوں گے، لہذا اس عمل سے بچنا چاہئے۔

قال فی الدر المختار: ولبن امرأة ولو في وعاء ولو أمة على الأظهر لأنه جزء آدمي والرق مختص بالحی ولا حياة فی اللبن فلا يحله الرق . في رد المحتار: قوله على الأظهر ... و أشار إلى أنه لا یضمن متلفه لكونه ليس بمال ، وإلى أنه لا يحل التداوی به فی العین



الرمضاء وفيه قولان ، قيل : بالمنع وقيل : بالجواز إذا علم فيه شفاء كما في الفتح هنا ، ...  
(الدرا المختار مع رد المحتار: ۷۱/۵، سعید).

وفي فتح القدير: ولا بيع لبن امرأة في قدح... والانتفاع به يحرم حتى منع بعضهم  
صبه في العين الرمضاء وبعضهم أجاز به إذا عرف أنه دواء عند البرء. (فتح القدير: ۶/۴۲۳).

وللاستزادة انظر: (البحر الرائق: ۶/۸۰، كوثته، والفتاوى الهندية: ۵/۳۵۵، ونفع المفتى والسائل، ص).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**کیڑے کے اجزاء بطور دوا استعمال کرنے کا حکم:**

**سوال:** حشرات الارض میں سے ایک قسم کا کیڑا جس کو گھونگا (سینل، snail) کہتے ہیں، اس کیڑے  
کے اجزاء بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا کھانا جائز اور درست نہیں ہے۔ البتہ بطور دوا ای ان  
کا خارجی استعمال درست ہے، لہذا ایسی کریم (cream) یا دوا (ointment) کا خارجی استعمال جس میں  
مذکورہ کیڑے کے اجزاء شامل کیے گئے ہوں جائز ہے۔  
ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الذي يعيش في البر فأنواع ثلاثة ماليس له دم أصلاً وما ليس له دم سائل وما له  
دم سائل مثل الجراد والزنبور والذباب والعنكبوت... ونحوها لا يحل أكله إلا الجراد  
خاصة لأنها من الخبائث لا يستبعاد الطباع السليمة إياها وقد قال الله تبارك وتعالى:  
﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾... وكذلك ماليس له دم سائل مثل الحية والوزغ وسام أبرص  
وجميع الحشرات وهوام الأرض من الفار والقراد والقنافذ والضب واليربوع وابن عرس  
ونحوها ولا خلاف في حرمة هذه الأشياء إلا في الضب فإنه حلال عند الشافعي. (بدائع  
الصنائع: ۳۶/۵، سعید).

(و کذا فی الفتاویٰ الہندیۃ: ۲۸۹/۵، والطحطاوی علی الدرالمختار: ۴/۱۵۵)۔

وفي رد المحتار: لم يذكر واحكم دودة القرمز... قلت: وفيه أنها من أعز الأموال اليوم، ويصدق عليها تعريف المال المتقوم ويحتاج إليها الناس كثيراً في الصباغ وغيره، فينبغي جواز بيعها... مع أن هذه الدودة إن لم يكن لها نفس سائلة تكون ميتتها طاهرة كالذباب والبعوض وإن لم يجز أكلها. (رد المحتار: ۵/۵، سعيد).

قال في الدرالمختار: فلو تفتت فيه نحو ضفدع جاز الوضوء به لا شربه لحرمه

لحمه. (الدرالمختار: ۱/۱۸۵، سعيد).

در مختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ خارجی استعمال درست ہے، ہاں داخلی استعمال درست نہیں ہے۔

فتاویٰ رحمیہ میں ہے:

کبھی اور چیونٹی میں دم سائل نہیں ہے اس لیے پاک ہے مگر کھانا حلال نہیں، خارجی استعمال درست ہے، داخلی استعمال درست نہیں۔ (فتاویٰ رحمیہ: ۲۵/۲)۔

بہشتی زیور میں ہے:

کیڑے مکوڑے اور خشکی کے جملہ وہ جانور جن میں دم سائل نہ ہو پاک ہیں، جیسے اکثر حشرات الارض... خارجاً ان کا استعمال ہر طرح درست ہے اور داخل سب حرام ہیں سوائے ٹڈی کے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص: ۷۷۸)۔

علاج و معالجہ کے شرعی احکام میں ہے:

... ایسے کیڑے مکوڑے سے دوا تیار کی جائے یا اس کو تیل میں جلا کر طلا بنایا جائے تو بنانا بھی جائز، اور اس سے تیار شدہ دوا، تیل وغیرہ کا خارجی استعمال بھی جائز اور اس قسم کے مرہم تیل کے لگے ہونے کی حالت میں نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں البتہ اس کا داخلی استعمال جائز نہیں ہوگا۔ (علاج و معالجہ کے شرعی احکام، ص: ۹۵، از مفتی انعام الحق صاحب قاضی)۔

استعمال خارجی و داخلی کی وضاحت:

جان لینا چاہئے کہ ان چیزوں کے استعمال کے طریقے دو ہیں اور دونوں کے حکم شرعی علیحدہ ہیں، ایک استعمال داخلی اور ایک خارجی، استعمال داخلی صرف حلق میں اور پیٹ میں پہنچ جانے کو کہتے ہیں یعنی استعمال داخلی کھانے پینے کا نام ہے اس کے سوا جتنے طریقے استعمال کے ہیں سب خارجی ہیں حتیٰ کہ استنشق یعنی ترچیز ناک میں سرکنا اور سعطو یعنی تر دوانا ناک میں ٹپکانا اور نفوخ یعنی ناک میں دوا پھونکنا اور سنون یعنی منجن ملنا اور شوم یعنی کوئی دوا تر یا خشک سوکھنا اور عطوس یعنی ناس لینا اور مضغ یعنی کچا پانا اور مضمضہ یعنی کلی کرنا یہ سب بھی استعمال خارجی ہیں، بشرطیکہ دوا حلق میں نہ پہنچے لیکن سوائے شوم کے سب میں خطرہ ہے کہ دوا حلق میں پہنچ جائے بلکہ اغلب ہے کہ پہنچ جاتی ہے لہذا فی حدیث نہ سہی عبرۃ لاکثر، یہ سب بھی استعمال داخلی کے حکم میں ہیں، احتیاط ضرور ہے کہ جس چیز کا استعمال داخلی درست نہیں وہ ان طریقوں سے استعمال نہ کی جاوے ورنہ اگر ذرا بھی حلق میں پہنچ گئی تو حرام چیز کھانے کا گناہ ہوگا، جیسے مردار اور کوئی احتیاط کر کے تو فتویٰ میں گنجائش ہے۔ (بہشتی زیور، نواں حصہ، ص: ۷۷، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی پٹی کا حکم:

**سوال:** ہمارے یہاں چیلی میں خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی ایک پٹی آتی ہے جس میں دوا وغیرہ ہوتی ہے، بہت زیادہ موثر اور زخم کو بہت تیزی سے بھرتی ہے اس کے علاوہ بھی دیگر معالجات ہیں مگر موثر نہیں اور زیادہ ہینگے بھی ہیں تو کیا خنزیر کی پٹی کو استعمال کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

**الجواب:** عام حالات میں حرام اور نجس اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، اس لیے خنزیر کے چمڑے سے بنی ہوئی پٹی کا استعمال بھی ناجائز ہوگا، ہاں اگر مسلمان دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کرے کہ بغیر اس کے شفا ممکن نہیں ہے اور کوئی حلال دوا اس مرض کے لیے کافی نہیں تو پھر بدرجہ مجبوری اس کے استعمال کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

اختلف فی التداوی بالمحرم وظاهر المذهب المنع كما فی رضاع البحر ولكن نقل

المصنف ثمة وهنا عن الحاوی، وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص في الخمر للعطشان وعليه الفتوى، قال الشامي: ففى النهاية عن الذخيرة يجوز إن علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۱۰، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

قال أبو حنيفة: ولا ينتفع من الخنزير بجلده ولا غيره إلا الشعر للما كفة وقال أبو يوسف: يكره الانتفاع أيضاً بالشعر وقول أبي حنيفة أظهر كذا فى المحيط، وإذا كان برجل جراحة يكره المعالجة بعظم الخنزير والإنسان لأنه يحرم الانتفاع به كذا فى الكبرى. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۴).

جدید فقہی مسائل میں ہے:

...سور، کتا، مردار، بچتے ہوئے خون والے حشرات الارض کو تیل میں پکا کر روغن بنایا جائے تو یہ ناپاک رہیں گے، اور ان کا استعمال درست نہ ہوگا، یہ احکام عام حالات میں ہیں، بالکل اضطراری اور مجبوری کی صورت مستثنیٰ ہے، اس وقت شریعت ضرورت کے مطابق ناجائز چیزوں کے استعمال کی بھی اجازت دے دیتی ہے۔

(جدید فقہی مسائل: ۱/۳۳۵)۔

الاشباه والنظائر میں ہے: الضرورات تبيح المحظورات. (الاشباه والنظائر: ۱/۱۱۸).

حلال اور حرام میں ہے:

دوسری ناپاک اشیاء کے مقابلے میں فقہاء نے خنزیر کے اجزاء استعمال کرنے میں زیادہ احتیاط کی راہ اختیار کی ہے، اس لیے کہ خنزیر نجس العین ہے بزازہ میں ہے: ويكره معالجة الجراحة بإنسان أو خنزير لأنهما محرم الانتفاع، میرا خیال ہے کہ خنزیر کے اجزاء کی ممانعت بھی اس وقت ہے جب کہ کوئی اور ذریعہ علاج موجود ہو، کیونکہ خنزیر اپنی حرمت اور نجاست عین کی وجہ سے مطلقاً ناقابل انتفاع ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ ہی ہیں کہ چمڑے وغیرہ کی سلائی کے لیے خنزیر کے بال کے استعمال کو جائز رکھتے ہیں، اور فقہاء امام صاحبؒ کی اس رائے کو دلیل و مصالح شرعی کے لحاظ سے اظہر قرار دیتے ہیں، پس صحت انسانی کی حفاظت اور نفس انسانی کی

صیانت کے لیے بدرجہ اولیٰ اجزائے خنزیر کے استعمال کی اجازت دینی ہوگی۔ (حلال و حرام ص ۱۷۷)۔

واللہ اعلم۔

**خنزیر سے بنی ہوئی دوا کے استعمال کا حکم:**

**سوال:** ایک عورت کے پانچ آپریشن ہوئے ہیں، وہ کھانا نہیں کھا سکتی ہے، کھانے سے بہت تکلیف ہوتی ہے، ایک خاص دوا کی ضرورت ہے جو خنزیر سے بنائی جاتی ہے، پوری زندگی یہ دوا کھانی ہوگی، تو کیا ایسی دوا کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

**الجواب:** عام حالات میں تو حرام اور نجس اشیاء سے علاج کرنا جائز نہیں، اس لیے ایسی دوا کھانے کی اجازت نہیں، لیکن اگر مسلمان، ویدہارا ماہر طبیب یہ تجویز کر دے کہ خنزیر سے تیار شدہ دوا استعمال کیے بغیر شفا ممکن نہیں اور کوئی حلال دوا اس مرض کے لیے موجود بھی نہیں ہے تو پھر بدرجہ مجبوری اس کی اجازت ہوگی۔  
ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی النہایۃ وفی التہذیب یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی إذا أخبرہ طبیب مسلم أن فیہ شفاۃ ولم یجدہ من المباح ما یقوم مقامہ وإن قال الطبیب یتعجل شفاؤک بہ فیہ وجہان... وما قیل: إن الاستشفاء بالحرام حرام غیر مجری علی إطلاقہ وإن الاستشفاء بالحرام إنما لا یجوز إذا لم یعلم أن فیہ شفاء أما إذا علم ولس له دواء غیرہ یجوز. (فتاویٰ الشامی: ۲۲۸/۵، سعید). واللہ اعلم۔

**انسان کا پیشاب بطور دوا استعمال کرنے کا حکم:**

**سوال:** محترم مفتی صاحب انسان کے پیشاب سے دوائی بنانے سے متعلق رہنمائی مطلوب ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بہت ساری دواؤں میں جانور اور انسان کا پیشاب استعمال کیا جاتا ہے۔

(۱) (H.C.G) حاملہ عورت کے علق سے ۱۲ ہفتے کی مدت میں پیشاب سے ہارمون (وہ مادہ جو خون

میں شامل ہوتا ہے) کو مٹین کے ذریعہ الگ کر دیا جاتا ہے یہ دوا ہم چائیا جرمی سے منگواتے ہیں۔

(۲) (H.M.G) عورت کے سن ایساں کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پیشاب سے ہارمون کے اجزاء الگ کر دیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کی دوا مرد و عورت دونوں کے لیے استعمال ہوتی ہیں، اور عورت کے بانج پن کو دور کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

(۳) (F.S.H) عورت کے سن ایساں کو پہنچ جانے کے بعد اس کے پیشاب سے ہارمون کے اجزاء نکال دیے جاتے ہیں۔

**الجواب:** انسان کا پیشاب نجس ہے اس کا استعمال عام حالات میں جائز اور درست نہیں، کیونکہ آج کل ہر قسم کی دوائیاں دستیاب ہیں جن سے کام چل جاتا ہے لہذا ایسی ناپاک چیزوں کے استعمال سے گریز کرنا چاہئے، ہاں اگر کوئی مسلمان، دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کر دے کہ اس مریض کی شفا کے لیے اس کے علاوہ کوئی اور دوا ممکن نہیں ہے تو ایسی اضطراری حالت میں ماکول اللحم حیوان کے پیشاب سے کام چلانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو ابو داؤد و شریف میں روایت ہے:

عن أبي الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أنزل الداء والدواء وجعل لكل داء دواء فتداووا، ولا تداووا بالحرام. (رواه ابو داؤد: ۱۸۵/۲، باب الادوية المکروهة).

قاموس الفقہ میں ہے:

انسان کا پیشاب ناپاک ہے یہ مسئلہ متفق علیہ ہے اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ان کا پیشاب بھی ناپاک ہے، احناف کے یہاں اسی لیے یہ دونوں نجاست غلیظہ کے زمرہ میں ہیں۔ (قاموس الفقہ: ۳۳۷/۲)۔

نظام التداویٰ میں ہے:

اس کشید کرنے کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اجزاء اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا ہو اور باقی جو اجزاء بچے وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں، اور پیشاب کچھ اجزاء نجس العین اور

نجس نجاستہ غلیظہ ہے، اس لیے باقی ماندہ اجزاء بھی نجس العین اور نجس نجاستہ غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی۔ (نظام الفتاویٰ: ۳۹۱/۱)۔

مفتی تقی صاحب حدیث العزمین کے تحت فرماتے ہیں:

امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے اگر کوئی طہیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تدویٰ بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے، تو اس صورت میں تدویٰ بالمحرم جائز ہوگا، حنفیہ کے مفتی یہ قول کے مطابق اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ ان کی شفا ابوال اہل میں منحصر ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوال اہل کے استعمال کا حکم فرمایا۔ (درس ترمذی: ۲۹۲/۱)۔

لہذا بوقت ضرورت شدیدہ ماکول اللحم جانور کے پیشاب پر اکتفا کرنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## انسان کا پیشاب بطور دوا پینے کا حکم:

**سوال:** قریبی زمانہ میں میڈیکل سائنس نے یہ منکشف کیا کہ آدمی کے لیے اپنا پیشاب پینا بہت مفید ہے اور اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے حتیٰ کہ دل کی بیماری اور کینسر کے لیے بھی شفا ہے۔ لہذا درج ذیل مسائل کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۱) کیا مسلمانوں کے لیے اپنی بیماریاں دور کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اپنا پیشاب پینا جائز ہوگا؟

(۲) بوقت ضرورت شدیدہ مہلک بیماری دور کرنے کے لیے پیشاب پینے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

(۳) جس طرح خون ایک دوسرے کے جسم میں منتقل کیا جاتا ہے اسی طرح پیشاب میں کرناجج

ہوگا یا نہیں؟

(۴) خون کی طرح پیشاب کو بھی محفوظ رکھنا اور پینک قائم کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۵) کیا اپنا پیشاب دوسرے کو بطور دوا استعمال کرنے کے لیے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بیوقوف جروا۔

**الجواب:** (۱) پیشاب نجس العین ہے عام حالات میں اس کو پینا اور اس کو استعمال کرنا کسی طرح جائز

اور درست نہیں ہے۔

(۲) ضرورت شدیدہ کے وقت بھی جب ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے ضرورت پوری ہوتی ہو تو انسان کے پیشاب کا استعمال جائز نہیں۔

باقی سائنس دانوں کا یہ کہنا کہ پیشاب ہر حالت میں مفید ہے یہ غلط بات ہے بعض ڈاکٹر تو مشمت زنی اور لواطت کو بھی ٹھیک کہتے ہیں تو کیا ان کی بات کو تسلیم کیا جائیگا؟ ہرگز نہیں۔

(۳) پیشاب کو خون کی طرح منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) پیشاب کو محفوظ کرنا بلا ضرورت ہے اس کی اجازت نہیں ہے۔

(۵) عند الضرورة ماکول اللحم جانور کے پیشاب سے کام چلایا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ شامی میں ہے:

قال فی النہایۃ وفی التہذیب یجوز للعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی إذا أخبرہ طبیب مسلم أن فیہ شفاۃ ولم یجدہ من المباح ما یقوم مقامہ وإن قال الطبیب یتعجل شفاؤک بہ فیہ وجہان... وما قیل: إن الاستشفاء بالحرام حرام غیر مجری علی إطلاقہ وأن الاستشفاء بالحرام إنما لا یجوز إذا لم یعلم أن فیہ شفاء أما إذا علم ولیس له دواء غیرہ یجوز. (فتاویٰ الشامی: ۵/۲۲۸، سعید). واللہ اعلم۔

معالجہ بالتقویم کا حکم:

سوال: علم جذبات کے جاننے والے ماہر نفسیات اور دماغی امراض کے معالج کی طرف سے یہ سوال ہے کہ کیا معالجہ بالتقویم (hypnosis) جائز ہے یا نہیں؟ اس معالجہ میں طبیب کچھ ایسا عمل کرتا ہے جس کی وجہ سے مریض ایک قسم کی غفلت میں پڑ جاتا ہے نہ وہ سو رہا ہوتا ہے نہ بیدار، پھر اس حالت میں اس کا علاج آسانی سے کرتا ہے۔



**الجواب:** جو لوگ عمل تنویم کراتے ہیں ان کو اس کی حقیقت بھی معلوم نہیں اور بظاہر وہ سحر اور شیاطین سے استمداد پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے، بیمار یوں کے لیے جائز معالجات بے شمار ہیں ان سے کام چلانا چاہئے۔

**تنویم کی حقیقت:**

المورد میں ہے: حالة شبيهة بالنوم . النوم المغنطيسي . المعالجة بالتنويم - تنویم کا مقصد آدمی کو آرام میں لے جانا ہے اس کی حقیقت نامعلوم ہے البتہ اس سے علاج کرنے میں آدمی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے۔ (اس میں سگریٹ، پرچوش جذبات، دائم المرض، دماغی حالات و توازن کو ٹھیک رکھنا اسی طرح بے خوابی اور بدولی وغیرہ کا علاج ہے)۔

معالجہ بالتنویم کا طریقہ: عام طور پر ایک منوم کچھ الفاظ بول کر، کبھی موسیقی کے ذریعہ، کبھی آنکھ میں آنکھ ڈال کر اشارات مخصوصہ سے، کبھی ہاتھ کو مخصوص انداز میں گھما پھرا کر آدمی کو آرام میں لے جایا جاتا ہے، بلکہ آدمی خود بھی سانس لے کر اور مختلف اعمال کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے۔ (نفس از انکشاف ص ۲۰۰۹)۔

التشریع الجنائی الاسلامی میں عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں:

التنويم المغناطيسي : هو حالة من حالات النوم الصناعي يقع فيها شخص بتأثير يصبح النائم تحت تأثير المنوم يفعل كل ما يأمره بفعله سواء وقت النوم أو بعد اليقظة ، وينفذ النائم عادة هذه الأوامر بشكل آلي فلا يشعر بما فعل تلبية للأمر الصادر إليه إذا أتى الفعل أثناء النوم ، ولا يستطيع مقاومة إيجاء الأمر إذا أتى الفعل بعد اليقظة ، ولم يعرف بعد بصفة قاطعة الكيفية التي يسيطر بها المنوم على النائم وإن كان البعض الأطباء يرى أن النائم يستطيع أن يقاوم الإيجاء الاجرامى .

وإذا طبقنا قواعد الشريعة على هذه الحالة وجب أن نلحقها بحالة النوم الطبيعي، ومن ثم يكون النائم مكرهاً ويرتفع عنه العقاب للإكراه إذا ارتكب جريمة من الجرائم التي

یرفع فیہا الإکراہ العقاب . والواقع أنه یصعب إلحاق التنويم المغناطیسی بالجنون ؛ لأن النوم الصناعی الذی یقع فیہ النائم لا یسلبه الإدراک وإنما یسلبه فقط الاختیار ... الخ . (التشریع الجنائی الاسلامی: ۱۴۸/۲، رقم: ۴۲۳، ط: دارالکتب العلمیة).

الموسوعة الجنائیة میں ہے:

التنويم المغناطیسی: حالة تتم عن طریق تأثیر شخص قوی علی شخص أضعف منه یكون فی حالة وسط بین النوم والیقظة ، يتم فیها طرد كل الأفكار من ذهن الشخص الآخر وإحلال الأفكار المطلوبة محلها ویكون له تأثیراً قوياً ، وهو منتشر فی هذا الزمان . (الموسوعة الجنائیة الاسلامیة المقارنة بالانظمة المعمول بها فی المملكة العربیة السعودیة ، لسعود بن عبدالعالی ، عضو هیئة التحقیق ، ص ۴۵۵).

فتاویٰ اللجنة الدائمة میں ہے:

التنويم المغناطیسی ضرب من ضروب الكهانة باستخدام جنی حتی یسلطه المنوم علی المنوم فیتكلم بلسانه ویكسبه قوة علی بعض الأعمال بالسیطرة علیه إن صدق مع المنوم وكان طوعاً له مقابل ما یتقرب به المنوم إلیه ویجعل ذلك الجنی المنوم طوع إرادة المنوم بما یطلبه من الأعمال أو الأخبار بمساعدة الجنی له إن صدق ذلك الجنی مع المنوم ، وعلى ذلك یكون استغلال التنويم المغناطیسی واتخاذہ طریقاً أو وسیلة للدلالة علی مكان سرقة أو ضالة أو علاج مریض أو القيام بأی عمل آخر بواسطة المنوم غیر جائز . (فتاویٰ اللجنة الدائمة ، ص ۳۴۸، جمع وترتیب: احمد بن عبدالرزاق الدویش). واللہ اعلم۔

## الکحول والے سینٹ اور ادویہ کے استعمال کا حکم:

سوال: جس سینٹ میں الکحول ہو اس کا استعمال جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے نماز سے پہلے استعمال کیا ہو تو نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز الکحول والی دواؤں کے استعمال کا کیا حکم ہوگا؟ بیوقوف ہو۔

**الجواب:** فی زمانہ اکثر عطور، پرفیوم وغیرہ میں جو الکحول استعمال ہوتا ہے وہ انگور اور کھجور کے علاوہ سے بنایا ہوا ہوتا ہے اور حضرات شیخینؒ کے قول کے مطابق یہ ناپاک اور حرام نہیں ہے اس وجہ سے اس کی اجازت ہے اور نماز بھی فاسد نہیں ہوگی، البتہ ان چیزوں کے استعمال کرنے سے بچنا اولیٰ ہے۔ نیز الکحول والی دواؤں کا استعمال بھی جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مکملہ فتح الملہم میں ہے:

وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Alcohols) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا مسيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفةؒ، ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار، لأنها إنما تستعمل مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفةؒ.

وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر، إنما تتخذ من الحبوب أو القشور أو البترول وغيره، كما ذكرنا في باب بيع الخمر من كتاب البيوع، وحينئذٍ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفةؒ عند عموم البلوى، والله سبحانه أعلم. (تكملة فتح الملہم: ۶۰۸/۳ ط: مکتبۃ دارالعلوم کراچی).

علامہ محمد بن نجیب الطیسی مفتی الدیار المصریہ (۱۲۷۱-۱۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

وما كان مستحضراً من الثمار والحبوب والأخشاب فهو طاهر، وهذا الصنف هو الرائج والغالب استعماله في المتجر على ما بلغنا ممن بحثوا عنه.

بقی مالو اضافوا السبیرتو علی الادویہ، وعلی الروائح العطریۃ کالکلونیا، لإصلاحها فهل یعفی عنه؟ فنقول: أما السبیرتو المأخوذ من الأشياء الطاهرة كالحبوب والأخشاب، فالأدوية والروائح العطرية المخلوطة به طاهرة. (الفتاویٰ للامام العلامة محمد بن

بحیث المطہی مفتی الدیار المصریۃ، ص ۹، ط: دارالصدیق للعلوم).

کتاب الفتاویٰ میں ہے:

جس سینٹ میں الکحول استعمال نہ ہوا ہواس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں، جس سینٹ میں الکحول استعمال ہوا ہواس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر انگور اور کھجور سے الکحول حاصل کیا گیا ہو تو وہ شراب کے حکم میں ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے اس کا لگانا جائز نہیں ہے... اور اگر ان دونوں کے علاوہ کسی اور شے سے الکحول حاصل کیا گیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ ناپاک نہیں اس کا استعمال درست ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۸۱/۶)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحول کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی لہذا شیخینؒ کے قول کے مطابق پاک ہے... آج کل ضرورت تدای و عموم بلوئی کی رعایت کے پیش نظر شیخینؒ کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصول فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخینؒ کو ترجیح ہوتی ہے الا عارض۔ (احسن الفتاویٰ: ۹۵/۳)۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ فرماتے ہیں:

...یہ فتویٰ ہے اور فتویٰ الگ بات ہوگی۔ (منتخب نظام الفتاویٰ، ص ۳۶۱)۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

اسپرٹ اگر عنب (انگور) و زبیب (منقہ) و رطب (تر کھجور) و تمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے لہذا خلاف ورنہ گنجائش نہیں لہذا اتفاق۔ (بہشتی زیور، نواس حصہ ۲، اولاد الفتاویٰ: ۲۰۹/۳)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

دریائی جانور کی چربی استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک مریض کو ایک ڈاکٹر نے ایک دریائی جانور کی چربی کھانے کے لیے کہا ہے اس کا استعمال

جائز ہے یا نہیں؟

**الجواب:** مذہب احناف میں سوائے مچھلی کے تمام دریائی جانور حرام ہے، عام حالات میں ان کا کھانا ناجائز ہے البتہ کوئی مسلمان دیندار ماہر طبیب یہ تجویز کر دے کہ اس مریض کا علاج اسی میں ہے اس کے علاوہ حلال اشیاء میں نہیں تو پھر اس کی اجازت ہوگی۔

ملاحظہ ہو علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوى إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاؤه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه . (فتاوى الشامى: ۵/۲۲۸، سعيد). (وكذا فى الفتاوى الهندية: ۵/۳۵۵).

وقد روى عبدالرزاق فى مصنفه (۹/۲۵۶/۱۷۱۲۴، باب الرخصة فى الضرورة) عن ابن جريج قال: سمعت عطاء يسأله إنسان نعت له أن يشترط على كبده (أى: يستخرج دماً من جسده فوق موضع الكبد بمشروط أو غيره) فيشرب ذلك الدم من وجع كان به، فرخص له فيه. قلت: أى ابن جريج له: حرمه الله تعالى، قال: ضرورة، قلت له: إنه لو يعلم أن فى ذلك شفاء، ولكن لا يعلم.

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر حاذق دیندار مسلم طبیب یا ڈاکٹر تجویز کر دے کہ بغیر سور کے گوشت کے شفاء ممکن نہیں ہے اور کوئی دوسری حلال چیز اس کے قائم مقام نہیں ہے تو اس کا استعمال درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۶۱، جامعہ فاروقیہ)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

**طبی تجربہ کے لیے انسانی جسم کی تشریح کا حکم:**

**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ: طبی تجربہ کے لیے جسم انسانی کو قطع برید کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینو اتو جروا۔

**الجواب:** اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں تکریم انسان اور احترام آدمیت کا

لحاظ کرتے ہوئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كسر عظم الميت ككسره حياً.

(رواہ ابو داود برقم: ۳۳۰۷، وابن ماجہ برقم: ۱۶۱۶، وغیرہما)۔

قال الطيبي: فيه إشارة إلى أنه لا يهان الميت كما لا يهان الحي وقال ابن الملك وإلى أن الميت يتألم، وقال ابن حجر: من لوازمه أنه يستلذ بما يستلذ به الحي. قال في الدرجات: روي في جزء بحديث ابن منيع عن جابر رضي الله عنه قال: خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى إذا جئنا القبر إذا هو لم يفرغ، فجلس النبي صلى الله عليه وسلم على شفير القبر، وجلسنا معه، فأخرج الحفار عظماً ساقاً أو عضداً، فذهب ليكسرها، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تكسرها، فإن كسرك إياه ميتاً ككسرك إياه حياً، ولكن دسه بجانب القبر" فاستفدنا منه سبب الحديث، انتهى. (بذل المجهد: ۱۰/۹۷، ط: دار البشائر

الاسلامية). وينظر: (شرح الطيبي: ۳/۳۸۷، مرقاة المفاتيح: ۴/۱۹۵)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

شریعت نے مردہ انسانوں کا احترام اسی طرح ضروری قرار دیا ہے جس طرح زندہ کا، پس محض طبی تجربات کے لیے مردوں کا چیرنا پھاڑنا جائز نہیں،... الخ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۴۰)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۴۰-۳۴۵، جامعہ فاروقیہ، دہشتی زیور، نوال حصہ، ص ۱۰۳،

ط: دارالاشاعت)۔

لیکن بعض دوسرے حضرات نے اس کی اجازت دی ہے۔

نظام الفتاویٰ میں ص ۴۵۶-۴۵۸ پر تفصیلی درج ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

میڈیکل کالج میں تعلیمی ضرورت کے لیے نعش پر عمل جراحی کرنا شرعاً جائز ہوگا اس لیے کہ آئین اسلام کا ضابطہ یہ ہے کہ دو ضرروں میں سے ایک ضرر اگر دوسرے ضرر سے اعظم ہو تو اشد ضرر کا اخف ضرر کے ذریعہ سے ازالہ کیا جائیگا جس کی ایک مثال مردہ عورت کے پیٹ کا بچہ نکالنے کے لیے چیرا جانا ہے...

میڈیکل کالج میں چند مردوں کی نعش پر عمل جراحی کے باعث چونکہ سینکڑوں زندہ مریضوں کی جان بچتی ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایک بچہ کی جان بچانے کے لیے ایک نعش پر عمل جراحی بلا اختلاف جائز ہو اور سینکڑوں جان بچانے کے لیے چند نعشوں پر عمل جراحی جائز نہ ہو... لہذا ”الاشبہاء“ کی تصریح کی بنا پر آئین اسلام کی رو سے اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ میڈیکل کالج میں نعش پر عمل جراحی کیا جاتا ہے وہ شرعاً حد جواز کے اندر ہے۔

اس تفصیلی فتوے پر دارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی حضرت سید مہدی حسنؒ فرماتے ہیں:

علم جراحی مسلمانوں کے لیے حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے، اور ادھر یہ قاعدہ بھی ہے، ”الضرر يزال“، اور ”الضرورات تبیح المحظورات“، پس ضرورت اور مجبوریوں کی وجہ سے یہ عمل جراحی جائز ہے، چنانچہ عجیب، لیبب نے توضیح کی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مفتی نظام الدینؒ لکھتے ہیں: الجواب صحیح والمجیب نجیح، خط کشیدہ عبارت تو بہت ہی مضبوط و لیل ہے اور آیت کریمہ: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا اُولٰٓئِیْہِ الْاَلْبَاب، اور آیت قتال کے اشارے بھی اسی طرف ہیں۔ (منتخب نظام الفتاویٰ ص ۳۵۷، ۳۵۸)۔

یاد رہے کہ احسن الفتاویٰ (۳۴۱/۸) میں نظام الفتاویٰ کے تفصیلی فتوے کی تردید فرمائی ہے۔ من شاء فلیراجع ثم۔

فتویٰ ہیئۃ کبار العلماء :

صدر قرار من مجلس ہیئۃ کبار العلماء فی حکم التشریح... وظهر أن الموضوع ینقسم إلی ثلاثة أقسام :

الأول : التشریح لغرض التحقّق من دعوی جنائیة .

الثانی: التشریح لغرض التحقّق من أمراض وبائیة لتتخذ علی ضوئہ الاحتیاطات الکفیلة بالوقایة منها .

الثالث: التشریح للغرض العلمی تعلماً وتعلیماً .

وبعد تداول الرأي والمناقشة ودراسة البحث المقدم من اللجنة المشار إليه أعلاه  
قرر المجلس ما يلي :

... وأما بالنسبة للقسم الثالث وهو التشريع للغرض التعليمي: فنظراً إلى أن الشريعة الإسلامية قد جاءت بتحصيل المصالح وتكثيرها وبإدراء المفاسد وتقليلها وبارتكاب أدنى الضررين لتفويت أشدهما، وأنه إذا تعارضت المصالح أخذ بأرجحها وحيث إن تشريع غير الإنسان من الحيوانات لا يغني عن تشريع الإنسان، وحيث إن في التشريع مصالح كثيرة ظهرت في التقدم العلمي في مجالات الطب المختلفة، فإن المجلس يرى جواز تشريع جثة الآدمي في الجملة إلا أنه نظراً إلى عناية الشريعة الإسلامية بكرامة المسلم ميتاً كعنايتها بكرامته حياً، وذلك لما روى أحمد وأبو داود وابن ماجه عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "كسر عظم الميت ككسره حياً" ونظراً إلى أن التشريع فيه امتحان لكرامته، وحيث إن الضرورة إلى ذلك منتفية بتيسير الحصول على جثث أموات غير معصومة، فإن المجلس يرى الاكتفاء بتشريع مثل هذه الجثث وعدم التعرض لجثث أموات معصومين والحال ما ذكر. (فتاوى اللجنة الدائمة: ٥/٢٧١).

اسلامک فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

المجمع الفقہی نے محسوس کیا کہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم ایسی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر پوسٹ مارٹم کی مصلحت انسانی لاش کی بے حرمتی کے مفیدہ پر فوقیت رکھتی ہے۔

چنانچہ مجمع الفقہی طے کرتی ہے کہ: مندرجہ ذیل مقاصد کے تحت لاشوں کا پوسٹ مارٹم جائز ہے:

(ج) طب کی تعلیم و تدريس مقصود ہو جیسا کہ میڈیکل کالجز میں رائج ہے۔

بغرض تعلیم پوسٹ مارٹم میں درج ذیل شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(الف) لاش اگر کسی معلوم شخص کی ہو تو موت سے قبل حاصل کی گئی خود اس کی اجازت یا موت کے بعد

دارشین کی اجازت ضروری ہے، معصوم الدم لاش کا پوسٹ مارٹم بغیر ضرورت نہیں ہونا چاہئے۔



(ب) پوسٹ مارٹم بقدر ضرورت ہی کیا جائے تاکہ لاشوں کے ساتھ کھلاؤ کی صورت نہ پیدا ہو۔

(ج) خواتین لاشوں کا پوسٹ مارٹم خواتین ڈاکٹروں کے ذریعہ ہی کرنا ضروری ہے۔

تمام حالات میں پوسٹ مارٹم شدہ لاش کی تدفین واجب ہے۔ (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۸۳)۔  
مولانا بدر الحسن القاسمی صاحب تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ان تمام مسائل میں اگر غور کیا جائے تو قدر مشترک یہی بات نکلتی ہے کہ عمومی مصالح کی خاطر انفرادی نقصان کو انگیز کیا جاسکتا ہے۔ ان ہی نظائر کو سامنے رکھ کر موجودہ زمانہ کے فقہاء وارباب افتاء کا عام رجحان یہی ہے کہ پوسٹ مارٹم میں جو فوائد ہیں ان کے پیش نظر لاش کی قطع و برید سے ہونے والی اہانت گوارا کی جائے گی خاص طور پر جبکہ پوسٹ مارٹم کا مقصد لاش کی اہانت ہرگز نہیں ہوا کرتی، لیکن اس میں بھی احتیاط ضروری ہے کہ تعلیم کے مقصد سے پوسٹ مارٹم کے لیے ان لاشوں کا استعمال کیا جائے جو لاوارث اور غیر معصوم ہوں، مسلمان کی لاش کو انتہائی مجبور کن حالات کے علاوہ ہاتھ نہ لگایا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (عصر حاضر کے فقہی مسائل، ص ۸۳)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (نظام الفتاویٰ، ص ۲۵۶-۲۵۸، عصر حاضر کے فقہی مسائل، ص ۷۶-۸۳، ط:

حیدرآباد، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۸۳-۱۸۴، ط: ادارۃ القرآن)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## بلا ضرورت شدیدہ آپریشن کا حکم:

**سوال:** کیا بغیر ضرورت کے آپریشن کے ذریعہ بچہ کا ٹکانا صحیح ہے جب کہ عام طریقہ ولادت ممکن ہے؟

**الجواب:** شریعت مطہرہ میں انسان کا جسم محترم ہے چاہے زندہ ہو یا مردہ، لہذا بلا عذر شرعی اس کی قطع و برید درست نہیں ہے، فقہاء نے مخصوص اعذار میں شق البطن کی اجازت دی ہے عام حالات میں اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے ہاں اگر اطباء کے کہنے کے مطابق تاخیر ولادت کی وجہ سے ماں کو کوئی ضرر لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر درست ہے۔ لیکن بعض مرتبہ عورتیں فقط دردِ زہ سے خوف کی وجہ سے آپریشن پر آمادہ ہو جاتی ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

فی فتاویٰ أبی الیث فی امرأة حامل ماتت وعلم أن ما فی بطنها حی فإنه یشق بطنها من الشق الأیسر وكذلك إذا کان أكبر وأیهم أنه حی یشق بطنها کذا فی المحيط ... لا بأس بقطع البدن من الأكلة وشق البطن لما فیہ کذا فی الملتقط. (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۶۰/۵).  
(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۳۸، سعید، البحر الرائق: ۸/۲۳۳، ط: بیروت، مبدائع الصنائع: ۵/۱۳۰، سعید).  
جدید فقہی مسائل میں ہے:

انسان کا جسم اسلام میں ایک قابل احترام چیز ہے اور اس میں بے مقصد کاٹ چھانٹ گناہ ہے لیکن اگر خود انسانی کی حفاظت اور علاج کے لیے اس کی ضرورت پڑ جائے تو اجازت ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۲۷)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

## کینسر کی دوا کھانے کا حکم:

سوال: اگر کوئی عورت کینسر کے مرض میں ایسی دوا کھائے جس سے بال گرتے ہوں تو ایسی دوا کا کھانا درست ہوگا یا نہیں؟ بینو اتوجروا۔

الجواب: فقہاء نے علاج و معالجہ کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے بالوں کے حلق کی اجازت دی ہے، بنا بریں اگر کینسر کی دوا کھانے سے بال گرتے ہوں تب بھی دوا کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وإذا حُلقت المرأة شعر رأسها فإن كان لوجع أصابها فلا بأس به . (البحر الرائق: ۸/۲۰۵، کوئٹہ). (و کذا فی الفتاویٰ الہندیہ: ۵/۳۵۸، و خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۷۷). واللہ تعالیٰ اعلم۔

## غیر مسلم کو مانع حمل ٹیکا لگانے کا حکم:

سوال: کیا مسلمان ڈاکٹر کسی غیر مسلم عورت کو مانع حمل انجکشن لگا سکتا ہے یا نہیں؟

**الجواب:** غیر مسلم عورت کو مانع حمل انجکشن لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: زید ایک طبیب ہے، زید سے غیر مسلم عدم استقرار حمل کے لیے دوائیں طلب کرنے آتے ہیں، تو زید ان کو ایسی دوا دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً: درست ہے، وهو ظاهر لا يخفى - فقط واللہ اعلم - (فتاویٰ محمودیہ: ۱۸/۳۱۹، ط: جامعہ فاروقیہ) - واللہ تعالیٰ اعلم۔

**خون کے عطیہ کا حکم:**

سوال: اس ملک میں (south african national blood service) نامی ایک تنظیم ہے، جو بیماروں کے علاج کی خاطر صحیح المزاج اشخاص سے خون کے عطیہ کا مطالبہ کرتی ہے، خون نکالنے کے بعد اس کو بوتلوں میں محفوظ رکھا جاتا ہے اور حسب ضرورت مریض کی رگوں میں داخل کیا جاتا ہے، یہ علاج بہت ہی کامیاب ہے اور آج کل اس کی بہت ہی ضرورت ہے، اس لیے اس تنظیم نے درخواست کی ہے کہ خون کے عطیہ کے بارے میں شریعت کی رہنمائی حاصل کی جائے، چنانچہ شرعاً ایسے خون کے عطیہ کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

**الجواب:** بوقت حاجت و ضرورت انسانی خون سے علاج کرنا جائز اور درست ہے، اس سے لازماً یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ بوقت ضرورت خون دینے کی بھی اجازت ہوگی، لیکن چونکہ ہسپتال میں خون کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے اس وجہ سے خون کا عطیہ دینا درست ہے۔

فتاویٰ الشامی میں ہے:

قال في النهاية وفي التهذيب يجوز للعليل شرب البول والدم والميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاؤه ولم يجد من المباح ما يقوم مقامه وإن قال الطبيب: يتعجل شفاؤك به فيه وجهان. (فتاویٰ الشامی: ۲۲۸، ۵، سعید). (و كذا في الفتاوى الهندية: ۳۵۰/۵).

کفایت المفتی میں ہے:

کسی انسان کا خون علاج کی غرض سے دوسرے انسان کے جسم میں داخل کرنا جب کہ اس کی شفا یا بی اس پر بقول طبیب حاذق مسلم ہوگئی ہو مباح ہے... لم یسح الإرضاع بعد مدته لأنه جزء آدمی والانتفاع به لغير ضرورة حرام. (الدرالمختار)... در مختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ انسان کے اجزا سے بغیر ضرورت کے انتفاع حرام ہے یعنی اگر ضرورت ہو تو مباح ہو سکتا ہے... وهذا لأن الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحل الخمر والميتة لعطشان والجائع، رد المحتار۔ (کفایت المفتی: ۱۵۴/۹، دارالاشاعت)۔  
حسن الفتاویٰ میں ہے:

بوقت ضرورت شدیدہ جان بچانے کے لیے عمل نقل دم جائز ہے، مگر خون کی خرید و فروخت جائز نہیں، اگر خون مفت نہ مل سکے اور سخت مجبوری ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے، بیچنے والا گنہگار ہوگا۔ (حسن الفتاویٰ: ۲۷۳/۸)۔  
مزید ملاحظہ ہو: (جواہر اللفقہ: ۴۳/۷، ۵۰، معارف القرآن: ۴۲۰/۱، وفتاویٰ رحمیہ: ۲۶۲/۶، و آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۷۵/۹)۔

جدید فقہی مسائل میں ہے:

آج کل جگہ جگہ خون کے بینک قائم ہیں، جہاں باضابطہ خون کی خرید و فروخت کی جاتی ہے، علماء نے ضرورت علاج کے لیے خون چڑھانے کی اجازت دی ہے لیکن فروخت کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔  
بلڈ بینک اس وقت ایک ضرورت ہے، صورت حال یہ ہے کہ انسان کبھی بھی مہلک بیماری میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اسے خون کی ضرورت پڑ سکتی ہے، پھر ہر آدمی کا خون ہر آدمی کے جسم کے لیے موزون نہیں ہوتا، بلکہ ضروری ہے کہ اجزاء کے لحاظ سے خون کا گروپ یکساں ہو، اس کے بغیر جسم دوسرے خون کو قبول نہیں کرتا، بلڈ بینک پہلے سے مختلف نوعیت کے خون علیحدہ علیحدہ رکھتا ہے جن سے بہولت مریض کے مناسب حال خون لیا جاسکتا ہے، ہر مریض کے لیے بروقت رضا کارانہ خون دینے والے مہیا ہو جائیں اولاً یہی مشکل ہے اور اس سے زیادہ دشوار یہ ہے ان کا خون مریض کے لیے موافق بھی ہو جائے، اس لیے ایسے بینک ایک طبی ضرورت بن گئے ہیں اور ”الضرورات تبیح المحظورات“ کے تحت اس کی اجازت دی جانی چاہئے۔ (جدید فقہی مسائل)

۱/۳۳۵، ط: نعیمیہ دیوبند)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## مادہ منویہ کو محفوظ کرنے کا حکم:

**سوال:** ایک شخص کینسر کے مرض میں مبتلا ہے، اس کے لیے radiation والا علاج تجویز کیا گیا ہے، اطباء کا کہنا ہے کہ اس علاج کی وجہ سے اس کے مادہ منویہ پر اثر پڑے گا، اور وہ بانجھ ہو جائے گا، بنائیں ڈاکٹر کا مشورہ ہے کہ علاج سے پہلے صحیح مادہ منویہ کو فنی بینک (sperm bank) میں محفوظ کر لیا جائے تاکہ مستقبل میں کام آئے۔ کیا ایسا عمل جائز ہے یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

**الجواب:** بصورتِ مسئلہ ضرورت کی خاطر مرد کا مادہ منویہ محفوظ کر کے مستقبل میں اس کی بیوی کے رحم میں ڈالنا جب کہ کسی اور کے مادہ کے ساتھ اختلاط نہ پایا جائے اگرچہ خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے برا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔ ان علماء کی تحریرات کا خلاصہ حسبِ ذیل درج ہے:

بطورِ تمہید عرض ہے کہ صاحبِ اولاد ہونے کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے جو کہ غیر معمولی ہوتا ہے، بالخصوص عورتوں کے معاملہ میں، ولادت سے محرومی عورت کو مختلف نسوانی، دماغی، قلبی اور جسمانی امراض کا شکار بنادیتی ہے بسا اوقات یہ چیزیں زوجین کے درمیان سخت اختلاف اور کشیدگی کا باعث بنتی ہیں، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ عفت و عصمت پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے، اس لیے یہ بات بعض خواتین کے لیے حاجت کا درجہ اختیار کر گئی ہے، اور صورتِ مسئلہ میں کینسر کی وجہ سے مقدار طریقتے پر اس کا حصول ممکن نہیں ہے، بایں وجہ مذکورہ طریقے پر اولاد حاصل کرنا درست ہونا چاہئے۔ لیکن بعض حضرات نے ناجائز فرمایا ہے ان کے دلائل مع جوابات درجِ ذیل ملاحظہ فرمائیے:

جن فقہاء نے اس کو نادرست قرار دیا ہے ان کے سامنے تین باتیں ہیں:

(۱) مرد کو حلق کے ذریعہ مادہ نکالنا ہوگا اور حلق کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) مرد و عورت یا کم از کم عورت کی بے ستری ہوگی، اور شدید مجبوری کے بغیر بے ستری اطباء کے سامنے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

(۳) یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، اور شریعت کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ خلاف فطرت امور سے منع کرتی ہے۔

ان اشکالات کے جوابات حسب ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مادہ منویہ جلق یا عزل کے ذریعہ نکالا جائے گا اور جلق ممنوع ہے:

عام حالات میں فقہاء نے جلق کرنے سے منع کیا ہے، لیکن جہاں ضرورت دامن گیر ہو وہاں اس کی اجازت دی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں شیخ طاہر بن عبدالرشید البخاری لکھتے ہیں:

”إذا عالج ذكره حتى أُنسى... ولا يحل هذا الفعل خارج رمضان إن قصد قضاء

الشهوة وإن قصد تسكين شهوة أرجو أن لا يكون عليه وبال“ (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۶۰، الفصل الثالث فيما يفسد الصوم، المكتبة الرشيدية).

جلق کی ممانعت کی اصل حکمت:

جلق میں مادہ حیات کو ضائع کر دیا جاتا ہے، لیکن جلق کا عمل مصنوعی تولید کے لیے کیا جائے تو اس میں جوہر حیات کو کارگر و شرم آور بنانا ہے، اس لیے یہ صورت جلق کی ممنوع صورتوں میں داخل نہیں۔

(۲) شدید مجبوری کے بغیر اس میں بے پردگی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء نے بعض

ایسی صورتوں میں بھی بے ستری کو گوارا کیا ہے جو خود تو کوئی شدید مرض نہیں، لیکن امکانی طور پر شدید امراض کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ اولاد سے محرومی بعض شدید امراض کا سبب بن جاتی ہے، ملاحظہ ہو علامہ سرحدیؒ فرماتے ہیں:

”وقد روى عن أبي يوسف أنه إذا كان به هزال فاحش وقيل له إن الحقنة تزيل ما

بك من الهزال فلا بأس بأن يبدئ ذلك الموضع للمحتقن وهذا صحيح فإن الهزال

الفاحش نوع مرض تكون آخره الدق والسل“. (المبسوط للإمام المرحوم: ۱۰/۱۵۶، کتاب الاستحسان، النظر إلى العورة)۔

ضرورت تو کجا بعض مرتبہ سنت یا مباح کی ادائیگی کے لیے بھی بے ستری جو کہ حرام ہے شریعت نے اجازت مرحمت فرمائی ہے، جیسے مرد کی ختنہ سنت ہے، اور عورت کی مباح ہے پھر بھی فقہاء نے ضرورت اور عذر کے دائرہ میں شمار فرما کر بے ستری کی اجازت دی ہے۔  
ملاحظہ ہو علامہ علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں:

”ولایباح النظر والمس إلى ما بین السرة والركبة إلا في حالة الضرورة بأن كانت المرأة ختانة تختن النساء“۔ (تحفة الفقهاء: ۳/۳۳۴، کتاب الاستحسان)۔  
نیز موثلاً پانہ حاجت ہے نہ ضرورت، لیکن فقہاء نے یہاں بھی حقنہ لگانے کی اجازت دی ہے۔  
ملاحظہ ہو خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”لا بأس بالحقنة لأجل السمن هكذا روي عن أبي يوسف“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/۳۶۳، کتاب الکراهیۃ، الفصل الخامس فی الاكل، ط: المكتبة الرشیدیۃ)۔

یہ طریقہ لا ولد کے لیے دراصل ایک ذریعہ علاج ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ فقہاء نے انسانی مسائل کو تین خانوں - ضرورت، حاجت، اور تحسین - میں تقسیم کیا ہے، اور ممنوعات کو صرف اس وقت جائز رکھا ہے جب کہ ضرورت یا حاجت اس کی اجازت کا تقاضہ کرے، لیکن فقہی جزئیات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علاج و معالجہ کے باب میں فقہاء نے ایک گونہ زیادہ وسعت سے کام لیا ہے، اس لیے اولاد سے محروم شوہر و بیوی کے لیے اولاد کا حصول ایک فطری جذبہ اور طبعی داعیہ ہے جس کے لیے شوہر کا مرد طبیب اور عورت کی عورت طبیبہ کے سامنے بے ستری گوارا کی جاسکتی ہے۔

(۳) خلاف فطرت طریقہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فطری ضرورت اور تقاضہ کی تکمیل (اولاد کا حصول) کے لیے ایسی غیر فطری صورت اختیار کرنا جس کی ممانعت پر نض و اردنہ ہو جائز ہوگا، مثلاً بچہ کی ولادت کی اصل راہ عورت کی شرمگاہ ہے، لیکن ضرورت ہو تو آپریشن کی اجازت ہے، اس لیے یہاں بھی مجبوری کے درجہ میں

اس غیر فطری عمل کی اجازت ہونی چاہئے۔

### ثبوت نسب کا حکم:

ثبوت نسب کے لیے شوہر کے نطفہ سے بیوی کا حاملہ ہو جانا کافی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جسمانی طور پر اس کے ساتھ مباشرت کرے، لہذا بغیر وطی کے بھی استقرار حمل سے بچہ کا نسب میاں بیوی سے ثابت ہو جائے گا۔ جس کی نظیر حسب ذیل درج ہے:

”رجل وطئ جارية في مادون الفرج فأنزل فأخذت الجارية ماءه في شيء فاستدخلته في فرجها فعلق، عند أبي حنيفة أن الولد ولده وتصير الجارية أم ولده كذا في فتاوى قاضیخان“۔ (الفتاویٰ الہندیہ: ۴، ۱۱۴، الباب الرابع عشر فی دعوی النسب)۔

خلاصہ یہ ہے کہ مرد کا مادہ منویہ کو محفوظ کرنا مذکورہ بالا ضرورت کے تحت جائز اور درست ہے بشرطیکہ کسی اور کے مادہ کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور یہ سہولت آج کل منی بینک میں موجود ہے کہ ہر ایک کے لیے الگ جگہ ہوتی ہے۔ (مفہوم از جدید فقہی مسائل ۱۵۱/۵، ۱۶۳، ٹیوب سے تولید اور اس سے متعلق احکام)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل ۵۴۷/۲، ۵۴۸۔ جدید مسائل کا شرعی حل: ۲۰۹، ۲۱۳، عصر حاضر کے فقہی مسائل، ص ۵۹، ۶۲، از مولانا نادر الحسن قاسمی، ط: حیدرآباد، عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۶۵، ۱۶۶، ط: ادارۃ القرآن)۔  
واللہ تعالیٰ اعلم۔

### مرد کے لیے عورتوں کا علاج کرنے کا حکم:

سوال: مسلمان عورت مرد ڈاکٹر سے علاج کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح مسلمہ طبیبہ مردوں کا علاج کرا سکتی ہے یا نہیں؟ بیوقوف تو جروا۔

الجواب: مرد و زن کے مسائل علیحدہ علیحدہ ہیں، اور تقریباً ہر جگہ طبیب و طبیبہ دونوں بہ آسانی میسر ہو جاتے ہیں، لہذا اپنے مخصوص معاملات میں مرد مرد ڈاکٹر کی طرف اور عورت عورت ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے کیونکہ نظر الجنس الی الجنس اخف ہے، بایں وجہ ولادت سے متعلق معاملات میں عورت عورت ڈاکٹر کی ہی



کے پاس معاینہ کرائیں بلاوجہ مرد کے پاس جانے کی اجازت نہیں، ہاں بوقت ضرورت و مجبوری طبیب کے لیے عورت کا علاج کرنا نیز عورت کے لیے مرد کا علاج کرنا جائز ہے۔  
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

امراة أصابها قرحة في موضع لا يحل للرجل أن ينظر إليه لا يحل أن ينظر إليها لكن تعلم امراة تداويها فإن لم يجدوا امراة تداويها ولا امراة تتعلم ذلك إذا علمت وخيف عليها البلاء أو الوجد أو الهلاك فإنه يستر منها كل شيء إلا موضع تلك القرحة ثم يداويها الرجل ويغض بصره ما استطاع إلا عن ذلك الموضع ولا فرق في هذا بين ذوات المحارم وغيرهن لأن النظر إلى العورة لا يحل بسبب المحرمية كذا في فتاوى قاضیخان .  
(الفتاوى الهندية: ۵/۳۳۰). (و كذا في فتاوى الشامی: ۶/۳۷۱، سعید، الاختیار: ۴/۱۵۴، و الموسوعة الفقهية الكويتية: ۷/۷۷).

البحر الرائق میں ہے:

والطبيب إنما يجوز له ذلك إذا لم يوجد امراة طيبة فلو وجدت فلا يجوز له أن ينظر لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف، وينبغي للطبيب أن يعلم امراة إن أمكن وإن لم يكن ستر كل عضو منها سوى موضع الوجد ثم ينظر ويغض بصره عن غير ذلك الموضع إن استطاع لأن ما ثبت للضرورة يتقدر بقدرها . (البحر الرائق: ۸/۲۱۸، ط: بيروت).

(و كذا في المبسوط للإمام السرخسی: ۱۰/۲۶۹، و المبسوط للإمام محمد: ۳/۶۷، ط: إدارة القرآن، و بدائع الصنائع: ۵/۱۲۴، سعید، و الدر المختار مع رد المحتار: ۶/۳۷۰-۳۷۱، سعید، و الباب فی شرح الكتاب: ۱/۴۱۱، دار الكتاب العربي).

آپ کے مسائل میں مرقوم ہے:

بیمار کی تیمارداری تو بہت اچھی بات ہے لیکن نا محرم مردوں سے بے حجابی اس سے بڑھ کر وبال ہے عورتوں کے ذمہ خواتین کی تیمارداری کا کام ہونا چاہئے، مردوں کی تیمارداری کی خدمت عورتوں کے ذمہ صحیح نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۸/۲۶)۔

دوسری جگہ مذکور ہے:

مردوں کی مرہم پٹی اور تیمارداری کے لیے مردوں کو مقرر کیا جائے، نامحرم عورتوں سے یہ خدمت لینا جائز نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷۹/۸)۔

ایک اور جگہ مرقوم ہے:

☆ طبیب کے لیے عورت کا علاج ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

☆ اگر کوئی معالج عورت مل سکے تو اس سے علاج کرنا ضروری ہے۔

☆ اگر کوئی عورت نہ مل سکے تو مرد کو چاہئے کہ اعضائے مستورہ خصوصاً شرمگاہ کا علاج کسی عورت کو

بتادے خود علاج نہ کرے۔

☆ اور اگر کسی عورت کو بتانا بھی ممکن نہ ہو، اور مریضہ عورت کی ہلاکت یا ناقابل برداشت تکلیف

کا اندیشہ ہو تو لازم ہے کہ تکلیف کی جگہ کے علاوہ تمام بدن ڈھک دیا جائے، اور معالج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ختم کے علاوہ باقی بدن سے غصص بھر کرے، یعنی نظر پچائے رکھے۔

☆ بچہ جنائی کا کام خاص عورتوں کا کام ہے، اگر معاملہ عورتوں کے قابو سے باہر ہو (مثلاً آپریشن کی

ضرورت ہو اور آپریشن کرنے والی کوئی لیڈی ڈاکٹر بھی موجود نہ ہو) تو شرائط مندرجہ بالا کے ساتھ مرد علاج کر سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۳/۸)۔

مزید ملاحظہ ہو: (عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل، ص ۱۵۱-۱۵۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

**طیب کا مریض کے عیب کو ظاہر کرنے کا حکم:**

**سوال:** ایک ایڈز کے مریض نے ڈاکٹر پر اصرار کیا کہ آپ میرے مرض کے بارے میں کسی کو نہ

بتائیں، اب ڈاکٹر کو مرض کے بارے میں بتانا چاہئے یا نہیں؟ نیز کہاں بتانا چاہئے اور کہاں بتانا جائز نہیں؟ بیوا تو جبروا۔

**الجواب:** شریعت مطہرہ میں رازداری کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس کی ترغیب آئی ہے، اس کے خلاف افشائے راز کی مذمت وارد ہوئی ہے، ڈاکٹر اپنے مریض کا راز دار ہوتا ہے، اس کی شرعی، اخلاقی، قانونی اور فنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے زیر علاج مریضوں کا راز فاش نہ کرے جس سے مریض کو نقصان پہنچ سکتا ہو یا خاندان و سماج میں بدنامی کا ذریعہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قال : إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : من رأى عورة فسترها كان كمن أحياء موءودة . (رواه ابوداؤد رقم: ۴۸۹۳ واحمدو البيهقي في سننه الكبرى: ۳۳۱/۸).

لیکن اگر مریض کے اندر کوئی ایسا مہلک یا خطرناک مرض ہو کہ اس کو راز میں رکھنے اور چھپانے سے کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو یا اجتماعی مفاد خطرہ میں پڑ سکتا ہو تو اس وقت افشائے راز اخلاقی طب کے خلاف نہیں بلکہ عین تقاضائے مصلحت کہلائے گا۔ درمختار میں ہے:

تباح غيبة مجهول ومتظاهر بقبیح ولمصاهرة . (الدرالمختار مع رد المحتار: ۶/۴۰۸، ۴۰۹، سعید).

اسی طرح لڑکے میں کوئی ایسا عیب ہے کہ اگر مخطوبہ کو معلوم ہو جائے تو اس سے نکاح پر راضی نہ ہو، اور اس ڈاکٹر سے تحقیق کرے تو اس پر ضروری ہے کہ اس کے عیب کی تفصیل بتا دے ہاں از خود بتانا ضروری نہیں۔

اسی طرح مرد و زن دونوں قبل از نکاح ڈاکٹر کے پاس معاینہ کرائیں تو ڈاکٹر کے لیے ضروری ہے کہ جو تحقیق ہو صحیح بتا دے اور عیب کی تفصیل سے آگاہ کر دے۔ ويجب على المشاور أن لا يخفي حالة بل يذكر المساوى التي فيه بنية النصيحة. (ریاض الصالحین، ص ۵۸۱، باب ما یباح من الغيبة).

اسی طرح کوئی شخص کسی مہلک اور متعدی مرض مثلاً ایڈز وغیرہ میں مبتلا ہے اب اگر وہ مریض تمام حفاظتی تدابیر اختیار کرتا ہے مثلاً خود زوج سے الگ رہتا ہے تب تو اس کے راز کے افشا کی ضرورت نہیں لیکن ڈاکٹر کو یقین ہے کہ یہ مریض مکمل حفاظتی تدبیر پر کاربند نہیں تو اہل خانہ وغیرہ کے سامنے اس مرض کی اطلاع فقط جائز نہیں بلکہ

عین تقاضا مصلحت ہے۔

اسی طرح اس مہلک مرض (ایڈز) کو چھپانے میں اہل خاندان اور متعلقین کے لیے ضرر کا باعث ہو تو ڈاکٹر کے ذمہ ضروری ہے کہ اس مرض کی اطلاع کر دے اور اس مریض کی بات پر عمل نہ کرے۔

یتحمل الضرر الخاص لدفع ضرر العام مثلاً الحائط المتوہن إذا كان في الطريق فإنه يجب نقضه على مالكة دفعاً للضرر العام . (شرح القواعد الفقهية، ص ۱۹۷)۔

قال الإمام الصنعاني في سبل السلام شرح بلوغ المرام :

واعلم أنه قد استثنى العلماء من الغيبة أموراً ستة ...

الذم ليس بغيبة في ستة ☆ متظلم ومعرف ومحذر

ولم يظهر فسقاً ومستفت ومن ☆ طلب الإعانة في إزالة منكر

(سبل السلام شرح بلوغ المرام: ۴، ۳۷۰، باب الترهيب من مساوی الاخلاق، ط: دار الكتاب العربي)۔

کسی کا عیب بیان کرنا چھ جگہ غیبت نہیں، ظلم کی فریاد کرنے والے اور تعارف کرانے والے جیسے آغوش، اور ڈرانے والے اور بچانے والے کے لیے اور حکم کھلافق و فوج رٹا ہر کرنے والے کے لیے، اور سوال کرنے والے کے لیے اور جو خلاف شریعت کام کے ازالہ کے لیے کوشاں ہو کر مدد طلب کرے، یہ مسئلہ نمبر ۳ میں داخل ہے۔  
نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے میں ہے:

۴۔ ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقین کو اس مرض سے مطلع کر دے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵۔ ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمہ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کر دے۔ (نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص ۱۳۵)۔

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: (جدید فقہی مسائل: ۵/۴۰، ۵۴، نئے مسائل اور علمائے ہند کے فیصلے، ص: ۱۳۵-۱۳۶)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تعدیہ امراض اور ایڈز کا متعدی ہونا:

سوال: ”لا عدوی ولا طيرة“ والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امراض متعدی نہیں ہوتے پھر

ایڈز کیسے متعدی ہوا؟

الجواب: اس کے مختلف جوابات ہیں: (۱) ”لا عدوی فی کل مرض“، یعنی ہر مرض متعدی نہیں، ہاں بعض امراض متعدی ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فر من المجدوم فرادک من الأسد“۔ جذامی سے یوں بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔

(۲) حضرت شیخ عبدالفتاح البوعده صاحب نے فرمایا کہ یہاں نفی نفی کے معنی میں ہے جیسے: ”فلا دفت ولا فسوق ولا جدال فی الحج“ یعنی فحش کلامی مت کرو، فسق و فجور اور جھگڑے حج میں مت کرو۔ تو یہ معنی ہوا کہ امراض متعدیہ کو متعدی مت کرو، اگر قصداً کرو تو گناہ کا اندیشہ ہے۔

قال الشيخ عبد الفتاح : معنى هذا الحديث الشريف عندي : ( لا عدوى ) أى لا يعد بعضكم بعضاً ، أى ليمتنع صاحب المرض المعدى عن مخالطة الأصحاء ، خشية أن يعدبهم بتقدير الله تعالى ، ولفظة ( لا ) هنا للنهي كقوله تعالى : ﴿ فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فى الحج ﴾ أى فلا يرفث ولا يفسق ولا يجادل فى أثناء قيامه بالحج . ( تعليقات الموضوعات الصغير ، ص ۷۷ ط : مكتبة المطبوعات الإسلامية ) .

(۳) بعض امراض متعدی تو ہوتے ہیں لیکن درجہ یقین میں نہیں اس لیے ان کی تعدی کو یقینی مت سمجھو جیسے ٹی بی متعدی مرض ہے لیکن بہت مرتبہ متعدی نہیں ہوتا۔ مجھے خود ٹی بی کی بیماری تھی اور مدرسہ میں ساتھیوں کے ساتھ ایک پلیٹ میں کھانا کھاتا تھا مگر کسی کو مرض متعدی نہیں ہوا، اور ایسے موقع پر فرمایا: ”فمن أعدى الأول“۔ پہلے کو کس نے بیماری لگائی۔

(۴) اگر کوئی مرض یقینی طور پر یا نفی طور پر متعدی ہے جیسے ایڈز اور لا عدوی تمام امراض کو شامل سمجھ لیں تو پھر معنی یہ ہے کہ مرض میں متعدی ہونے کی خاصیت از خود پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھی جیسے: ”وما

دمیت اذ دمیت“ کے معنی یہ ہیں کہ ایک مٹھی کنکریوں میں اتنی تاثیر آپ نے نہیں اللہ تعالیٰ نے رکھی۔

(۵) بیماری درجہ توکل میں منتقل نہیں ہوتی اور درجہ اسباب میں بعض متعدی بیماریوں سے بچنا چاہئے، جیسے حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے کل مال کو صدقہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور حضرت کعب بن مالک ؓ کے کل مال کے صدقہ کو قبول نہیں فرمایا کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ توکل کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، اسی کی طرف حضرت جابر ؓ کی درجہ ذیل حدیث میں اشارہ ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد مجذوم فأدخله معه في القصعة ثم قال: كل بسم الله ثقة بالله وتوكلأ عليه. (رواه الترمذی، رقم: ۱۸۱۷، باب ما جاء في الاكل مع المجذوم).  
(۶) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جاہلیت کے عقیدہ کے مطابق بیماری اڑ کر منتقل ہوتی تھی اور موجودہ تحقیقات اور شریعت کی نظر میں بیماری کے اسباب اور جراثیم اور دوائیں منتقل ہوتے ہیں تو ”لا عدوی“ میں ان کے عقیدے کی نفی ہے۔

(۷) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اگر کسی کی بیماری اتفاقاً کسی کو لگ گئی تو اس کی بنا پر اس پر مقدمہ چلا کر اس سے تاوان یا قصاص و دیت کا مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ (حجۃ اللہ الباقیہ: ۳۳۳/۲، ط: قدیمی)۔  
واللہ ﷻ اعلم۔

متعدی امراض سے احتیاطی تدابیر کے نظائر:

مظنون التعدی امراض سے حفاظتی تدابیر کے چند نظائر ملاحظہ فرمائیے:

(۱) بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیمار اونٹ کو صحت مند اونٹ کے پاس نہ لایا جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا

يوردن ممرض على مصح. (رواه البخاری، رقم: ۵۷۷۰، و مسلم، رقم: ۲۲۲۱)۔

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے

بھاگتے ہو۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ... وفرد من المجدوم كما تفر من الأسد. (اخرجه البخارى تعليقاً، باب الحذام).

مسلم شریف کی روایت میں ہے حضرت شریذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف کے وفد میں ایک مجذوم شخص بھی تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیغام بھیجا کہ ہم نے تمہیں بیعت کر لیا ہے، لہذا تم لوٹ جاؤ۔

عن عمرو بن الشريد عن أبيه قال: كان في وفد ثقيف رجل مجذوم فأرسل إليه النبي صلى الله عليه وسلم إنا قد بايعناك فارجع. (رواه مسلم برقم: ۲۲۳۱).

(۲) حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے مشروب میں مکھی گر جائے تو اس کو ڈبو دو، پھر نکال دو کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہوتی ہے اور دوسرے میں شفا۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وقع الذباب في شراب أحدكم فليغمسه ثم لينزعه فإن في إحدى جناحيه داء والأخرى شفاء. (رواه البخارى، رقم: ۲۳۲۰).

اور صحیح ابن خزیمہ کی روایت میں یہ زیادتی موجود ہے: وأنه يتقي بجناحه الذي فيه الداء فليغمسه كله ثم لينزعه. (صحیح ابن خزیمہ برقم: ۱۰۵).

یعنی وہ اپنے اس پر کو مقدم کرتی ہے جس میں بیماری ہوتی ہے لہذا اسے پوری طرح ڈبو دو۔  
(۳) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتانہ ڈال دے تو اس میں موجود پانی وغیرہ کو بہا دو اور برتن کو سات مرتبہ دھو ڈالو۔

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا ولغ في إناء أحدكم فليرقه ثم ليغسله سبع مرار. (رواه مسلم، رقم: ۲۷۹).

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ترمذی کی تقریر میں ہے:

امام ابو حنیفہؒ سات مرتبہ دھونے کو مستحب کہتے ہیں اور تین مرتبہ فرض قرار دیتے ہیں اور اس کی خباثت پر ”لا تدخل الملائكة“ والی روایت دلالت کرتی ہے اور بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ نسیا نا سورا کلب پینے

سے ان کے قلب کا نور چلا گیا اور آج کل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ لعاب کلب میں زہریلے جراثیم ہوتے ہیں جب تک سات مرتبہ پانی سے دھویا نہ جائے اور ایک مرتبہ مٹی سے نہ مانجا جائے تو وہ زہریلے جراثیم زائل نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی صحت کے لیے مضر ہیں باؤ لے کتے کا زہریلا پن تو واضح ہے تو تین مرتبہ دھونے سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے سات مرتبہ دھونا شفا حاصل کرنے کے لیے ہے۔ (تقریر ترمذی، ص ۱۹۱-۱۹۲)۔

شیخ احمد شاہ کرمی توضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قد ظهر من البحوث الطبية الحديثة : أن وجه غسل الإناء سبعة من ولوغ الكلب هو : أن في أمعاء أكثر الكلاب دودة شريطية صغيرة جداً طولها ۳ ملیمترات . فإذا راث الكلب خرجت بويضاتها بكثرة في الروث ، فيلصق أكثر منها بالشعر الذي بالقرب من دبره ، وعادة الكلب أن ينظف مخرجه بلسانه فيتلوث لسانه و فمه بها ، و تنشر في بقية شعره بواسطة لسانه أو غيره ، فإذا ولغ الكلب في إناء أو قبله انسان - كما يفعل الافرنج ومقلدوهم - علققت بعض هذه البويضات بتلك الأشياء وسهل وصولها إلى فمه في أثناء أكله أو شربه ، فتصل إلى معدته وتخرج منها الأجنة فتثقب جدار المعدة والأمعاء ، وتصل إلى أوعية الدم فتحدث أمراضاً كثيرة في المخ والقلب والرئة إلى غير ذلك ، ولما كان تمييز الكلب المصاب بهذه الدودة عسيراً جداً ، لأنه يحتاج إلى زمن طويل وبحث دقيق بالآلة التي لا يعرف استعمالها إلا قليل من الناس ، لأن اعتبار الشارع إياه موبوءاً والغسل من ولوغه سبع مرات انقضاء للإناء بحيث لا يعلق فيه شيء مما ذكرناه ، هو عين الحكمة والصواب . (تعليق احكام الاحكام شرح عمدة الاحكام، ص ۳۰، ۳۱)۔

(وکنذانی احکام اسلام عقل کی نظر میں، ص ۴۷)۔

(۴) فقہاء نے اسبابِ حرمت میں سے ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ چیز جسمِ انسانی کے لیے ضرر رساں نہ ہو ورنہ اس کا کھانا جائز نہیں ہے، یعنی شریعتِ مطہرہ کی طرف سے یہ جسمِ انسانی کے حفاظت کی احتیاطی تدبیر ہے۔



ملاحظہ ہو الموسوعہ میں فرماتے ہیں:

ما يحرم أكله لأسباب مختلفة : يظهر من الاستقراء وتتبع تعليقات فقهاء المذاهب فيما يحكمون بحرمه أكله أنه يحرم أكل شيء مهما كان نوعه لأحد أسباب خمسة :-

السبب الأول : الضرر اللاحق بالبدن أو العقل : ولهذا أمثلة كثيرة : منها : الأشياء السامة سواء كانت حيوانية ... أم كانت نباتية ... أم جمادية ... ومنها : الأشياء الضارة وإن لم تكن سامة ، وقد ذكر منها في كتب الفقه : الطين ، والتراب ، والحجر ، والفحم ، على سبيل التمثيل ، وإنما تحرم على من تضره . ولا شك أن هذا النوع يشمل ما كان من الحيوان أو النبات أو الجماد ، ويعرف الضرر من غير الضرر من أقوال الأطباء والمجربين .

ولا فرق في الضرر الحاصل بالسميات أو سواها بين أن يكون مرضاً جسمانياً أيا كان نوعه ، أو آفة تصيب العقل كالجنون والخبل . (الموسوعة الفقهية : ۱۲۵/۵ ، ط: وزارة الاوقاف ) .

نیز فقہاء نے فرمایا کہ مٹی کھانا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے جسم میں کوئی بیماری یا کسی مصیبت کے پہنچنے کا اندیشہ ہے، یہ بھی ایک احتیاطی تدبیر کے قبیل سے ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

أكل الطين مكروه هكذا ذكر في فتاوى أبي الليث رحمه الله تعالى وذكر شمس الأئمة الحلواني في شرح صومه : إذا كان يخاف على نفسه أنه لو أكله أورثه ذلك علة أو آفة لا يساح له تناول وكذلك هذا في كل شيء سوى الطين ... وكراهية أكله لا للحرمه بل لتهييج الداء . (الفتاوى الهندية: ۳۴۰/۵) .

(وکنذا فی المحيط البرہانی : ۲۰۶/۵ ، الفصل الثانی عشر فی الکراهیۃ فی الاکل ، ط: دار احیاء التراث العربی ، ونصاب الاحتساب ، ص ۱۴۸ ، الباب العاشر فی الاحتساب فی الاکل و الشرب و التداوی ، و نفع المفتی و السائل ، ص ۳۷۹ ، ما يتعلق بالاکل و الشرب ، ط: دار ابن حزم ) . واللہ اعلم ۔

بچوں کو مختلف امراض کے ٹیکے لگانے کا حکم:

**سوال:** آج کل مختلف امراض سے بچنے کے لیے بچوں کو ٹیکے لگاتے ہیں، بعض علماء ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ یہ مضر ہیں، شرعاً ان ٹیکوں کے لگانے کا کیا حکم ہے؟

**الجواب:** اگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہو کہ اس انجکشن کا فائدہ ضرر سے زیادہ ہے تو اس کے لگانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ لگوانا چاہئے، ہاں ضرر متحقق ہو تو پھر نہ لگوا دیا جائے۔  
حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ٹیکا لگانا تجربے سے مفید ثابت ہوا ہو تو جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۱۳۹/۹، دارالاشاعت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حیوانات پر میڈیکل تجربات کا حکم:

**سوال:** حیوانات پر میڈیکل تجربات جائز ہیں یا نہیں؟

**الجواب:** زمین کی تمام مخلوقات معدنیات، نباتات حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لیے وجود بخشا ہے، بنا بریں انسان کے لیے ان چیزوں کو کات چھانٹ کر، کوٹ پیس کر بلکہ جلا کر اور کیمیائی تحلیل کے طریقوں سے استعمال کرنا اور فائدہ حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔ اسی طرح حیوانات پر میڈیکل تجربات بھی جائز ہے کیونکہ یہ بھی فائدہ ہی کی ایک قسم ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً﴾ [البقرة: ۲۹]۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے فوائد کو قرآن میں مقام احسان و امتنان میں بیان فرمایا ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا

تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ، وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثْنَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى

جدید فقہی مسائل میں ہے:

مختلف دواؤں کے اثرات اور فائدوں کا تجربہ کرنے کے لیے بسا اوقات جانوروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے، پہلے ان کے جسم میں ایسے جراثیم داخل کیے جاتے ہیں جو اس بیماری کو پیدا کر دیں، پھر ممکنہ دواؤں کو ان پر آزما یا جاتا ہے جو ان امراض کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہوں، یہ صورتیں جائز ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے جانوروں کو خواہ مخواہ اذیت دینے اور اس کے مشاہدہ کو اپنے لیے سامان تفریح بنانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس نے یہ تصور بھی پیش کیا ہے کہ کائنات کی تمام اشیاء انسان کے لیے خادم ہیں، اسی لیے جانوروں کی سواری، ان کے گوشت کو غذا، چیزوں کو لباس اور کسی عضو انسانی کی صحت کے لیے اس کے جسم میں پیوند کاری کی اجازت دی گئی ہے، مذکورہ صورتوں میں بھی چون کہ تفریح اور بے مقصد اذیت رسانی نہیں ہے بلکہ انسان کی ایک واقعی اور لازمی ضرورت کے لیے ان سے خدمت لینا اور استفادہ کرنا اصل منشا ہے اس لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۳۷)۔

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو انسان کے نفع کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے ان سے انتفاع میں ان کو کچھ تکلیف بھی ہو تو کچھ حرج نہیں، اس لیے گوشت کی بہتری کی غرض سے حیوان کا خسی کرنا بالاتفاق جائز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خسی ذبوں کی قربانی کی ہے، خسی کرنے کی تکلیف انکیشن لگانے سے بھی بہت زیادہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۸/۲۲۳)۔

ہاں اگر ان کو اذیت ہو تو ان کو ایسی دوائیں دی جائیں جو تکلیف کو کم کریں اور سکون و راحت پہنچا دیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمان کے لیے خنزیر کے علاج کا حکم:

سوال: کیا مسلمان طبیب خنزیر کا علاج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: مسلمان طبیب کے لیے افضل اور بہتر یہ ہے کہ کسی غیر مسلم ڈاکٹر کے حوالے کر دے، خود

علاج نہ کرے لیکن اگر غیر مسلم ڈاکٹر نہ ملے تو اس حدیث شریف ”فی کل کبد رطبة أجرة“ ہر جاندار چیز میں اجر ہے، پر عمل کی نیت سے استغفار کے ساتھ علاج کر سکتا ہے، کیونکہ پانی پلانے میں پیاس کی تکلیف کو دور کرنا ہے اور علاج میں درود تکلیف کو دور کرنے کی تدبیر ہے بظاہر دونوں میں فرق نہیں اور غیر مسلم یا ذمی کا خنزیر قتل کرنا جائز نہیں ہے اس لیے وہ خنزیر واجب القتل بھی نہیں ہے۔  
بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينا رجل يمشی فاشتد عليه العطش فنزل بئراً فشرب منها ثم خرج فإذا هو بكلب يلهث يأكل الثرى من العطش فقال: لقد بلغ هذا مثل الذي بلغ بي فنزل بئراً فملاً خفه ثم أمسكه بفيه ثم رقى فسقى الكلب فشكر الله له فغفر له قالوا: يا رسول الله! وإن لنا في البهائم أجراً قال: في كل كبد رطبة أجر. (صحيح البخاری: ۱/۳۱۸، رقم: ۲۳۶۳، باب فضل سقى الماء)۔  
عمدة القاری میں ہے:

وقال الداودي: هذا عام في جميع الحيوانات وقال أبو عبد الملك هذا الحديث كان في بني إسرائيل وأما الإسلام فقد أمر بقتل الكلاب فيه وأما قوله في كل كبد فمخصوص ببعض البهائم مما لا ضرر فيه لأن المأمور بقتله كالخنزير لا يجوز أن يقوى ليزداد ضرره وكذا قال النووي إن عمومہ مخصوص بالحيوان المحترم وهو ما لم يؤمر بقتله فيحصل الثواب بسقيه يلتحق به إطعامه وغير ذلك من وجوه الإحسان إليه قلت: القلب الذي فيه الشفقة والرحمة ينبجح إلى قول الداودي وفي القلب من قول أبي عبد الملك حزاظة ويتوجه الرد على كلامه من وجوه الأول: قوله كان في بني إسرائيل لا دليل عليه فما المانع أن أحداً من هذه الأمة قد فعل هذا وكوشف للنبي صلى الله عليه وسلم بذلك وأخبره بذلك حثاً لأمته على فعل ذلك وصدور هذا الفعل من أحد من أمته يجوز أن يكون في زمنه ويجوز أن يكون بعده بأن يفعل أحد هذا واعلم النبي صلى الله عليه وسلم

بذلك أنه سيكون كذا وأخبره بذلك في صورة الكائن لأن الذي يخبره عن المستقبل كالواقع لأنه مخبر صادق وكل ما يخبره من المغيبات الآتية كائن لا محالة . والثاني : قوله وأما الإسلام فقد أمر بقتل الكلاب لا يقوم به دليل على مدعاه لأن أمره بقتل الكلاب في أول الإسلام ثم نسخ ذلك بإباحة الانتفاع بها للصيد وللماشية والزرع ولا شك أن الإباحة بعد التحريم نسخ لذلك التحريم ورفع لحكمه . والثالث : دعوى الخصوص تحكم ولا دليل عليه لأن تخصيص العام بلا دليل إلغاء لحكمه الذي تناوله فلا يجوز والعجب من النووي أيضاً أنه ادعى عموم الحديث المذكور للحيوان المحترم وهو أيضاً لا دليل عليه وأصل الحديث مبنى على إظهار الشفقة لمخلوقات الله تعالى من الحيوانات وإظهار الشفقة لا ينافي إباحة قتل المؤذى من الحيوانات ويفعل في هذا ما قاله ابن التيمي لا يمتنع إجراؤه على عمومه يعنى فيسقى ثم يقتل لأننا أمرنا بأن نحسن القتلة ونهينا عن المثلة فعلى قول مدعى الخصوص الكافر الحربى والمرتد الذى استمر على ارتداده إذا قدما للقتل وكان العطش قد غلب عليهما ينبغي أن يأثم من يسقيهما لأنهما غير محترمين في ذلك الوقت ولا يميل قلب شفوق فيه رحمة إلى منع السقى عنهما يسقيان ثم يقتلان .

(عمدة القارى : ۷۶/۹ باب فضل سقى الماء من كتاب المساقاة ط: دار الحديث ملتان) - واللہ اعلم -

دانتوں کو تاروں سے باندھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کے دانتوں کی ظاہری شکل و صورت خراب ہو چکی ہے، اور زیادہ مضبوطی اور جماد بھی باقی نہیں رہا، وہ شخص دانتوں کی ظاہری شکل و صورت کو خوبصورت بنانے اور مضبوط کرنے کے لیے دانتوں کو تاروں سے باندھنا اور خول چڑھانا چاہتا ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ نیز مصنوعی دانتوں کا لگانا کیسا ہے؟

الجواب: دانتوں کو تاروں سے باندھنا اور خول چڑھانا بغرض مضبوطی دندان جائز اور درست ہے،

ہاں اگر کوئی واقعی ضرورت نہ ہو تو محض زینت کے لیے لگوانے سے بچنا چاہیئے۔  
ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولا يشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة وجوزهما محمد ويتخذ أنفاً منه لأن الفضة تنتنه . وفي رد المحتار: قوله المتحرك قيد به لما قال الكرخي إذا سقطت ثنية رجل فإن أبا حنيفة يكره أن يعيدها ويشدها بفضة أو ذهب... وخالفه أبو يوسف فقال: لا بأس به... زاد في التاتارخانية قال بشر: قال أبو يوسف: سألت أبا حنيفة عن ذلك في مجلس آخر فلم ير بإعادتها بأساً قوله وجوزهما محمد أي جوز الذهب والفضة أي جوز الشد بهما... قوله لأن الفضة تنتنه... وأشار إلى الفرق للإمام بين شد السن واتخاذ الأنف فجوز الأنف من الذهب لضرورة نتن الفضة لأن المحرم لا يباح إلا للضرورة... وأصل ذلك ما روى الطحاوي بإسناده إلى عرفة بن سعد أنه أصيب أنفه يوم الكلاب في الجاهلية فاتخذ أنفاً من ورق فأنتن عليه فأمره النبي صلى الله عليه وسلم أن يتخذ أنفاً من ذهب ففعل . (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۶۲/۶، سعيد).

عالمگیری میں ہے:

قال محمد في الجامع الصغير: ولا يشد الأسنان بالذهب ويشدها بالفضة يريد به إذا تحركت الأسنان وخيف سقوطها فأراد صاحبها أن يشدها، يشدها بالفضة ولا يشدها بالذهب وهذا قول أبي حنيفة وقال محمد: يشدها بالذهب أيضاً... وذكر الحاكم في المنتقى لو تحركت سن رجل وخاف سقوطها فشدّها بالذهب أو بالفضة لم يكن به بأس عند أبي حنيفة وأبي يوسف... (الفتاوى الهندية: ۳۳۶/۵).

کفایت المفتی میں ہے:

دانتوں کی کسی خرابی کی وجہ سے سونے کا خول چڑھوانا جائز ہے اور محض زینت کے لیے چڑھوانا مکروہ ہے

... الخ۔ (کفایت المفتی: ۱۵۷/۹، دارالاشاعت)۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر بغیر خول چڑھائے دانت کا قائم رہنا دشوار ہو تو چاندی کا چڑھا لینا درست ہے، غسل کے وقت اس کو تارنے سے معذوری ہو تو بغیر اتارے بھی غسل ہو جائے گا، نماز بھی درست ہو جائے گی، سونے کے خول میں اختلاف ہے، احتیاط یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۸۲، جامعہ فاروقیہ)۔  
جدید فقہی مسائل میں ہے:

مصنوعی اعضاء جیسے آنکھ، دانت وغیرہ لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں، خواہ اس کا مقصد علاج ہو یا چہرہ کو بدنامی سے بچانا، حضرت عرفہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے چاندی کی ناک بنوائی مگر اس میں بو پیدا ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی ناک بنوانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اسی طرح فقہاء نے سونے چاندی کے دانت لگانے یا دانتوں کی بندش میں اس کے تار استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/۳۲۶، ط: نعیمیہ دیوبند)۔ واللہ اعلم۔

## زینت کے لیے اعضاء کی سرجری کا حکم:

**سوال:** انسانی اعضاء مثلاً بدن، چہرہ وغیرہ مزین اور خوبصورت بنانے کے لیے سرجری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ سرجری ان عیوب کو بھی شامل ہے جو کسی حادثہ کی وجہ سے یا ولادت کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، اسی طرح لیزر کے ذریعہ جسم کو نرم بنانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر کینسر کی وجہ سے پستان نکال دیا گیا ہو تو گوشت اور پٹھے لگانے یا اور کوئی چیز لگانے کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** انسانی جسم میں ایسے تصرفات جو اپنے خیال میں محض زینت کے قبیل سے ہوں درست نہیں، ہاں ازالہ عیوب جائز ہے مثلاً ٹوٹے ہوئے دانت کی جگہ دوسرا دانت لگوانا جائز ہے کیونکہ یہ ازالہ عیب ہے اسی طرح نکلے ہوئے دانتوں کو براب کرنا بھی درست ہے، مصنوعی ناک کان لگوانا بھی درست ہے تاکہ عیب دور ہو جائے لیکن دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے خیال میں حسن ہے جس کو فرضی

حسن کہہ سکتے ہیں حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔  
ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل میں ہے:

اسلام کا نقطہ نظریہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خود ساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر بال لگانے، خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز، قابل لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک، پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔  
چنانچہ حدیث میں ہے:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات . (بخاری).

اللہ کی لعنت ہو گوندنے اور گوندوانے والی اور بالوں کو اکھاڑنے والیوں پر۔

نیز حضرت ابو یحیٰ بنہ سے مروی ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم حرم الوش . (نسائی: ۲۸۱/۲).

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں کو نوک دار بنانے سے منع فرمایا۔

... ہاں اگر عام فطرت کے خلاف کوئی عضو زیادہ ہو گیا ہو مثلاً پانچ کی بجائے چھ انگلیاں ہو گئیں تو آپریشن کے ذریعہ ان کو علاحدہ کیا جاسکتا ہے:

إذا أراد الرجل أن يقطع أصبعاً زائدة أو شيئاً آخر قال نصير: إن كان الغالب على من

قطع مثل ذلك الهلاك فإنه لا يفعل وإن كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذلك .

(الفتاوى الهندية: ۵/۳۶۰). (جدید فقہی مسائل: ۳۱۲/۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



## مصادر و مراجع

### فتاویٰ دارالعلوم زکریا جلد ششم

القرآن الکریم

تنزیل من رب العلمین

#### الف

- إكمال المعلم بفوائد مسلم ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض الرياض  
 اتحاف الخیرة المهرة علامہ یحییٰ الرياض  
 اسلامی فقہ مولانا مجیب اللہ ندوی لاہور  
 آپ کے مسائل اور ان کا حل مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ شہادت ۱۴۲۱ مکتبہ لدھیانوی  
 الاختیار لتعلیل المختار عبد اللہ بن محمود الموصلی بیروت  
 الاستدکار ابن عبد البر  
 إعانة الطالبین ابو بکر عثمان بن محمد الدمیاطی التوفیقیہؒ  
 ابوداود الحافظ سلیمان بن اشعث ابوداود السجستانیؒ ۲۰۲ ت ۲۷۵ کتب خانہ مرکز علم کراچی  
 احسن الفتاویٰ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ایچ ایم سعید کینیڈا  
 اوجز المسالک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنیؒ مکتبہ امدادیہ ملتان  
 الاصابة فی تمییز الصحابه حافظ ابن حجرؒ

امداد الفتاویٰ	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵	دار الفکر
ابن ماجہ	ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی و ۲۰۹ ت ۲۷۳	قدیمی کتب خانہ
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مفتی عبدالکریم مٹھوی	مکتبہ دارالعلوم کراچی
اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی انتھانوی	ادارۃ القرآن کراچی
الاشیاء و النظائر	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم الحنفی ت ۹۷۰	ادارۃ القرآن کراچی
امداد المفتین	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ۱۳۱۴ ت ۱۳۹۶	دارالاشاعت
انجاح الحاجة حاشیہ سنن ابن ماجہ	الشیخ عبد الغنی المجتہد دہلوی ۱۲۹۵	قدیمی کتب خانہ
احکام القرآن	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	
اہم فقہ فیصلے	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ادارۃ القرآن
ایضاح المسائل	مفتی شبیر صاحب مراد آبادی	
ایضاح النوادر	مفتی شبیر صاحب مراد آبادی	مکتبہ علیہ سہارنپور
احکام القرآن	ابویکثر جصاص الرازی	سہیل
احکام القرآن	علامہ ظفر احمد عثمانی	ادارۃ القرآن
اصول الشاشی	نظام الدین الشاشی	بیروت
الأموال	ابن زنجویہ	
أشرف الأحکام	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	ادارۃ اسلامیات
انسائیکلو پیڈیا برطانیکا		
احکام الذبح	مفتی تقی صاحب	دارالعلوم کراچی
احکام القرآن	شیخ ابن عربی	
ادیان باطلہ اور صراط مستقیم	مفتی محمد رفیع صاحب	
الامام الفقہ المحدث الشیخ محمد عابد السبیدی ... الخ	شیخ سائد بک دہاش	دارالبشائر الاسلامیہ
ارشاد السالک	الشیخ عبد الرحمن المالکی	

الاشباہ والنظائر      الامام السیوطی      بیروت

انکشاف انسانی کلویڈیا

احکام اسلام عقل کی نظر میں      حضرت تھانویؒ      مکتبہ عمر فاروق

الاستیعاب ابن عبد البر      دار الجیل

اسنی المطالب شیخ زکریا الانصاری      دار الکتب العلمیہ بیروت

الایضاح فی شرح الاصلاح ابن کمال باشا      بیروت

الایوسط ابن المنذر

الآداب الشرعیة      ابن مفلح      موقع الاسلام

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم      ابو الشیخ الاصبہانی      موقع جامع الحديث

الاحادیث المختارة      الضیاء المقدسی      ملتقى اهل الحديث

الآداب      امام بیہقی      موقع جامع الحديث

آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم      مفتی محمد شفیع صاحب      ادارہ اسلامیات

الانوار فی شمائل النبی المختار      الامام البغوی      بیروت

الانقاع فی حل الفاظ ابی الشجاع      محمد الشربینی الخطیب

الانقاع فی فقہ الامام احمد بن حنبل      شرف الدین موسیٰ بن احمد الحجایوی      دار المعرفة بیروت

اسوہ رسول اکرمؐ ڈاکٹر عبدالحی صاحب      دارالاشاعت

اسد الغابة      ابن الاثیر

اہم فقہی فیصلے      مرتب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب      ادارۃ القرآن

اعضاء انسانی کی پیوندکاری      حضرت مفتی محمد شفیع صاحب      دارالعلوم کراچی

انسانی اعضاء کا احترام اور طب جدید      مولانا عبدالسلام چانگامی      اسلامی کتب خانہ

الاستنساخ البشري بين الاباحية والتحریم فی ضوء الشريعة      محمد العتیبی

الاذکار الامام النوویؒ      بیروت

الاعتصام      الامام ابواسحاق الشاطبی

## باء

البنایة شرح الهدایة	العلامة بدرالدين العینیؒ	فیصل آباد
بخاری	ابو عبد الله محمد بن اسماعیل البخاریؒ و ۹۴ ات ۲۵۶	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
البحر المحيط	ابو حیان الاندلسی	دار الفکر
بذل المجہود	مولانا خلیل احمد السہارنپوریؒ ت ۱۳۴۶	ندوة العلماء لکھنؤ
بہشتی زیور	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	دارالاشاعت
بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	
بداية المجتہد	ابو الولید محمد بن احمد القرطبی	دار نشر الکتب
البحر الرائق	الشیخ زین الدین ابن نجیم مصری	المکتبة الماحدية
بلوغ المرام	الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ	بیروت
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع علاء الدین أبوبکر بن مسعود الکاسانی ت ۵۸۷	سعید کمپنی	
بريقة محمودیة فی شرح طریقة المحدثیة عبد الغنی بن اسماعیل النابلسی		
بوادر النوادر	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	اداره اسلامیات
بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة	مفتی محمد تقی عثمانی	
باقیات فتاویٰ رشیدیہ	مولانا رشید احمد گنگوہی	
بلغة السالک لاقرب المسالک شیخ احمد الصاوی		دار الکتب العلمیة بیروت
بیان الوهم والایهام	علی بن محمد الحمیری الفاسی ابو الحسن ابن قطان	دار طبیة الرياض
البحر المحيط	الامام الزرکشی	
البيان فی التبرع بعضو من الاعضاء	الشیخ صفوت جودة احمد	مکتبة القاهرة

## پاء

الشمر الدانی ابن ابی زید القبروانی دار الفکر

## تاء

تفسیر القرطبی محمد بن احمد الانصاری القرطبیؒ دار الکتب العلمیة

- تہذیب التہذیب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی<sup>ت</sup> ۸۵۲ دار الکتب العلمیہ بیروت
- تحفة الأحوذی ابو العلی محمد بن عبد الرحمن المبارکفوری<sup>ت</sup> ۱۲۵۳ تا ۱۲۸۳ دار الفکر
- ترمذی ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورة الترمذی<sup>ت</sup> ۲۰۹ تا ۲۷۹ فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
- التعلیقات علی الترمذی و ابی داؤد و ابن ماجہ و صحیح ابن خزیمة ناصر الدین الالبانی المکتب الاسلامی
- التعلیق الممجد العلامة عبد الحی الکنوی بتحقیق الدكتور توفی الدین الندوی دمشق
- تہذیب الکمال الحافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزی<sup>ت</sup> ۶۵۴ تا ۷۴۲ مؤسسة الرسالة
- تقریب التہذیب احمد بن علی بن حجر العسقلانی<sup>ت</sup> و ۷۷۳ تا ۸۵۲ دار نشر الکتب الاسلامیہ
- تحریر تقریب التہذیب الدكتور بشار عواد معروف و الشیخ شعب الارنؤوط مؤسسة الرسالة بیروت
- النصحیح والترجیح العلامة قاسم بن قطوبغا بیروت
- تویر الابصار العلامة شمس الدین محمد بن عبد اللہ التمرتاشی<sup>ت</sup> ۹۳۹ تا ۱۰۰۴ سعید کمپنی
- التفسیر المظہری قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی<sup>ت</sup> ۱۲۲۵ بلوچستان بک ڈپو
- التہمید ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النمزی<sup>ت</sup> ۳۶۸ تا ۴۶۳ مکتبہ المؤید
- تفسیر عثمانی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدینہ منورہ
- تفسیر السمرقندی فقیہ ابو الیث السمرقندی
- الترغیب و الترہیب الحافظ ذکی الدین عبد العلیم بن عبد القوی المنذری<sup>ت</sup> ۶۵۶ دار احیاء التراث
- تکملة فتح الملہم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مکتبہ دار العلوم کراچی
- التعلیقات علی نصب الراية الشیخ محمد عوامہ المکتبہ المکیہ
- التعلیقات علی ابن ماجہ الدكتور بشار عواد معروف دار الجیل بیروت
- تنقیح الفتاوی الحامدیہ السید محمد امین ابن عابدین الشامی دار الاشاعۃ العربیہ
- تألیفات رشیدیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی<sup>ت</sup> ۱۳۲۳ ادارہ اسلامیات لاہور
- تذکرۃ الموضوعات أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی<sup>ت</sup> ۵۰۷ میر محمد کتب خانہ کراچی
- تذکرۃ الموضوعات الشیخ محمد بن طاهر بن علی الفتی الہندی
- تبیین الحقائق العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی مکتبہ امدادیہ ملتان

تذكرة الرشيد	حضرت مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی	مکتبہ عاشقینہ
التعليقات على المصنف	الشيخ محمد عوامه حفظه الله و رعاہ	المجلس العلمی
تقريرات الراغبی (التحرير المختار)	العلامة عبد القادر الراغبی	سعيد کمپنی
تفسير ابن كثير	الحافظ اسماعيل ابن كثير القرشي الدمشقي ت ۷۷۴	دار السلام
التحرير في اصول الفقه	العلامة الشيخ ابن الهمام	دار الكتب العلمية بيروت
تحفة الفقهاء	علاء الدين السمرقندي	
التقرير والتحجير	الشيخ ابن امير الحاج الحلبي	بيروت
التعليقات على المستدرک	صالح اللحام	
التعليقات على مسند احمد	الشيخ شعيب الارنؤوط	القاهرة
التعليقات على سنن ابن ماجه	محمد فؤاد عبد الباقي	
التلخيص الجبير	الحافظ ابن حجر العسقلاني	
تلخيص الحاكم	الامام الذهبي	
تقرير ترمذی	مولانا محمد تقی عثمانی	
التعريفات	السيد شريف الجرجاني	
تكملة رد المحتار	محمد علاء الدين	
تعليقات فتاوى محمودية	زیرنگرانی حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ	
التعليقات بلوغ المرام	صفی الرحمن المبارکفوری	بيروت
تفسير الماوردي (النكت والعيون)	ابو الحسن علي بن محمد الماوردي البصري	بيروت
التعريفات الفقهية	السيد المفتي عميم الاحسان	دار الكتب العلمية بيروت
تكملة عمدة الرعاية	مولانا فتح محمد صاحب لکھنؤی	
تكملة البحر الرائق	علامہ محمد بن حسین بن علی طبري	
التعليقات على شرح تحفة الملوك	الشيخ سائد بكداش	دار البشائر الاسلامية
تحفة الملوك	الفقيه محمد بن ابي بكر بن عبد القادر الرازي	دار البشائر الاسلامية

- التعليقات على الفتاوى الزينية الشيخ سعيد بن سالم الغامدي دار كنوز اشبيليا
- تحفة الخواص في حل صيد بندق الرصاص محمد بيرم بن مصطفى الحنفي
- تعليقات اللباب في شرح الكتاب الشيخ سائد بكداش دار البشائر الاسلامية
- تذكرة الخليل مولانا عاشق الحق ميرخي كتب خاندان ثناء العلوم
- التعليقات على الكنز الشيخ سائد بكداش دار البشائر
- التعليقات على مراسيل ابي داود الشيخ شعيب الارنوط
- تحفة المودود باحكام المولود الشيخ ابن القيم الجوزية دمشق
- تنزيه الشريعة الشيخ ابن العراق بيروت
- التعليقات على كتاب الدعاء للطبراني، سامي انور خليل دار الحديث، القاهرة، ومصطفى عبد القادر عطا
- التعليقات على آداب البيهقي موقع جامع الحديث
- تهذيب الآثار ابو جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبري القاهرة
- تمباكوا و اسلام مولانا حفظ الرحمن اعظمي بيت العلم ترست
- تعريف اهل الاسلام بان نقل العضو حرام الشيخ الغماري
- التاج والاكلیل محمد بن يوسف العبدري دار الفكر
- تاج العروس السيد مرتضى الزبيدي دار المهداية
- توقيع الاعيان على حرمة توقيع الانسان (احسن الفتاوى، جلد ۸)

### جیم

- جواب الفقہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ۱۳۱۴ھ، ت ۱۳۹۶ھ، مکتبہ دارالعلوم کراچی
- الجامع الصغير جلال الدين بن أبي بكر السيوطي و ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الكتب العلمية بيروت
- الجواهر النقي على هامش السنن الكبرى علاء الدين بن علي بن عثمان ابن التركماني ت ۷۴۵ دار المعرفة
- جامع الأحاديث جلال الدين عبد الرحمن السيوطي ت ۹۱۱ دار الفكر
- جامع المسانيد محمد بن محمود الخوارزمي مكة المكرمة
- الجوهرة النيرة أبو بكر بن علي بن محمد الحدادی ت ۸۰۰ مکتبة امدادية

جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
جدید فقہی مباحث	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	
جواہر الفتاویٰ	مفتی عبدالسلام چانگانی،	اسلامی کتب خانہ کراچی،
جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	المطبعة الکریمة
جامع احکام الصغار علی هامش الفصولین	العلامة الاستروشنی	اسلامی کتب خانہ
جامع الاصول فی احادیث الرسول	مجدد الدین ابوالسعادات ابن الاثیر ۶۰۶ م	دار البیان
جامع الفصولین	الشیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل ابن قاضی سماونہ ۸۲۳ م	
جامع العلوم والحکم	الشیخ ابن رجب الحنبلی ۷۹۵ م	
جمہرۃ القواعد الفقہیہ	الشیخ علی احمد الندوی	
جدید معاملات کے شرعی احکام (نقدی معاملات)	مفتی احسان اللہ شائق	دارالاشاعت
چانوروں کا انسائیکلو پیڈیا		
جلسات الحج	محمد بن صالح العثیمین	
جمع الوسائل فی شرح الشمائل	الشیخ الملا علی القاری	ادارہ تالیفات
الجامع الصغیر	الامام جلال الدین السیوطی	
جدید فقہی تحقیقات	اسلامک فنڈ اکیڈمی انڈیا	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
حاء		
حاشیہ مؤطا امام مالک	مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی	آرام باغ کراچی
حجۃ اللہ الباقہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	
حاشیہ الدسوقی	شمس الدین محمد عرفہ الدسوقی	دار الفکر
حاشیہ تبیین الحقائق	الشیخ شہاب الدین شلبی	امدادیہ
حلیۃ الأولیاء	الحافظ ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الأصفہانی ت ۴۳۰	دار الفکر
حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح	العلامة السيد أحمد الطحطاوی	مرکز کتب خانہ کراچی
حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا احمد علی سہارنپوری	تدبیری کتب خانہ



- حاشیہ الشرنبلالی علی درر الحکام العلامة الشرنبلالی الحنفی و ۹۹۴، ت ۱۰۶۹،  
حاشیہ الہدایہ علامہ عبد الحی الکنوی و ۱۲۶۳، ت ۱۳۰۴،  
حاشیہ صحیح البخاری شیخ محدث احمد علی سہارنپوری  
حاشیہ السنندی علی ابن ماجہ محمد بن عبد الہادی السنندی  
حاشیہ الترمذی شیخ محدث احمد علی سہارنپوری  
حلال و حرام مولانا خالد سیف اللہ رحمانی  
حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار العلامة السید أحمد الطحطاوی و ۱۲۳۱ مکتبہ العربیہ کوئٹہ  
حاشیہ سنن الدارمی فواز احمد و خالد السبع العلمی قدیمی کتب خانہ  
حاشیہ فتح القدير الشيخ سعد الله جلی دار الفکر  
حاشیہ سنن ابن ماجہ الشیخ عبد الغنی المجددی  
حلال حرام کے احکام (عطر ہدایہ) حضرت مولانا فتح محمد صاحب  
حاشیہ العدوی علی شرح الکفایہ دار الفکر  
حاشیہ الدرر علی الغرر ابوسعید محمد بن مصطفیٰ الخادمی مطبعہ عثمانیہ  
حلۃ المصید بالبندقۃ الرصاصیۃ العلامة الشیخ محمد عابد السنندی الانصاری  
حلال، حرام پر بندے اور ان کے طبی فوائد مولانا سلیم احمد دیوبند  
حلال، حرام پر چائے اور ان کے طبی فوائد مولانا سلیم احمد دیوبند  
حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح السید احمد الطحطاوی قدیمی  
حاشیہ التصحیح والترجیح الضیاء یونس دار الکتب العلمیہ بیروت  
حیوۃ الحیوان الشیخ الذمیری الشافعی  
الحاوی للفتاوی الامام السیوطی  
الحاوی الکبیر علامہ الماوردی  
حاشیہ کنز الدقائق مولانا حبیب الرحمن الدادیہ مئتان  
حاشیہ نود الانوار محمد عبد الحلیم الکنوی ایچ ایم سعید

حسن العزیز حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

حاشیہ السراجی الادیب محمد نظام الدین الکیوانوی قدیمی کتب خانہ

حاشیہ الجملہ الشیخ زکریا الانصاری دارالفکر

حکم الدین فی عادیۃ التدخین الشیخ طارق الطواری

حکم نقل الأعضاء الانسانی فی الفقہ الاسلامی حسن علی الشاذلی (مخطوطہ)

الحاوی القدسی فی فروع الفقہ الحنفی القاضی الغزنوی دار النوادر

### خاء

خلاصۃ الفتاوی الشیخ طاہر بن عبد الرشید البخاری مکتبہ وشیدیہ کوئٹہ

خزانۃ المفتین الشیخ حسین بن محمد کراچی

خزانۃ الفقہ الفقیہ ابو الیث السمرقندی

خلاصۃ البدو المنیر سراج الدین ابن الملحق الشافعیؒ ۸۰۴ م

الخلاصۃ الفقہیہ محمد عربی القروی المالکی دارالکتب العلمیۃ بیروت

### دال

الدرا المنثور عبد الرحمن جلال الدین السیوطیؒ ۸۴۹ ت ۹۱۱ دار الفکر

الدرا المختار علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفیؒ ۱۰۲۵ و ۱۰۸۸ ت ۱۱۰۸ سید کبھی

درا الاحکام فی شرح غرر الاحکام قاضی ملا خسرو معارف نظارت جلیلة

الدراۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ

الدرا المنتقى علی هامش مجمع الانهر علاء الدین الحصکفی الدمشقی

درس ترمذی مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دارالعلوم کراچی

دین کی باتیں (خلاصہ ہفتی زیور) مولانا اشرف علی تھانوی

درا الاحکام شرح مجلۃ الاحکام الشیخ علی حیدر بیروت

الدراۃ المضیۃ علامہ الشوکانی بیروت

درا الغواص فی حکم الذکاۃ بالرصاص علامہ ابن بدران الدمشقی

الدعاء الامام ابو القاسم سليمان بن احمد الطبرانی دار الكتب العلمية بيروت

الدعوات الكبير الامام ابوبكر احمد بن الحسين البيهقي الكويت

الدعاء محمد بن فضيل الغنبي

دقائق التفسير العلامة ابن تيمية

الدور المباحة في الحظر والاباحة خليل بن عبد القادر النحلاوي دار ابن حزم

الدعاء المسنون المفتي محمد ارشاد القاسمي زمزم پبلشرز

## ذال

الذخيرة شهاب الدين احمد بن ادريس القرافي بيروت

## راء

روح المعاني شهاب الدين السيد محمود آلوسي البغدادی ۱۲۷۷ التراث القاهرة

رد المحتار خاتمة المحققين محمد امين ابن عابدين ۱۲۵۲ ایچ ایم سعید کمپنی

رسائل ابن عابدين العلامة الشامي سهيل اكيدمي

رسم المفتي العلامة الشامي

رمز الحقائق شرح كنز الدقائق العلامة بدر الدين العيني بيروت

روضة الطالبين الشيخ الامام النووي المكتبة الاسلامي

الروضة الندية الشيخ محمد صديق حسن خان دارالمعرفة

الروض الانف العلامة السهيلي

رفع التلاهي عن جلود الاضاحي حضرت مفتي محمد شفيع صاحب دارالعلوم كراچی

رد شبه المجيزين لنقل الاعضاء من الناحيتين الدينية والطبية الشيخ محمود محمد عوض سلامة

رابط عالم اسلامي كاجلده مکتبہ المکتبہ

## زاء

زاد المعاد في هدى خير العباد شمس الدين أبو عبد الله الزرعي و ۶۹۱ ت ۷۵۱ مؤسسه الرسالة

الزيادات الامام محمد بن حسن الشيباني المجلس العلمي

زکوة اور مسئلہ تملیک مولانا شفیق احمد قاسمی

الزهد ہناد بن سری الکوفی دار الخلفاء للكتاب الاسلامی ، الکویت

### سین

سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ الشیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ المکتب الاسلامی

السنن الکبریٰ أحمد بن شعيب النسائی

سیر اعلام النبلاء شمس الدین محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی و ۱۳۷۴ ت ۱۳۷۴ مؤسسة الرسالة

سنن الدارمی عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی السمرقندی و ۱۸۱ ت ۲۵۵ قديمی کتب خانہ

سنن الدارقطنی الحافظ علی بن أبی بکر الدارقطنی و ۳۰۶ ت ۳۸۵ مکتبة المتنبی القاهرة

السنن الصغری الامام البيهقی

سنن سعید بن منصور سعید بن منصور الخراسانی ت ۲۲۷ الدار السلفية الهند

السنن الکبریٰ الحافظ ابو بکر احمد بن الحسين بن علی البيهقی دار المعرفة

السعابة علامہ کلثوی سہیل اکیڈمی

سبل السلام محمد بن اسماعیل الصنعانی

السراج الوهاج العلامة محمد زهري الغمراوي المكتبة التجارية

السراجی الشیخ سراج الدین السجاولدی قديمی کتب خانہ

سنت نبوی اور جدید سائنس حکیم محمد طارق بھٹائی ادارہ اسلامیات

سبل الہدی والرشاد محمد بن یوسف الشامی بیروت

سلسلۃ الآداب الاسلامیۃ محمد بن صالح

السلوک لمعرفة دول الملوك الامام المقريزي

### شین

شرح صحيح البخاری ابن بطال

شرح السنة الامام البغوی

شرح النقاية الحافظ علی بن محمد سلطان القاری الحنفی ت ۱۰۱۴ سعید کمپنی

شرح المجلة	الشيخ محمد خالد الانالسی	رشیدیہ
شرح المجلة	الشيخ سليم رستم باز اللبناني	
شرح وقایہ	عبد اللہ بن مسعود بن تاج الشریعة	مطبع مجیدی
شرح عقود رسم المفتی فقیہ العصر ابن عابدین	مکتبہ اسعدی	
شعب الايمان	الامام ابو بکر احمد بن الحسين البهقی و ۳۸۴ تا ۵۸۳	الدار السلفية الهند
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی	ایچ ایم سعید کمپنی
شرح مشکلی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی بتعلیق شعيب الارناؤط	
شرح صحيح مسلم ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ تا ۷۷۲	دار احیاء التراث	
الشرح الكبير	الشيخ ابن قدامة المقدسی	بیروت
شرح رياض الصالحين	الشيخ محمد بن صالح العثيمين	
شرح الهداية	الشيخ سعد الله سعدی جلیبی	دار الفکر
الشرح الكبير على هامش الدسوقي	ابو البركات سيد احمد الدردير المالکی	
شرح منظومة ابن وهبان	العلامة ابن الشحنة	
شرح المنار	لابن ملک	
شرح المذهب	العلامة النووی	دار الفکر
شرح القواعد الفقهية	الشيخ احمد بن محمد زرقا	بیروت
شرح تحفة الملوك	محمد بن عبد اللطيف ابن ملک	دار البشائر
شرح الممتع على زاد المستقنع	الشيخ محمد بن صالح العثيمين	
شرح الفتاوی	مولوی الیاس ایچ ایم سعید کمپنی	
شکال کبری	مفتی محمد ارشد صاحب قاسمی زمر	
شرح الصدور	امام سیوطی	

## صاد

صحيح ابن حبان      محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التميمي      مؤسسة الرسالة بيروت

صحیح ابن خزیمہ ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ

الصباح الشيخ ابونصر اسماعیل بن حماد الجوهری

صناعة الاجبان الحديثية وحكم اكلها صالح العود دار الكتب العلمية بيروت

## طاء

الطب النبوی الحافظ ابن القيم الجوزية دار الفكر

## عين

العرف الشذی علی هامش سنن الترمذی العلامة الور شاه کشمیری فیصل دیوبند دہلی

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کا شرعی حل مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

عصر حاضر کے فقہی مسائل مولانا بدر الحسن القاسمی حیدر آباد

عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل مرتبہ مولانا موسیٰ کراچی

عون المعبود محمد شمس الحق العظیم آبادی دار الكتب العلمية

عناية شرح هداية أكمل الدین محمد بن محمود البابر ت ۷۸۶

عمدة القاری فی شرح البخاری بدر الدین محمد محمود بن احمد العینی دار الحديث ملتان

عزیز الفتاویٰ المفتی عزیز الرحمن

عمدة الفتوة مولانا سید زوار حسین صاحب

عمل اليوم واللیلة العلامة ابن السنی

عمل اليوم واللیلة الامام النسائی

## غین

غمز عیون البصائر الشیخ احمد بن محمد الحموی ادارة القرآن

غنية ذوی الاحکام العلامة الشرنبلالی

الغرر البهية الشیخ زکریا الانصاری الشافعی دار الكتب العلمية

غنية الناسک فی بغية المناسک علامہ محقق محمد حسین شاہ ادارة القرآن

غذاء الالباب شرح منظومة الآداب محمد بن احمد السفارسی الحنبلی

غنیۃ الممتلیٰ فی شرح منیۃ المصلیٰ الشیخ ابراہیم الحلّی سہیل اکیڈمی

## فء

فتح القدیر العلامة الشوکانی

فتاویٰ حقانیہ مفتیان کرام دارالعلوم حقانیہ دارالعلوم حقانیہ

فتح الباری شرح صحیح البخاری ابن رجب الحبلی دار ابن جوزی

الفتاوی السراجیۃ ابو محمد سراج الدین علی بن عثمان آرام باغ کراچی و زمزم

فتاویٰ طلیبیۃ حضرت مولانا قلیل احمد سہارنپوری

فتاویٰ عثمانی مفتی تقی عثمانی صاحب کراچی

فتاویٰ محمودیہ مفتی محمود حسن گنگوہی کتب خانہ مظہری کراچی

فتح الباری فی شرح البخاری الحافظ ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ ۷۷۳ ۷۷۳ ۷۷۳ دار نشر الکتب الاسلامیۃ

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کتب خانہ اداویہ دیوبند

فتح البہم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مکتبہ دارالعلوم کراچی

فیض القدیر الحافظ محمد عبد الرؤوف المنادی دار الفکر

الفتاویٰ الہندیۃ الشیخ نظام الدین و جماعۃ من علماء الہند الاعلام بلوچستان بک ڈپو

فتاویٰ ابن تیمیہ الشیخ احمد بن تیمیہ دار العربیۃ بیروت

فتاویٰ رحمیہ مفتی سید عبدالرحیم لاچپوری مکتبہ رحمیہ

فتح القدیر کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن الہمام ت ۷۸۱ دار الفکر

فیض الباری حضرت مولانا نور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲ مطبعہ حجازی التاھرۃ

فتاویٰ رشیدیۃ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ت ۱۳۲۳ مکتبہ رحمانیہ لاہور

فتاویٰ قاضی خان فخر الدین حسن بن منصور الاوزجندی الفرغانی ت ۲۹۵ بلوچستان بک ڈپو

الفقہ الاسلامی و أدلتہ الدكتور و ہبۃ الزحلی دار الفکر

فتاویٰ تاتارخانیۃ عالم بن علاء الانصاری الاندلسی الدہلوی ت ۸۷۶ ادارة القرآن

فتاویٰ اللکھنوی ابو الحسنات عبد الحی اللکھنوی و ۱۲۶۳ ت ۱۳۰۴ دار ابن حزم کراچی

الفتاویٰ البزازیة حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب البزاز الکردی ۸۲۷ ہجری بوچستان بک ڈہو

الفقہ علی المذہب الأربعة الشیخ عبد الرحمن الجزائری دار الفکر

فتاویٰ فریدیہ حضرت مفتی فرید صاحبؒ اکوڑہ ٹنک

الفتاویٰ الولوالجیہ ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی دار الکتب العلمیۃ

الفقہ الحنفی وادلہ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغر جی دار الکلم الطیب دمشق

الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید عبد الحمید محمود طہماز دار القلم دمشق

فتح المعین محمد ابوالسعود المصری ایچ ایم سعید

فتاویٰ دارالعلوم زکریا حضرت مفتی رضاء الحق صاحبؒ زمزم

فتاویٰ علماء البلد الحرام مرتبہ خالد بن عبد الرحمن

فتاویٰ اللجنة الدائمة للبحوث العلمیۃ والافتاء مرتبہ شیخ احمد بن عبد الرزاق الدویش

فتاویٰ بینات مجلس دعوت و تحقیق اسلامی مکتبہ بینات کراچی

فتح المنان (المسند الجامع) ابو عاصم نبیل بن ہاشم الغمری

فتہ نئی کے اصول و ضوابط افادات حکیم الامت مرتب مولانا محمد زید ندوی

فقہی مقالات مفتی محمد تقی عثمانی

فقہ العالمات شیخ صابونی

فتہ السہ سید سابق

الفلک المشحون العلامة اللکنوی المکتبۃ الامدادیۃ

فتویٰ الخواص فی حل ماصید بالرصا ص الشیخ محمود بن محمد الحمزوی دار البشائر

فتاویٰ زینیۃ علامہ ابن نجیم المصری دار کنوز اشبیلیا

فیروز اللغات الشیخ فیروز الدین

فتاویٰ الشیخ عبد العزیز بن باز

الفقہ المنہجی الدكتور مصطفیٰ الخن و الدكتور مصطفیٰ البغا دار القلم دمشق

الفقہ المیسر احمد عیسیٰ عاشور مکتبۃ القرآن القاہرۃ



الفتح الربانی الامام الساعاتی

فتح الغفار ابن نجیم المصری

الفوائد المجموعة العلامة الشوکانی

فتح الباب فی الکنی واللقاب ابن مندہ

الفجر الساطع علی الصحیح الجامع محمد الفضل بن محمد الفاطمی

فقه اللغة الامام الثعالبی

الفتوحات الربانیة علی الاذکار النوویة الشیخ محمد بن علی بن علان المکی الشافعی احياء التراث العربی

فقه المشكلات قاضی مجاہد الاسلام صاحب ادارة القرآن

فضائل القرآن قاسم بن سلام

الفواکه الدوانی احمد بن غنیم بن سالم النفراوی دارالفکر

فقه الزکاة الشیخ یوسف القرضاوی

الفتاوی للامام العلامة محمد بن یحیی المطیعی مفتی الدیار المصریة دارالصدیق للعلوم

فص الخواتم فی ما قبل فی الولاہم ابن طولون موقع الوراق

## قاف

القاموس الوحید مولانا وحید الزمان الکبرانی حسینیہ دیوبند

قواعد الفقه مولانا عمیم الاحسان دار الکتاب دیوبند

القاموس الفقہی سعدی ابوجیب دارالفکر دمشق

قاموس الفقہ مولانا خالد سیف اللہ

القول المراجیح اقادات مفتی غلام قادر نعمانی

القاموس الجدید اردو عربی مولانا وحید الزمان الکبرانی دیوبند

قرآنی فیصلے (پرویزی) طلوع اسلام ٹرسٹ

قوت القلوب شیخ ابوطالب المکی

قواعد فی علوم الحدیث مولانا ظفر احمد عثمانی

القول المبين في اخطاء المصلين ابو عبيدة مشهور بن حسين بن محمود بن سليمان

قواعد واسس في السنة والبدعة الدكتور حسام الدين عفاة

قيام رمضان محمد بن نصر المروزي موقع جامع الحديث

## کاف

کنز العمال علاء الدين على المتقي بن حسام الدين الهندي ت ۹۷۵ مؤسسة الرسالة

کفایت المفتی مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی دارالاشاعت کراچی

کشف الخفاء شيخ اسماعيل بن محمد العجلوني ت ۱۱۶۲ دار احیاء التراث بیروت

کشاف القناع عن متن الاقناع منصور بن یونس بن ادريس البهوتي دار الفکر

کتاب الفتاوی مولانا خالد سيف الله رحمانی زمزم

کنز الدقائق ابو البركات النسفی امدادیہ ملتان

کشف الاسرار عبد العزيز البخاری

الکفایة فی شرح الهدایة العلامة الخوارزمی

کتاب الام حضرت امام شافعی

الکافی فی الفقه الحنفی وهبی سلیمان غاؤجی

کتاب الآثار الامام ابو یوسف دار الکتب العلمیة بیروت

کتاب الآثار الامام ابو حنیفہ کتب خانہ مجیدیہ ملتان

کتاب التجنیس والمزید شیخ الاسلام علی بن ابی بکر المرغینانی

الکامل فی ضعفاء الرجال الشیخ ابن عدی بیروت

## لام

لسان العرب العلامة ابن منظور و ۶۳۰ ت ۷۱۱ مکتبة دار الباز مكة المكرمة

الراجح الدراری افادات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سید کین

لسان المیزان ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت ۸۵۲، اداره تالیفات اشرفیہ ملتان

لغات الحدیث حضرت علامہ وحید الزمان

لغات کشوری سید صدق حسین صاحب رضوی فنی نول کشور

اللؤلؤ والمرجان محمد فواد عبدالباقی دار الفکر

الآلآی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه الامام السیوطی بیروت

### میم

مشکاة المصابیح ابو عبد الله محمد بن عبد الله الخطیب الطبریزی قديمی کتب خانہ کراچی

المرفقة شرح المشکوة الملا علی القاری مکتبہ امدادیہ ملتان

مسلم ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری ت ۲۰۶، مکتبہ الاشرفیہ دیوبند

مختصر القدوری ابو الحسن احمد بن محمد البغدادی سعید

المحیط البوهانی محمود صدر الشریعة ابن مازة البخاری الرياض

منحة الخالق حاشیة البحر الرائق العلامة الشامی کوئٹہ

منظومه ابن وهبان الشیخ عبد الوهاب بن احمد بن وهبان الدمشقی الوقف المدنی دیوبند

منتخبات نظام الفتاوی مفتی نظام الدین اعظمی

مغنی المحتاج محمد بن محمد الخطیب الشربینی التوفیقیة

معرفة السنن والآثار الإمام البيهقي جامع الحديث

مطالب اولی النهی فی شرح غایة المنتهی مصطفی السیوطی الرحبانی موقع الإسلام

المستدرک محمد بن عبد الله الحاكم ت ۴۰۵ دار الباز للنشر والتوزيع - مكة المكرمة

مجمع الزوائد الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي ت ۸۰۷ دار الفكر

مجمع الضمانات العلامة ابی محمد بن غانم بن محمد البغدادی ت ۱۰۳۰ دار السلام بیروت لبنان

مسند الامام احمد بن حنبل الامام احمد بن حنبل الشيباني ت ۱۶۳ و ۲۴۱ دار الفكر

- معارف القرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ت ۱۳۹۶ ادارۃ المعارف کراچی
- مصنف ابن ابی شیبہ الحافظ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ العباسی م ۲۳۵ھ ادارۃ القرآن کراچی
- المجموع شرح المہذب ابو زکریا یحییٰ بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۲ دار الفکر
- میزان الاعتدال الحافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ دار الفکر العربی
- المعجم الکبیر الحافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ مکتبہ ابن تیمیہ
- مجموعۃ الفتاویٰ مولانا عبدالحی لکنوی میر محمد کتب خانہ
- المحلی ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی دار الباز مکہ المکرمہ
- مسند ابی عوانہ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی دار المعرفۃ
- المغنی عن حمل الأسفار علیٰ هامش احیاء العلوم علامہ زین الدین عبد الرحیم العراقي ت ۸۰۶ دار الفکر
- مسند أبی داؤد أبو داود سلیمان بن داود الفارسی الطیالسی ت ۲۰۴ دار المعرفۃ
- المعجم الأوسط أبو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ت ۳۶۰ مکتبۃ المعارف
- مسند أبی یعلیٰ شیخ الاسلام أبو یعلیٰ أحمد بن علی الموصلی و ۲۱۰ ت ۳۰۷ مؤسسة علوم القرآن
- المعجم الصغیر ابو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ ت ۳۶۰ المکتب الاسلامی
- المبسوط شمس الائمة ابو بکر محمد احمد السرخسی دار المعرفۃ بیروت
- مصنف عبد الرزاق أبو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی و ۱۲۶ ت ۲۱۱ ادارۃ القرآن کراچی
- موطا امام مالک الامام مالک بن انس
- المغنی ابن قدامة الحنبلی دار الکتب العلمیۃ
- معارف السنن علامہ البنوری
- مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر عبد الله بن شیخ محمد داماد افندی دار إحياء التراث
- مسند حمیدی ابوبکر عبد الله بن الزبیر الحمیدی سملک ڈابھیل الہند
- المقالات الفقھیۃ مفتی رفیع عثمانی صاحب مکتبہ دارالعلوم کراچی
- مجلة المجموع الفقہی الاسلامی رابطۃ العلم الاسلامی مکہ المکرمہ
- المعجم الوسیط ابراہیم مصطفیٰ مع اخوانہ

- الموضوعات      العلامة ابن الجوزی
- مسند عبد ابن حمید      عبد بن حمید بن نصر
- مجموعہ قوانین اسلامی      قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
- المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم      الامام القوطی      بیروت
- مجلة البحوث الاسلامیة      مكة المكرمة
- الموسوعة الفقهیة الكويتیة      وزارة الاوقاف بالكویت
- الموافقات      الامام الشاطبی
- مدارك التنزیل      ابو البركات النسفی
- المدونة الكبرى      حضرت امام مالك
- المغرب      ناصر الدين المطرزی
- معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الاحکام      العلامة الطرابلسی      دار الفکر
- مشکل الآثار      الامام الطحاوی
- مجلد فقہ اسلامی      قاضی مجاہد الاسلام      اسلامک فٹا کیڈمی انڈیا
- مطالب اولی النهی      مصطفی السیوطی الحنبلی      دمشق
- مجلة الاحکام الدعلیة      جماعة من علماء الدولة العثمانیة
- المقاصد الحسنة      العلامة السخاوی
- متن المنار فی اصول الفقه      ابو البركات النسفی      ۱۰۷۷ م
- معجم المصطلحات والالفاظ الفقهیة      محمد عبدالرحمن عبدالمنعم      بیروت
- معجم لغة الفقهاء      الشیخ محمد رواس و شیخ حامد صادق      ادارة القرآن کراچی
- معايير الحلال والحرام      الدكتور علی مصطفی یعقوب
- المسوی الشاه ولی الله الدهلوی
- مکالمہ بین المذاہب      مکتبہ قاروتیہ
- منیة الصیادین      الشیخ ابن ملک محمد بن عبد اللطیف      ۸۵۴ھ دار البشائر الاسلامیة

مقدمہ فتاویٰ مفتی محمود مٹانی مفتی محمد جمیل خان لاہور

الملخص الفقہی صالح بن فوزان دارالعاصمة الرياض

منار السبیل فی شرح الدلیل ابن ضویان الحنبلی

مشارك الانوار قاضی عیاض المکتبة العتیقة

المورد قاموس انگریزی عربی

المورد قاموس عربی انگریزی

المنجد فی اللغة

ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مالا بدمنہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی

مجموع فتاویٰ و رسائل العثیمین

معارف الحدیث مولانا منظور نعمانی صاحب دارالاشاعت

مسند اسحاق بن راہویہ

المطالب العالیة الحافظ ابن حجر

المواہب اللدنیة العلامة احمد بن محمد القسطلانی

معجم الصحابة ابن الاعرابی

مدارج النبوة شیخ عبدالحق محدث دہلوی دیوبند

مختصر تاریخ مدینة دمشق ابن عساکر

المبسوط الامام محمد ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراتشی

مصباح الزجاجة العلامة البوصیری

مسند الشامیین الامام الطبرانی

معرفة الصحابة ابو نعیم

المخدرات دمار للمجتمعات عبد العصیمی

مجلة المآثر الشیخ حبیب الرحمن اعظمی

مقدمة بلوغ المرام صفی الرحمن احیاء التراث العربی

## نون

- نصب الراية جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعي الحنفي المكتبة المكية ۱۵۶
- نبيل الاوطار الشيخ محمد بن علي بن محمد الشوكاني ادارة القرآن كراچی
- نہایة المحتاج الى شرح المنهاج شمس الدين محمد بن أبي العباس دار الفكر
- نسائي ابو عبد الرحمن احمد بن شعيب النسائي ۲۱۵ ت ۳۰۳ قديمی كتب خانہ
- نظام الفتاوى مفتي نظام الدين اعظمي
- النهر الفائق سراج الدين المصري قديمی
- نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
- نتائج الافكار شمس الدين قاضي زاده آفندی دار الفكر
- نشر العرف في بناء بعض الاحكام على العرف العلامة الشامي
- نفع المفتي والسائل مولانا عبد الحبي اللكنوي
- النتف في الفتاوى شيخ الاسلام قاضي القضاة ابو الحسن السعدي ۳۶۱ م دار الكتب العلمية بيروت
- النافع الكبير العلامة اللكنوي
- نصاب الاحتساب عمر السامي
- نور الانوار الشيخ ملا جيون ايچ ايم سعيد كمپني
- النهاية في غريب الاثر ابن الاثير
- ناسخ الحديث ومنسوخه ابن شاهين
- نقل الاعضاء الآدمية بين التحليل والتحريم وضاء الطيب
- النكت الطريقة شيخ زاهد الكوثري ادارة القرآن

## واو

ولله بک انسائیکلو پیڈیا

واضح البرهان على تحريم الخمر والحشيش في القرآن ابو الفضل عبد الله بن محمد

## هاء

الهداية ابو الحسن على بن ابی بکر المرغینانی و ۱۱۵۱ ت ۵۹۳ مکتبة شركة علمية

## ياء

اليواقيت الغالية الشيخ محمد يونس الجونفوري مجلس دعوة الحق

بسم الله الرحمن الرحيم